انبیاء علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مُقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سِیَرُ الصحابہ رضی اللہ عنہم

خُلفائے راشدین

دارُالاشاعت کراچی

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)

اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر انصار ۲ حصص کامل

جلد سوم

حصہ چہارم و پنجم

اُن جلیل القدر انصار اور حلفائے انصار صحابہ کرامؓ کے مفصل سوانح زندگی جنہوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا

تحریر و ترتیب

جناب مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم

سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : 600 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست مضامین

سیر الانصار (حصہ اوّل)

اسمائے انصار کرام

اسمائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیر الانصار (حصہ دوم)

(بہ ترتیب حروف تہجی)

حلفائے انصار رضی اللہ عنہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

دیباچہ

سیر الصحابہ کے نام سے دارالمصنفین کے زیرِ اہتمام جو سلسلہ تیار ہو رہا ہے، پیشِ نظر کتاب اس کی ایک جلد ہے۔ اس میں انصار کرام کے حالات و سوانح، اور ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی کارناموں کی پوری تفصیل کی گئی ہے صحابہؓ کی مقدس صف میں انصار کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور سیر الصحابہ کا یہ حصہ اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں انہی مقدس بزرگوں کے اکابر اور مشاہیر کے سوانح و حالات مذکور ہیں۔ یہ واقعات کتب احادیث اور سیر و رجال کی مستند کتابوں سینکڑوں، ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کر کے فراہم کئے گئے ہیں۔

ان حالات و خدمات کی تفصیل سے پہلے ایک بسیط مقدمہ میں انصار کی قبل اسلام کی مفصل تاریخ، ان کے نسب نامے، آداب و تمدن اور معاشرت و اخلاق کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ حصہ انصار کی تاریخ قبل الاسلام اور بعد الاسلام کا ایک بہترین مجموعہ بن گیا ہے۔

اس سے پہلے سیر الصحابیات کی جو جلد شائع ہوئی تھی ملک کے بعض مشہور اہلِ قلم نے اس "لف ونشر مرتب" کو "غیر مرتب" کر کے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ اب اسی سلسلہ کی ایک اور نئی جلد ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

"دارالمصنفین"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انصار کا نسب نامہ

اہلِ عرب تین بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں۔ بائدہ، عاربہ، مستعربہ، بائدہ میں وہ قبائل شامل ہیں جنہوں نے طوفانِ نوحؑ کے بعد عرب میں حکومت کی اور ناپید ہوگئے۔ عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس وغیرہ انہی میں داخل ہیں۔ عاربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو بائدہ کے ہمعصر تھے اور ان کے بعد عرب کے مالک ہوئے۔ قحطان، سبا، حمیر، معین وغیرہ ان کی شاخیں ہیں۔ مستعربہ سے وہ خاندان مراد ہیں جو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تھے اور عرب کے شمالی حصہ میں بودوباش رکھتے تھے۔

انصار کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ عرب عاربہ کی اولاد ہیں۔ اس بناء پر عرب کے تمام نساب ان کے نسب نامے قحطان بن عابر تک پہنچاتے ہیں جو عرب عاربہ کا مورث تھا لیکن قحطان پر پہنچ کر اختلاف شروع ہوتا ہے اور نسابہ عرب دو گروہ میں منقسم ہو جاتے ہیں۔

(۱) ایک گروہ کہتا ہے کہ قحطان خود ایک مستقل خاندان کا بانی تھا اور اس کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام اس کے نزدیک قحطان اور یقطن جس کا ذکر بائبل میں آیا ہے ایک ہے۔

(۲) دوسرا گروہ قحطان کو کوئی علیحدہ شاخ نہیں مانتا۔ بلکہ نابت بن اسمٰعیل کی اولاد بتاتا ہے۔ چنانچہ کلبی نے، اپنے باپ سے یہی روایت کی ہے کہ

"انہ ادرک اھل العلم النسب ینسبون کذالک" [۱]

"انہوں نے اہلِ علم اور نسابین کو قحطان کی نسبت یہی فیصلہ کرتے پایا ہے"۔

کلبی کے علاوہ بعض اہلِ یمن بھی اس کے مدعی ہیں۔ [۲]

لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے حد درجہ کمزور ہے اور اس کی تردید میں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ تمام اہلِ یمن اس کے مخالف ہیں۔ چنانچہ مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ

---

۱ ذیل طبری۔ جلد ۳۔ ص ۴۰۰ ۲ سیرۃ ابن ہشام جلد ۱۔ ص ۷

"واسائر الیمانیة تابی ذالک و تذهب الیٰ انه قحطان بن غابر" [1]

یعنی "تمام اہلِ یمن اس کے منکر ہیں، اور قحطان کو عابر کا بیٹا سمجھتے ہیں"۔

دوسری جگہ ہے: (ص ۸۲)

"والقوم اعرف بانسابهم ینقله الباقی عن الماضی قولاً وعملاً موزوناً انهم من ولد قحطان بن عابر لایعرفون غیر ذالک"

"اہلِ یمن اپنے نسب کو زیادہ جانتے ہیں اور سلسلہ بہ سلسلہ نقل کرتے آئے ہیں کہ وہ قحطان بن عابر کی نسل سے ہیں۔ ان کے سوا ان کا کوئی خیال نہیں"۔

البتہ پہلے خیال سے ہم کو اتفاق ہے، قحطان ایک مستقل قوم اور ایک مستقل سلطنت کا بانی تھا۔ یمن میں اس کی اولاد موجود تھی اور سیکڑوں برس تک برسرِ حکومت رہی، لیکن یہ کہنا کہ انصار بھی قحطان کی اولاد ہیں ہمارے نزدیک صحیح نہیں، اور یہ وہ خیال ہے جس کی تردید نہایت مشکل ہے۔

نسابہ عرب میں جو لوگ انصار کو قحطان کی اولاد مانتے ہیں۔ ان کے دلائل اگرچہ کسی تاریخ میں مذکور نہیں تاہم ایسے مواقع پر وہ اشعار عرب سے استناد کرتے ہیں، اس بناء پر ہم اس دعویٰ کی تقویت کے لئے چند اشعار بھی درج کرتے ہیں۔ حضرت حسان ؓ کا شعر ہے۔ [2]

تعلمتموا من منطق الشیخ یعرب
ابینا فصرتم معربین ذوی نفر

اس میں اگرچہ قحطان کا نام مذکور نہیں تاہم چونکہ یہ عدنانیوں (اسمٰعیلیوں) کے مقابلہ میں کہا گیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یعرب، قحطان کی اولاد سے ہو اور تھا، عبدالرحمٰن بن حسان یا نعمان بن بشیر کا شعر ہے۔ [3]

لنا من بنی قحطان سبعون تبعا
اقرّت لها بالخرج منهالا عاجم

لیکن یہ دونوں شعر صحت کے لحاظ سے بالکل مشکوک ہیں۔ پہلا شعر جو حضرت حسان ؓ کی طرف منسوب ہے۔ ان کے دیوان میں موجود نہیں۔ اور حسان ؓ کے اشعار کی نسبت عام فیصلہ ہے کہ

"تنسب الیه اشیاء لاتصح عنه" [4]

"ان کی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب ہیں جو ان سے ثابت نہیں"۔

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف۔ ص ۸۱۔ [2] العرب واطوارہم۔ ص ۳۱۔ [3] التنبیہ والاشراف ۱۸۵
[4] استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۵

دوسرے شعر کی یہ کیفیت ہے کہ خود کہنے والے کا پتہ نہیں، پھر مضمون ایسا ہے کہ اس کو دیکھ کر ہنسی آجاتی ہے۔ عبدالرحمان ہوں یا نعمان کوئی بھی اتنا صریح جھوٹ گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ انصار قحطانی نہیں بلکہ بانت بن اسمٰعیل کی اولاد ہیں۔ یعنی وہ عرب عاربہ نہیں بلکہ مستعربہ ہیں۔ یہ خیال مورخین اور نسابین کے خیال سے بالکل جدا ہے اور ہم اس کو کسی قدر پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ اس باب میں ہمارا طریقہ استدلال کیا ہوگا؟

مؤرخینِ عرب کسی قبیلہ کے نسب ثابت کرنے میں عموماً دو چیزوں سے مدد لیتے ہیں۔

(۱) نسابین کی روایت (۲) شعرائے قبیلہ کے اشعار۔ اور یہ دونوں چیزیں تنہا قابلِ اعتماد نہیں۔ نسابین کی روایتیں اس درجہ لغو اور مہمل ہوتی ہیں کہ ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے پرانے نسب نامے اُٹھا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ تمام عالم آبائے تورات کے اندر سمٹ آیا ہے، مثلاً منوچہر حضرت اسحٰق کا پرپوتا ہے[۱] صنہاجہ، کتامہ سبا کی اولاد ہیں، ہند، یونان، ترک جو خود نہایت قدیم قومیں ہیں۔ سام، حام اور یافث کی اولاد ہیں۔ قحطان بن عابر (یہودیوں کے نزدیک) حام کی اولاد ہے۔ وغیرہ ذٰلک، یمن کے تبع، الحارث، الرائش کے نسب نامہ میں اس درجہ اختلاف ہے کہ دو مورخ بھی ایک رائے سے متفق نہیں۔ یہاں تک کہ طبری نے ایک جگہ اس کو سباء اصغر کی اولاد بتایا ہے لیکن دوسری جگہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس پر قائم نہیں ہیں۔ وقس علیٰ ھٰذا

اشعار پر عرب پر بیشک اعتماد ہو سکتا تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے بھی صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عرب بالکل اُمی تھے اور ان میں لکھنے پڑھنے کا بہت کم رواج تھا۔ اس بناء پر ان کے پاس قدماء کا ذخیرہ کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت کا جو کچھ کلام ہم تک پہنچا ہے، بہت کم ہے اور وہ بھی اسلام سے صدی دو صدی آگے کا نہیں۔

اس کے علاوہ عرب میں بہت سے ایسے خاندان بھی تھے، جن کے نسب نامے گڈ مڈ ہو گئے۔ چنانچہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قبیلہ لخم سے تھا لیکن جبیر نے حضرت عمر کے سامنے اس کو عجم بن قبص کی اولاد بتایا ہے۔[۲] قضاعہ، انمار، بجیلہ، اسمٰعیلی اور نزاری تھے اور مکہ ہی سے یمن گئے تھے۔ لیکن امتداد زمانہ اور جہالت کے باعث قحطانیوں میں ضم ہو گئے اور جدید نسب نامے تیار کر لئے[۳]۔ اوروں کا بھی یہی حشر ہوا۔ جن میں غسان، خزاعہ اور انصار بھی داخل ہیں۔

---

[۱] ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۵ و ۱۱۶ [۲] طبری۔ جلد ۵۔ ص ۲۴۵۵ [۳] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۸، ۱۱، ۴۶

ایسی صورت میں ان قبائل کے شعراء اگر اپنے نسب نامے کسی غیر نسل تک پہنچائیں اور اس کو اشعار میں ظاہر کریں تو ان کا کہاں تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

اصل یہ ہے کہ انصار کے نسب نامہ میں سخت دقتیں واقع ہوگئی ہیں۔ جن کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قدیم طرزِ استدلال کو چھوڑ کر تحقیق و تفتیش کی ایک نئی راہ نکالیں جو نہایت صاف واضح اور مستقیم ہو۔ چنانچہ اس کے لئے ہم نے حسبِ ذیل ماخذ قرار دیئے ہیں۔

۱۔ قرآنِ مجید

۲۔ احادیث صحیحہ

۳۔ اشعار عرب جو روایت اور درایت کے اصول سے صحیح ہوں

۴۔ اکتشافاتِ اثریہ

(۱) قرآن مجید سے اگر کوئی چیز ثابت ہوجائے تو اس کی صحت میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا۔ لیکن دقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان قوموں کے نام آئے ہیں جن کے حالات نہایت مؤثر اور عبرت خیز ہیں۔ اور چونکہ انصار اور تمام اسمٰعیلیوں نے جاہلیت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں ان کا ذکر کیونکر آسکتا ہے۔

(۲) حدیث میں البتہ انصار کے متعلق کچھ اشارے اور تصریحیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے کہ

"مر النبی صلعم علی نضر من اسلم ینتضلون فقال النبی صلعم ار موابنی اسمٰعیل فان اباکم کان رامیا"[۱]

" آنحضرت ﷺ بنو اسلم کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی میں مصروف تھے اور فرمایا آلِ اسمٰعیل ! تیر پھینکو، کیونکہ تمہارا باپ قدر انداز تھا"۔

اسلم کا قبیلہ عرب میں خزاعہ کی اولاد مشہور تھا، اور خزاعہ، حارثہ بن مزیقیاء کا بیٹا ہے جو بقول نسابین قحطانی عرب تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اسلم کا نسب نامہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے، اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر[۲]۔ اور اس کے بعد لکھا ہے من خزاعة ہم کو اس وقت اس نسب نامہ کی صحت اور سقم سے بحث نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایک مسلم الثبوت قحطانی خاندان کو آنحضرت ﷺ نے اسمٰعیلی فرمایا اور تمام مجمع نے اس کو قبول کیا۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ ج ۱۔ ص ۴۰۶ باب التحریض علی الرمی الخ [۲] ایضاً۔ ص ۴۹۷ باب نزل القرآن بلسان قریش

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے۔ وہ حضرت ہاجرہؓ کے حالات بیان کرنے کے بعد انصار سے[۱] مخاطب ہو کر کہتے ہیں[۲]۔

"فتلک امکم یابنی ماء السماء"

"اے ماء السماء کے بیٹو! یہ تمہاری ماں تھیں"۔

ماء السماء عامر کا لقب ہے جو مزیقیاء کا باپ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ صرف ابو ہریرہؓ اس کو بیان کر سکتے، اور نہ انصار میں اس کو کوئی سن سکتا، اس حدیث کے ساتھ اگر وہ حدیث بھی ملاؤ جس میں غیر کے نسب داخل ہونے والے کو جہنم میں جانے کی خبر دی گئی ہے تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیثیں بخاری میں متعدد جگہ آئی ہیں اور صحت کے لحاظ سے اس درجہ کی ہے کہ ان میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس بنا پر ان سے زیادہ انصار کے اسمٰعیلی ہونے پر اور کوئی شہادت نہیں پیش کی جا سکتی۔ انہی وجوہ سے خطابی نے اہلِ یمن کو اسمٰعیلی کہا ہے۔ بخاری نے جامع صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا نام "باب نسبة الیمن الیٰ اسمعیل" ہے۔ ابن حجر تحقیق و کاوش کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں، ھذا ھو الذی حج فی نقدی[۳]۔ قاضی عیاض بھی اس کی طرف مائل ہیں[۴]، اور سعید سمہودی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے[۵]۔

لیکن ان بزرگوں کی رایوں میں کچھ مبالغہ ہے، مذکورہ بالا حدیثوں میں صرف دو قبیلوں کی نسبت تصریح آئی ہے۔ اس لئے ہم کو یہیں توقف کرنا چاہئے، اصل یہ ہے کہ یمن میں کچھ قبیلے یقیناً اسمٰعیلی تھے جو قحطانی مشہور ہو گئے تھے۔ لیکن اس سے تمام یمن اور خود قحطان کا اسمٰعیلی ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اشعار عرب میں سے دو شعر ہمارے پاس نہایت مستند ذریعہ سے پہنچے ہیں جو حضرت حسانؓ کے دادا منذر بن عمرو کے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔[۶]

۱۔ فتح الباری۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۱ باب نسبة الیمن الیٰ اسمعیل۔

۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۱ء باب اتخاذ السراری و من اعتق جاریه ثم تزوجھا۔

۳۔ فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۳۹۱ ۴۔ عمدۃ القاری عرف عینی۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۵ مطبوعہ مصر

۵۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۱ ۶۔ فتح الباری۔ جلد ۶۔ ص ۳۹۳

ورثنا من البهلول عمرو بن عامر
وحارثة الغطريف مجداء موثلا
موارث من آل ابن نبت بن مالک
ونبت بن اسمٰعيل ما ان تحولا

اس میں شاعر نے اپنے تمام سر برآوردہ بزرگوں کے اس ترتیب سے نام لئے ہیں۔
عمرو بن عامر، حارثہ الغطریف، نابت بن مالک اور پھر نابت بن اسمٰعیل۔

اسی شاعر کی ابو طاہر مقدسی نے جو نہایت قدیم مصنف ہے۔ایک روایت بھی نقل کی ہے اور وہ یہ ہے۔[1]

" وقال المنذر بن حرام جد حسان بن ثابت بن المنذر فی الجاهلية العمياء يذكر نسبهم الىٰ غسان ...... ثم الىٰ نابت بن مالک ثم الىٰ نابت بن اسمٰعيلؑ بن ابراهيمؑ "

"حسان بن ثابت دادا منذر بن حرام جو خالص زمانہ جاہلیت میں تھا۔اُن کا (اوس وخزرج کا) نسب غسان تک اور غسان سے ثابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراھیمؑ تک پہنچا تا ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منذر اپنے کو غسان کا ہم نسب سمجھتا تھا اور ان کا سلسلہ قحطان کے بجائے نابت بن اسمٰعیلؑ تک پہنچا تا تھا۔اب اگر اس کے ساتھ اتنا اور بڑھا دیا جائے کہ یہ شاعر شاہانِ غسان کا معاصر تھا اور یہ اشعار انہی کے زمانہ میں لکھے گئے اور آل غسان کے نسب کے متعلق اس سے موثوق تر شہادت کوئی نہیں مل سکتی۔

(۴) اکتشافات اثریہ میں ہمیں حسب ذیل چیزوں سے بحث کرنا ہے۔

(۱) نظام اجتماعی یا طرز بود و ماند
(۲) زبان
(۳) مذہب
(۴) نام
(۵) قرابت
(۶) شکل وصورت

---

[1] کتاب البدء والتاریخ (لابی طاہر المقدسی) المنسوب الی ابی زید البلخی۔جلد ۴۔ص ۱۲۲۔۱۲۳

(۱) نظامِ اجتماعی :

سامی زبانوں میں عرب کے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں۔ اس بناء پر عرب در حقیقت وہ ہیں جو بدوی بھی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ فراعنہ، اشوریوں اور فینیقیوں کے زمانہ میں عرب صرف شمالی حصہ کا نام تھا جو نیل سے دریائے فرات تک پھیلا ہوا ہے[۱] اور یہ مسلّم ہے کہ یہاں قاطبۃً اسمٰعیلی عربوں کی آبادی تھی۔

انصار کی تاریخ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی بھی مدت تک بدویانہ رہی ہے۔ چنانچہ وہ ثابت بن اسمٰعیل کی وفات کے بعد یمن گئے ہیں اور ۲۰۰ء تک یعنی تقریباً ڈھائی ہزار برس عرب کے مختلف حصوں میں مارے مارے پھرے ہیں۔ قدیم تاریخ کو چھوڑ کر اگر صرف مزیقیا اور اس کی اولاد ہی کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ سے یثرب کے قیام تک ان لوگوں نے سینکڑوں مقامات کی خاک چھانی ہے۔ چنانچہ ان مقامات کے نام ہم نے انصار کی تاریخ میں لکھ دیئے ہیں۔

اس بدویت کے ساتھ انصار میں کسی قدر حضریت بھی پیدا ہوگئی تھی۔ یعنی وہ مدینہ آکر کاشت کرتے تھے، قلعے بناتے تھے اور یہ ان کے قحطی ہونے کا اثر تھا اور اپنی حفاظت کے لئے قلعے تیار کرتے تھے۔

(۲) زبان :

قحطانیوں اور اسمٰعیلیوں میں دوسرا فرق زبان کا ہے۔ قحطانیوں یا اہلِ یمن کی زبان حمیری تھی اور وہ حجاز کی زبانوں سے بہت مختلف تھی۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے اس کی صاف تصریح کی ہے۔

ووجدنا لغة ولد قحطان بخلاف لغة ولد نزار بن معد۔ (مروج الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۵۷۰)

ہمدانی نے اس کو اور بھی مفصل بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک یمنی قبیلہ (خشب) کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں :

"والخشب عربی یخلط حمیریة"۔۔۔۔۔"اور خشب کی زبان حمیری ملی ہوئی عربی ہے"۔

خیوان کی نسبت :

"فصحا وفیهم حمیریة کثیرة"۔۔۔۔۔"فصیح ہیں، لیکن حمیری بہت بولتے ہیں"۔

اہلِ صنعا :

"فی اهلها بقایا من العربیه المحضة ونبذ من کلام حمیر"۔۔۔۔۔"اس کے باشندوں میں کسی قدر خالص عربی اور کچھ حمیری باقی ہے"۔

---

[۱] ہیروڈوٹس۔ ص ۱۱۲

شبام ، اقیان ، مصانع ، تخلی[۱] :

"حميرية محضة ـــــ" ـــــ "ان کی زبان خالص حمیری ہے"۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری عربی زبان سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ اب اگر تم خود اس عربی زبان کو لو جو یمن میں رائج تھی، تو تم کو یمن اور حجاز کی زبانوں کا فرق صاف معلوم ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں زبانوں کی اصل ایک ہے۔ لیکن ان میں اعراب، ضمیریں، اشتقاق اور تصریف میں جس قسم کا اختلاف موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بولنے والوں میں اخلاق وعادات کے لحاظ سے کتنا فرق تھا۔

جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا یمن کی عربی حمیری زبان سے مخلوط تھی اور اکثر مقامات میں غیر فصیح بھی تھی۔ اس کے تم جس قدر شمال کی طرف بڑھو گے زبان زیادہ صاف اور شستہ ملے گی۔ یہاں تک کہ حجاز پہنچ کر نظر آئے گا۔

"كذلك الحجاز فنجد السفلى فالى الشام والى ديار مضر و ديار ربيعة فيها الفصاحة"۔

"حجاز، نجد، اسفل، حدودِ شام، دیارِ مضر اور دیارِ ربیعہ فصاحت کے معدن ہیں"۔

یمن اور حجاز کی عربی میں جس قسم کے اختلافات تھے، ان کو مختصر طور پر علامہ ہمدانی نے "صفة جزيرة العرب"[۱] میں بیان کیا ہے اور ہم طوالت کے خیال سے اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔

زبان کے اختلافات کے ساتھ حجاز و یمن کے رسم الخط میں بھی اختلاف ہے۔ اہلِ یمن کا خط مسند تھا، بخلاف اس کے اہلِ حجاز کا خبطی اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

(۳) مذہب :

حجاز و یمن کے باشندوں میں بڑا فرق طرق عبادات اور بتوں کے ناموں کا ہے۔ اہلِ یمن یا بنو قحطان کے بُت اہلِ بابل کے بتوں سے مشابہ تھے۔ مثلاً ان کے نام یہ تھے : عشتار، ایل، بعل وغیرہ بخلاف اس کے اسمٰعیلیوں کے بُت ان سے بالکل علیحٰدہ تھے۔ چنانچہ ان کے نام یہ ہیں : لات۔ مناة ، عزیٰ ، هبل وغیرہ۔ نبطیوں کے جن بتوں کا کتبات میں ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں : ذو الشرا ، خراشه ، لات ، عمنه، منوعات یا منوتو (منات) قيس يا قيشه۔[۲]

---

[۱] ص ۱۳۴ تا ۱۳۶ [۲] Cook

اب انصار اور قریش کے بتوں کا ان بتوں سے مقابلہ کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ ان کے اور نبطیوں کے بُت بالکل ایک تھے۔ چنانچہ ہم نے اُوپر جو نام لکھے ہیں، اُن میں ذو الشریٰ۔ قبیلۂ دوس کا[۱]، لات ثقیف کا[۲]، اور مناۃ انصار اور غسان کا بُت تھا[۳]۔

ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ اسمٰعیلیوں میں بھی بعض قبیلے بابلیوں کے بُت پوجتے تھے۔ مثلاً قبیلہ ہذیل اور کلب بن دبرہ (قضاعہ) سواع اور ود کی پرستش کرتے تھے[۴]۔ لیکن یہ بالکل جزئی واقعات ہیں۔ جن سے ہمارے کلّیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اہلِ حجاز اور اہلِ یمن کے ہاں عبادت کے طریقے اس قدر مختلف تھے کہ اسماعیلیوں میں رواج بت پرستی کے بعد بھی مذہب حنیف کی کچھ نہ کچھ یادگاریں باقی تھیں۔ مثلاً حج کعبہ، چنانچہ انصار کے متعلق متفقاً مذکور ہے کہ وہ حج کرتے تھے[۵]۔ بخلاف اس کے اہل یمن کی نسبت اس کے مخالف شہادتیں ملتی ہیں، چنانچہ ابرہتہ الاشرم نے حج روکنے کے لئے کعبہ پر حملہ کیا ہے۔ تو ان کے ساتھ یمنیوں کی ایک جماعت تھی جس کا سرغنہ حناطہ حمیری تھا[۶] اور خود بادشاہ حمیر بھی اس کے ساتھ آیا تھا[۷]۔

اب اگر انصار یمانی النسل تھے تو ان کو قدرۃً ابرہہ کے حملہ سے خوش ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ کعبہ کے بجائے یمن میں ایک دوسرا کعبہ بنایا گیا تھا اور ابرہہ اس کی طرف تمام عرب کو بجبر مائل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن واقعات شاہد ہیں کہ انصار کو مسرت نہیں بلکہ حد درجہ غم ہوا۔ اور جس طرح قریش نے اس حملہ کی نسبت نہایت پُر درد اشعار لکھے انصار نے بھی لکھے چنانچہ ان کے ایک شاعر ابو قیس صیفی بن اسلت نے متعدد قصیدوں میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے[۸]۔

ابراہیمی مذہب کی ایک یادگار ختنہ ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا[۹]۔ انصار کے مورثوں میں ایک شخص کا نام الملات ہے۔ اس کی نسبت ایک روایت ہے کہ اس نے بھی اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا اور اسی وجہ سے نجار مشہور ہوا[۱۰]۔

۱۔ قاموس، جلد۲۔ ص۹۴۹　۲۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص۵۰　۳۔ صحیح بخاری۔ جلد۱۔ ص ۲۲۲
باب وجوب الصفا والمراۃ الخ وطبقات ابن سعد جلد۱۔ قسم۱۔ ص ۱۰۶
۴۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص۴۸　۵۔ صحیح بخاری۔ جلد۱۔ ص۲۴۲ باب قول اللہ تعالیٰ واتوا البیوت من ابوابھا۔
۶۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص۳۲　۷۔ طبری۔ جلد۲۔ ص۵۴۴۔　۸۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص۳۸
۹۔ صحیح بخاری۔ جلد۱۔ باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔ الخ
۱۰۔ عمدۃ القاری عرف عینی۔ جلد۸۔ ص۹

اس کے ماسوا انصار نے مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے تمام اوامر ونواہی پر عمل کیا ہے۔ لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ ان لوگوں نے مسلمان ہو کر ختنہ بھی کیا تھا۔

(۴) نام :

ہر قوم کے ناموں میں کچھ نہ کچھ خصوصیت اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ قحطانی اور اسمٰعیلی قوموں کے ناموں میں بھی صریح تفاوت موجود ہے۔ قحطانیوں کے نام حمورابیوں یا بابلیوں سے ملتے جلتے تھے۔ جیسے یذع، الیفع، ثیع، یل، معدی کرب، ابو کرب، علهان، ایشرح، کرب ایل، ذمر علی، وهب، یاسر، نعم، شمریرعش۔

بخلاف اس کے اسماعیلیوں کے نام ان سے بالکل الگ ہوتے تھے۔ مثلاً اسد، تمر، ثعلبه، کلب، بکر، صخر، ثعبان، حیل وغیرہ۔

اس اختلاف کی ایک وجہ یہ تھی کہ قحطانی مدت سے صاحبِ حکومت تھے اور انہوں نے مال و دولت کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے ان کے ناموں میں تمدن کی جھلک نظر آتی تھی۔ بخلاف اس کے اسماعیلی ازل سے بدو تھے۔ اس نے حالات گردش وپیش کے اثر سے کتا، بھیڑیا، شیر، چیتا، پہاڑ، پتھر وغیرہ نام رکھتے تھے۔ کیونکہ یہی چیزیں ہر وقت ان کی نگاہ کے سامنے رہتی تھیں۔ انصار قریش اور نبطیوں کے ناموں میں یہ فرق صاف معلوم ہوگا۔ مثلاً

قریش کے نام یہ ہیں :

فهر، کنانه، نزار، اسد، زهره، عدی، کعب، سعد، عمرو، عثمان، حرب، خالد وغیرہ۔

نبطیوں کے نام یہ ہیں :

حارث، عباده، مالک، جمیله وغیرہ۔

انصار کے نام یہ ہیں :

غضب، خزرج، اوس، خالد، زید، کلیب، ثعلبه، غنم، عباده، عمرو، عامر، حارثه وغیرہ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار اور قریش کے نام قحطانیوں کی بہ نسبت نبطیوں سے زیادہ ملتے ہیں۔

(۵) قرابت :

یہ مسلّم ہے کہ عرب میں خاندان اور کفو کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ انصار کے اسمٰعیلی ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ ان کی قرابتیں مکہ میں اور خاص قریش میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ انصار کے مورثین میں ایک شخص کا نام ازد ہے۔ جس کی نسبت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں[۱]۔

اما سئا لت فانا معشر نجب

الا زد نسبتنا و لماء غسان

قریش کی اس کی اولاد سے قرابتیں نہایت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں۔ چنانچہ کنانہ بن خزیمہ کی شادی ہالہ بنت سوید سے ہوئی تھی جو حارثہ الغطریف کی حقیقی پوتی تھی۔[۲]

کنانہ کے بعد غالب بن فہر نے قبیلہ خزاعہ میں شادی کی[۳] اور خزاعہ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ عمرو مزیقیا کی اولاد تھا[۴]۔

مرہ بن کعب نے جو غالب کی نسل سے تھا، ام تیم بنت سریر سے نکاح کیا جو بارق کے خاندان سے تھی اور بارق متفقاً مزیقیا کی نسل تسلیم کیا جاتا تھا[۵]۔

قصی بن کلاب نے بھی خزاعہ میں نکاح کیا تھا۔ جن سے عبدمناف پیدا ہوئے[۶]۔

ہاشم بن عبدمناف نے سلمٰی بنت عمرو سے شادی کی جو خاندانِ بنونجار سے تھیں۔ عبدالمطلب جو آنحضرت ﷺ کے جدِّ بزرگوار تھے، انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حرفت شيبة و النجار قد جعلت

ابناء ها حوله بالنبلِ تنتضل

ہاشم نے ثعلبہ بن خزرج میں بھی ایک شادی کی تھی ورابوصیفی انہی سے پیدا ہوئے تھے[۷]۔

عبدالمطلب نے قبیلہ خزاعہ میں دوشادیاں کی تھیں، جن سے ابولہب اور جحل پیدا ہوئے تھے[۸]۔

۱؎ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۲؎ تاریخ یعقوبی۔ جلد ا۔ ص ۲۶۷ ۳؎ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۶۵
۴؎ یعقوبی۔ جلد ا۔ ص ۲۳۰ ۵؎ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۶ ۶؎ طبری۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۹۱
۷؎ سیرت ابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۶۱ ۸؎ یعقوبی جلد ا۔ ۲۹۱

عبدالمطلب کے بیٹوں میں مقوم اور حضرت حمزہؓ کا نکاح مدینہ میں ہوا۔ چنانچہ مقوم کی بیوی مالک بن نجار کے خاندان سے تھیں۔ حضرت حمزہؓ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں انصار میں ہوئیں۔ ایک بیوی بنو نجار سے تھیں اور دوسری قبیلہ اوس سے[1]۔ جو بنو نجار سے تھیں ان کا نام خولہ بنتِ قیس تھا[2]۔

ان لوگوں کے علاوہ انصار کے متعدد اشخاص نے بھی قریش میں نکاح کئے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

انیس بن قتادہ، عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے۔ ان کی شادی جثامہ بنت وہب سے ہوئی، جو بنو اسد (خزیمہ بن مدرکہ کی اولاد) سے تھیں[3]۔

ابو قیس بن اسلت قبیلہ اوس سے تھے۔ ارنب بنت اسد سے جو قصی بن کلاب کے خاندان سے تھیں، شادی کی۔ ارنب حضرت خدیجہؓ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی دادی ہوتی تھیں[4]۔

خیر یہ تو زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا۔ اسلام کے زمانہ میں مہاجرین سے مدینہ آ کر جو قرابتیں کیں، وہ ان سے الگ ہیں۔ مہاجرین مکہ سے عموماً یکہ و تنہا آئے تھے۔ کیونکہ ان سے بہتوں کی بیویاں یا تو علانیہ اسلام سے منحرف تھیں اور یا ہجرت کرنے میں ان کے خاندان مزاحم تھے۔ اس بناء پر مدینہ آ کر مہاجرین نے انصار میں شادیاں شروع کیں۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے[5]۔

"لما قدم المهاجرون المدينة على الا نصار تزوجوا من نسائهم"

"یعنی جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار کی عورتوں سے شادیاں کیں"۔

چونکہ مہاجرین عموماً قریش تھے اور قریش سے انصار کی قدیم قرابتیں چلی آتی تھیں۔ اس لئے انصار کو ان سے قرابت کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا؟

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ نے انصار کے مختلف خاندانوں میں شادیاں کیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے دو نکاح کئے۔ جن میں سے ایک کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے[6]۔

البتہ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے انصار میں کوئی شادی نہیں کی۔ لیکن اس

---

[1] زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۳۱۵، مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۱۰ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴
[3] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴ [4] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۸ [5] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۳۱۸
[6] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۵۹ باب قول الرجل لاخیہ انظر ای زوجتی شئت۔ الخ

شرف سے نہ صرف انصار بلکہ خود بنو ہاشم بھی محروم رہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے اُم حبیب (حضرت عباسؓ کی صاحبزادی) کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر یہ میری زندگی میں جوان ہوگئی تو اس سے نکاح کروں گا۔ لیکن پھر آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) خود ہی انتقال فرما گئے[1]۔

انصار کے متعلق بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ حبیبہ بنت سہل سے آپ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب انصار کی غیرت کا خیال آیا تو یہ خیال چھوڑ دیا[2]۔

(۶) شکل وصورت :

انصار شکل وشباہت میں بھی اسمٰعیلیوں سے مشابہ تھے۔ ان کا عام حلیہ یہ تھا کہ وہ خوب صورت، سڈول، گورے یا گندمی، میانہ قد اور صاف ستھرے ہوتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں منافقین کے متعلق ہے۔

"وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ"۔ (منافقون)

"اور تم جب ان کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تم کو بھلے معلوم ہوتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں لکھا ہے[3]۔

"کانوا رجالاً اجمل شئ"۔

یعنی "وہ نہایت خوبصورت لوگ تھے"۔

یہ ظاہر ہے کہ منافقین انصار ہی کے قبیلوں سے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی جو راس المنافقین تھا اور جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی، خود انصار کے ایک قبیلہ کا سردار تھا۔ اس کے ماسوا انصار میں بہت سے بزرگوں کے حلئے ہم ان کے حالات میں لکھیں گے۔ ان کو پڑھ کر ایک مرتبہ قریش کے حلیوں پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوگا کہ دونوں قوموں کی شکل وشباہت میں کچھ فرق نہیں۔ بخلاف اس کے قحطانی چونکہ یمن میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کا رنگ سیاہ اور قد نہایت دراز ہوتا تھا۔ چنانچہ عاد کے قد وقامت کی درازی کا خود قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔

بہرحال انصار کے نسب نامہ کے متعلق ہماری جو رائے تھی۔ اس کو ہم نے نہایت تفصیل

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۷۲ [2] طبقات ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۳۲۶ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۸ باب قولہ خشب سند۔ الخ

کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ متقدمین کے اقوال بھی نقل کر دیئے ہیں۔ اور اب ناظرین کو موقع ہے کہ ان رائیوں میں سے کسی ایک کو ترجیح

انصار کی تاریخ

مؤرخین عرب کا بیان

چونکہ عرب کے مؤرخین انصار کو قحطان کی اولاد سمجھتے ہیں۔اس لئے وہ ان کی تاریخ قحطان کے عہد سے شروع کرتے ہیں۔قحطان کی اولاد میں عبد شمس نامی ایک شخص تھا۔جو سبا کے لقب سے مشہور ہے اور یمن کی سبائی سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔اس کے دو بیٹے تھے حمیر اور کھلان۔اس نے اپنی وفات کے وقت دونوں بیٹوں، خاندان شاہی اور عمائد سلطنت کو طلب کیا اور وصیت کی کہ ”حمیر کو جو میرا بڑا لڑکا ہے سلطنت کا دایاں قطعہ، اور کھلان کو بایاں قطعہ دینا“۔

چونکہ داہنے ہاتھ کے لئے تلوار، کوڑے اور قلم کی ضرورت ہوتی ہے اور بائیں کے لئے عنان، ڈھال اور کمان کی، اس لئے سب نے طے کیا کہ بادشاہ حمیر کو بنانا چاہئے اور کھلان صرف سلطنت کا محافظ رہے گا۔ چنانچہ حمیر یمن کا بادشاہ بنا دیا گیا اور اس کے بعد اس کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ مسند حکومت پر متمکن ہوتی رہی۔کھلان اور اس کی اولاد سلطنت کے استحکام حفاظت اور مدافعت کے کام انجام دیتی تھی۔

الحارث الرائش کے زمانہ میں عامر بن حارثہ جو ماء السماء کے لقب سے مشہور ہے اور اس کے بعد اس کا بیٹا عمرو مزیقیا بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے۔عمرو کی بیوی نے جس کا نام طریفہ بنت جعہر تھا اور کاہنہ تھی۔ایک روز یہ خواب دیکھا کہ یمن کو ایک سیاہ بادل محیط ہو گیا ہے۔بجلی نے چمک چمک کر تمام یمن میں زلزلہ ڈال دیا ہے اور جہاں گرتی ہے وہ مقام ایک تودۂ خاکستر ہو جاتا ہے۔گھبرا کر اُٹھی تو عمرو سے یہ خواب بیان کیا اور کہا کہ اب خیر نہیں۔عمرو نے کہا پھر کیا کرنا چاہئے؟ بولی کہ یمن کو جلدی چھوڑ کر کسی طرف نکل جانا چاہئے، ورنہ دیوار (عرم) ٹوٹنے والی ہے۔جس سے تمام یمن غرقاب ہو جائے گا۔

عمرو کے پاس سازوسامان ، مال و دولت اور خیل و حشم کی وہ فراوانی تھی کہ دفعۃً کوچ نہیں کر سکتا تھا۔اس کے علاوہ لوگوں سے کیا کہتا؟ اس لئے اس نے ایک تدبیر سوچی اور اپنے بڑے لڑکے ثعلبہ سے کہا کہ ”میں تم کو ازدیوں کے سامنے کوئی حکم دوں گا۔تم اس کی تعمیل سے انکار کرنا اور جب تنبیہ کروں تو ایک تھپڑ مارنا“۔ثعلبہ نے کہا یہ گستاخی کیونکر ممکن ہے۔بولا کہ مصلحت اسی میں ہے۔

غرض تمام سرداروں کو ایک پُر تکلف دعوت دی، جب سب جمع ہو گئے تو ثعلبہ کو کسی کام کا حکم دیا۔ اس نے انکار کیا تو عمرو نے نیزہ اُٹھایا، ثعلبہ نے فوراً ایک تھپڑ کھینچ مارا۔

عمرو بولا ہائے افسوس! یہ ذلت! اتنا سننا تھا کہ ثعلبہ کے بھائی اس کے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ عمرو نے روکا اور کہا اس کو چھوڑ دو۔ میں اپنی جائداد فروخت کر کے کہیں نکل جاتا ہوں۔ اور اس کو اس گستاخی کے عوض ایک حبہ بھی نہ دوں گا۔ غرض اس بہانہ سے عمرو نے اپنی تمام جائداد نہایت اچھے داموں فروخت کی اور اپنے بیٹوں، پوتوں اور کنبہ والوں کو لے کر یمن سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد یمن میں عام تباہی آئی اور سد عرم ٹوٹ گیا۔

عمرو نے مارب سے نکل کر بلاد عک میں پناہ لی اور اپنے تین بیٹوں یعنی حارث، مالک اور حارثہ کو آگے روانہ کیا۔ یہ لوگ ابھی واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ عمرو نے وفات پائی۔ اور ثعلبۃ العنقاء اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔[1]

اس کے بعد ان لوگوں نے عک سے بھی کوچ کیا اور عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ چنانچہ خزاعہ، حجاز (مکہ) میں، غسان شام میں اور اوس و خزرج، یثرب میں مقیم ہوئے۔[2] اور اس طرح سباء اولیٰ کا خاتمہ ہو گیا۔ عرب میں یہ مثل "تفرقوا ایدی سبا" اسی وقت سے مستعمل ہوئی۔

یہ روایت اگر چہ تمام تر خرافات کا مجموعہ ہے۔ لیکن اس میں اصولی حیثیت سے جو غلطیاں ہیں۔ ان کا ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۱) مزیقیا نے محض ایک کاہنہ کے کہنے سے یمن کو خیر باد کہا۔ اور چاروں طرف مارا مارا پھرا، نہایت لغو ہے، اور اگر ہمارے مورخین کی یہ روایت صحیح ہے کہ عمران بن عامر اور اس کا بھائی عمرو (مزیقیا) یمن کے بادشاہ تھے اور عمران کے زمانہ میں سلطنت حمیر سے کہلان میں منتقل ہو گئی تھی[3] تو اس لغویت کی کیا انتہا رہ جاتی ہے۔

(۲) بند، مارب میں تھا، اس لئے اس کے ٹوٹنے سے تمام یمن تباہ نہیں ہو سکتا تھا، اور نہ ہوا۔ اس لئے مزیقیا کو مارب چھوڑنے کی ضرورت تھی نہ کہ تمام یمن کی۔

(۳) یہ بند، مزیقیا کے بعد بھی کئی بار ٹوٹا ہے۔ چنانچہ ابرہتہ کے زمانہ میں بھی ۵۴۲ء

---

[1] العقود اللولوئیۃ۔ جلد ا۔ ص ۱ تا ۱۲۔ [2] ابن اثیر۔ جلد ا۔ ص ۴۹۲۔ [3] تاریخ ابوالفدا۔ جلد ا۔ ص ۶۷

(۶۵۷ء حمیری) میں ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن اس کی مرمت کرادی گئی، اور جیسا کہ ابرہتہ نے کتبہ میں ظاہر کیا ہے۔ اس کی تعمیر میں ۱۱ ماہ لگے۔ اور عمرو مزیقیا جو یمن کا بادشاہ گذرا ہے کیا اس کی تعمیر سے عاجز تھا؟

(۴) سب سے اخیر یہ کہ سباء اولیٰ کی تباہی سیلاب کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ سے مارب کے صرف وہ باغ ویران ہوئے جو اس کے دائیں اور بائیں واقع تھے، اور جن کو قرآن مجید نے "جنتین" کے نام سے یاد کیا ہے۔ سبا کی بربادی کا اصلی راز جبش پر اکسومی خاندان کا تسلّط شمالی عرب میں اسمٰعیلیوں کا خروج، اور یمن میں حمیر کا ظہور تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی نوآبادیاں نکل گئیں۔ تجارت مسدود ہوگئی اور قوت وشوکت کا شیرازہ بکھر گیا۔

ہمارا خیال

ہم انصار کو نابط کی اولاد بتا چکے ہیں۔ اس لئے ہم کو ان کی تاریخ نابط کے عہد سے شروع کرنا چاہئے۔

نابط : نابط (نابت) یا نبت، عبرانی میں نبایوت[۱] ہے۔ توراۃ میں ان کا نام حضرت اسمٰعیل کے بیٹوں کے سلسلہ میں آیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے[۲]۔

مورخینِ عرب نے بھی ان کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔[۳]

"من نابت وقیدار نشر الله الغوب"

"یعنی خدا نے عرب کو نابت اور قیدار سے پھیلایا"۔

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے[۴]۔

"ولی البیت بعد اسمٰعیل ابنه نابت"

"یعنی حضرت اسمٰعیل کے بعد کعبہ کی تولیت ان کے بیٹے نابت کو پہنچی"۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نابت مکہ میں رہتے تھے اور خانۂ کعبہ جس کو

---

[۱] تاریخ ابوالفداء۔ جلد ا۔ ص ۶۷ [۲] سفر تکوین۔ ۲۵۔ ۱۴ [۳] تاریخ طبری۔ جلد ا۔ ص ۳۵۲
[۴] سیرۃ عمر بن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۶۳

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر کیا تھا ان کی تولیت میں تھا۔اس کے علاوہ ان کے حالات کچھ معلوم نہیں،اور معلوم بھی کیونکر ہوں۔اس زمانہ تک اسمٰعیلی عربوں نے کوئی تمدن پیدا نہیں کیا تھا۔بلکہ محض بدویانہ حیثیت سے رہتے تھے۔

نابط کی اولاد :

چونکہ مکہ کی سرزمین بالکل بے آب وگیاہ تھی۔اس لئے نابت کی وفات کے بعد ان کی اور ان کے بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں جا کر آباد ہوگئی[۱]۔چنانچہ دوماہ دومۃ الجندل میں، تیماء نجد میں،نافیش،وادی القریٰ میں مساحد (دحدد) قید ماہ یمن میں اور نابت کی اولاد عرب کے شمالی مغربی حصہ میں مقیم ہوئی۔لیکن قیدار بن اسمٰعیل اب تک مکہ ہی میں تھے[۲]۔لیکن جب مضاض جرہمی نے خانہ کعبہ پر قبضہ کرلیا[۳]۔ تو انہوں نے بھی مکہ کی سکونت ترک کردی،اور کاظمہ،غمر ذی کندہ اور شعثمین وغیرہ میں جا بسے۔اور اس طرح حضرت موسیٰؑ کے اس بیان کی تصدیق کی۔جس میں انہوں نے آلِ اسمٰعیلؑ کی آبادی کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ حویلاہ (یمن) سے شور (شام) تک آباد ہوئے[۴]۔

انباط :

اُوپر گزر چکا ہے کہ نابت کی اولاد حجاز کے شمالی حصہ میں مقیم ہوئی تھی۔چنانچہ یہاں انہوں نے ایک زمانہ کے بعد حضرت مسیحؑ سے چار سو برس پہلے ایک حکومت قائم کی جو تاریخ میں دولۃ الانباط کے نام سے مشہور ہے۔اس حکومت کا پایہ تخت حجر (پڑا) تھا۔جس کو یہودی "سلاع" کہتے ہیں۔

سکندرِ اعظم کے زمانہ میں یہ حکومت اس درجہ قوی تھی کہ جب اس نے ایران ومصر پر فوج کشی کی تو اس کی فوجیں بھی رومی فوجوں کے پہلو بہ پہلو لڑ رہی تھیں۔انٹیگون (Antigon) جانشین سکندر نے ۳۱۲ ق م میں اس پر حملہ کیا۔لیکن شکست کھائی۔اس کے بعد ڈیمتریوس نے پڑا کا محاصرہ کیا اور ناکام واپس ہوا[۵]۔

۲۰۰ ق م میں نبطی حکومت نہایت پرزور ہوگئی اور سبا کا اثر شمال سے اُکھاڑ دیا۔

---

[۱] یعقوبی۔جلد۱۔ص۲۵۲ [۲] الاخبار الطوال۔ص۱۱ [۳] طبری۔جلد۳۔ص۱۱۳۱ [۴] تکوین۔ص۲۵۔۱۸
[۵] Sharpe 1.274

۶۲ ق م میں حارث تخت نشین ہوا۔ جو اس حکومت کا سب سے بڑا بادشاہ گزرا ہے اس کے عہد میں اس حکومت کے حدود جنوب میں وادی القریٰ تک۔ مشرق میں حدود عراق تک۔ اور مغرب میں جزیرہ نمائے سینا تک تھے۔ اسطرابواس (Stralo) نے نبطیوں کا ملک اس سے بھی وسیع بتایا ہے اور بائبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے زمانہ میں نہایت مشہور اور زبردست تھی[1]۔

غرض دوسری صدی عیسوی کے اوائل تک نبطیوں نے نہایت زور قوت کے ساتھ حکومت کی۔ یہاں تک کہ ۱۰۶ء میں ٹراگان شہنشاہ روم نے ایک کثیر لشکر بھیج کر ان کو بالکل برباد کر دیا۔

وشجان من یرث الارض ومن علیھا!

ازد : انباط کی طرح آل نابت کی ایک شاخ اور بھی ہے۔ جو کسی نامعلوم زمانہ میں یمن جا کر آباد ہوئی۔ ہماری مراد اس سے قبیلہ ازد[2] یا اسد[3] ہے۔ جو نبت بن مالک کی اولاد میں تھا۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اما سالت فانا معشر نجب
الازد نسبتنا والماء غسان[4]

ونحن بنو الغوث بن نبت بن مالک
ابن زید بن کھلان واھل المقاخر[5]

من تک عنا معشر الاسد سائلا
فنحن بنو الغوث بن زید بن مالک[6]

اُوپر گزر چکا ہے کہ اسمٰعیلیوں کے چند خاندان یمن میں مقیم ہوئے تھے۔ غالباً اسی زمانہ میں یا اس کے بعد یہ لوگ بھی یمن گئے ہوں گے۔ چنانچہ ان کی اقامت کا سب سے پہلے مارب میں پتہ چلتا ہے۔ جب یہ خاندان وسیع ہوا تو قحط سالی یا دوسرے اسباب کی بنا پر مارب کو چھوڑنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس زمانہ میں اس خاندان کا رئیس عمرو بن عامر تھا جو تاریخ عرب میں مزیقیا کے لقب سے مشہور ہے اور جو تمام انصار و غسان کا مورث اعلیٰ ہے۔ چنانچہ اوس بن حارثہ پدر قبیلۂ اوس کہتا ہے[7]۔

تقربھم من اٰل عمرو بن عامر

---

[1] اشعیاء۔ ص ۶۔ ۷
[2] التنبیہ والاشراف۔ ص ۳۴
[3] الشاب سمعانی۔ ص ۱۰۶
[4] سیرت ابن ہشام، جلد ۱۔ ص ۸
[5] یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۰
[6] دیوان حسان۔ ص ۷۷
[7] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

عیون لدی الداعی الیٰ طلب الوتر

حضرت حسانؓ فرماتے ہیں۔

اردنی سعودا کاسعود التی سمت
بمکة من اولاد عمرو بن عامر[1]

الم ترنا اولاد عمرو بن عامر
لنا شرف یعلو علی کل مرتق[2]

کجفنة و القمقام عمرو بن عامر
و اولاد ماء المزن وابنی محرق

حضرت اوسؓ بن صامت کا شعر ہے[3]۔

انا ابن مزیقیا عمرو وجدی
ابو عامر ماء السماء

انصار کی تاریخ اسی زمانہ سے روشنی میں آئی ہے۔ چنانچہ اس کے اور اس کی اولاد کے مقاماتِ سفر نہایت تفصیل سے کتابوں میں قلم بند ہیں اور ہم ان ہی کی مدد سے انصار کی تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہیں۔

عمرو نے اولاً مالک بن یمان اور قبیلۂ ازد کو لے کر مارب (۱) سے کوچ کیا۔ نواح خولان (۲) سرزمین عنس (۳) اور کشت زار صنعا (۴) میں قیام کرتے ہوئے ازال (۵) اور ہمدان (۶) میں مقیم ہوئے۔ چونکہ آدمیوں کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ اور اونٹ، گھوڑے، گائے، بکریاں بھی بافراط تھیں۔ اس لئے ان کو شاداب مقاموں کی تلاش رہتی تھی۔ اور ان کے آدمی اس مقصد کے لئے عرب کے مختلف حصوں میں گشت لگاتے تھے۔ جب پانی اور سبزی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا اور کسی دوسرے مقام کی اطلاع ملتی تو وہاں روانہ ہو جاتے اور اس جگہ کو چھوڑ دیتے تھے۔ ہمدانی لکھتے ہیں[4]۔

"فاقبلوا لا یمرون بماء الا انزفوه ولا بکلأ الا اسحقوه ......"

"یہ لوگ جہاں جاتے تھے پانی کو صاف کر دیتے تھے اور گھاس کو چرا دیتے تھے"۔

غرض کچھ زمانہ تک ازال اور ہمدان میں ٹھہرنے کے بعد جب پہاڑوں پر چڑھنے کی قوت

---

۱ اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷۶ ۲ دیوان حسان۔ ص ۷۴۔ ۷۵ ۳ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۷
۴ صفت جزیرة العرب۔ ص ۲۰۷

پیدا ہوگئی تو سہام (۷) اور رمع (۸) کی سمت سے پہاڑوں پر چڑھ کر وادی ذوال (۹) میں اُترے۔ اور قبیلہ غافق کو شکست دی[۱]۔ اس کے بعد یہاں سے نکل کر تہامہ یا غور کے اس حصہ میں قیام کیا جہاں قبیلہ عک کی آبادی تھی۔ یہ ایک تالاب تھا۔ جس کا نام غسان تھا[۲]۔ قبیلہ عک جو ایک اسمٰعیلی قبیلہ تھا یمن آکر آباد ہوا تھا۔ چنانچہ عباس بن مرواے عدنانی کہتا ہے[۳]۔

وعک بن عدنان الذین تلعبوا

بغسان حتی طردوا کل مطرد

عمرو بن عامر کے غسان پر مقیم ہونے کی شہادت حضرت حسان ؓ کے ایک شعر سے بھی ملتی ہے۔ فرماتے ہیں[۴]۔

اما سالت فانا ہ معشر نجب

الازد نسبتنا والماء غسان

لیکن اس کے قیام کا زمانہ مورخین عرب متعین نہیں کرتے۔ البتہ یونانی مورخین نے متعین کیا ہے۔ چنانچہ بطلیموس نے ۲۰۰ء کے اواسط میں قبیلہ غسان کا تذکرہ کیا ہے[۵]۔ اور یہ معلوم ہے کہ غسان اور مزیقیا کوئی جداگانہ چیز نہیں[۶]۔

معارف ابن قتیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے اولاد عک سے کسی قدر دور سکونت اختیار کی تھی۔ لیکن جب وباء پھیلی اور عمرو نے انتقال کیا تو ثعلبہ بن عمرو نے جو عنقا کے لقب سے مشہور ہے۔ عک کے رئیس شملقہ بن الجباب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے ہاں کی آب وہوا خراب ہوگئی ہے۔ اس لئے ہم تمہارے پاس آنا چاہتے ہیں اور چند روز ٹھہر کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن عک نے اس کو نامنظور کیا اور دونوں قبیلوں میں ایک خونریز جنگ چھڑ گئی۔ جس میں عک نے شکست کھائی اور شملقہ مارا گیا۔ اب ثعلبہ کو غسان میں رہنے کا موقع تھا، لیکن جیسا کہ علامہ ہمدانی نے لکھا کہ عک کا تمام خاندان ان لوگوں کا دشمن ہوگیا تھا۔ اس کے علاوہ جذع بن سنا جو خود ثعلبہ کا سپہ سالار تھا سخت چالاک اور مکار واقع ہوا تھا۔ اس کی چالبازیوں نے ثعلبہ کو اور بھی تکلیفیں پہنچائیں جن کی وجہ سے وہ غسان سے کوچ کرنے پر بالکل آمادہ ہوگیا[۷]۔

ثعلبۃ العنقا، عمرو مزیقیا کا سب سے بڑا لڑکا اور اوس وخزرج کا جد اعلیٰ ہے۔ حضرت حسان ؓ

۱۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۹ ۲۔ عقد الفرید۔ جلد ۲۔ ص ۵۲ ۳۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۷
۴۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲ ۵۔ اسپرنگر ۴۲، ۵۲ ۶۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲ ۷۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۹

اس کی نسبت فرماتے ہیں [۱]

ولدنا بنی العنقاء و ابنی محرق

فاکرم بنا خالاوا بذاکرم ابن ما

اس نے بلاد عک سے نکل کے نجران میں اقامت کی اور یہاں قبیلہ مذحج سے جنگ ہوئی۔ اس کے بعد حجاز کا قصد کیا اور چلتے پھرتے مکہ کے قریب آکر فروکش ہوا۔ مکہ میں قبیلۂ جرہم آباد تھا۔ اس لئے ثعلبہ نے اس سے سکونت کی اجازت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ ہم جہاں گئے وہاں ہمارا نہایت تپاک سے خیر مقدم ہوا ہے [۲]۔ اس بنا پر ہم تم سے بھی اسی کے آرزومند ہیں۔ ہم کو چند روز مکہ میں قیام کرنے دو، جس وقت کوئی عمدہ اور پُر فضا مقام مل جائے گا یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمارے آدمی شام اور مشرق میں اس غرض سے گئے ہوئے ہیں۔ لیکن جرہم پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور اس کو ٹھہرانے سے صاف انکار کر دیا۔ ثعلبہ نے کہا،

"اب ہم ضرور ٹھہریں گے خواہ تم خوش ہو یا ناخوش"۔ غرض تین دن تک لڑائی ہوئی جس میں جرہم نے شکست [۳] کھائی اور ثعلبہ نے مکہ، طود یا سراۃ (عرفہ کا پہاڑ) سروم اور حدود طائف تک تمام مقامات پر قبضہ کر لیا [۴]۔

چونکہ یہاں کی آب و ہوا ان لوگوں کے ناموافق تھی۔ اس لئے ایک ہی سال قیام کے بعد بخار میں مبتلا ہو گئے [۵]۔ اور ثعلبہ مکہ میں وفات پا گیا، اب ان قبائل کو دوسرے مقامات تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ثعلبہ کی اولاد مکہ سے نکل کر ثعلبیہ اور ذی قار تک مقیم ہوئی اور وہاں کے تالاب پر قبضہ کر لیا [۶]۔ خزاعہ نے مکہ ہی میں رہنا پسند کیا اور تمام وادی (مرالظہران) پر اپنا تسلط جمالیا۔ عوف بن ایوب انصاری سلمی کہتے ہیں [۷]۔

فلما هبطنا بطن مر تخزعت — خزاعة منافي حلول كداكد

اسمٰعیل بن رافع انصاری کا شعر ہے [۸]۔

فلما هبطنا بطن مكة احمدت — خزاعة دارا لاكل المتحامل

نضر بن ازد نے عمان اور بحرین میں اقامت کی۔ مالک بن فہم نے عراق کا راستہ لیا اور

۱۔ دیوان حسان۔ ص ۹۷ ۲۔ تاریخ یعقوبی۔ ص ۲۳۲ ۳۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۲ ۴۔ صفہ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۱۰
۵۔ خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۲ ۶۔ معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۲۵۷ ۷۔ ابوالفداء۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۱
۸۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۵۴

جفنہ بن عمرو نے شام کی سکونت اختیار کی۔ غرض اس طرح یہ تمام قبائل نجد، یمامہ، بحرین، عمان، عراق، حجاز اور شام تک پھیل گئے[1]۔

اوس وخزرج :

ثعلبہ میں ان قبائل کی جو شاخ قیام پذیر تھی، جب اس کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ اس مقام سے کوچ کر کے یثرب کی سمت روانہ ہوئی اور قریظہ، نضیر، خیبر، تیما، وادی القریٰ کے درمیان اقامت کی اور ان کا بیشتر حصہ یثرب میں اُترا[2] اور صرار میں مقیم ہوا[3]۔

یثرب میں اس وقت یہودیوں کی آبادی تھی، جو بقول بعض حضرت سلیمانؑ کے زمانہ یا ایک خیال کے مطابق بنو خذ نصر (بخت نصر) کی تباہی بیت المقدس کے بعد سے عرب میں آباد ہوئے اور یثرب اس کے نواح پر قابض تھے۔

اوس وخزرج نے یہاں قلعے اور مکانات بنا کر رہنا شروع کیا اور یہود سے جان ومال کی محافظت کا عہد و پیمان کر لیا، اور عرصہ تک کچھ خراج دیتے رہے[4] لیکن جب ان کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی تو یہودی خائف ہوئے کہ مبادا کہیں ہم پر غالب نہ آ جائیں۔ اوس وخزرج کو بھی یہ خیال دامن گیر ہوا کہ یہودی ان کو جلاوطن نہ کر دیں۔ اس بنا پر سخت کشمکش پیدا ہوئی اور دونوں قبیلے جنگ و جدل پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

مالک بن عجلان کے زمانہ میں جو اوس وخزرج کا سردار تھا[5] اور سالم بن عوف ابن خزرج کے خاندان سے تھا۔ فیطون یہودیوں کا سردار مقرر ہوا۔ چونکہ وہ نہایت جابر اور بد باطن شخص تھا۔ اس لئے مالک نے اس کے ظلم واستبداد کی غسان کے ایک رئیس سے فریاد کی۔

غسانی رئیس جس کا نام ابوجبیلہ تھا۔ ایک کثیر لشکر لے کر شام سے یثرب آیا۔ اور ذی حرض نامی ایک مقام میں یہود کے تمام سرداروں کو جمع کر کے قتل کرا دیا۔ اس وقت سے یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور اوس وخزرج کا تمام یثرب پر تسلط ہو گیا۔ رمق بن زید خذرجی ابوجبیلہ کی تعریف میں کہتا ہے[6]۔

وا بو جبيلة خير من ‏ ‏ يمشي واوفاه يمينا

وا بر همه برادا علمهم بهدى الصالحينا

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۱۰ [2] معجم البلدان۔ جلد ا۔ ص ۳۵۷ [3] آغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۵

[4] معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۴۲۶ [5] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳ [6] ابن اثیر۔ جلد ا۔ ص ۴۹۳۔ ۴۹۴

وا بر همه براد ا علمهم بهدى الصا لحينا

ابقت لنا الا يام لحرب المهمة تعتر ينا

كبشا له قر ن بعض   حسا مه الذ كر السنينا

اس کے بعد یمن کا ایک تبع جس کا نام مسعودی نے ابن حسان بن کلیکرب[1] اور طبری نے تبان اسعد ابو کرب بتایا ہے، یثرب سے گزرا۔ چونکہ یہاں اس کا ایک لڑکا مارا گیا تھا۔ اس لئے اس نے یثرب کے بالکل تباہ کردینے کا فیصلہ کیا۔

اوس وخزرج کے رئیس عمران بن طلۃ بخاری کو خبر ہوئی۔ تو مدافعت کے لئے آمادہ ہوا اور تبع سے چند لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن ان ایام میں اوس وخزرج نے اس کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا تھا، یعنی باینہمہ کہ برسر پیکار تھے۔ رات کو اس کی ضیافت کرتے تھے۔ وہ ان کریمانہ اخلاق پر سخت متعجب تھا۔ اور ان کی دل سے عزت کرتا تھا۔

اسی اثنا میں یہود کے دو عالم اس کے پاس گئے اور اس نے یہودی مذہب قبول کیا اور محاصرہ اُٹھا کر یمن چلا گیا۔ انصار سے ایک شاعر خالد بن عبد العزی نجاری نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

اصحا ام انتهى .... ذكره   ام قضى من لذ ةٍ وطره

ام تذكرت الشاب وما   ذكرك الشاب او عصره

انها حرب رباعية   مثلها اتى الفتى عبرةٍ

فسلا عمران او فسلا   اسدًا اذيغدو مع الزهره

فيلق فيها ابو كربٍ   سابغا ابدا نها ذفره

ثم قالو امن يام بها   اُبنى عوف ام النجر ة

يا بنى النجار انّ لنا   فيهم قبل الا وان تبره

فتلقتهم عشنقه   مد ها كا نعية البنشرة

سيد سامىٰ الملوک ومن   يغز عمرا لا يجد قدره

---

[1] مروج الذہب بر نفح الطیب۔ جلد ۱۔ ص ۵۷۵

دوسرا انصاری کہتا ہے[1]۔

تکلفنی من تکالیفها	نخیل الا ساویف والمنصعة
نخیلا حمتها بنو مالک	خیول ابی کرب المقطعة

یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ۲۴۰ برس قبل کا ہے[2]۔

[1] طبری۔ جلد۲۔ ص۹۶ [2] حمزہ۔ ص۱۲۴

انصار کی شاخیں

گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ انصار کے تمام خاندان دو شخصوں پر جا کر مل جاتے ہیں۔ جن کے نام اوس اور خزرج ہیں۔ یہ دونوں اگر چہ حارثہ (مزیقیا کے پوتے) کے بیٹے تھے، لیکن قیلہ کے بیٹے مشہور ہیں جو ان کی ماں تھی ابن حزم اور ابن کلبی کے نزدیک وہ عمرو بن جفنہ کی بیٹی تھی[1]۔ لیکن قبیلۂ قضاعہ کے لوگ اس کو اپنے قبیلہ سے بتلاتے ہیں[2]۔

بہر حال وہ دونوں صورتوں میں اسماعیلی تھی۔ پہلی صورت میں وہ جفنہ کی پوتی تھی جو عمرو مزیقیا کا بیٹا[3] اور شاہانِ غسان کا پدر اعلیٰ تھا۔ اور عمرو کو ہم اسماعیلی ثابت کر چکے ہیں۔ دوسری صورت میں تو صاف ظاہر ہے کہ قبیلۂ قضاعہ حضرت اسماعیلؑ اور معد بن عدنان کی اولاد تھا[4]۔

اوس و خزرج جہاں تک ہمیں معلوم ہے تین بھائی تھے اور تیسرے کا نام عدی تھا۔ اس کی اولاد بھی مدینہ میں موجود تھی چنانچہ ابو زید عمرو بن اخطب کو بعض لوگوں نے اسی کی نسل بتایا ہے[5]۔

خزرج کے حالات کچھ معلوم نہیں۔ البتہ اوس کے کسی قدر معلوم ہیں۔ وہ خطیب اور شاعر تھا۔ اس کے چند جملے محفوظ ہیں، جو اس نے اپنی وفات کے وقت کہے تھے۔ وہ کہتا ہے

لن یھلک ھالک ترک مثل مالک

إن الذی یخرج النار من الزندة

قادر علیٰ ان یجعل لمالک نسلا ورجالا بسلا[6]

المنیة ولا الدمینة والنار ولا عار[7]

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۲   [2] التنبیہ والاشراف۔ ص ۲۰۴   [3] حمزہ۔ ص ۱۰۱

[4] ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۵۸ [5] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۴   [6] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

[7] کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ۔ ص ۴۷

اس کے اشعار یہ ہیں[۱]:

فضل الذی اودی ثمودًا وجرهما
سیعقب لی نسلا علیٰ آخر الدهر
تقربهم من اٰل عمرو بن عامر
عیون لدی الداعی الی طلب الوتر

اس میں کچھ اشعار الحاقی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

اذا بعث المبعوث من اٰل غالب
بمکة فیما بین زمزم والحجر
هنا لک فابغوا نصره ببلاد کم
بنی عامر ان السعادة فی النصر

فارسٹر صاحب نے حصن غراب (حضرموت) کے کتبوں میں سے ایک کتبہ میں لفظ ''عبر HI'' کو اوس اور عوس (AWS) پڑھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ عرب کے خانہ بدوش خاندانوں کا نام ہے[۲]۔ چونکہ اس نام کے عرب میں دو قبیلے ہیں۔ ''عوص'' (عاد)۔ ''اوس'' (یثرب)۔ اس بناء پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے کہیں وہ اوس تو مراد نہیں جو انصار مدینہ کا پدر اعلیٰ تھا۔

اگر فارسٹر صاحب نے یہی سمجھا ہے تو ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ اس میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ اولاً تو یہ کہ انصار کے مورثین میں عمرو بن عامر نے یمن سے ہجرت کی تھی اور اس وقت اوس و خزرج کا پتہ تک نہ تھا۔ دوسرے ان قبائل نے اپنی خانہ بدوشی کے زمانہ میں کبھی حضرموت میں سکونت نہیں کی۔ اور سب سے آخر یہ کہ یہ نام عوص بن ارم بن سام (پدر عاد) کا ہے اور اس کے متعلق مسلّم ہے کہ وہ یمن اور حضرموت میں آباد تھا[۳]۔

غرض اوس وخزرج اور عدی کی اولادیں یثرب میں رہ کر پھلی پھولیں اور متعدد خاندانوں میں تقسیم ہوگئیں۔ جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

عدی: اس کے نام سے کوئی جداگانہ شاخ نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اولاد بھی اوس وخزرج میں ضم ہو کر انصار کہلاتی تھی اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عرب میں بھتیجا اپنے چچا کی شہرت کی وجہ سے اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا تھا[۴]۔

---

[۱] خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۳ [۲] جغرافیہ۔ عرب فارسٹر۔ جلد ۲۔ ۴۳۹ [۳] ابو الفداء۔ جلد ۱۱۔ ص ۹۷
[۴] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۴

اوس : کے صرف ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام مالک تھا۔ مالک کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جو مختلف شاخوں کے مورث ہو گئے۔

عمرو بن مالک : میں ابتداء دو شاخیں ہوئیں۔ خزرج اصغر اور عامر۔ عامر عمان میں رہتے تھے۔ اور چونکہ مدینہ میں ان کا ایک متنفس بھی نہ تھا، اس لئے وہ انصار میں داخل نہیں[1]۔ خزرج میں کعب (ظفر) اور حارث میں جشم اور حارثہ۔ اور جشم میں زعور (اہلِ راتج) اور عبدالاشہل داخل ہیں۔ انہی چاروں بطنوں یعنی کعب (ظفر) حارثہ، زعور اور عبدالاشہل کو نبیت کہا جاتا ہے۔

عوف بن مالک : میں عمرو اور زید ابن مالک بن عوف عمرو میں جو قباء میں رہتے تھے، بہت سے بطون تھے۔ جن میں مشہور یہ ہیں :

لوذان و بنوسمیعہ، عبیدہ بن زید، صبیعہ، معاویہ (بن مالک بن عوف) ججبا ابن کلفہ بن عوف، حبیب، بنولوذان میں جو بنوسمیعہ کے نام سے مشہور ہیں۔ لوذان عوف (پدر معاویہ و ججبا) اور ثعلبہ (بن عمرو) داخل سمجھے جاتے ہیں۔

مرہ بن مالک : میں سعد (اہلِ راتج) اور عامر۔ امر میں امیہ، وائل اور عطیہ، مالک بن اوس کے یہ تینوں خاندان (عمرو۔ عوف۔ مرہ) جعادرہ اور اوس اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔

امرء القیس بن مالک میں واقف اور سلم۔ جشم بن مالک میں خطمہ (عبداللہ)۔

خزرج : کے پانچ بیٹے تھے۔ عمرو، عوف، جشم، کعب، حارث۔ ان کی اولاد حسبِ ذیل ہے :

عمرو بن خزرج : اس میں بنو نجار کی تمام شاخیں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ننھیال یہیں تھا۔ نجار سے دینار، عدی، مازن، مالک، مالک سے عمرو، غنم، عامر (مبذول) عمرو سے عدی (بنو معاویہ)، اور معاویہ (بنو جدیلہ)۔

عوف بن جزرج : سے سالم، عمرو، قطن، قطن سے سائب، یہ لوگ عمان میں رہتے تھے۔ عمرو سے عوف اور غنم (توفل) عوف سے جبلی (مالک بنو سالم) قبیلہ عبداللہ بن ابی، اور عجلان۔

جشم بن خزرج : سے تزید اور غضب، تزید میں سلمہ، اور سلمہ میں مر اور غنم، اور غنم میں عبید (بن عدی)۔

---

[1] خلاصۃ الوفا۔ ص ۸۳

سواد اور حرام : غضب سے عبد حارثہ،کعب (بنو غدارہ) ، معاویہ (بنو اجدع) ، عبد حارثہ سے زریق اور حبیب،زریق سے بیاضہ اور زریق۔

کعب بن خزرج : سے ساعد،ساعدہ سے طریف،قشبہ،عمرو،ثعلبہ،طریف سے وقش، غسان،ابوخزیمہ (خاندان سعد بن عبادہ)۔

حارث بن خزرج : سے جشم ،زید،عوف،عوف سے حذرہ اور خدارہ[1]۔

چونکہ اوس ،خزرج اور عدی میں تعداد اور غلبہ کے لحاظ سے خزرج کا نمبر سب سے بڑھا ہوا تھا،اس لئے ان قبائل کو عرب تغلیباً خزرج کہا کرتے تھے[2]۔

انصار کی آبادی

اوس وخزرج پہلے ایک ہی جگہ آباد تھے۔لیکن جب ابوجبیلہ کی وجہ سے یہود کا زور ٹوٹ گیا تو وہ یثرب کے تمام نشیبی اور بالائی حصوں میں منتشر ہو گئے،اور اپنی علیحدہ علیحدہ آبادیاں قائم کرلیں۔ چنانچہ قبیلہ اوس میں سے عبدالاشہل اور حارثہ کا خاندان یثرب کے شرقی سنگستان میں آباد ہوا اور وہاں کئی قلعے تعمیر کئے۔جن میں سے ایک کا نام واقم تھا۔اور ان کا محلّہ بھی اسی نام سے مشہور تھا،انصار کا ایک شاعر کہتا ہے۔

نحن بيننا واق بالحرة

بلازب الطين وبالاصره

یہ قلعہ حضیر بن سماک کے قبضہ میں تھا۔اس کے بعد بنو حارثہ،عبدالاشہل کے پاس سے ہٹ کر ان سے شمال کی طرف رہنے لگے۔

بنوظفر (کعب بن خزرج اصغر) بقیع سے پورب کی طرف عبدالاشہل کے پاس مقیم تھے۔ وہاں انہوں نے اسلام لانے کے بعد ایک مسجد بنائی تھی۔جس کا نام مسجد بغلہ تھا۔نبوزعورا بن جشم بھی یہیں سکونت کرتے تھے۔یہ چاروں خاندان نبیت کہلاتے تھے۔جو ان کا مورث اعلیٰ تھا۔اور عمرو بن مالک بن اوس کی اولاد میں تھا۔

---

[1] اس تمام تفصیل کے لئے دیکھئے خلاصۃ الوفاء۔جلد۲۔ص ۱۵۸ تا ۱۵۸۹ ومعارف ابن قتیبہ۔ص ۳۶۔۳۷

[2] سیرۃ ابن ہشام۔جلد۲۔ص ۲۴۲

عوف بن مالک بن اوس، اس کے خاندان میں بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب قبا میں آباد تھیں۔ ان میں سے بنوضبیعہ شقیف نامی ایک قلعہ میں رہتے تھے۔ جو احجار المراء اور مجلس بنی الموالی کے درمیان واقع تھا۔ کلثوم بن الہدم کا قلعہ عبداللہ بن ابی احمد کے احاطہ میں تھا۔ اور احیحہ ابن الجلاح جحجی کا بھی ایک قلعہ تھا۔

زید بن مالک بن عوف میں ۱۴ قلعے تھے۔ اور صیاصی کے نام سے مشہور تھے، ان کا ایک قلعہ مسجد قباء سے مشرقی جانب مسکبہ میں بھی تھا۔ دوسرا جس کا نام مستطل تھا۔ چاہ غرس کے پاس تھا اور احیحہ کا تھا۔

بنوجحجبا کچھ دنوں بنوضبیعہ کے ساتھ رہ کر، مسجد قبا کے مغرب عصبہ میں چلے گئے۔ یہاں احیحہ نے سفید پتھروں کا ایک قلعہ بنایا۔ لیکن وہ گر گیا تو ایک مربع سیاہ قلعہ تیار کرایا، بنومجدعہ اور جحجبا نے بجیم نامی ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جو اس مسجد کے قریب واقع تھا۔ جہاں آنحضرت ﷺ نے ایک بار نماز پڑھی تھی۔

معاویہ بن مالک پہلے قبا میں رہتے تھے۔ پھر بقیع الغرقد کے باہر رہے۔ وہاں ان کی مسجد اجابتہ یادگار ہے۔

بنوسمیعہ (لوذان بن عمرو بن لوف) ریح کے کوچہ کے پاس آباد تھے۔ اور سعدان نامی ایک قلعہ بنایا تھا۔

واقف اور سلّم (مالک بن اوس) مسجد فضیح کے پاس رہتے تھے۔ بعد میں سلّم، عمرو بن عوف میں چلے گئے اور تقریباً ۱۹۹ برس وہیں مقیم رہے۔ ان کی آبادی نے اتنی ترقی کی کہ زمانہ جاہلیت ہی میں ایک ہزار جوان ان میں موجود تھے۔

جعادرۃ میں سے بنو وائل بن زید اپنے نام کی مسجد کے پاس جو مسجد قبا کے پورب ایک بلند مقام پر واقع تھی، سکونت کرتے تھے۔

امیہ بن زید عہن کے مشرقی سمت جہاں مذنیب کا پانی بھرتا ہے اور کھیت سینچے جاتے ہیں بود و باش رکھتے تھے۔

عطیہ بن زید بنوجبلی کے قریب رہتے تھے۔ اور شاش نامی ایک قلعہ بنایا تھا۔ مسجد قبا میں قبلہ رُخ کھڑے ہونے پر یہ قلعہ بائیں ہاتھ کی طرف پڑتا تھا۔

سعد بن مرۃ راتج میں رہتے تھے۔

خطمہ بن جشم، ماجشونیہ اور غرس کے پاس بود و باش رکھتے تھے اور دور تک قلعے بنائے تھے۔ چونکہ یہ مقام شہر کے باہر اور نسبتہً کم آباد تھا۔ اس لئے جب اسلام کے زمانہ میں ان لوگوں نے مسجد بنائی، اور ایک شخص کو اس کی حفاظت کے لئے مقرر کیا تو روزانہ صبح اُٹھ کر اس کی خیریت دریافت کرتے تھے کہ کوئی درندہ تو نہیں اُٹھا لے گیا۔ اس کے بعد پھر ان کی اتنی کثرت ہوئی کہ اس بستی کا نام ہی غزہ پڑ گیا۔ جو شام کا ایک نہایت آباد شہر ہے۔

قبیلۂ خزرج میں سے بنو حارث وادی بطحان اور تربہ صعیب کے مشرق جانب آباد ہوئے۔ ان کا محلّہ حارث کہلاتا تھا۔ حارث کے لڑکوں جشم اور زید نے اپنے قلعہ سخ میں اقامت کی، جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر اور مدینہ کے بالائی حصہ کی منزل اوّل ہے۔

حدرہ بن عوف بن حارث کا خاندان بازار مدینہ کے شمالی جانب جرار سعد میں مقیم ہوا۔ حدرہ ابن عوف نے چاہ بصہ کے پاس اجر و نامی ایک قلعہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ قلعہ ابو سعید خدری کے دادا کا تھا۔

سالم اور غنم (عوف بن عمرو بن خزرج) مغربی سنگستان میں مسجد جمعہ کے پاس اُترے۔ قوافل کا قلعہ انہی کا تھا۔ بنو حبلی (مالک بن سالم بن غنم) بنو نجار اور ساعدہ کے درمیان ٹھہرے۔ ان کی آبادی کی پشت پر ایک قلعہ تھا۔ جس کا نام مزاحم تھا اور وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی ملکیت تھا۔

بنو سلمہ (جشم بن خزرج) میں بنو حرام مسجد قبلتین سے مزاد تک آباد ہوئے۔ ایک قلعہ بھی تعمیر کیا۔ جابر بن عتیک کی زمین میں بھی ان کا ایک قلعہ تھا۔ ان کی وادی میں ایک چشمہ تھا۔ جو حضرت جابرؓ کے دادا عمرو کے قبضہ میں تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی تھی۔

بنو سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں مسجد نبوی کے قریب رہنا چاہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مدینہ کی ویرانی کے خیال سے منع کیا اور فرمایا: ”تم کو وہاں سے نماز کے لئے آنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے“[1]

حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں بنو حرام کو سلع میں منتقل کرلیا اور یہاں انہوں نے ایک عالیشان مسجد بنائی۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۳ باب کراھیة النبی صلعم (ان تعری المدینة)

بنوسواد (سلمہ) کی آبادی مسجد قبلتین سے ابن صبید و نیاری کی زمین تک تھی (مسجد قبلتین انہی کی تھی)۔ بنوعبید مسجد خربہ سے کوہ دو تخل تک رہتے تھے۔ مسجد خربہ اور دو قلعے ان کی ملکیت میں تھے۔

بنو بیاضہ، زریق، حبیب، غدارہ، اجدع (معاویہ بن مالک) مغربی سنگستان سے بطحان تک بنوسالم کے شمالی جانب رہتے تھے۔ اس کے پاس بیس قلعے تھے۔
بعض کے نام یہ ہیں :

۱۔ عقرب ،

۲۔ سوید ،

۳۔ لوی ،

۴۔ سرارہ ۔

بنوساعدہ (کعب بن خزرج) نے چار جگہ سکونت کی۔ بنوعمرو اور بنوثعلبہ، بازار مدینہ کے مشرقی اور شمالی حد تک آباد ہوئے۔ ان کے دو قلعے تھے۔ ایک ابودجانہ کے مکان کے پاس اور دوسرا مسجد بنوساعدہ کے سامنے۔ مدینہ میں سب سے آخر یہی قلعہ تعمیر ہوا۔

بنوقبشہ ان لوگوں سے پورب کی جانب بنوجدیلہ کے قریب مقیم ہوئے۔

بنوابی خزیمہ (سعد بن عبادہ کے خاندان) نے جرار سعد میں جو بازار مدینہ کی انتہائی حد پر واقع تھا، سکونت کی اور بنوقش اور غسان مسجد الرایہ کے پاس (جرار سعد کے قریب) اُترے۔

بنو مالک بن نجار میں سے بنوغنم، مسجد نبوی کے پورب کی طرف رہتے تھے، اور ایک قلعہ بنایا تھا، جس کا نام قویرع تھا۔ مسجد نبوی انہی کی تھی۔

بنومغالہ (عدی بن عمرو) مسجد سے مغربی جانب باب الرحمہ کے پاس مقیم تھے۔ ان کے قلعے کا نام فارع اور جائداد کا بیرحا تھا۔ فارع حسان بن ثابت کے قبضہ میں تھا۔

بنوجدیلہ (معاویہ بن عمرو) مسجد کے شمالی اور شرقی جانب بقیع اور بیرحا کے قریب آباد تھے۔ ان کے قلعے کا نام مشعط تھا، جو مسجد ابی بن کعب کے پاس واقع تھا۔

بنومبذول (عامر بن مالک) بنوغنم سے پورب طرف رہتے تھے۔

بنوعدی بن نجار مسجد سے مغرب کی طرف آباد تھے۔ لیکن حضرت انسؓ کا مکان باستثنیہ کے بنوعدی سے تھے۔ مسجد سے شمال اور مشرق کی طرف تھا۔ ان کے قلعے کا نام زاہر یہ تھا۔

بنو مازن بن نجار، بنوزریق سے پورب کی طرف سکونت کرتے تھے۔ ان کا محلّہ بنو مازن کہلاتا تھا۔

بنو دینار بن نجار بطحان کی پشت پر رہتے تھے[1]۔

(یہ پورا مضمون "خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" ص۸۵۔۸۹ سے ماخوذ ہے)

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۵

ایّام الانصار
یعنی
انصار کی خانہ جنگیاں

تبع کے بعد اوس و خزرج عرصے تک متحد رہے۔ لیکن پھر خانہ جنگیوں کا ایسا خطرناک سلسلہ شروع ہوا کہ اسلام نہ آتا تو یہ قوم صفحۂ ہستی سے یقیناً نیست و نابود ہو جاتی۔ سید سمہودی خلاصۃ الوفاء میں لکھتے ہیں[1]۔

"ثم وقعت بینهم حروب کثیرة لم یسمع قوم اکثر منها و لا اطول"۔

"پھر ان میں اس قدر لڑائیاں ہوئیں کہ کسی قوم میں ان سے زیادہ اور دیرپا جنگیں نہیں سُنی گئیں"

لڑائیوں کی ابتداء جنگ سمیر سے ہوئی اور تقریباً ایک سو بیس برس تک جاری رہ کر جنگِ بعاث پر اختتام ہوا۔ جو ہجرت سے ۵ سال قبل واقع ہوئی تھی اس طویل زمانہ میں خدا معلوم کتنے معرکے پیش آئے ہوں گے۔ لیکن ان میں سے جو زیادہ مشہور ہیں، تاریخوں میں انہی کا ذکر آتا ہے۔ علامہ ابن اثیر" ایک مقام پر فرماتے ہیں[2]۔

"بینها و بین حرب سمیر نحو مائة سنة و کان بینهما ایام ذکرنا المشهور منها و ترکنا مالیس بمشهور و حرب حاطب اخر وقعة کانت بینهم الا یوم بعاث"۔

"حرب حاطب اور حرب سمیر میں تقریباً سو برس کا فرق ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئی تھیں۔ جن میں سے ہم نے مشہور لڑائیوں کو درج کیا ہے۔ اور غیر مشہور جو چھوڑ دیا ہے اور حرب حاطب بعاث کے ماسوا سب سے اخیر لڑائی تھی"۔

جس جنگ کو علامہ نے سب سے اخیر جنگ قرار دیا ہے۔ اس کی یہ حالت ہے کہ وہ بھی متعدد جنگوں کا مجموعہ ہے[3]۔ پھر ان تمام مشہور لڑائیوں کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے، جن کے ضمن میں

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۵ [2] ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۳ [3] ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۴

بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں پیش آئی ہوں گی اور جن کو ہمارے مورخین نے قلم انداز کر دیا۔

جنگِ سمیر :

انصار کی سب سے پہلی جنگ ،جنگِ سمیر ہے۔اس کا سبب یہ ہوا کہ مالک بن عجلان سالمی کا کعب ذبیانی حلیف بنا تھا۔ایک روز وہ بازار قینقاع میں پھر رہا تھا کہ ایک غطفانی کی آواز سنی کہ میرا گھوڑا وہ لے سکتا ہے جو یثرب کا سب سے بڑا شخص ہو۔کعب نے اپنے حلیف کی سفارش کی۔کسی نے احیحہ بن الحلاح اوسی کا نام پیش کیا اور بعضوں نے ایک یہودی کی نسبت کہا۔کہ وہ مدینہ کا سب سے بڑا شخص ہے۔اس بنا پر گھوڑے کا مستحق وہی ہے۔غطفانی نے گھوڑا مالک بن عجلان کو دیدیا۔اس پر کعب نے فخرا کہا۔"کیوں میں نہ کہتا تھا کہ مدینہ میں مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں"۔

عمرو بن عوف کا ایک شخص جس کا نام سمیر تھا۔یہ گفتگو سن رہا تھا۔غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور گالیاں دیتا ہوا چلا گیا۔کعب دوسرے بازار میں جو قبا میں لگتا تھا۔ایک مرتبہ گیا تو چونکہ یہ عمرو بن عوف کا محلہ تھا۔سمیر نے موقع پا کر اس کو قتل کیا۔مالک بن عجلان کو خبر ہوئی تو اس نے عمرو بن عوف کے پاس کہلا بھیجا کہ قاتل ہمارے حوالہ کر دو۔عمرو بن عوف نے انکار کیا،اور کہا تم دیت لے سکتے ہو۔،مالک نے اس شرط پر منظور کیا کہ دیت پوری دینا ہوگی۔

چونکہ انصار میں حلیف کی دیت نصف دیجاتی تھی۔عمرو بن عوف نے نہایت شدت سے انکار کیا۔مالک کو اصرار تھا اس بنا پر لڑائی کی تیاریاں ہوئیں،جس میں انصار کے تمام قبیلے شریک ہو گئے۔دو مرتبہ نہایت معرکہ کا رن پڑا۔اخیر میں اوس نے فتح پائی اور مالک کو کہلا بھیجا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ منذر بن حرام بخاری (حضرت حسانؓ کے دادا) پر چھوڑ دینا چاہئے۔

منذر نے کہا کہ"اس مرتبہ تم مالک کو پوری دیت ادا کر دو،آئندہ پھر اپنے قدیم دستور کے مطابق دینا"۔دونوں فریق نے اس رائے کو پسند کیا،اور دیت ادا کر دی گئی۔لیکن دلوں میں جو غبار اور کدورت پیدا ہو گئی تھی وہ کسی طرح دفع نہیں ہو سکتی تھی۔اس لئے چند ہی روز کے بعد دوسری لڑائی کا افتتاح ہوا۔

جنگ کعب بن عمرو :

کعب بن عمرو مازنی نے جو بنو نجار سے تھا۔بنی سالم میں شادی کی تھی اور اپنی سسرال اکثر آیا جایا کرتا تھا۔احیحہ بن جلاح سردار جحجبا (اوس) نے چند آدمیوں کو اس کے قتل پر آمادہ کیا اور کامیابی

حاصل کی۔کعب کے بھائی عاصم کو اطلاع ہوئی تو اس ججبا کو اعلان جنگ دیدیا۔اور رحابیہ میں نہایت سخت لڑائی ہوئی۔جس میں ججبا نے شکست کھائی۔احیحہ بھاگ گیا۔عاصم نے تعاقب کر کے اس پر تیر چلایا۔احیحہ قلعہ کے اندر جاچکا تھا۔وہ اس کے بھائی کے لگا اور مر گیا۔عاصم کو اب بھی چین نہ تھا۔اس لئے احیحہ کی گھات میں لگا رہا۔

احیحہ نے شبخون مارنے کی تجویز سوچی۔سلمٰی بنت عمرو اس کی بیوی خاندان نجار سے تھی۔اس نے ایک رات موقع پا کر اپنی قوم کو مطلع کر دیا اور بنونجار ہتھیاروں سے آراستہ ہو گئے۔صبح اُٹھ کر احیحہ اور بنونجار میں مڈبھیڑ ہوگئی اور لڑائی رہی۔احیحہ کو سلمٰہ کی نسبت پتہ لگ چکا تھا۔اس لئے اس کو زدوکوب کر کے اپنے نکاح سے علیحدہ کر دیا۔

جنگ سرارۃ :

اس کے بعد عمرو بن عوف اور حارث بن خزرج میں نہایت معرکے کی ایک لڑائی ہوئی۔بنی حارث کے ایک شخص نے بنی عمرو کے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔بنی عمرو اس کی فکر میں تھے۔ایک روز موقع پا کر اس کو مار ڈالا۔بنو حارث نے جنگ کا اعلان کیا اور سرارۃ میں دونوں فوجیں جمع ہوئی۔اوس پر حضیر بن سماک (حضرت اسیدؓ کے والد) اور خزرج پر عبداللہ بن ابی بن سلول افسر تھا۔چار دن تک جنگ جاری رہی جس میں اوس ہزیمت اُٹھا کر واپس گئے۔

جنگ حصین بن اسلت :

حصین بن اسلت وائلی (اوس) اور قبیلہ مازن بن نجار کے ایک آدمی میں کچھ جھگڑا ہوا اور حصین نے اس کو قتل کر دیا۔بنو مازن کو خبر ہوئی تو وہ اس کے پیچھے دوڑے اور گھیر کر مار ڈالا۔حصین کے بھائی ابوقیس بن اسلت نے بنو وائل کو اُبھارا۔تمام اوس اس کی حمایت پر کمر بستہ ہوگیا۔ادھر مازن کی طرف سے خزرج نے ساتھ دیا اور دونوں قبیلے نہایت جوش سے لڑے اور بہت آدمی کام آئے۔اخیر میں اوس نے شکست کھائی۔

جنگِ ربیع :

ربیع ظفری (اوس) مالک بن نجار کے کسی آدمی کی زمین پر سے گزر رہا تھا۔اس نے منع کیا۔لیکن ربیع نہ مانا اور اس کو مار ڈالا۔اس پر دونوں قبیلے جمع ہو گئے۔اور ایسا کشت وخون ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔اس میں بنونجار نے شکست کھائی۔

جنگ فارع :

بنونجار کے ایک شخص نے قبیلۂ قضاعہ (ملیّ) کا ایک غلام پایا تھا۔ جس کا چچا معاذ بن نعمان اوسی (والد حضرت سعدؓ) پڑوس میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے بھتیجے کو دیکھنے آیا تو نجاری نے اس کو قتل کر دیا۔ معاذ نے کہا کہ بنونجار دیت دیں یا قاتل کو میرے حوالہ کریں۔ بنونجار نے انکار کیا۔ اس لئے حضرت حسانؓ کے قلعہ فارع کے سامنے دونوں میں لڑائی ہوئی۔ چونکہ عبدالاشہل کا خیال تھا کہ دیت نہ ملنے کی صورت میں عامر بن اطنابہ کو قتل کریں گے اور عامر خزرج کے ممتاز اشخاص میں تھا اس لئے عامر نے دیت خود ادا کی اور دونوں قبیلوں میں مصالحت ہوگئی۔ عامر نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جو نہایت بہتر ہیں۔

جنگِ حاطب :

اس کو جنگِ جسر بھی کہتے ہیں۔ جنگِ سمیر کے تقریباً سو برس بعد ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ حاطب بن قیس اوسی کے ہاں قبیلہ ثعلبہ (ذبیان) کا ایک شخص مہمان اُترا تھا۔ ایک روز وہ بازار قینقاع میں گھوم رہا تھا کہ ابن فسحم (یزید بن حارث خزرجی) نے ایک یہودی سے کہا "میں تم کو اپنی چادر دوں گا تم اس ثعلبی کو یہاں سے نکال دو"۔

یہودی نے چادر لے کر اس کو اس بُری طرح نکالا کہ بازار کے تمام لوگوں نے اس کی آواز سُنی۔ ثعلبی نے اپنے میزبان کو پکارا کہ حاطب تمہارے مہمان کی بڑی ذلت ہوئی ہے۔ حاطب نے جوش غضب میں اس یہودی کا سر اُڑا دیا۔

ابن فسحم کو معلوم ہوا تو حاطب کا تعاقب کیا۔ حاطب اپنے قبیلہ کے کسی شخص کے ہاں چھپ گیا۔ لیکن ابن فسحم کو تسلی نہیں ہوئی۔ بنی معاویہ (اوس) کا ایک شخص چلا آرہا تھا، اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اوس وخزرج میں بنو حارث بن خزرج کے پُل پر ایک جنگ عظیم برپا ہوئی۔ خزرج کا لشکر عمرو بن نعمان بیاضی کے تحت میں تھا، اور اوس کی زمام حضیر بن سماک اشہلی کے ہاتھ میں تھی۔

چونکہ ان لڑائیوں کا چرچا مدینہ کی آس پاس کی تمام آبادیوں میں پھیل چکا تھا، اس لئے عیینہ بن حصن اور خیار بن مالک فزاری مدینہ میں آئے ہوئے تھے کہ کسی صورت سے ان دونوں قبیلوں میں صلح ہو جائے۔ انہی ایام میں یہ لڑائی پیش آگئی۔ عیینہ اور خیار دونوں میدانِ جنگ میں موجود تھے۔

جس جوش وخروش سے دونوں قبیلے معرکہ آراء ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ صلح ناممکن ہے۔اس لڑائی میں میدان خزرج ؓکے ہاتھ رہا۔اس کے بعد چند اور لڑائیاں ہوئیں، جو درحقیقت اسی کا ضمیمہ تھیں۔

جنگِ ربیع :

سُنح کے ایک گوشہ میں دیوارِ ربیع کے پاس اوس وخزرج میں ایک نہایت شدت کا معرکہ ہوا۔ علامہ ابن اثیر ؒ لکھتے ہیں :

" فا قتتلوا قتالا شد ید احتی کا دیفنی بعضھم بعضا "۔

"یہ لوگ نہایت سخت لڑائی لڑے۔یہاں تک کہ ایک دوسرے کو فنا کردینے پر بالکل تل گئے تھے"۔

جوش کا یہ عالم تھا کہ جب اوس شکست کھا کر بھاگے تو دستور کے خلاف خزرج نے ان کے گھر تک ان کا پیچھا کیا۔اس پر اوس نے امان چاہی۔لیکن بنونجار نے امان دینے سے انکار کیا۔اس کے بعد اوس قلعہ بند ہوگئے۔اس وقت خزرج نے مصالحت منظور کی۔

اس معرکہ میں قبیلہ خزرج میں سے سوید بن صامت اور اوس میں سے ابن اسلت اور صخر بن سلمان بیاضی زیادہ نمایاں تھے۔

جنگ بقیع :

یہ لڑائی بقیع الغرقد میں ہوئی۔ابوقیس بن اسلت وائلی اوس کی فوجوں کا سردار تھا۔اس میں اس نے فتح پائی۔اس کے بعد ابوقیس نے قبیلۂ اوس کو جمع کر کے کہا کہ "میں جس قوم کا سردار ہوتا ہوں۔وہ شکست کھاتی ہے۔اس لئے تم کسی اور شخص کو سردار منتخب کرلو"۔

چنانچہ سب نے بالاتفاق حضیر الکتائب اشہلی کو سردار لشکر بنایا۔حضیر نے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور ہوشیاری سے ادا کئے۔چنانچہ جب قبا میں عرس کے پاس دونوں قبیلوں میں جنگ ہوئی تو محض حضیر کی تدبیر وسیاست کی بدولت اوس نے فتح حاصل کی اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ "مقتولین کا شمار کیا جائے جس کے زیادہ نکلیں وہ منہا کرنے کے بعد باقی کی دیت لے لے"۔چنانچہ اوس کے ۳ آدمی زیادہ تھے۔قبیلۂ خزرج نے دیت کے عوض رہن کے طور پر اوس کو ۳ غلام دیئے۔اوس نے غلاموں کو قتل کر ڈالا اور معاہدۂ سابق ٹوٹ گیا۔

جنگِ فجار اوّل :

خزرج کو اوس کی یہ پیمان شکنی حد درجہ ناگوار ہوئی اور مدینہ کے باغات میں نہایت شدّت کا رن پڑا۔ خزرج کا سپہ سالار عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اوس کا ابوقیس بن اسلت تھا۔ اس معرکہ میں قیس بن خطیم نے بڑی جانبازی دکھائی تھی۔ یہاں پر یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ جنگ فجار اس کے علاوہ ہے۔ جو کنانہ اور قیس میں برپا ہوئی تھی اور جو تمام عرب میں مشہور ہے۔

جنگ معبس اور مضرس :

معبس اور مضرس دو دیواریں ہیں۔ جن کی آڑ میں بالترتیب اوس اور خزرج نے چند دنوں تک جنگیں کیں۔ اس میں اوس نے ایسی شکست کھائی کہ اس سے پہلے کبھی نہ کھائی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے لئے گھروں اور قلعوں میں چھپنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہ گیا۔

عمرو بن عوف اور اوس مناۃ نے جداگانہ صلح کرنی چاہی۔ لیکن عبدالاشہل اور ظفر نے انکار کیا اور کہا کہ "ہم کو خزرج سے پورا بدلہ لے کر مصالحت کرنا چاہئے"۔ خزرج کو معلوم ہوا۔ تو انھوں نے اشہل اور ظفر کو قتل و غارت کی دھمکی دی۔ جس کی وجہ سے اوس کا اکثر حصہ مدینہ چھوڑ نے پر آمادہ ہو گیا۔

ادھر بنو سلمہ نے عبدالاشہل کی ایک زمین کو جس کا نام رعل تھا لوٹ لیا۔ اور دونوں قبیلوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ سعدؓ بن معاذ رئیس قبیلۂ اوس کے سخت چوٹ آئی۔ وہ عمرو بن جموح خزرجی کے ہاں اُٹھا کر لائے گئے۔ عمرو نے ان کو پناہ دی اور خزرج کو رعل کے جلانے اور درختوں کے کاٹنے سے منع کیا۔ چونکہ اوس لڑتے لڑتے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ عمرہ کے بہانہ سے مکہ گئے اور قریش سے حلف کا سلسلہ قائم کیا۔

ابوجہل موجود نہ تھا۔ اس کو معلوم ہوا تو قریش کے اس فعل کو بُرا کہا اور بولا تم نے اگلے لوگوں کا قول نہیں سنا۔ "باہر کے آنے والے گھر والوں پر تباہی لاتے ہیں اور جو دوسروں کو اپنے ہاں بلا کر ٹھہراتا ہے وہ اپنا ملک کھو بیٹھتا ہے۔ یہ لوگ طاقتور اور کثیر التعداد ہیں"۔ قریش نے کہا، پھر اب حلف منقطع کرنے کی کیا صورت ہے؟ ابوجہل نے کہا یہ کام میں کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہاں سے اُٹھ کر اوس کے آدمیوں کے پاس گیا اور کہا :

''میں نے سُنا ہے کہ تم قریش کے حلیف بنے ہو اور میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہماری لونڈیاں بازار میں پھرتی ہیں اور جو چاہتا ہے ان کو بازار میں مار پیٹ لیتا ہے۔ تم یہاں آ کر رہو گے تو جو حشر ہماری عورتوں کا ہوتا ہے وہی تمہاری عورتوں کا بھی ہوگا۔ اگر تم یہ ذلت گوارا کر سکتے ہو تو خوشی سے آؤ۔ ورنہ حلف منقطع کر دو''۔ چونکہ انصار میں حد درجہ غیرت تھی۔ اس لئے سب نے انکار کیا اور حلف کو رد کر کے واپس چلے گئے۔

جنگِ فجار ثانی :

قریش کی طرف سے مایوسی ہوئی تو اوس نے قریظہ اور نضیر سے حلیف بننے کی درخواست کی۔ خزرج کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہود کو اعلانِ جنگ دے دیا۔ یہود نے کہلا بھیجا کہ ہم کو یہ منظور نہیں اور ضمانت کے لئے خزرج کے پاس ۴۰ غلام دیئے اور معاملہ دب گیا۔

ایک دن زید بن فسحم خزرجی نے نشہ کی حالت میں چند اشعار پڑھے۔ جن میں اس واقعہ کا نہایت ذلت آمیز طریقہ سے ذکر کیا۔ یہود کو خبر ہوئی تو سخت غضبناک ہوئے اور کہا ''ہم اتنے بے غیرت نہیں ہیں''۔ یہ کہہ کر اوس کو اپنا حلیف بنا لیا۔ خزرج نے سُنا تو چند غلاموں کے علاوہ باقی سب کو قتل کر ڈالا اور اوس، یہود اور خزرج کے مابین ایک سخت لڑائی ہوئی۔

بعض لوگوں نے اس کا اور سبب بیان کیا ہے، جو بظاہر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بنو بیاضہ کو رہنے کے لئے کوئی عمدہ جگہ نہ ملی تھی۔ عمرو بن نعمان بیاضی نے ان سے قسم کھائی کہ میں تم کو رہنے کے لئے قریظہ اور نضیر کے مقامات دلاؤں گا اور یا پھر ان کے غلاموں کو قتل کر ڈالوں گا۔ چونکہ ان لوگوں کی سکونت مدینہ کے بہترین حصہ میں تھی۔ اس لئے عمرو نے کہلا بھیجا کہ تم ان مقامات کو ہمارے لئے خالی کر دو۔ یہود نے اس کو عملاً تسلیم کر لینا چاہا، لیکن کعب بن اسد قرظی نے کہا، تم اپنے گھروں کی حفاظت کرو اور غلاموں کو قتل کرنے دو۔

اس پر تمام یہود متفق ہو گئے اور عمرو کو جواب دیا کہ ہم اپنے گھروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ عمرو نے یہ دیکھ کر غلاموں کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے منع کیا اور کہا کہ یہ گناہ اور ظلم ہے اور تم کو میں دیکھتا ہوں کہ مقتول ہو کر چار آدمیوں پر لدے چلے آ رہے ہو۔ لیکن عمرو نے نہ مانا اور اس کے قبضہ میں جتنے غلام تھے سب کو قتل کرا دیا۔ ابن ابی اور اس کے طرف داروں کے پاس جو غلام تھے رہا کئے گئے۔ چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا دادا سلیم بن اسد انہی لوگوں میں تھا۔

جنگِ بعاث :

اب قریظہ اور نضیر خزرج کی مخالفت پر بالکل تُل گئے اور اوس کے ساتھ نہایت مستحکم عہد و پیمان کر کے لڑائی کا بندوبست کرنا شروع کیا۔ آس پاس کے یہودیوں کو جنگ پر اُبھارا۔ اوس نے اپنے حلیف مزینہ سے مدد طلب کی اور ۴۰ روز تک جنگ کا سامان مہیا کیا۔ خزرج کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں کیں اور اپنے حلفاء اشجع اور جہینہ کو مدد پر آمادہ کیا۔

غرض سرو سامان سے بعاث کے مقام میں جو بنو قریظہ کے علاقہ میں شامل تھا۔ ایک نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں اوّلاً تو اوس و خزرج نہایت پامردی سے لڑے، لیکن پھر اوس نے ہمت ہار کر بھاگنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر حضیر الکتائب جو اوس کا سپہ سالار تھا، گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ نیزہ کی نوک پیر میں چھید لی اور پکارا :

''ہائے اُونٹ کی طرح ہاتھ پیر کٹ گئے۔ گروہ اوس ! اگر تم مجھ کو بچا سکتے ہو تو بچاؤ خدا کی قسم ! میں بغیر قتل ہوئے یہاں سے نہ جاؤں گا''۔

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ عبد الاشہل کے دو لڑکے محمود اور یزید مدد کو پہنچ گئے اور لڑ کر قتل ہوئے۔

ایک تیر عمرو بن نعمان بیاضی سردار خزرج کے لگا اور وہ مر گیا۔ عبداللہ بن ابی اس جنگ میں بالکل ناطر فدار تھا۔ وہ لڑائی کی خبریں لینے گیا تو دیکھا تو عمرو بن نعمان کی لاش چار آدمی اُٹھائے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ بولا :

ذوق وبال البغی ! یعنی اب اپنے ظلم کا مزہ چکھ! عمرو کے قتل ہونے سے خزرج کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ فرار ہونے لگے۔ اوس نے یہ سراسیمگی دیکھ کر تمام خزرج کو تلوار کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک آواز آئی کہ ''گروہ اوس! اپنے بھائیوں کے قتل سے باز آؤ۔ کیونکہ ان کا رہنا لومڑیوں کے رہنے سے بہتر ہے''۔

اوسیوں نے یہ سُن کر ہاتھ کھینچ لئے۔ لیکن اوس حضیر کو میدان سے زخمی اُٹھا لے گئے، اور خزرج کے مکانات اور باغات میں آگ لگا دی۔ اس موقع پر بنو سلمہ کے مکانات اور جائدادیں سعد بن معاذ کی وجہ سے تمام آفتوں سے محفوظ رہیں۔

جنگ بعاث، انصار کی مشہور جنگوں میں سب سے آخری جنگ تھی اور ہجرت سے ۵ سال قبل واقع ہوئی تھی۔ ان لڑائیوں کی بدولت انصار کے دونوں قبیلے جس درجہ کمزور ہو گئے تھے، اس کو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے[۱]۔

"کان یوم بعاث یوم قدمه الله عزو جل رسوله فقدم رسول الله صلی الله علیه وسلم وقدا فترق ملؤ هم وقتلک سروا تهم وجر حوا قدمه الله رسوله فی دخولهم فی الا سلام"۔

"جنگ بعاث کو خدا نے اپنے رسول کے لئے کرایا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم آئے تو معززین اور رؤسا قتل ہو چکے تھے اور انصار بہت خستہ اور نزار ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ دن خدا نے اپنے رسول پر انصار کے ایمان لانے کے لئے بھیجا تھا"۔

حضرت انسؓ غیلان بن جریر اور دوسرے ازدیوں کو یہ واقعات سُنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تمہاری قوم نے فلاں فلاں جنگ میں فلاں فلاں کام کئے[۲]۔

انصار کی مشہور لڑائیوں کے بعد ہم ان کی چند غیر مشہور لڑائیوں کا تذکرہ کرتے ہیں، اور چونکہ ان کا سنہ معلوم نہیں، اس لئے ان کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ نہیں لکھ سکتے۔

سید سمہودی نے انصار کی مشہور جنگوں کے سلسلہ میں جنگِ سرارہ کے بعد جنگ "دریک"[۳] کا نام لیا ہے۔ اور دریک کے متعلق لکھا ہے کہ انصار کی ایک جگہ کا نام تھا۔ غالباً یہ "دیک" نہیں "دردیک" ہے۔ جس کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہاں اوس وخزرج میں ایک لڑائی ہوئی تھی[۴]۔ اور اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے تو یہ جنگ بنوخطمہ میں ہوئی ہوگی۔ کیونکہ ان لوگوں کی سکونت گاہ یہیں واقع تھی اور اس میں ایک قلعہ بھی تھا[۵]۔

تاہم علامہ ابن اثیرؒ نے یوم الدریک کے عنوان سے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ کسی معرکہ کی نسبت یہ تصریح کی کہ وہ مقام دریک میں برپا ہوا تھا۔ اس بناء پر ہم "یوم الدریک" کو انصار کی غیر معروف جنگوں میں شمار کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۳ باب القسامۃ فی الجاہلیۃ
۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۳ باب مناقب الانصار
۳۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۹ ۴۔ وفاء الوفاء۔ جلد ۲۔ ص ۲۰۶ ۵۔ وفاء الوفاء۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۲

یوم الدریک کے بعد انصار کا چند خانہ جنگیوں کا جستہ جستہ ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بنو حارثہ (اوس) عبد الاشہل میں ایک لڑائی چھڑی تھی۔ جس میں حارثہ نے بنوظفر کے ساتھ مل کر عبدالاشہل کوشکست دی اور سماک بن رافع (حضرت اسید[رض] بن حضیر کے دادا) کوقتل کر کے عبدالاشہل کو بنی سلیم کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا۔ حضیر بن سماک نے بنی سلیم میں رہ کر زور وقوت پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ ان کو لے کر بنو حارثہ پر حملہ کیا اور فتح پانے کے بعد خیبر کی طرف بھیج دیا۔ بنو حارثہ تقریباً سال بھر تک خیبر میں رہے۔ پھر حضیر کوخود رحم آیا اور ان کو مدینہ بلالیا اور صلح ہوگئی[1]۔ یہ غالباً یوم السرارہ سے قبل کا واقعہ ہے۔

احیحہ اور بنی عبدالمنذر میں بھی ایک خفیف سی جنگ ہوئی تھی۔ جس میں ان کا دادا مارا گیا تھا۔ اور احیحہ کو اپنا قلعہ جس کا نام واقم تھا۔ اس کی دیت میں دینا پڑا تھا۔ بنوجحجبا نے رفاعہ اور غنم کو بھی قتل کیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کو قبا کی سکونت ترک کرنا پڑی[2]۔

واقف اور سلم میں بھی کسی قدر رنجش پیدا ہوگئی تھی[3]۔

بنوسلمہ ایک زمانہ تک متحد ہوکر رہے اور لمۃ بن حرام کو اپنا سردار بنایا۔ لیکن پھر اس میں اور (بنی عبید) میں جائداد کی بابت نزاع پیدا ہوئی۔ صخر تلوار لے کر مارنے اُٹھا تو بنوعبید اور سواد درمیان میں پڑے اور لمۃ کو بچالیا۔ لمۃ نے نذر مانی کہ اس کوقتل کروں گا۔ لوگوں کوخبر ہوئی تو صخر کولوالائے اور لمۃ نے جائداد لے کر اس کا قصور معاف کر دیا[4]۔

بنو حبیب اور بنو زریق میں حبیب کے قتل سے مخالفت پیدا ہوگئی تھی۔ جس سے بنو زریق اپنے قدیم مکانات چھوڑ کر چلے آئے[5]۔

بنوغدارہ، مالک بن غضب کے قبیلہ میں تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے اور بایں ہمہ نہایت حریص واقع ہوئے تھے۔ اس بنا پر بنولین یا بنواجدع میں ایک شخص کو مار ڈالا اور جب بات زیادہ بڑھی اور ورثاء دیت پر راضی نہ ہوئے تو ان لوگوں نے اپنے مکانات چھوڑ کر عمرو بن عوف میں سکونت اختیار کی[6]۔

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۵ [2] خلاصۃ الوفاء۔ ۸۶ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً
[6] ایضاً ص ۸۸

انہی بنی مالک کی دوشاخوں میں میراث کے متعلق ایک جھگڑا ہوا تھا۔ جس کا یہ حشر ہوا کہ دونوں قبیلے بنو بیاضہ کے باغ میں گھس کر اس قدر لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور سب اسی جگہ کٹ کر رہ گئے۔ اس باغ کا نام اسی وجہ سے حدیقۃ الموت مشہور ہو گیا[1]۔

ابن واضح کاتب عباسی نے بعض نام اور بھی لئے ہیں اور وہ یہ ہیں[2]:

۱۔ یوم الصفینہ، اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلی جنگ تھی۔ ممکن ہے کہ صفینہ کسی مقام کا نام ہو اور جنگِ سمیر جو انصار کی سب سے پہلی لڑائی شمار ہوتی ہے وہیں ہوئی ہو۔

۲۔ یوم وفاق بنی خطمہ۔

۳۔ یوم الطم بنی سالم۔

۴۔ یوم ابتر وہ، ممکن ہے کہ اس سے حدیقۃ الموت کی لڑائی مراد ہو۔

۵۔ یوم الدار۔

۶۔ یوم بعاث ثانی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بعاث دو مرتبہ ہوئی۔

---

[1] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۸ [2] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۳۷-۳۷

انصار کا مذہب

ہمارے نزدیک چونکہ انصار، نابت بن اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس لئے ابتداً ان کا مذہب بھی وہی رہا ہوگا، جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تھا۔ پھر جب عمرو بن لحی کے ذریعہ سے بُت پرستی پھیلی تو اور اسماعیلیوں کی طرح انہوں نے بھی اس کو اختیار کیا ہوگا۔ چنانچہ واقعات حرف بحرف اس کی شہادت دیتے ہیں۔ انصار کے یمن کے زمانۂ سکونت میں تو کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ جب سے انہوں نے یثرب میں اقامت اختیار کی، اس کا حال کسی قدر معلوم ہے۔

خزرج اکبر سے چوتھی پشت میں نجار گزرا ہے، جو بنونجار کا مورثِ اعلیٰ تھا۔ اس کا نام جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ تیم اللات تھا[۱] لیکن بعد میں تیم اللہ ہوگیا۔ چنانچہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں یہی اخیر نام لکھا ہے، جو ممکن ہے۔ انصار کے مسلمان ہونے کے بعد بدلا گیا ہو اور اس قسم کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ بنوسمیعہ جاہلیت میں بنوضماء کہلاتے تھے۔ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ان کا نام سمیعہ رکھ دیا[۲] قبیلے کے نام بدلنے کے ساتھ بہت سے اشخاص کے نام بھی تبدیل کئے تھے۔

غرض تیم اللات کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں لات کی پوجا ہوتی تھی۔ انصار میں بعض قبائل اوس اللہ کہلاتے تھے۔ عجب نہیں کہ اوس اللہ بھی پہلے اوس اللات رہا ہو، اور اگر یہ صحیح ہے تو انصار میں بُت پرستی کی مدت چار پشت اور آگے بڑھ جاتی ہے، اور اس کی ابتداء متعین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اوس، عمرو بن لحی کا بھتیجا ہوتا تھا[۳]۔

مورخین عرب انصار کے بُت کا نام مناۃ بتاتے ہیں۔ جو نبطیوں کا بُت تھا، اور جس کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے۔

"وَمناۃ الثَالِثَۃ الاخریٰ" (سورۂ نجم) "اور سب سے اخیر تیسرا مناۃ"۔

یہ بُت بنو اسمٰعیل میں سب سے پرانا تھا[۴]۔ اس کے بعد لات پوجا گیا ہے[۵]۔ مناۃ قدید میں سمندر کے ساحل سے متصل[۶] مشلل نام ایک پہاڑ پر نصب تھا[۷]، جو مدینہ سے سات میل ہے[۸]۔

۱۔ طبری۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۸۵
۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۹
۳۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۵
۴۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۷
۵۔ ایضاً۔ جلد ۷۔ ص ۳۱۰
۶۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۶
۷۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۶۷
۸۔ ایضاً۔ ص ۱۶۷

اوس وخزرج اور غسان اس کی پوجا کرتے تھے[۱]۔ان کے علاوہ اور قبائل بھی اس کو پوجتے تھے۔ مثلاً ہذیل، خزاعہ، ازد شنوءہ[۲] (اہلِ عمان)، بنی کعب[۳]۔ اس بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو صرف انصار پوجتے تھے یا انصار میں صرف اسی کی پوجا ہوتی تھی اور دوسرے بتوں کی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے، مدینہ میں اور بھی بہت سے پوجے جاتے تھے۔ چنانچہ یاقوت نے لات کے تذکرہ میں لکھا ہے :

" و كانت قريش و جميع العرب يعظمونها " (جلد ۷۔ ص ۳۱۰)

مناۃ کے متعلق بھی بعینہ یہی عبارت لکھی ہے۔ (جلد ۸۔ ص ۱۶۸) اور عزیٰ کے حالات میں تو اس مسئلہ کو بالکل صاف کردیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

" ولم تكن قريش بمكة ومن اقام بها من العرب يعظون شيئا من الاصنام اعظام مهم العزّى ثم اللات ثم مناة "۔ (جلد ۶۔ ص ۱۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ان بتوں کی پرستش کسی خاص قوم یا قبیلہ میں محدود نہ تھی۔ انصار کے بتوں کی نسبت مورخ طبری نے ہجرت نبوی ﷺ کے ضمن میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ایک مسلمان عورت کے ہاں جس کا شوہر نہ تھا اور قبا میں رہتی تھی، ایک دورات مقیم ہوئے تھے۔ اثنائے قیام میں روزانہ رات کو دروازہ کھلتا اور وہ عورت باہر سے کچھ لاکر رکھتی، چونکہ اس کا شوہر نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا رات کو دروازہ کیوں کھلتا ہے؟ بولی بات یہ ہے کہ میں بالکل لاوارث ہوں، اس لئے سہل بن حنیف رات کو اپنی قوم کے بُت توڑتے ہیں اور خفیہ لاکر مجھ کو دے جاتے ہیں کہ ان کا ایندھن بنانا[۴]۔

حضرت علیؓ پر سہل بن حنیف کے اس فعل کا بڑا اثر پڑا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ انصار کے گھروں میں لکڑی کے بُت کثرت سے تھے۔

بنو سلمہ میں عمرو بن جموح ایک نہایت ممتاز شخص تھا۔ جب حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ مسلمان ہوئے تو اس کے بُت کو جس کا نام مناۃ تھا اور لکڑی کا تھا اُٹھا کر پھینک آتے تھے۔ عمرو کے ماسوا تمام سر برآوردہ لوگوں کے گھروں میں بُت موجود تھے[۵]۔ اور مندروں میں جو بُت موجود تھے ان کا شمار ان کے علاوہ تھا۔ چنانچہ غنم بن مالک بن نجار کا ایک بُت خانہ تھا، جس میں بہت سے بُت تھے اور

۱۔ طبقات ابن سعدؒ، جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۱۰۶ ۲۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۸ ۳۔ زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۲

۴۔ طبری، جلد ۳۔ ص ۱۲۴۴ ۵۔ سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۸

عمرو بن قیس ان کا متولی تھا[1]۔ مذکورہ بالا قرائن کے باوجود کیا ان تمام بتوں کو مناۃ کی مورتیں فرض کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ بریں انصار میں مختلف بتوں کے انتساب سے نام رکھے جاتے تھے اور یہ خود ان کی متعدد بتوں کی پرستش پر دلالت کرتا ہے۔ تیم اللات کا ذکر اُوپر گزر چکا ہے۔

بنو جدیلہ (نجار) کے مورثوں میں ایک شخص کا نام زید اللات تھا۔ جس کو ابن ہشام نے اپنی عادت کے مطابق زید اللہ لکھا ہے[2]۔ حضرت ابوطلحہؓ کے بزرگوں میں ایک شخص کا نام زید مناۃ تھا[3]۔ بنی ساعدہ میں جو خزرج اکبر کی اولاد تھے، ایک آدمی کا نام عبدود تھا[4]۔ حارث بن خزرج کے ایک شخص مسمی نہ سفیان بن بشر کا نام ابن ہشام نے سفیان بن نسر بتایا ہے[5]۔ ابوعقیل عبدالرحمٰن کا نام عبدالعزیٰ تھا[6]۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ انصار میں مناۃ کے علاوہ اور بتوں کی پوجا یا کم از کم تعظیم کا خیال ضرور موجود تھا۔ ہمارے مورخین نے مناۃ کی جو تخصیص کی، اس کے یہ معنی ہیں کہ اس بُت کی انصار کے دلوں میں زیادہ عظمت تھی۔ چنانچہ یاقوت نے لکھا ہے[7]۔

"ولم یکن احد اشد عظامًا له من الاوس والخزرج"۔

"اوس وخزرج سے زیادہ کوئی قبیلہ مناۃ کی عزت نہیں کرتا تھا"۔

تعظیم کی وجہ ظاہر ہے اور یہ خود مناۃ کے مادہ میں موجود ہے۔ مناۃ، منا سے نکلا ہے۔ جس کے معنی قدر یعنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ انصار اس کو قضاوقدر کا حاکم سمجھتے تھے، اس لئے اس کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے اور اس کی رضاجوئی کے لئے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کرلی تھیں۔ مثلاً وہیں سے احرام باندھتے تھے، وہیں ہدی بھیجتے تھے۔ حج سے واپس آکر وہیں سر منڈواتے اور قربانی کرتے تھے۔

غرض انصار کا مذہب عام اہلِ مغرب کی طرح بُت پرستی تھا۔ تاہم بعض لوگ خدا پرستی کی طرف بھی مائل تھے اور اس کی مختلف صورتیں اختیار کی تھیں۔ چنانچہ بعض لوگ یہودی ہو گئے تھے، اور یہ خیبر کے یہود اور قریظہ کے میل جول کا نتیجہ تھا[8]۔

یہودی مذہب نے انصار میں جو مقبولیت حاصل کی تھی، اس کا یہ اثر تھا کہ جب کسی عورت کے لڑکا زندہ نہ رہتا تو منت مانتی تھی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی اور زندہ بچی تو اس کو یہودی بناؤں گی۔ اس طرح انصار یہودی مذہب اختیار کرنے والوں میں ایک خاص تعداد ہوگئی تھی[9]۔ جس میں قبائل عوف،

---

[1] ایضاً۔ جلد ا۔ ص ۲۹۵ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد ا ص ۲۵۱ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۴

[4] اصابہ۔ جلد ۶۔ ص ۱۳۹ [5] سیرت ابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۴۰۲ [6] اسد الغابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۵۷

[7] معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۱۶۷ [8] یعقوبی۔ جلد ا۔ ص ۲۹۸ [9] ابوداؤد۔ جلد ۳۔ ص ۹ باب الاسیر یکرہ علی الاسلام

نجار، حارث، ساعدہ، جشم، اوس، ثعلبہ داخل تھے[1]۔ صرمہ ابوقیس[2] سلسلہ بن برہام (بنو نجار میں لبید بن عاصم، بنوزریق میں، کنانہ بن صوریا (بنو حارثہ میں)، اور قردم بن عمرو[3] (بنو عمرو بن عوف میں)۔ ان قبائل کے مشہور اور سر برآوردہ یہودی ہیں۔

بعض لوگوں نے حنفی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ چنانچہ ابوقیس صرمہ کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے یہودی مذہب اختیار کرکے چھوڑ دیا اور عیسائی بننا چاہا۔ لیکن پھر اپنے گھر کو عبادت گاہ بنا کر گوشہ نشین ہوگئے اور کہنے لگے **"اعبد رب ابراهيم"**! میں ابراہیم کے خدا کی عبادت کرتا ہوں۔ ابوقیس صیفی بن اسلت بھی اسی مذہب میں داخل تھا[4]۔

بعض توحید کے قائل تھے۔ چنانچہ اسعد بن زرارہ اور ابوالہیثم بن تیہان کا اسی میں شمار تھا[5]۔ بعض عیسائی ہوگئے۔ ابوالحصین کے بیٹے انہی میں شامل تھے[6]۔ بعض ان کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیرو تھے۔ مثلاً سوید بن صامت لقمان کی حکمتوں پر عمل کرتا تھا[7]۔

بایں ہمہ انصار کا ہر فرد مذہب ابراہیمی کے کچھ نہ کچھ احکام کا پابند تھا۔ حج بیت اللہ، قربانی، مہمان نوازی، اشہر حرم کی عزت، فواحش کو برا سمجھنا اور جرائم پر سزا دینا۔ یہ تمام باتیں دینِ ابراہیمی کا جزو تھیں اور انصار ان پر کاربند تھے۔

نماز کی ایک بگڑی ہوئی صورت انصار میں باقی تھی۔ چنانچہ ان کا ایک شاعر ابوقیس ابن اسلت، حبشیوں کی مکہ میں شکست پر فرطِ مسرت سے کہتا ہے۔

فقوموا فصلوا ربکم و تمسحوا   بار کان هذا البيت بيت الا خاشب[8]

حج کرتے تھے اور اس کا یہ طریقہ تھا کہ گھر سے چلتے وقت شناخت کے طور پر کھجور کی جڑیں کاٹ کر دروازہ پر لٹکا دیتے تھے[9]۔ اس کے بعد قدید جاتے اور مناۃ کے سامنے نماز پڑھتے، پھر تلبیہ کہتے ہوئے مکہ آتے[10]۔ تلبیہ یہ تھی: **"لبیک رب غسان راجلها والفرسان"**[11]۔ مکہ میں منیٰ کی گھاٹی کے قریب ٹھہرتے۔ صفا[12] اور مروہ کا طواف کرتے[13]۔ پھر حج کے تمام رسوم ادا کرکے واپس ہوتے اور قدید پہنچ کر مناۃ کے سامنے سر منڈاتے۔ (مکہ میں سر نہیں منڈواتے تھے) اور وہاں

۱۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹۔۲۸۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۸ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۷
۴۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۸ ۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۴۶ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۷۲
۷۔ طبری۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۰۸ ۸۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۸ ۹۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۸
۱۰۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۶ ۱۱۔ ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۷ ۱۲۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۴۹
۱۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۳

چندروز قیام کرتے تھے۔اس کے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے تھے۔ہدی بھی یہیں بھیجتے اور یہیں قربانی کرتے تھے[۱]۔اس کے بعد گھر آتے اور مکانات میں دروازہ کے بجائے پشت کی کھڑکیوں سے داخل ہوتے[۲]۔ اور جب تک محرم رہتے اسی پر عمل کرتے تھے[۳]۔

حج کے ایام میں شکار کھیلتے[۴]، لڑائیوں کو موقوف کرتے اور دشمنوں سے تعرض نہیں کرتے تھے[۵]۔

مکروزور سے نفرت کرتے۔چنانچہ ثعلبۃ العنقا کے متعلق اُوپر گزر چکا ہے کہ محض جذع ابن سنان کی مکاری کی وجہ سے غسان کی حکومت چھوڑ دی تھی[۶]۔مہمان نواز تھے اور دشمنوں تک کی ضیافت کرتے تھے۔چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں انصار اور تبع سے جنگ ہو رہی تھی۔انصار دن کو لڑتے اور شب کو اس کی ضیافت کرتے تھے[۷]۔عہد کو پورا کرتے اور اس کے لئے جان لڑا دیتے تھے۔جنگ سمیر جو انصار کی پہلی لڑائی تھی اسی کا نتیجہ تھی اور قبیلہ ذبیان کے ایک شخص کی بدولت برپا ہوئی تھی[۸]۔ دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے ان کو دوسرے کا غلام بننا پڑتا تھا[۹]۔ لیکن وہ بدعہدی کے مقابلہ میں اس ننگ کو گوارا کرتے تھے۔میدانِ جنگ سے اگر ایک گروہ شکست کھا کر فرار ہوتا اور اپنے گھر چلا آتا تو دوسرا گروہ تعاقب سے احتراز کرتا تھا[۱۰]۔

ان عمدہ باتوں کے ساتھ ساتھ ان میں بعض انتہا درجہ کی بداخلاقیاں موجود تھیں۔مثلاً وہ سوتیلی ماں سے شادی کرتے تھے اور یہ رسمِ آغاز اسلام تک جاری تھی۔چنانچہ جب ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کو نکاح کا پیغام دیا اور وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

" ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء "

اس قصہ کے راوی کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی عورت ہے۔جو اپنے شوہر کی اولاد پر حرام ہوئی۔اس کا نام کبشہ بنت معن بن عاصم تھا[۱۱]۔

آبائی جائیداد میں بیٹیوں کا کچھ حق نہ تھا۔اولاد مذکور بھی جب تک نابالغ رہتی میراث کی مستحق نہیں ہوتی تھی[۱۲]۔

۱۔ معجم البلدان۔جلد۸۔ص۱۶۵ ۲۔ صحیح بخاری۔جلد۲۔ص ۳۔ یعقوبی۔جلد۱۔
۴۔ صحیح بخاری۔جلد۱ص۲۴۵ ۵۔ ابن اثیر۔جلد۱۔ص۵۰۸ ۶۔ معارف ابن قتیبہ
۷۔ طبری۔جلد۲۔ص۹۰۱ ۸۔ ابن اثیر۔جلد۱۔ص۴۹۴ ۹۔ اسد الغابہ۔جلد۵۔ص۵۴۷
۱۰۔ ابن اثیر۔جلد۱۔ص۵۰۴ ۱۱۔ اصابہ۔جلد۷۔ص۱۵۹ ۱۲۔ اسد الغابہ۔جلد۷۔ص۹۶

ان باتوں کے علاوہ ان کے عقائد میں چند اور باتیں بھی داخل تھیں۔ جن میں ایک جھاڑ پھونک بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک ان کے جاننے والے موجود تھے۔ چنانچہ طبرانی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے جھاڑ پھونک سے ممانعت فرمائی تو عمرو بن حبہ نے جو سانپ کے کاٹے کو جھاڑتا تھا آ کر کہا کہ آپ اس سے منع فرماتے ہیں۔ حالانکہ میں اس کا منتر جانتا ہوں اور جھاڑتا ہوں (یعنی اس ممانعت کی تعمیل کے باوجود نفس منتر کے جاننے اور اس کام کے کرنے کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منتر سنا تو فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرا انصاری آیا اور کہا میں بچھو کو جھاڑتا ہوں، آپ نے کہا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو، پہنچائے[1]۔

اسلام لانے کے بعد بھی انصار میں جھاڑ پھونک کا رواج باقی تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت آئی ہے کہ ان لوگوں نے ایک سفر میں کسی قبیلے کے رئیس کو جسے بچھو نے ڈسا تھا، جھاڑا تھا اور اس کے معاوضہ میں تیس بکریاں لی تھیں[2]۔

طہارت کا خیال حد درجہ تھا۔ تمام عرب طہارت میں ڈھیلے استعمال کرتے تھے۔ لیکن انصار ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی لیتے تھے۔ اسلام کے زمانہ میں ان کا یہ فعل نہایت مستحسن سمجھا گیا اور قرآن میں ان کی تعریف نازل ہوئی[3]۔

مُردوں کو دفن کرتے تھے اور بقیع الغرقد کو قبرستان بنایا تھا[4]۔

ابن ہشام میں ایک موقع پر انصار کے عقائد کا ضمناً تذکرہ آ گیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

"الاوس والخزرج اھل شرک یعبدون الاوثان لایعرفون جنۃ ولانارًا لا بعثا ولاقیامۃ ولا کتابا ولاحلٰلا ولا حراما"۔

"اوس وخزرج مشرک تھے، بت پوجتے تھے، جنت دوزخ، بعث ونشر، قیامت، کتاب، حلال اور حرام کو نہیں جانتے تھے"۔

اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ قیدیوں کا فدیہ توراۃ کے بموجب دیتے تھے اور یہ یہود کی صحبت کا اثر تھا[5]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۵ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۲ باب فضل فاتحۃ الکتاب۔ ص ۷۴۵ [3] سنن ابن ماجہ۔ ص ۳۰
[4] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۳۶۲ [5] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۴

انصار کا تمدّن

اُوپر گزر چکا ہے کہ نبطی، بنو اسماعیل میں سب سے زیادہ متمدّن تھے۔ انصار کو چونکہ ہم نبطی الاصل سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم کو دکھانا چاہئے کہ ان میں تمدن کا کہاں تک اثر تھا؟ ذیل کی سطور میں اسی کو پیش کرنا ہے[1]۔

نظامِ اجتماعی :

انسان چونکہ بالطبع مدنیت کا دلدادہ واقع ہوا ہے۔ اسی لئے وحشی قبائل بھی ایک نظام بنا کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبائل میں بھی ایک شخص سردار ضرور ہوتا ہے۔ پھر جب تمدن پھیلتا ہے اور وحشت کم ہوتی ہے تو یہ نظام بھی وسیع ہوتا ہے اور اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

انصار میں مازن بن ازد سے حارثہ الغطریف کے زمانہ تک صرف سرداروں کے نام نظر آتے ہیں۔ عمرو بن عامر عرف مزیقیا کے وقت میں سردار قبیلہ کے ساتھ ایک اور نام بھی معلوم ہوتا ہے (مالک بن یمان)۔ لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس کی حیثیت کیا تھی؟ عمرو کے بیٹے ثعلبۃ العنقا کے عہد میں جب وہ غسان میں مقیم تھا۔ عک سے نہایت خونریز جنگ ہوتی ہے، تو اس موقع پر ثعلبہ کی قوم ایک باقاعدہ فوج نظر آتی ہے۔ جو جذع بن سنان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی۔ چونکہ جذع نے فوج کا تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اس لئے مورخین اس کو سپہ سالار لکھتے ہیں[2]۔

غرض ثعلبہ کے وقت سے انصار میں دو عہدے قائم ہوئے۔ رئیس اور سپہ سالار۔ اور یہ دونوں ایک زمانہ تک برقرار رہے۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ رئیس ہی نے سپہ سالاری کی خدمت بھی انجام دی۔ چنانچہ مالک بن عجلان خزرجی اور عمرو بن طلحہ بخاری کے متعلق اسی قسم کے واقعات ملتے ہیں۔

اس وقت تک چونکہ انصار کے قبائل باہم متحد تھے۔ اسلئے ان میں رئیس ایک شخص ہوتا اور وہ عموماً قبیلۂ خزرج سے ہوتا تھا۔ چنانچہ مدینہ کی سکونت کے زمانہ میں ہم کو روسائے انصار میں سے جس شخص کا نام سب سے قدیم ملا ہے وہ مالک بن عجلان ہے۔ جو سالم بن عوف بن خزرج کی اولاد تھا۔ سید سمہودی اس کی نسبت لکھتے ہیں[3]۔

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب۔ ص ۲۰۷ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ [3] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۳

"وسودہ الحیان الاوس والخزرج"

''اس کواوس اورخزرج دونوں نے سردار بنایا تھا''۔

مالک کے بعد ریاست خاندان سالم سے نکل کر خاندان نجار میں چلی گئی۔ چنانچہ تبع اور انصار سے جو جنگ ہوئی اس میں عمرو بن طلحہ نجاری سپہ سالار افواج تھا۔ جس کے متعلق علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہی اس زمانہ میں انصار کا رئیس بھی تھا[1]۔ ان دونوں روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انصار کی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم تھی۔ ورنہ شخصی ہونے کی صورت میں رئیس صرف ایک خاندان سے ہوتا اور دوسرے خاندان میں انتقال ریاست کے وقت خانہ جنگیاں پیش آتیں۔ حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

لیکن جب انصار میں نزاع پیدا ہوئی تو ریاست دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اوس اور خزرج۔ اوس میں عبدالاشہل اور خزرج میں ساعدہ کا خاندان اپنے اپنے قبائل پر حکومت کرتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اوس کے سعد بن معاذ اور خزرج کے سعد بن عبادہ رئیس تھے[2]۔

یہ تقسیم کچھ یہیں تک محدود نہیں رہی، بلکہ ان دونوں قبیلوں میں جتنے خاندان تھے سب نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ رئیس تجویز کر لئے۔ چنانچہ قبیلہ اوس میں جحجبا نے احیحہ بن جلاح کو سردار بنایا[3]۔ خزرج میں بھی اسی طرح تفریق ہوئی۔ بنو مازن بن نجار کی سیادت عاصم کو ملی[4]۔ بنوسلمہ نے امۃ بن حرام کو سردار بنایا[5]۔ امۃ کے بعد بنوسلمہ باہمی خونریزیوں کی بدولت متفرق ہو گئے تھے لیکن پھر جد بن قیس نے سب کو مجتمع کیا اور خود سردار بن بیٹھا[6]۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بنوسلمہ کا یہی سردار تھا۔

جنگِ بعاث کے بعد جب دونوں قبیلوں نے زچ ہو کر ہمت ہار دی تو پھر قدیم نظام پر عمل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ قبیلہ خزرج میں سے ایک شخص عبداللہ بن ابی پر سب نے اتفاق کی اور اس کو یثرب کا رئیس بنانے کی تجویز پیش کی۔ صحیح بخاری میں حضرت سعدؓ بن عبادہ سردار خزرج کی زبانی منقول ہے[7]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۱ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۵ باب حدیث الافک [3] ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۴۹۵
[4] ایضاً [5] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۷ [6] اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۴ [7] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔
ص ۶۵۱ باب ولتستمعن من الذین اوتوا الکتب

" لقد اصطلح اھل ھذہ البحیرۃ علی ان یتوجوہ فیعصبو نہ بالعصابہ "

"اس شہر کے باشندوں نے اس (ابن ابی) کو تاج پہنانے اور بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا"۔

ابن ابی پر اتفاق کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگ و جدال سے حتی الامکان گریز کرتا تھا۔ چنانچہ جنگِ فجار کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ اس نے عمر بن نعمان کو یہودی غلاموں کے قتل سے منع کیا تھا[1]۔ اسی طرح وہ جنگ بعاث میں بھی بالکل الگ تھا[2]۔ ایک موقع پر اس نے انصار اور قریش کی جنگ کو بھی ٹالا تھا[3]۔ لیکن ابھی تخت نشینی کی نوبت نہ آئی تھی کہ انصار نے اسلام قبول کر کے آنحضرت کو دین دنیا کی حکمرانی کے لئے مدینہ بلایا اور ابن ابی کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔

ریاست کے ساتھ سپہ سالاری کا بھی یہی حشر ہوا۔ جب دونوں قبائل میں جنگ کا آغاز ہوا تو ہر قبیلے کا سپہ سالار علیحدہ علیحدہ تھا۔ چنانچہ حضیر بن سماک[4]، ابوقیس بن اسلت اور عمرو بن نعمان بیاضی[5] مختلف جنگوں میں دونوں قبیلوں کی طرف سے اس منصب پر فائز ہوئے ہیں۔ اسلام سے پہلے قبیلۂ اوس کا یہ عہدہ حضیر کے بیٹے اسید کو تفویض ہوا تھا[6]۔

امیر اور سالار لشکر کے عہدوں کے ساتھ انصار میں ایک اور اعزاز بھی تھا، یعنی بت خانہ کی تولیت، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس عہدہ پر عمرو بن قیس نجاری، بنونجار کی طرف سے مامور تھا[7]۔ اور قبائل میں بھی کچھ لوگ رہے ہوں گے۔ لیکن ہم کو ان کے نام معلوم نہیں۔

نظامِ عسکری :

انصار نے چونکہ باقاعدہ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد قائم کی تھی، اس لئے ان کو ریاست کے تمام لوازمات رکھنے پڑتے تھے۔ مثلاً فوج، قلعے، فصیلیں، قبرستان، فوج کے متعلق یہ تصریح نہیں کہ تعداد میں کتنی تھی۔ جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے کوئی مخصوص فوج نہ تھی۔ بلکہ قبیلہ کا ہر شخص سپاہی ہوتا تھا۔ جو وقت پر اپنے قبیلہ اور وطن کی طرف سے جان نثاری کے لئے بڑھتا تھا۔ چنانچہ بنوسلم (اوس) میں ایک زمانہ میں ہزار جوان موجود تھے[8]۔ بنو مالک بن غضب کی (بنی زریق کے علاوہ) بھی یہی تعداد تھی[9]۔

---

[1] ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۱ [2] طبقات ابن سعد۔ جلد ۱ قسم ۱۔ ص ۱۵۰ [3] [4] اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۹۲
[5] ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۶۔ ۵۱۰ [6] سیرت ابن ہشام۔ ص ۲۳۸ [7] ایضاً۔ ص ۲۹۵
[8] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۶ [9] ایضاً۔ ص ۸۸

لڑائی کے وقت صف بندی کا طریقہ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابوایوبؓ نے جنگِ بدر میں صف آرائی کی نسبت بیان کیا ہے کہ ہم لوگ جس وقت تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے باہر نکل کر کھڑے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے ساتھ رہو" [۱]۔

انصار کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ گتھ جاتے تھے۔ البتہ ہزیمت کے وقت یہ قاعدہ تھا کہ جب ایک فریق بھاگ کر اپنے محلّہ میں چلا جاتا، تو دوسرا فریق تعاقب چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن کبھی یہ قانون ٹوٹ بھی جاتا اور گھروں میں بھی پناہ نہ ملتی۔ اس وقت دوسرا فریق قلعہ بند ہو جاتا تھا [۲]۔

جب آتش منافرت زیادہ بھڑکتی تو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام شروع ہوتا۔ مالک ابن غضب کے دو قبیلے اسی طرح لڑ کر فنا ہوئے [۳] کہ ایک رونے والا بھی ان میں باقی نہ رہا۔ جنگِ بعاث میں اوس نے خزرج کی گردنوں پر تلوار رکھی۔ لیکن پھر باز آ گئے [۴]۔

فوج میں جو لوگ صرف حالات معلوم کرنے اور لڑائی دیکھنے کے لئے آتے، ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ جنگِ جسر میں عیینہ اور خیار لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے [۵]۔ جنگِ بعاث میں عبداللہ ابی گھوڑے پر چڑھ کر میدان کے گرد پھر رہا تھا اور حالات پوچھ رہا تھا [۶]۔

لڑائی کے لئے کوئی ایک میدان مقرر نہ تھا۔ بلکہ ہر قبیلے کی سکونت گاہ میدانِ جنگ کا کام دیتی تھی۔ کیونکہ قلعے ہر قبیلے اور ہر محلّہ میں تھے۔ کبھی کبھی قلعوں کو چھوڑ کر باغوں میں بھی لڑائی ہوتی تھی۔

قلعے نہایت کثرت سے تھے اور ایک ایک قبیلے کے پاس متعدد تھے۔ مثلاً زید بن مالک کے پاس ۱۴ [۷] قلعے تھے۔ عبد الاشہل کے پاس بھی چند تھے اور بنو اجدع نے ۲۰ قلعے تعمیر کئے تھے [۸]۔

---

۱ مسند ابن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۲۰ ۲ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۴ ۳ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۸
۴ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۱ ۵ ایضاً۔ ص ۵۰۴ ۶ ایضاً۔ ص ۵۱۱ ۷ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۸۶
۸ ایضاً۔ ص ۸۸

ان قلعوں کی مختصر فہرست یہ ہے

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۱۔ آل ساعدہ		
۱ اُطم	ذباب	
۲ تنیں		عنان کا تھا
۳ معرض		
۴ واسطہ		ابوخزیمہ کا تھا
۲۔ عبدالاشہل		
۵ رعل		
۶ عاصم	فقارہ	
۷ میر		
۸ واقم		
۳۔ خذرہ		
۹ اجرو	لصہ	
۱۰ واسط		
۴۔ اینف		
۱۱ اجش	قبا	
۱۲	قبا	
۱۳		
۱۴ نواحا		۲ قلعے تھے

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۵۔ عبید		
۱۵ اطول	مسجد خربہ	
۱۶ اعماد	مدادادوتخل میں	۴ قلعے
۱۷ جیس		
۶۔ حرام		
۱۸ اعماد		دیکھو عبید
۱۹ جاعس	مساجد فتح	
۲۰ مذاد	مساجد فتح	
۷۔ واقف		
۲۱	مسجد فضیخ	
۲۲ ریدان	مسجد فضیخ	
۸۔ اوس		
۲۳	جذمان	
۹۔ سلم		
۲۴ خصی	مسجد قبا	
۱۰۔ حارثہ		
۲۵ خصی		
۲۶ ریان		

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۷ مربع		
۲۸ نیار	نیار	
۱۱۔ سواد		
۲۹ خیط	مسجد قبلتین	
۳۰ منیع	مسجد قبلتین	
۱۲۔ زرعوراء		
۳۱ رائج	راتج	
۱۳۔ زریق		
۳۲ ریان		
۱۴۔ نجار		
۳۳ زاہریہ		
۳۴ عریان		نضر
۳۵ فارع		مغالہ
۳۶ قویرع		غنم
۳۷ مشعط	مسجد ابی	جدیلہ
۳۸ میف	مسجد بنو دینار	دینار
۳۹ واسط		مازن
۱۵۔ جشم		
۴۰ سخ	سخ	
۱۶۔ سیمہ		
۴۱ سعدان	رکیخ	
۱۷۔ بیاضہ		
۴۲ سوید	جماضہ	یہ قلعہ سیاہ تھا
۴۳ سرارہ		
۴۴ عقرب	روحا	
۴۵ عقبان	سنجہ	
۴۶ لوی	سنجہ	
۱۸۔ عطیہ		
۴۷ شاش	مسجد قبا	
۱۹۔ سالم		
۴۸ شماخ		
۴۹ قواقل	عصہ	
۲۰۔ ضبیعہ		
۵۰ شنیف	قبا	
۲۱۔ زید بن مالک		
۵۱ صباصی	قبا	۱۴ قلعے تھے
۲۲۔ جحجبا		
۵۲ ضحیان	عصبہ	
۵۳ مستظل	چاہ غرس	
۵۴ بجیم	عصبہ	
۲۳۔ خطمہ		
۵۵ ضع ذرع	چاہ ذرع	
۵۶ نفاع	چاہ عمارہ	

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت	نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۴۔ امیہ بن زید			۶۶ بعبع	قبا	
۵۷ غنق			۶۷ بلجان	شجرہ	
۲۵۔ غنم			۶۸ شبعان	شمغ	
۵۸ قواقل	عصبہ		۶۹ صرار	حرہ شرقیہ	
۲۶۔ حبلی			۷۰ صیصہ	قبا	
۵۹ مزاحم			۷۱ عاصم	قبا	
۲۷۔ مالک بن عجلان			۷۲ عدنیہ	عصبہ	
۶۰ مزدلفہ	مسجد جمعہ		۷۳ عزہ	قبا	مسجد قبا کا مینار اس جگہ پر تھا
۲۸۔ وائل بن زید			۷۴ قباب		
۶۱ موجا			۷۵ کلب		
۲۹۔ مجدعہ			۷۶ کنس حصین	مہراس (قبا)	
۶۲ ہجیم	عصبہ		۷۷ کومۃ المدر	شمغ	
۳۰۔ نامعلوم قلعے			۷۸ مرادح	قبا	دو قلعے تھے
۶۳ اشنف	مسجد خربہ		۷۹ واقم	قبا	
۶۴ براالجیم	عصبہ		۸۰ شیخان	دالج	دو قلعے تھے
۶۵ نجرج	قبا		۸۱ ازرق	قناۃ	

قلعوں کے علاوہ انصار نے جابجا دیواریں بنا رکھی تھیں۔ جو سیلاب کے ساتھ دشمنوں کے لئے بھی مزاحم ہوتی تھیں۔ مدینہ کی سب سے بڑی دیوار وہ تھی جو شہر کے چاروں طرف کھینچی ہوئی تھی۔ اور جس کو سور مدینہ کہا جاتا ہے[1]۔ بنو بیاضیہ کے محلّہ میں ایک دیوار تھی۔ اس کا نام حماضہ تھا[2]۔ بنی رونق نے بھی ایک دیوار بنائی تھی[3]۔ ایک دیوار وہ تھی جو حرہ کی آتشزدگی میں جلی تھی[4]۔ ایک دیوار کا نام ربیع تھا۔

---

۱ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۳۰۰ ۲ ایضاً۔ ص ۲۷۱ ۳ ایضاً۔ ص ۸۸ ۴ ایضاً۔ ص ۲۶۸

اور انصار کا ایک معرکہ یہیں ہوا تھا[1] معبس اور مفرس نامی بھی دو دیواریں تھیں۔ جن کی آڑ میں چند دنوں انصار نے جنگ کی تھی[2]۔ ان دیواروں قلعوں اور گنجان آبادی کی وجہ سے مدینہ نہایت مستحکم اور ناقابل تسخیر شہر بن گیا تھا۔

طبقات میں ہے[3]۔

''کان سائر المدینه مشبکابا لبنیان فهی کا لحصن''

''مدینہ اپنی گنجان عمارتوں کی وجہ سے گویا ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا''۔

عبداللہ بن ابی کا قول ہے۔'' فواللّٰہ ما خرجنا منها الیٰ عدولنا قط الا اصاب منها ولا دخلها .علینا الا اصبنا منهم'' [4]۔یعنی ہم نے جب مدینہ سے نکل کر مقابلہ کیا تو شکست کھائی اور جب یہیں رہ کر لڑے تو ہمیشہ فتح ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے اسی استحکام کی وجہ سے مدینہ کو ''درع حصینہ'' مضبوط زرہ کہا[5]۔

چونکہ انصار میں ہمیشہ خانہ جنگی رہا کرتی تھی۔ اس کے سوا مردوں کے دفن کرنے کا عرب میں قدیم دستور تھا۔ اس لئے انصار نے مدینہ میں مختلف قبرستان بنا لئے تھے، ایک بنو ساعدہ کا قبرستان تھا۔ جس پر بعد کو مدینہ کا بڑا بازار آباد ہوا[6]۔ عبدالاشہل کا قبرستان مغیرہ کے نام سے مشہور تھا[7]۔ بقیع الغرقد جو آج بھی نہایت مشہور قبرستان ہے۔ پہلے زرخیز خطہ تھا۔ جس کے درختوں کو کاٹ کر قبرستان بنایا گیا۔ عمرو بن نعمان بیاضی اپنی قوم کے مرثیے میں کہتا ہے[8]۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود   ومن العناء لقردی با لسودد

این الذین عهد تهمه فی غبطة   بین العقیق الیٰ بقیع الغرقد

بنو سلمہ کا بھی ایک جداگانہ قبرستان تھا[9]۔ بنو خطمہ نے بھی ایک قبرستان بنایا تھا۔ جو غرش کی طرف واقع تھا[10]۔ اور بنو نجار کا قبرستان مسجد نبوی ﷺ کی جگہ پر تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو قبروں کو اکھڑوا کر مسجد کی بنیاد ڈالی[11]۔

۱۔ ابن اثیر۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۴   ۲۔ ایضاً۔ ص ۵۰۷   ۳۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۴۸
۴۔ زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۲۶   ۵۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۲۶   ۶۔ خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۰۷
۷۔ ایضاً۔ ص ۲۹۴   ۸۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳   ۹۔ مسند ابن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶
۱۰۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۴۰   ۱۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۰

سب سے اخیر ہم کو یہ دکھلانا چاہئے کہ انصار میں ہتھیاروں کا کیا بندوبست تھا۔ اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ مدینہ میں رقم نامی ایک جگہ تھی۔ وہاں تیر بنتے تھے۔ یاقوت رقم کے تحت میں لکھتے ہیں[1]۔

"موضع بالمدینۃ تنسب الیہ الرقمیات"۔

یعنی "رقم مدینہ میں ایک جگہ ہے جہاں کے تیر مشہور ہیں"۔

مدینہ میں یہود کے پاس بھی ہتھیار سازی کے آلات تھے اور وہ ہتھیار بنایا کرتے تھے[2]۔ ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت ان سے بھی قیمتاً لے لیتے ہوں۔

نظام مذہبی :

انصار چونکہ صاحب مذہب تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی مذہبی عبادت گاہیں بالکل جداگانہ بنائی تھیں اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مندروں میں بہت سے بُت موجود رہتے تھے۔ جن میں سب سے قوی ہیکل مناۃ کا بت ہوتا تھا۔ ان مندروں کی نگرانی اور اہتمام ہر قبیلے کا کوئی ممتاز اور مذہبی شخص کرتا تھا۔ چنانچہ بنوغنم ابن مالک بن نجار کے مندر کا عمرو بن قیس بخاری متولی تھا[3]۔ ایک عہدہ کاہن کا تھا۔ اور ہر قبیلے میں ایک کاہن رہتا تھا۔ جس کو حبشی زبان میں طاغوت کہتے تھے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں کاہن تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً انصار میں بھی یہ عہدہ تھا[4]۔

ابن ہشام میں ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت وغیرہ اور بعض مسلمانوں میں کچھ نزاع ہوئی۔ مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ کا حکم مانا۔ تو ان لوگوں نے کہا ہم حکام (حکام جاہلیت) سے فیصلہ کرائیں گے[5]۔ اور حکام جیسا کہ صاف تصریح آئی ہے۔ یہی کاہن ہوا کرتے تھے[6]۔

انصار کے کاہنوں کے نام ہم کو معلوم نہیں۔ منافقین کے ذکر میں ایک شخص کازدی ابن حارث نام آیا ہے۔ یہ قبیلہ عمرو بن عوف سے تھا۔ اس کو جب اس کے مسلمان بھائی نے مسجد سے نکالا۔ تو یہ فقرہ کہا تھا : "غلب علیک الشیطان" یعنی تجھ پر شیطان غالب آ گیا[7]۔ اور چونکہ شیطان کاہنوں کے پاس آیا کرتا تھا[8]۔ اس لئے یہ قیاس کچھ بے جا نہیں کہ زدی انصار کا کاہن تھا۔

---

[1] معجم البلدان۔ جلد۴۔ ص ۲۷۱ [2] طبری۔ ص ۱۲۶۱ [3] سیرت ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص ۲۹۵
[4] صحیح بخاری۔ جلد۲۔ ص ۶۵۹ باب قولہ وان کنتم مرضیٰ اور علیٰ سفر الخ [5] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۱۔ ص ۲۹۳۔
[6] بخاری حوالہ مذکورہ [7] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد۲۔ ص ۲۹۶ [8] بخاری۔ جلد۲۔ ص ۶۵۹

انصار میں بت پرستوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے۔لیکن چونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔اس لئے ان کی کسی عبادت گاہ اوران کے مذہبی نظام کا کچھ پتہ نہیں۔قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کے عبادت خانوں میں جا کر عبادت کر لیتے ہوں گے۔مثلاً جو انصاری، مذہب یہود کے پیرو تھے۔وہ یہودیوں کے گرجا میں جایا کرتے ہوں گے۔جو عیسائی ہو گئے تھے۔عیسا ئیوں کے چرچ میں (وھلم جزا)۔

نظارت نافعہ :

مدینہ کے قرب و جوار میں چونکہ بہت چشمے، وادی اور نہریں بہتی تھیں۔اس لئے انصار نے مدنیہ میں جا بجا بہت سے پل بنائے تھے۔چنانچہ ایک پل بنو حارث ابن خزرج کا تھا۔ اور یہاں اوس و خزرج میں جنگ بھی ہوئی تھی[1]۔ایک پل ذی ریش کے پاس تھا، اور ایک حبر بطحان کے نام سے مشہور تھا[2]۔

انصار پانی کی سبیلیں بھی رکھتے تھے اوراس کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے۔چنانچہ بنو دینار میں ایک سبیل تھی۔اس کا نام بقع تھا[3]۔اسلام لا کر حضرت سعد بن عبادہؓ سردار خزرج نے بھی ایک سبیل اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے رکھی تھی[4]۔

متفرقات :

انصار اپنے نام پر اپنی آبادی کا نام رکھتے تھے۔مثلاً ثعلبۃ العنقا نے جس جگہ قیام کیا تھا۔ اس کا نام ثعلبہ تھا[5]۔مدینہ کے نواح میں ایک بستی کا نام روضۃ الخزرج تھا۔چنانچہ حفص اموس کا شعر ہے۔

فالملح بطرفک ھل تر اطعاھم

بالباقیه اوبروض الخزرج

مدینہ کے محلوں میں بھی بعض محلے اپنے باشندوں کے نام سے مشہور تھے۔

انصار میں تاج پوشی کا رواج تھا اور رئیس تاج کے ساتھ کچھ پٹیاں بھی استعمال کرتا تھا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ان دونوں باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں[6]۔

---

[1] ابن اثیر۔جلد ۱۔ص ۵۰۴　[2] ایضاً۔ص ۲۸۱　[3] خلاصۃ الوفاء۔ص ۲۶۳　[4] مسند۔جلد ۵۔ص ۲۸۵
[5] معجم البلدان۔ص　[6] صحیح بخاری۔جلد ۲۔ص ۶۵۶ باب قولہ ولتسمعن اوتوالکتاب

" لقد اصطلح اهل هذه البحيرة على ان يتوجوه فيعصبونه بالعصابة "۔

یعنی "اس شہر کے باشندوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس (ابن ابی) کو تاج پہنا دیں اور اس کی سلطنت کی پٹی باندھیں"۔

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں[1]۔

" اولا نهم يعصبون رؤسهم بعصابة لا تنبغي لغير هم بمتازون بها "۔

"یعنی رئیس کو معصب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے سر پر ایک پٹی علامت کے طور پر ہوتی تھی، جو دوسرے نہیں باندھ سکتے تھے"۔

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں[2]۔

" ای فیعممونه کعمامة الملکوت "

یعنی "پٹی باندھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے بادشاہوں کا سا عمامہ باندھا جائے"۔

مہمات سلطنت میں مشورہ کے لئے انصار نے ایک جداگانہ مکان تعمیر کیا تھا، جو سقیفہ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور تھا[3]۔ یہ عمارت سعد بن عبادہ سردار خزرج کے مکان سے متصل تھی اور انہی کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ انصار میں گو باہم نہایت خونریز جنگیں واقع ہوئی تھیں اور آپس میں سخت مخالفت تھی، تاہم یہ کہیں نہیں پتہ چلتا کہ کسی زمانہ میں ان کے دو دارالشوریٰ قائم ہو گئے تھے۔ یعنی اوس وخزرج نے اپنے مشوروں کے لئے کبھی علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنائی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کی بحث اسی ثقیفہ میں پیدا ہوئی تھی اور انصار کا اجتماع اسی جگہ ہوا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ انصار میں اس قدر تمدن موجود ہونے کے باوجود عورتوں اور مردوں کی طہارت کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ہجرت نبوی کے زمانہ میں اس کے بعد جو کچھ حالت تھی۔ اس کو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے[4]۔

فخرجت معي ام مسطح قبل المناصع وهو متبرزنا ...و ذالک قبل ان نتخذ الكنف قريبا من بيوتناوا مرنا امر العرب الاول في التبرز قبل الغائط فكنا نتاذى با لكنف ان نتخذها عند بيوتنا.

"میں ام مسطح کے ہمراہ مناصع چلی جو قضائے حاجت کی جگہ تھی ۔۔۔اور یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب طہارت خانے ہمارے مکانوں کے قریب نہیں بنے تھے اور ہماری

[1] فتح الباری ص ۱۷۴ ج ۸۔ [2] عمدۃ القاری۔ جلد ۸۔ ص ۵۳۴ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۳ باب ماجاء فی السقائف۔ [4] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۷ باب قولہ عزوجل ان الذین جاؤوا بالافک الخ۔

حالت اس معاملہ میں بالکل عرب قدیم جیسی تھی۔ اور ہم اپنے گھروں میں طہارت خانے کا بنانا ناپسند کرتے تھے۔"

علامہ عینیؒ "مناصع کے تحت میں لکھتے ہیں[1]۔

مواضع خارج المدینة کانو ایتبرزون فیها

"مدینہ کے باہر چند مقامات ہیں۔ جہاں لوگ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے"۔

تاہم عرب میں جس قسم کا پردہ رائج تھا۔ اور مرد ان کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ اسی لئے عورتیں رفع ضرورت کے لئے جاتیں تو رات کو جاتی تھیں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں۔

و کنا لا نخرج الا لیلا الی لیل

"اور ہم صرف رات کو رفع ضرورت کیلئے نکلتے تھے"۔

زراعت :

انصار زراعت پیشہ تھے اور یہ ان کے نبطی ہونے کا اثر تھا۔ عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ عرب حضر اور عرب بدو، بنو اسمعیل میں دونوں قسم کے قبائل موجود تھے۔ نبطی اور قریش مکہ حضری عرب تھے۔ بخلاف اس کے عرب کے دیہاتوں اور جنگلوں میں جو خاندان آباد تھے۔ وہ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انصار چونکہ نبطی الاصل تھے۔ اس لئے ابتدا ہی سے حضارت کی طرف راغب تھے۔ چنانچہ یمن جا کر انھوں نے اس قدر باغات اور اراضی پیدا کی کہ اولاد قحطان میں یمن کے حاکم ہونے کے باوجود کسی کے پاس نہ تھی[2]۔

وہاں سے نکل کر جہاں جہاں سکونت اختیار کی وہ تمام پر فضا اور زرخیز مقامات تھے[3]۔ یثرب آ کر بھی انھوں نے اسی طریقہ پر بودوباش کی، یعنی کاشتکاری کرتے تھے وتقریباً شمالی عرب کی تمام آبادی کا واحد ذریعۂ معاش تھا۔ چنانچہ خیبر وغیرہ کے متعلق صحاح میں اس قسم کی بہت سی تصریحیں ملتی ہیں۔

ہم نے ابھی کہا ہے کہ انصار میں زراعت کا خیال نبطی الاصل ہونے کے سبب سے تھا اس کے ثبوت میں کہ نبطی زراعت پیشہ تھے، ہم ذیل کی روایات پیش کرتے ہیں۔

عرب مورخین کو چونکہ نطبیوں کا زیادہ علم نہیں، نیز وہ ان کو اختلاف معاشرت اور لہجہ و زبان کے لحاظ سے غیر عرب سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنی تاریخوں میں ان کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری۔ جلد ۸۔ ص ۴۷۳ [2] معجم البلدان۔ ص ۳۵۵ [3] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۲۰۷

تاہم نبط کا لفظ ان کے ہاں بھی بالکل نامانوس نہیں۔ یاقوت کا بیان ہے[1]۔

" اما لنبط فکل لم یکن راعیا او جند یا عند العرب"

" یعنی نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک نبط کے مفہوم ہی میں متمدن زندگی داخل تھی۔ البتہ مورخین یونان نے سیاسی تعلقات کی بناء پر نبطیوں کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ایک مورخ ان کے مختلف حالات لکھتا ہے[2] کہ

ملک کا بڑا حصہ سرسبز ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی سرسبز زراعت کے بغیر ناممکن ہے۔ نبطیوں کی زراعت کے ثبوت کے بعد اب انصار کی کاشتکاری کا حال سنو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں[3]۔

"وان اخوا ننا من الانصار کان یشغلهم العمل فی اموالهم"

"اور ہمارے انصار کی بھائیوں کو ان کی زمینوں کا کام طلب علم سے باز رکھتا تھا"۔

حضرت رافع بن خدیج ؓ کہتے ہیں[4]۔

"کنا اکثر اهل المدینة مزدرعا"

"ہم مدینہ میں سب سے بڑے کاشتکار تھے"۔

حضرت انسؓ ، حضرت ابوطلحہؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں[5]۔

" ابو طلحه اکثر انصاری بالمدینه نخلا"

"انصار میں ابوطلحہ سب سے زیادہ نخلستانوں کے مالک تھے"۔

اسی طرح اور بھی بہت سی جزئیات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کلیتہً زراعت پیشہ تھے۔ اور چونکہ مدینہ طبعی طور سے سیر حاصل مقام تھا۔ اس لئے وہاں کی آبادی کے لئے کاشتکاری اور بھی ضروری ہوگئی تھی۔ چنانچہ زراعت کی کثرت اور پیداوار کی صلاحیت کی وجہ سے مدینہ کے ہر چہار طرف جھنڈ کے جھنڈ سیکڑوں کھجور کے درخت نظر آتے تھے[6]۔

---

[1] معجم البلدان۔ حوالہ مذکور [2] Gold Minest P. 228 [3] صحیح بخاری۔ جلد۱۔ ص۲۲ باب حفظ العلم
[4] ایضاً۔ جلد۱۔ ص۳۱۲ باب قطع الشجر والنخل [5] ایضاً۔ جلد۲۔ ص۶۵۴ باب قولہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون [6] خلاصۃ الوفاء۔ ص۲۷۳

چونکہ انصار بالکل بدوی اور وحشی نہ تھے۔ بلکہ ان میں کسی قدر تمدن بھی تھا۔ اس لئے ان میں زمین کی کاشت کے متعلق کچھ اصول و آئین رائج تھے۔ مثلاً وہ جب تک یہود کے زیر اثر رہے ان کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے[1]۔ اسی طرح جب خود مدینہ کے مالک ہوئے تو ہر خاندان کے حصہ میں کم وبیش زمین آئی۔ جن لوگوں کے پاس زمین کم تھی وہ بڑے زمینداروں سے جوتنے، بونے کے لئے کھیت لیتے تھے[2]۔

اسی زمانہ میں چونکہ مدینہ میں کوئی سکہ نہ تھا۔ اس لئے کاشتکار کو زمین دیتے وقت یہ بتلا دیا جاتا تھا کہ کھیت میں اتنا حصہ تمہارا اور اتنا زمیندار کا حق ہوگا۔ اس میں بسا اوقات کاشتکار کا نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا کہ کھیت کے ایک حصہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرا حصّہ بالکل خالی رہتا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اس بے رحمانہ رسم کو بالکل اُٹھا دیا[3]۔

مدینہ کی پیداوار میں کھجور سب سے زیادہ مشہور ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ جس افراط اور تنوع کے ساتھ پیدا ہوتی تھی۔ ان کی نظیر عرب کے دوسرے خطوں میں مشکل سے مل سکے گی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہاں کھجور کی ایک سو بیس قسمیں پیدا ہوتی تھیں[4]۔

قسموں کی یہ تعداد خواہ صحیح نہ ہو۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کثیر یقیناً تھی۔

تجارت :

انصار کی سیرت میں یہ عنوان ترتیباً سب سے اخیر درجہ پر ہے۔ اس لئے ہم بھی اس کو اخیر میں لکھتے ہیں۔ انصار تجارت بھی کرتے تھے اور اس کے لئے خود مدینہ میں تمام سامان مہیا تھا۔ یعنی بازار موجود تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے کئی بازار تھے۔ جن میں قینقاع سب سے زیادہ مشہور ہے۔ انصار اس میں جاتے تھے، یہ بازار سال میں کئی مرتبہ لگتا تھا۔ اور یہاں عرب کے مشہور بازاروں کی طرح شعراء جمع ہو کر اپنے اپنے اشعار سناتے تھے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ اور نابغہ سے یہیں ملاقات ہوئی تھی[5]۔

لیکن انصار نے صرف اسی حد تک قناعت نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے اپنے لئے یہودیوں سے علیٰحدہ چند بازار قائم کئے۔ چنانچہ مدینہ کا سب سے بڑا بازار وہ تھا جو مہروز میں لگتا تھا[6]۔

---

[1] معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۴۲۶ [2] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۷ [3] صحیح مسلم بخاری: جلد ۱۔ ص ۳۱۳ باب مایکرہ من الشروط فی المزارعة [4] زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۹۵ [5] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۸۱ [6] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۲۰۰

اور جس کے قریب بنوساعدہ کی آبادی تھی[1]۔ایک بازار قبا میں تھا۔اور غالباً عمرو بن عوف کا تھا۔ یہ بازار قینقاع کے بعد لگا کرتا تھا[2]۔ ایک بازار ام العیال نامی ایک چشمہ کے کنارے لگتا تھا[3]۔ ایک بازار مسجد الرایہ کے قریب تھا۔ یہ مدینہ کا قدیم بازار تھا اور اس کی پشت پر ثنیۃ الوداع کی پہاڑیاں واقع تھیں[4]۔ایک بازار کا نام مزاحم تھا اور یہ اوائل اسلام تک لگتا تھا[5]۔ ایک بازار بقیع میں تھا[6]۔

چونکہ مدینہ میں کوئی سکہ نہ تھا،اس لئے تجارت میں غالباً ایک چیز سے دوسری چیز کا تبادلہ کرتے ہوں گے۔ چنانچہ کھجور کے متعلق بہت سی حدیثوں میں اس کی تصریح ملتی ہے حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں[7]۔

''کنا نرزق تمر الجمع و هو الخلط من التمر و كنا نبيع صاعين بصاع فقال النبي ﷺ لا صاعين بصاع ولا درهمين بدرهم''۔

''ہم کو اچھے بُرے ہر قسم کے چھوہارے ملتے تھے اور ہم بُرے چھوہاروں کے دو صاع کو اچھوں کے ایک صاع کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے۔لیکن نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ دو صاع کے معاوضہ میں نہیں دیئے جا سکتے''۔

خرید و فروخت کے مختلف طریقے رائج تھے۔ایک طریقہ یہ تھا کہ پھلوں کو ۲۔۳ سال کے لئے بلا وزن اور مقدار متعین کئے بیچ ڈالتے تھے۔آنحضرت ﷺ نے اس کو اس شرط پر جائز رکھا کہ وزن اور مقدار معلوم رہنا چاہئے[8]۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خریدار چیز کے مالک کا دن یا رات کو کپڑا چھو لیتا تھا۔اور یہی بیع سمجھی جاتی تھی۔ تیسری صورت یہ تھی کہ بائع و مشتری دونوں ایک دوسرے کی طرف اپنے کپڑے پھینک دیتے تھے۔اور پھر گفتگو کی ضرورت نہ باقی رہتی تھی[9]۔

ایک صورت یہ تھی کہ کھجور درختوں پر ہی ہوتے تھے اور ان کا اندازہ کر کے اس کے عوض دوسرے پھل خریدے جاتے تھے۔انگور بھی اسی طرح بیچتے تھے اور اس کے معاوضہ میں کشمش لیتے تھے۔اس کو مزابنہ کہتے ہیں[10]۔

---

[1] ایضاً ص ۸۸ [2] ابن اثیر۔جلد ا۔ص ۴۹۴ [3] خلاصۃ الوفاء۔ص ۲۶۰ [4] ایضاً۔ص ۲۶۶
[5] ایضاً۔ص ۲۹۸ [6] صحیح بخاری۔جلد ا۔ص ۲۸۵ [7] ایضاً۔جلد ا۔۲۷۹
[8] صحیح بخاری۔جلد ا۔ص ۲۹۵ باب السلم فی کیل معلوم [9] صحیح مسلم۔جلد ا۔ص ۱۰۱
[10] صحیح بخاری۔جلد ا۔ص ۲۹۱ باب بیع المزابنة وهی بیع التمر

ایک طریقہ یہ تھا کہ کھیت کرایہ پر اٹھائے جاتے تھے اور مالک شرط کر لیتا تھا کہ نہروں اور نالیوں کے آس پاس کی زمین ہماری اور باقی تمہاری ہوگی[1]۔

ایک صورت یہ تھی کہ خریدار موجود نہ ہوتا۔ اور چیز اس کے لئے رکھ لی جاتی۔ اور اس کی ملک سمجھی جاتی تھی[2]۔

ایک طریقہ یہ تھا کہ مال خرید کر مشتری اسی جگہ فروخت کر ڈالتا، اور اس سے جو دام ملتے وہ بائع کو دیتا۔ (ہدایہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۸)

ایک صورت روپے پیسے کے لین دین کی تھی اور یہ امرائے انصار کرتے۔ مثلاً زید ابن ارقم[3] کعب بن مالک[4] ابو قتادہ[5] وغیرہ۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا۔ کہ لوگ ایک مقررہ میعاد کے لئے درہم لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے، ادھار نہیں[6]۔

بعض انصار شراب کی تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ

"خدا نے شراب کا ذکر کیا ہے اور امید ہے کہ اس کے متعلق کچھ نازل ہو کر رہے گا۔ اس لئے تم میں سے جس کے پاس شراب ہو۔ اس کو فروخت کر کے نفع حاصل کر لے"۔

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اب اس کے پینے اور فروخت کرنے کی قطعی ممانعت ہے"۔ چنانچہ لوگوں نے شراب کو مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا[7]۔

ان باتوں کے بعد اب اس ضمن میں کچھ حالات اور سن لینے چاہیں۔ وہ خرید و فروخت میں کثرت سے قسمیں کھاتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو منع فرمایا[8]۔ بعض لوگ دھوکا دیتے تھے۔ چنانچہ حبان بن منقذ کے متعلق ہے کہ وہ اکثر دھوکا کھاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب کچھ بیچو تو کہہ دیا کرو۔ کہ اس میں دھوکا نہ چلے گا اور میں چاہونگا تو ۳ دن میں اپنی چیز واپس لے لونگا"[9]۔

یہ روایت صحیح بخاری، مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔ لیکن اس میں حبان کا نام نہیں آیا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۷ باب کراء الارض بالذہب والورق
[2] ایضاً۔ ص ۶۰۳ باب تحریم بیع الحاضرہ
[3] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۱
[4] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۲۲
[5] ایضاً۔ ص ۶۲۴
[6] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص۔ ۵۶۱ باب کیف اخی النبی ﷺ بین اصحابہ
[7] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۲۸
[8] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۴۱ باب النبی ﷺ عن الحلف فی البیع
[9] ہدایہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲

صنعت وحرفت :

جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے۔ انصار میں صنعت وحرفت کا بالکل رواج نہ تھا یا تھا تو شاذ و نادر تھا۔ چنانچہ ابوشعیب انصاری کے متعلق مذکور ہے کہ ان کا غلام قصاب تھا[۱]۔ ایک انصاریہ کے غلام کو نجاری آتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے اس سے ایک منبر بنوایا تھا۔ جو مسجد نبوی میں رکھا گیا۔ اس سے پہلے مسجد نبوی میں منبر نہ تھا[۲]۔ قروہ بن عمرو بیاضی کا غلام ابو ہند حجام تھا[۳]۔

تعلیم :

انصار میں جہالت کی عمومیت کے ساتھ کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود تھے۔ جو عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے اوائل میں حسب ذیل حضرات لکھنا جانتے تھے :

سعد بن عبادہؓ منذرؓ بن عمرو، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافعؓ بن مالک، اسیدؓ بن حضیر، معنؓ بن عدی البلوی، بشیرؓ بن سعد، سعدؓ بن ربیع، اوسؓ بن خولی، عبداللہ بن ابی منافق، ان میں زیدؓ بن ثابت عربی کے ساتھ عبرانی میں بھی خط وکتابت کرتے تھے۔ جو شخص کتابت کے ساتھ تیراندازی اور تیراکی بھی سیکھتا۔ اس کو کلمہ اور کامل کا خطاب دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جاہلیت قدیم میں دو شخص ان کمالات کے جامع ہوئے تھے۔ سوید بن صامت اور حضیر کتائب[۴]۔ اسلام کے زمانہ میں بھی رافعؓ بن مالک، سعدؓ بن عبادہ، اسیدؓ بن حضیر، عبداللہ بن ابی، اوسؓ بن خولی، انہی خطابات سے مخاطب تھے۔

---

۱ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۹ ۲ صحیح بخاری۔ ص ۲۸۱ باب النجار ۳ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۱
۴ فتوح البلدان۔ ۴۷۹

زمانۂ اسلام

انصار میں اسلام کی ابتداء

یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ انصار ایام جاہلیت میں حج کرتے تھے اور سالانہ مکہ آتے تھے۔ اس کے علاوہ باہمی خانہ جنگیوں کے باعث ان میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا یہ اثر تھا کہ یہود ان کو دبانا چاہتے تھے اور مدینہ کو ان کے قبضہ سے نکال لینے کی فکر کرتے تھے۔ پھر خود اوس و خزرج میں اس قدر عناد پیدا ہو گیا تھا کہ اوس قریش کے حلیف بننے کے لئے مکہ آئے تھے۔ لیکن ابو جہل کی وجہ سے یہ تعلقات قائم نہ ہو سکے اور ان کو ناکام واپس ہونا پڑا۔ یہ وجوہات تھیں جن کی وجہ سے انصار کو مکہ آنا پڑتا تھا۔

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں انصار کی آمد و رفت مکہ میں برابر جاری تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے اہل مدینہ میں سے جس کو حامل وحی کی زبان سے دعوت اور قرآن مجید کی آیات سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ سوید بن صامت تھا۔ سوید قبیلہ عمرو بن عوف میں ایک ممتاز آدمی تھا۔ اور چونکہ صحت جسمانی، شرافت نسب اور شاعری کا جامع تھا۔ اس لئے اس کے قبیلے والے اس کو عام عرب کی عادت کے مطابق کامل کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ آیا۔ تو آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ اسلام کی تبلیغ سن کر بولا کہ "جو تمہارے پاس ہے۔ وہی میرے پاس بھی ہے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تمہارے پاس کیا ہے"؟ کہا صحیفہ لقمان، ارشاد ہوا۔ "مجھ کو سناؤ"۔ اس نے کچھ سنایا تو آنحضرت ﷺ نے خوشنودی ظاہر کی اور فرمایا:

"میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے اور وہ قرآن ہے"۔ اس نے قرآن سنا تو بہت پسند کیا۔ لیکن نتیجہ صرف اس قدر نکلا۔ کہ ابن ہشام کے قول کے مطابق،

"فلم یبعد منه"۔ یعنی "وہ اسلام سے دور نہیں رہا"۔

مکہ سے مدینہ واپس ہوا اور وہاں خزرج نے اس کو قتل کر دیا۔ عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ وہ مسلمان مرا۔ یہ بعاث سے قبل کا واقعہ[1] ہے۔

اس کے بعد ابو المیسر انس بن رافع، عبد الاشہل کے چند آدمیوں کو لے کر جن میں ایاس بن معاذ بھی تھے، قریش سے حلف قائم کرنے کے لئے مکہ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو اس مجمع کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ قرآن مجید کو سن کر ایاس جو ابھی کمسن تھے بول اٹھے کہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳

"تم جس کام کے لئے آئے ہو یہ اس سے بہتر ہے"۔ ابوالمیسر نے یہ سنکر ایاس ؓ کے کچھ کنکریاں پھینک ماریں۔ وہ خاموش رہے اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کی اتنی دیر کی صحبت میں ایاس ؓ نے اسلام کو جو کچھ سمجھا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ مرتے وقت وہ برابر تکبیر کہتے اور خدا کی حمد لوگوں کو سناتے رہے۔ اسی وجہ سے ان کے قبیلے کے لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے[1]۔ اور بے شک وہ مسلمان بھی تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن واضح کاتب عباسی نے لکھا ہے کہ ایاس ؓ اوسیوں کے ساتھ آئے تھے اور ان کے ہمراہ اسعد بن زرارہ بھی تھے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ ان کی غلطی ہے اوس جس مقصد سے آئے تھے وہ یہ تھا کہ خزرج سے مقابلہ کرنے کے لئے قریش کے حلیف بنیں۔ اس بناء پر وہ خزرج کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ نہیں لا سکتے تھے۔ اور چونکہ اسعد بن زرارہ بنونجار سے تھے جو خزرج کا ایک خاندان تھا۔ اس لئے ان کا ساتھ آنا کیونکر ممکن تھا؟ یہ صرف ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ جنگ معبس اور مضرس میں جب اوس نے شکست کھائی تو قریش سے حلف کا تعلق قائم کرنے مکہ گئے تھے۔ لیکن کس طرح گئے تھے؟ اس کا جواب ابن اثیر کی زبان سے سننا چاہیے[2]۔

"واظهروا انهم يريدون العمرة وكانت عادتهم انه اذا اراد احد هم العمرة اوالحج لم يعرض اليه خصمه ويعلق المعتمر على على بيته كر انيف النخل ففعلو اذلك"۔

"اور انہوں (اوس) نے (حلف کے لئے جاتے وقت) ظاہر کیا کہ وہ عمرہ کی غرض سے جارہے ہیں اور یہ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی حج یا عمرہ کی غرض سے جاتا تو دشمن اس سے تعرض نہ کرتا تھا اور عمرہ کرنے والا اپنے دروازہ پر کھجور کی جڑیں کاٹ کر لٹکا دیتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بھی جڑیں لٹکائی تھیں"۔

جب اوس وخزرج کی باہمی عداوتوں کا یہ حال تھا تو پھر وہ ایسے اہم معاملہ میں دوسرے خاندان کے آدمی کو کیونکر ساتھ لا سکتے تھے؟

اصل یہ ہے کہ ہمارے مورخ نے دو جداگانہ واقعات کو ایک واقعہ سمجھ لیا ہے اور اسی وجہ سے خلط مبحث ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے تھے"۔ حالانکہ جس جماعت میں ایاس تھے۔ اس میں سے ایک متنفس بھی مسلمان نہیں ہوا۔ اور خود ایاس نے

---

[1] مسند ابن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۲۷ [2] ابن اثیر۔ جلد ا۔ ص ۵۰۷۔ ۵۰۸

بھی علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ کنکریاں کھا کر چپ ہو رہے۔ اور سب کے ساتھ مدینہ واپس گئے[۱]۔ ہمارے مورخ نے اس واقعہ اور عقبہ اولیٰ کی بیعت کو ایک سمجھ لیا۔ حالانکہ ان دونوں میں کم از کم ایک سال کا فصل ہے عقبہ اولیٰ میں اسعد بن زرارہ بے شک موجود تھے۔ لیکن اس وقت ایاس بن معاذؓ کا پتہ تک نہ تھا۔ کیونکہ وہ جنگِ بعاث میں فوت ہو چکے تھے۔

اس غلطی کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ انصار میں سے پہلے کون صاحب مسلمان ہوئے؟ بعض لوگوں نے رافع بن مالک زرقی اور معاذ بن عفراء کا نام لیا ہے۔ بعض اسعد بن زرارہ اور ذکوان کو پہلا مسلمان سمجھتے ہیں[۲] اور بعض جابر بن عبداللہ بن رباب کو اولیت کا مستحق جانتے ہیں[۳]۔ ابن واضح نے غالباً دوسری جماعت کا ساتھ دیا ہے لیکن اس سے اولاً تو ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی یہ نہ لکھ سکے کہ اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دوسرے اس غلط مبحث کی وجہ سے کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جو قدیم مورخین کی تشویش واضطراب سے بدر جہا زیادہ خطرناک ہیں۔

بیعت عقبہ اولیٰ:

یہ بیعت درحقیقت انصار میں اشاعتِ اسلام کا دیباچہ تھی۔ آنحضرت ﷺ ابتداء اسلام کی نہایت مخفی طور پر اشاعت کرتے تھے۔ لیکن جب اس پر بھی مشرکین کا بغض وعناد بڑھتا گیا اور اسلام کی ترقی کی راہ میں رُکاوٹیں پیدا ہونے لگیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے توحید کا وعظ علی الاعلان شروع کر دیا۔ اور مجنہ، عکاظ اور ذی المجاز وغیرہ میں جا کر عرب کے دیگر قبائل کے سامنے دین الٰہی کی منادی شروع کی اور اپنے کو ان کے وطن چلنے کے لئے پیش کیا۔ لیکن بار بار کی تکرار کے باوجود کچھ نتیجہ نہ نکلا چنانچہ آپ اس عرصہ میں جن قبائل کے پاس تشریف لے گئے ان کے نام یہ ہیں:

عامر بن صعصعہ، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، نضر، بکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمۃ[۴]۔

لیکن جب خدا کو اپنے دین کو غالب آنحضرت ﷺ کی مدد اور آپ سے جو کچھ وعدے کئے تھے۔ ان کے پورا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے آنحضرت ﷺ کو انصار کے خیموں میں پہنچا دیا۔ جو ایام حج میں بمقام منیٰ نصب تھے۔ انصار کا یہ گروہ جس کی تعداد ۶ یا ۸ بیان کی جاتی

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۳ [۲] ابن سعد۔ جلد ۱ قسم ۱۔ ص ۱۴۶ [۳] زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۱
[۴] زاد المعاد ابن قیم۔ جلد ۱ ص ۳۰۵

ہے۔ قبیلہ خزرج سے تھا۔[1] آپ نے ان کو دین الٰہی کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور آپ سے مدد اور نصرت کا وعدہ کیا اور یہ کہا کہ ہمارے درمیان باہمی لڑائیوں کی وجہ سے سخت عداوت پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے پہلے ہم کو ان نزاعوں کا فیصلہ کرنا ہے۔ پھر آپ کو اپنے ہاں بلائیں گے۔ اور اگر موجودہ حالت میں آپ تشریف لے گئے تو کامیابی کی کچھ زیادہ امید نہیں اور ہم آئندہ سال آپ کے پاس پھر آئیں گے۔

یہ مختصر جماعت حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھی :

اسعد بن زرارہ، عوفؓ بن حارث بن عفراء ، رافعؓ بن مالک، قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ، عقبہؓ بن عامر بن نابی، جابرؓ بن عبداللہ بن رباب[2]۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس جماعت میں سب سے پہلے کن بزرگ نے اسلام کی دعوت کو لبیک کہا تھا؟ ابن کلبی اور ابونعیم نے رافع بن مالک کو پہلا مسلمان سمجھا ہے[3]۔ اور طبقات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد بنی زریق میں سب سے پہلے قرآن پڑھا گیا[4]۔ قاضی ابن عبدالبر نے جابر بن عبداللہ بن رباب کی نسبت گمان کیا ہے[5]۔

مغلطائی نے اسعدؓ بن زرارہ اور ذکوان ابن عبد قیس کو سب پر مقدم رکھا ہے[6]۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے معاذؓ ابن عفراء نے بیعت کی تھی[7]۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے اس لئے ہم بھی صاحب طبقات کے ساتھ مل کر صرف اس قدر کہتے ہیں کہ لم یکن قبلھم احد یعنی ان لوگوں سے قبل اور کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

بعض لوگوں نے اس تعداد میں دو آدمیوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ وہ دو بزرگ یہ ہیں :

ابوالہیثمؓ بن التیہان اور عویمؓ بن ساعدہ، لیکن یہ دونوں خزرج کے قبیلہ سے نہ تھے۔ بلکہ اوس سے تھے اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ اس جماعت میں قبیلہ اوس کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں[8]۔

" لقی عند العقبة فی الموسم ستة نفر من الانصار کلھم من الخزرج "۔

"آنحضرت ﷺ حج کے زمانہ میں انصار کے ۶ آدمیوں سے ملے جو کل کے کل خزرج سے تھے "۔

ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں۔

---

۱ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۰ ۲ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۴۶۔۱۴۷

۳ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۶ ۴ طبقات۔ ص ۱۴۶ ۵ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۸۷۶

۶ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۱ ۷ اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۷۹ ۸ زاد المعاد۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶

"قال ابن اسحاق وھم فیما ذکر لی ستة نفرمن الخزرج "[1]۔

"ابن اسحاق کا قول ہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے۔خزرج کے ۶ آدمی تھے"۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

" فاسلم منھم ستة نفرو کلھم من الخزرج "۔ (زرقانی۔جلدا۔ص۳۶۰)

"پس ان میں سے ۶ آدمی مسلمان ہوئے جو سب کے سب خزرجی تھے"۔

بعض لوگوں نے عبادہؓ بن صامت کا جابرؓ بن عبداللہ بن ریاب کے بجائے نام لیا ہے۔ لیکن یہ وہ خیال ہے جس کی خود حضرت عبادہؓ نے تردید کردی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں[2]۔

"کنت فیمن حضر العقبة الاولیٰ وکنا اثنی عشر رجلا"۔

"میں ان لوگوں میں ہوں جو عقبہ اولیٰ میں موجود تھے اور ہم بارہ آدمی تھے"۔

صحیح بخاری میں حضرت عبادہؓ سے منقول ہے[3]۔

"انا من النقباء الذین بایعوا رسول اللہ ﷺ"۔

"میں ان نقبا میں ہوں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی"۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۲ آدمیوں کی تعداد ہمارے موجودہ عنوان کے ایک سال بعد پوری ہوئی ہے، علامہ ابن اثیر، حضرت عبادہؓ کے حالات میں لکھتے ہیں[4]۔

" شھد العقبة الاولیٰ والثانیة "۔ "انہوں نے عقبہ اولی اور ثانیہ میں شرکت کی"۔

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ مذکورہ بالا روایتوں میں جس عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کا ذکر آیا ہے وہ ہمارے نزدیک ثانیہ اور ثالثہ ہے، پہلی بیعت ہمارے نزدیک وہ ہے جس کا ہم موجودہ عنوان میں تذکرہ کررہے ہیں اور اس کا ہمارے مصنفین رجال اور مورخین کے ہاں کوئی نام نہیں اصل یہ ہے کہ عقبہ میں انصار نے ۳ مرتبہ بیعت کی ہے، پہلے سال ۶ آدمی تھے۔دوسرے سال ۱۲، اور تیسرے سال ۷۵، مورخین ۱۲۔اشخاص کی بیعت کو عقبہ اولیٰ اور ۷۰ کی بیعت کو عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ ولا مشاحة فی الاصطلاح لیکن ہم نے جو تقسیم کی ہے، وہ زیادہ صاف اور واضح ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہماری تائید میں موجود ہیں وہ فرماتے ہیں۔

"ان الا نصار اجتمعو ابالنبی ﷺ ثلٰث مرات بعقبة منی"۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔جلدا۔۲۲۵ [2] مسند ابن حنبل۔جلد۵۔ص۳۲۳ [3] صحیح بخاری۔جلدا۔ص۵۵۰ باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکة وبیعة وعقبہ [4] اسد الغابہ۔جلد۳۔ص۱۰۶

''انصار آنحضرت ﷺ سے منیٰ کی گھاٹی میں ۳ مرتبہ ملے''۔

علامہ ابن اثیر نے بھی ہماری تقسیم سے موافقت ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ بعض لوگ اس بیعت کو جس میں ۶ آدمی شامل تھے عقبہ نہیں کہتے ہیں، بلکہ صرف ۲ بیعتوں کا نام عقبہ رکھتے ہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ :

یہ ہمارے مورخین کی اصطلاح میں عقبہ اولیٰ ہے۔ یاد ہوگا کہ گزشتہ بیعت میں انصار نے آنحضرت ﷺ سے دوسرے سال آنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مدینہ پہنچ کر اسلام کی دعوت دی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور اکثر گھروں میں آنحضرت ﷺ کا چرچا ہونے لگا[1]۔

دوسرے سال ان ۶ آدمیوں کے ساتھ ۶ مسلمان اور ساتھ ہو گئے اور ۱۲ اصحاب کا مقدس قافلہ حاملِ وحی و رسالت کی زیارت کے لئے مکہ روانہ ہوا۔

یہاں آنحضرت ﷺ سے عقبہ میں ملاقات ہوئی اور ان شرائط پر بیعت لی گئی :

(۱) شرک نہ کریں گے۔ (۲) چوری نہ کریں گے۔ (۳) زنا نہ کریں گے۔ (۴) اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ (۵) کسی پر بہتان نہ باندھیں گے۔ (۶) آنحضرت ﷺ کی اچھی باتوں میں نافرمانی نہ کریں گے۔

چونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ان شرائط میں اس کا تذکرہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بیعت لینے کے بعد فرمایا : ''اگر تم اس عہد کو پورا کرو گے تو تم کو جنت ملے گی، ورنہ خدا کو اختیار ہوگا، خواہ مغفرت کرے خواہ عذاب دے''[2]۔

بیعت کر کے یہ لوگ واپس ہوئے تو اب مدینہ میں نہایت سُرعت سے اسلام ترقی کرنے لگا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز کا انتظام کیا[3]۔ اور قبیلہ نبیت کی نشیبی زمین میں گویا یک مسجد کی بنیاد پڑی۔ بنوزریق میں بھی ایک مسجد بن چکی تھی[4]، ان کوششوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو ایک خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ ہماری تعلیم کے لئے ایک قاری بھیج دیجئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس اہم کام کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ

۱؎ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۴۰
۲؎ مسند ابن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۳
۳؎ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۴۸
۴؎ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۷

سعدؓ بن زرارہ کے مکان میں اُترے اور قرآن مجید کی تعلیم شروع کی[۱]۔ اہلِ مدینہ ان کو مقری کہا کرتے تھے[۲]۔

اس کے ساتھ ہی نماز کی امامت بھی انہی کے سپرد ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار اپنی دیرینہ باہمی عداوتوں کے باعث ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے[۳]۔ غرض حضرت مصعب ؓ کے مدینہ پہنچ جانے سے اشاعتِ اسلام میں نہایت نمایاں ترقی ہوئی اور سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ حضرت سعد بن معاذ ؓ اور اسید بن حضیرؓ نے دینِ اسلام اختیار کیا، یہ دونوں بزرگ قبیلۂ عبدالاشہل کے سردار تھے۔

سعدؓ بن معاذ اور اسید بن حضیر ؓ کا اسلام :

مصعب ؓ بن عمیر نے اسلام کی منادی کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ اسعد بن زرارہ ؓ کے ہمراہ ہر قبیلے میں جاتے اور وہاں جو لوگ مسلمان ہوتے ان سے باتیں کرتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک روز عبدالاشہل اور ظفر ایک محلّہ میں گئے تو چونکہ سعد بن معاذ ابھی تک مشرک تھے۔ ان کو سخت ناگوار ہوا، لیکن سعد بن زرارہ کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے۔ سعد بن معاذ ؓ، اسعد ؓ بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ تاہم اسید بن حضیر سے کہا کہ ''تم جا کر مصعب کو منع کرو کہ وہ آئندہ سے ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنانے نہ آئیں''۔

اسید نے نیزہ اُٹھایا اور اس باغ میں آپہنچے جہاں مصعب ؓ چند مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اسعد بن زرارہ ؓ نے کہا : ''دیکھنا ! جانے نہ پائیں! یہ اپنی قوم کے سردار ہیں''۔ مصعب ؓ نے جواب دیا ''اگر وہ بیٹھیں گے تو میں گفتگو کروں گا''۔ اسید بن حضیر نے آتے ہی نہایت سخت گفتگو کی جس کو حضرت مصعب ؓ نے نہایت متانت سے سنا اور کہا ''آپ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سن سکتے ہیں؟ اگر پسند ہوں تو قبول فرمایئے گا۔ ورنہ آپ کو اختیار ہے''۔ اسید نے کہا

''تم نے انصاف کی بات کہی''۔ اس کے بعد نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب ؓ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ اثنائے تقریر ہی میں اسید پر جادو چل چکا تھا، قرآن ختم ہوا تو بولے۔ ''کتنا اچھا کلام ہے''۔ پھر پوچھا۔ ''اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟'' فرمایا :

---

۱ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱ قسم۔ ص ۱۴۶ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۶۱

''غسل کیجئے، کپڑے دھوئیے، پھر کلمہ پڑھ کر نماز پڑھئے''۔ اسید نے اُٹھ کر غسل کیا، اور کپڑے پاک کر کے دو رکعت نماز پڑھی، مسلمان ہونے کے بعد بولے۔ ''ابھی ایک آدمی باقی ہے، اگر وہ مسلمان ہو گیا تو تمام قوم مسلمان ہو جائے گی''۔ یہ کہہ کر نیزہ لیا اور سعد بن معاذ کے گھر پہنچے۔ وہ چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسید کے چہرے پر اسلام کا جو نور چمک رہا تھا، اس کو دیکھ کر بولے کہ ''واللہ! اب وہ چہرہ نہیں''۔

اسید ان کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ سعد نے کہا ''کیا ہوا'' جواب دیا، ''میں نے ان سے گفتگو کی، اور ان کے مذہب میں کچھ مضائقہ نہیں پایا اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے جا رہے ہیں جن سے ان کا منشا تمہاری توہین ہے۔ کیونکہ اسعد تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں۔ سعدؓ بن معاذ نے سنا تو غصہ سے بے تاب ہو گئے اور نیزہ لے کر نہایت تیزی سے باغ میں پہنچے، وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ بن زرارہ نہایت امن و سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد نے بھی وہی گفتگو شروع کی جو اسید کر چکے تھے، حضرت مصعبؓ نے ان کے وہی جوابات دیئے اور قرآن سنایا جس کو سنتے ہی سعد بن معاذؓ کلمہ شہادت پکار اُٹھے۔

وہاں سے مکان واپس ہوئے تو عبدالاشہل نے کہا ''اب وہ چہرہ نہیں''، کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھا۔ ''تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟ سب نے کہا ''ہمارے سردار ہم میں سب سے زیادہ صائب الرائے ہمارے معتمد علیہ رئیس''۔ کہا ''تو پھر مجھے تمہاری عورتوں اور مردوں سے گفتگو حرام ہے تاوقتیکہ تم بھی خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ''۔

حضرت سعدؓ کا عبدالاشہل میں جو اثر تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام مرد و زن شام ہوتے ہوئے مسلمان ہو گئے، اور حضرت سعدؓ اور مصعب، اسعد بن زرارہؓ کے مکان میں منتقل ہوئے اور سب ساتھ مل کر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دینے لگے۔[1]

اس کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ ابن سعدؒ لکھتے ہیں۔[2]

'' کان مصعب یاتی الانصار فی دورهم وقبائلهم فيدعوهم الى الاسلام ويقرء عليهم القرآن فيسلم الرجل والرجلان حتىٰ ظهر الاسلام و فشافى دور انصار كلها والعوالى''۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۷ تا ۲۲۹ [2] طبقات۔ جلد ۳۔ ص ۸۳

''مصعب ؓ انصار کے گھروں اور خاندانوں میں جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور قرآن سناتے تھے۔ چنانچہ ان میں ایک دو آدمی مسلمان ہو جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام بالکل ظاہر ہو گیا اور انصار کے تمام گھروں اور بالائی حصوں میں پھیل گیا''۔

قبیلۂ خزرج میں تو پہلے ہی سے اسلام اشاعت پا چکا تھا، سعد بن عبادہ ؓ سردار خزرج کے ایمان نے اور بھی لوگوں کو متوجہ کر دیا، اور اب ا
ن کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ البتہ امیہ بن زید، حطمہ، وائل اور واقف (اوس اللہ) ابو قیس بن اسلت کی وجہ سے بدر اور اُحد تک رکے رہے[1]۔

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۳۹

بیعت عقبۂ کبیر

آخر وہ وقت آ گیا کہ اسلام کا خدائے قدوس اپنے پورے جاہ جلال اور اس کی آتشیں شریعت اپنی پوری آب وتاب سے نمایاں ہو۔ مدینہ میں حضرت مصعب ؓ بن عمیر نے اپنے چند روزہ قیام میں جو کامیابی حاصل کی وہ درحقیقت اسلام کی سب سے نمایاں فتح تھی۔

چنانچہ حج کے زمانہ میں جب وہ مکہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ اوس و خزرج کا وہ مقدس قافلہ بھی تیار ہوا جو گو تعداد کے لحاظ سے تو صرف چند نفوس سے عبارت تھا۔ تاہم ان کے جوش وولولے نے وہ منظر پیش کیا کہ روم وفارس کی سلطنتیں بھی زیروزبر ہو گئیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انصار کا قافلہ جس میں کافر اور مسلم دونوں شریک تھے اور جس کی تعداد ۵۰۰ تھی [1]۔ ذوالحجہ کے مہینہ میں مکہ آیا [2]۔ اور منیٰ میں عقبہ کے قریب مقیم ہوا۔ اس اثنا میں براء بن معرور رئیس خزرج کو آنحضرت ﷺ سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ براء مصعب ؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے اور تمام مسلمانوں کے خلاف کعبہ کی سمت نماز پڑھتے تھے۔ (اور مسلمان اور خود آنحضرت ﷺ بھی اس وقت تک شام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے)۔

لوگ ٹوکتے اور عام جماعت کی مخالفت پر ان کو بُرا کہتے تھے۔ لیکن وہ اپنی رائے پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے۔ لیکن مکہ پہنچ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس عمل میں غلطی ہوئی ہو۔ چنانچہ کعب بن مالک سے کہا کہ ہم کو آنحضرت ﷺ کے پاس چلنا چاہئے۔

براء اور کعب دونوں رسول اللہ ﷺ سے ناواقف تھے۔ البتہ حضرت عباس ؓ سے شناسائی تھی۔ لوگوں نے پتہ بتلایا کہ آپ ﷺ حضرت عباس ؓ کے پاس بیٹھے ہیں، گئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت نے عباس ؓ سے ان کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت عباس ؓ نے دونوں بزرگوں کا تعارف کرایا۔ کعب بن مالک ؓ کا نام آنحضرت ﷺ نے سُنا تو فرمایا شاعر؟ حضرت عباس ؓ نے جواب دیا کہ جی ہاں۔

اس قدر گفتگو کے بعد اصل مسئلہ پیش ہوا۔ براء ؓ نے کہا یا نبی اللہ! میں اس سفر میں مسلمان ہو کر نکلا ہوں اور میرا خیال ہے کعبہ کی طرف پشت کرنے کے بجائے میں اس کی طرف رُخ کر کے نماز

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد ا۔ قسم ا۔ ص [2] زرقانی۔ جلد ا۔ ص ۳۶۷

پڑھوں اور میں ایسا کرتا ہوں۔ لیکن میرے ساتھی مخالفت کرتے ہیں۔ اب آپ جو کچھ ارشاد فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تم ایک قبلہ پر ضرور رہو، لیکن ابھی صبر کرنا چاہئے"۔ چنانچہ براء اس کے بعد سے شام کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ عون بن ایوب انصاری نے اس واقعہ کو ایک شعر میں نظم کیا ہے۔

کہتے ہیں:

ومنا المصلیٰ اول الناس مقبلا
علی کعبۃ الرحمٰن بین المشاعر

حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصار کے ایک اور رئیس عبداللہ بن عمرو بن حرام بھی اس جماعت کے ساتھ آئے تھے اور اب تک مشرک تھے۔ انصار نے خفیہ طور سے ان کو اسلام کی تبلیغ کی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔[1]

حج سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک رات مقرر کی[2] اور تہائی رات کو یہ ۷۳ مسلمان عقبہ کی گھاٹی میں ایک رات درخت کے نیچے جمع ہوئے آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف لائے اور حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا گروہ خزرج! محمد ﷺ ہم میں جس درجہ کے آدمی ہیں اس سے تم بھی واقف ہو اور ہم نے ان کی حفاظت میں کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ اگر تم اپنے وعدوں کو پورا کر سکتے ہو اور ان کو دشمنوں سے بچا سکتے ہو تو بہتر، اور اگر ان کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہے تو صاف صاف اسی وقت کہہ دو۔ کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم میں نہایت مامون اور مصئون ہیں۔

انصار نے کہا ہم نے تمہاری گفتگو سُنی۔ اب یا رسول اللہ ﷺ آپ فرمایئے اور جو کچھ اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے پسند ہو اس کو لیجئے۔ اس درخواست پر آنحضرت ﷺ نے تکلم کا آغاز فرمایا اور قرآن مجید سُنا کر اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ "میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری حفاظت اپنی جانوں کے برابر کرو گے"۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن معرور رئیس خزرج نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، بے شک ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے۔ آپ ہم سے بیعت لیں گے۔ ہم نسلاً بعد نسلٍ سپہ گر اور جنگجو واقع ہوئے ہیں۔ براء رضی اللہ عنہ ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بن التیہان بولے۔ یا رسول اللہ! ہم یہودیوں کے ہم عہد ہیں

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۰۔ ۲۴۱
[2] طبری۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۱۹

اوراب ہم اس کو قطع کردیں گے۔اس بنا پر اگر آپ کبھی غلبہ پائیں تو کیا ہم کو چھوڑ کر اپنے قوم میں جاملیں گے۔آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا :

" بل الدم الدم ! والهدم الهدم ! انا منكم وانتم منى ! ا حارب من حاربتم واسالم من سالمتم "۔

"بلکہ میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے! میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو ! تم جس سے لڑو گے میں بھی لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا"۔

حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا، گروہ خزرج ! تمہیں خبر ہے کہ تم ان سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ تم ان سے عرب وعجم کی جنگ پر بیعت کر رہے ہو! خوب سمجھ لو کہ اس میں تمہاری جائدادیں ضائع ہوں گی اور شرفا قتل ہوں گے۔اگر ایسی حالت میں تم نے ان کو چھوڑا تو خدا کی قسم اس میں دین ودنیا دونوں میں رسوائی ہے۔اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے اور وعدہ کو پورا کیا۔تو دین ودنیا دونوں میں یہ سب سے بہتر ہے اور اس کو تم حاصل کر سکتے ہو[1]۔

یہ باتیں نہایت جوش میں ہو رہی تھیں اور لوگوں کی آوازیں کسی قدر بلند ہوگئی تھیں۔حضرت عباسؓ نے کہا "آواز پست کرو، کیونکہ مشرکین کے جاسوس ادھر اُدھر پھر رہے ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کرے"۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ اس مقصد کے لئے سامنے آئے اور کہا، محمد! تم اپنے رب کے لئے جو چاہو مانگو، پھر اپنے لئے اور اپنے اصحاب کے لئے مانگو، پھر ہم کو بتلاؤ کہ ہم کو تم سے اس کا اجر کیا ملے گا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

"تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، اور اپنے اور اپنے اصحاب کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہم کو پناہ دو، مدد کرو، اور جس طرح جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو"۔

انصار نے کہا اگر یہ تمام باتیں کریں تو ہم کو کیا ملے گا؟ ارشاد ہوا "جنت"۔ بولے، "تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں، ہم اس کے لئے راضی ہیں"[2]۔

شعبی کہا کرتے تھے کہ اتنا مختصر اور بلیغ خطبہ آج تک نہیں سنا گیا[3]۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، جلد ا۔ص ۲۴۲۔۲۴۴ [2] مسند ابن حنبل۔جلد ۴۔ص ۱۱۷۔۱۲۰ [3] طبقات ابن سعد۔جلد ۴۔ص ۴

خطبہ ختم ہونے کے بعد لوگ بیعت کے لئے بڑھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، بعض کا خیال ابوالہیثم ؓ اور اسعد ؓ بن زرارہ کی طرف بھی ہے[۱]۔ ان لوگوں کے بعد باقی جماعت نے بیعت کی۔ آنحضرت ﷺ نے بیعت لے کر فرمایا کہ "موسیٰ نے بنو اسرائیل کے ۱۲ نقیب منتخب کئے تھے، تم بھی اپنی جماعت میں سے ۱۲ آدمی منتخب کرو"۔ چنانچہ جو لوگ منتخب ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱۔ ابو امامہ اسعد ؓ بن ازرارہ، ۲۔ سعد ؓ بن ربیع، ۳۔ عبد اللہ ؓ بن رواحہ، ۴۔ رافع ؓ بن مالک بن عجلان، ۵۔ براء ؓ بن معرور، ۶۔ عبداللہ ؓ بن عمرو بن حرام، ۷۔ عبادہ ؓ بن صامت، ۸۔ سعد ؓ بن عبادہ، ۹۔ منذر ؓ بن عمرو بن خنیس (یہ ۹ اصحاب خزرج سے تھے)۔
۱۰۔ اسید ؓ بن حضیر، ۱۱۔ سعد ؓ بن ابوالہیثم بن التیہان[۲]۔ (یہ تین صاحب اوس سے تھے)۔

بعض لوگوں نے ابوالہیثم کے بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر کا نام لیا ہے۔ لیکن یہ کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں۔ حضرت کعب ؓ بن مالک نے جو انصار کے مشہور شاعر تھے اور اس بیعت میں شریک تھے نقبا کے نام اپنی ایک نظم میں بیان کئے ہیں۔ لیکن اس میں رفاعہ ؓ کا نام نہیں، بلکہ ان کے بجائے ابوالہیثم کا ہے[۳]۔

غرض نقباء کا انتخاب ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا : "تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح کہ حواری عیسیٰ بن مریم کے ذمہ دار تھے اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں"۔ سب نے کہا "بے شک" [۴]۔

یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو حضرت عباس ؓ کا وہ خیال صحیح ثابت ہوا، یعنی ایک شیطان (جاسوس) نے زور سے آواز دی کہ "یا اہلِ منازل! تمہیں کچھ مذمم۔ (یہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کا نام محمد (ﷺ) کے بجائے رکھا تھا) اور ان بے دینوں کی خبر ہے؟ یہ سب تم سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر انصار سے کہا کہ "تم اپنی فرودگاہ پر واپس جاؤ"۔ حضرت عباس ؓ بن عبادہ بن نضلہ سے نہ رہا گیا۔ بولے، خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو ہم کل اہلِ منیٰ پر تلوار لے کر ٹوٹ پڑیں! فرمایا "ابھی ہمیں اس کا حکم نہیں" [۵]۔

۱۔ طبقات ابن سعد، جلد ۱، قسم، ص ۱۵۰ ۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱، ص ۷۱ ۳۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۴
۴۔ طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۵۰ ۵۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۵

غرض انصار اپنے خیموں میں آ کر سو رہے۔ صبح کو ان کے قیام میں رؤسائے قریش کی ایک جماعت پہنچی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہے کہ رات تم نے ہم سے لڑنے کے لئے محمد ﷺ سے بیعت کی، حالانکہ تمام عرب میں ہم تم سے لڑنا سب سے بُرا سمجھتے ہیں۔ مشرکین انصار کو چونکہ اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا اس لئے سب نے قسم کھا کر انکار کیا، اور عبداللہ بن ابی رئیس خزرج نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر یہ واقعہ پیش آتا تو مجھ سے ضرور مشورہ لیا جاتا"۔ قریش یہ سن کر واپس گئے، لیکن ان کے آدمی ہر طرف موجود تھے اور انصار کے ان آدمیوں کی ہر جگہ تلاش تھی۔ چونکہ ان لوگوں کو اب اپنی جانوں کا خوف پیدا ہو گیا تھا، اس لئے سب کے سب خفیہ مدینہ روانہ ہوئے، قریش کو کچھ پتہ نہ چل سکا، لیکن سعد بن عبادہ سردار خزرج اتفاقاً ہاتھ آ گئے، قریش کے آدمیوں نے ان کو سخت تکلیف دی اور مارتے پیٹتے مکہ لائے، یہاں مطعم بن عدی اور حارث بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔

اب انصار کو سعدؓ بن عبادہؓ کی فکر لاحق ہوئی اور سب نے بالاتفاق مکہ چلنے کی نسبت طے کر لیا۔ اتنے میں حضرت سعدؓ آتے دکھائی دیئے اور ان کو لے کر سب خوش خوش مدینہ روانہ ہو گئے[1]۔

جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا یہ بیعت عرب و عجم کی جنگ پر بیعت تھی، اس لئے ہم کو اب ان جانبازوں کے نام بتانے چاہئیں، جنہوں نے اسلام اور آنحضرت ﷺ کو اس وقت پناہ دی جبکہ ان کے لئے اور کوئی جائے پناہ نہ تھی اور اس وقت اپنے کو جان نثاری کے لئے پیش کیا، جبکہ عرب کا کوئی قبیلہ اس میدان میں اترنے کی ہمت نہیں کرتا تھا ان بزرگوں کی مجموعی تعداد ۷۵ ہے، ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

قبیلہ اوس

عبدالاشہل : ۱۔ اسیدؓ بن حضیر ۲۔ ابوالہیثمؓ بن التیہان ۳۔ سلمہؓ بن سلامۃ بن وقش۔

حارثہ : ۴۔ ظہیرؓ بن رافع ۵۔ ابو بردہؓ بن نیار ۶۔ نہیرؓ بن الہیثم۔

عمرو بن عوف : ۷۔ سعدؓ بن خثیمہ ۸۔ رفاعہؓ بن عبدالمنذر ۹۔ عبداللہؓ بن جبیر

۱۰۔ معنؓ بن عدی ۱۱۔ عویمؓ بن ساعدہ۔

قبیلہ اوس سے کل گیارہ اصحاب اس بیعت میں شریک تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد ا۔ قسم ا۔ ص ۱۵۰

قبیلۂ خزرج

نجار : ۱۔ ابوایوبؓ خالد بن زید ۲۔ معاذؓ بن حارث بن رفاعہ ۳۔ عوفؓ بن حارث ۴۔ عمارہؓ ابن حزم ۵۔ اسعدؓ بن زرارہ ۶۔ رفاعہؓ بن حارث ۷۔ سہلؓ بن عتیک ۸۔ اوسؓ بن ثابت بن منذر ۹۔ ابوطلحہؓ زید بن سہل ۱۰۔ قیسؓ بن ابوصعصہ ۱۱۔ عمروؓ بن غزیہ۔

حارث بن خزرج : ۱۲۔ سعدؓ بن ربیع ۱۳۔ خارجہ بنؓ زید بن ابی زہیر ۱۴۔ عبداللہؓ بن رواحہ ۱۵۔ بشیرؓ بن سعد ۱۶۔ عبداللہؓ بن زید بن ثعلبہ ۱۷۔ ابومسعودؓ عقبہ بن عمرو ۱۸۔ خلادؓ بن سوید بن ثعلبہ۔

بیاضہ : ۱۹۔ زیادؓ بن لبید ۲۰۔ فروہؓ بن عمرو ۲۱۔ خالدؓ بن قیس بن مالک۔

زریق : ۲۲۔ رافعؓ بن مالک بن عجلان ۲۳۔ ذکوانؓ بن عبد قیس ۲۴۔ عبادؓ قیس بن عامر ۲۵۔ حارثؓ ابن قیس۔

سلمہ : ۲۶۔ براءؓ بن معرور ۲۷۔ سنانؓ بن صیفی ۲۸۔ طفیلؓ بن نعمان ۲۹۔ معقلؓ بن منذر ۳۰۔ یزیدؓ بن منذر ۳۱۔ مسعودؓ بن یزید ۳۲۔ ضحاکؓ بن حارثہ ۳۳۔ یزیدؓ بن خذام ۳۴۔ جبارؓ بن صخر ۳۵۔ طفیلؓ بن مالک ۳۶۔ بشرؓ ابن براء ۳۷۔ کعبؓ بن مالک ۳۸۔ سلیمؓ بن عمرو ۳۹۔ قطبہؓ بن عامر ۴۰۔ یزیدؓ بن عامر ۴۱۔ ابوالیسر کعبؓ بن عمرو ۴۲۔ صیفیؓ بن سواد ۴۳۔ ثعلبہؓ بن غنمہ ۴۴۔ عمروؓ بن غنمہ ۴۵۔ عبسؓ بن عامر ۴۶۔ عبداللہؓ بن انیس ۴۷۔ خالدؓ بن عمرو بن عدی ۴۸۔ عبداللہؓ بن عمرو بن حرام ۴۹۔ جابرؓ بن عبداللہ ۵۰۔ معاذؓ بن عمرو بن جموح ۵۱۔ ثابتؓ بن الجذع ۵۲۔ عمیرؓ بن حارث ۵۳۔ خدیجؓ بن سلامہ ۵۴۔ معاذ بن جبل۔

عوف بن خزرج : ۵۵۔ عبادہؓ بن صامت ۵۶۔ عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ ۵۷۔ ابوعبدالرحمٰنؓ بن یزید ۵۸۔ عمروؓ بن حارث ۵۹۔ رفاعہؓ بن عمرو ۶۰۔ عقبہؓ بن وہب۔

ساعدہ : ۶۱۔ سعدؓ بن عبادہ سردار خزرج ۶۲۔ منذرؓ بن عمرو بن خنیس۔

یہ عورتیں بھی اس بیعت میں شریک تھیں۔

۶۳۔ نسیبہؓ بنت کعب اور ۶۴۔ اُم منیع۔ اوّل الذکر بنونجار اور دوسری بنوسلمہ سے تھیں۔

قبیلۂ خزرج کے بیعت کرنے والوں کی تعداد ۶۴ ہے اور اگر اس کے ساتھ قبیلۂ اوس کے بیعت کرنے والے بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ تعداد عورتوں کو ملا کر ۷۵ ہو جاتی ہے۔

(سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ۲۴۹ تا ۲۵۵)

ان بزرگوں میں بعض ایسے بھی تھے جو بیعت کے بعد مدینہ واپس آئے۔ لیکن پھر آنحضرت ﷺ کے پاس مکہ چلے گئے اور کچھ دن اقامت کرکے مہاجرین کے ساتھ ہجرت کی۔ ایسے لوگوں کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی تعداد ۴ ہے۔ اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

۱۔ ذکوان ؓ بن قیس ۲۔ عقبہ ؓ بن وہب ۳۔ عباس ؓ بن عبادہ بن نضلہ

۴۔ زیاد ؓ بن لبید[1]۔

مدینہ میں بیعت عقبہ کا اثر :

اس بیعت کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے نہایت سرگرمی سے بُت پرستی کی بیخ کنی شروع کردی اور مذہب اسلام کو نہایت آزادانہ طور سے اہلِ شہر کے سامنے پیش کیا۔ بنوسلمہ کی نسبت لکھا ہے کہ جب معاذ ؓ بن جبل اور معاذ ؓ بن عمرو وغیرہ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے عمرو بن جموح رئیس سلمہ کے مسلمان کرنے کی عجیب تدبیر نکالی۔

حضرت عمرو نے عام رؤسا کی طرح اپنے گھر میں پوجا کرنے کی ایک جگہ علیحدہ بنالی تھی اور وہاں مناۃ کی لکڑی کی ایک مورت رکھی تھی۔ جب عمرو کے بیٹے معاذ اور خاندان سلمہ کے چند نوجوان مسلمان ہوگئے، تو وہ روزانہ رات کو مناۃ کو چھپ کر اُٹھا لے جاتے اور کسی گڑھے میں پھینک دیتے۔ صبح کو عمرو ڈھونڈ کر اُٹھا لاتا۔ اور اسے دھو کر اور خوشبو لگا کر اس کی جگہ پر رکھ دیتا۔

جب کئی دن تک برابر یہ واردات ہوتی رہی اور لے جانے والوں کا پتہ نہ چلا تو ایک دن عمرو نے جھنجھلا کر بُت کی گردن میں تلوار باندھ دی، اور کہا مجھے تو پتہ چلتا نہیں، اگر تم خود کر سکتے ہو تو یہ تلوار حاضر ہے۔

حسبِ معمول جب رات کو لڑکے آئے تو تلوار اس کے گلے سے اُتار لی اور رسی کے ایک سرے میں مرا ہوا کتا اور دوسرے میں اُس بُت کو باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا۔ صبح کو لوگ آتے اور یہ تماشہ دیکھتے تھے۔ عمرو جب بُت ڈھونڈنے نکلا اور اس کو اس حالت میں پایا تو چشم بصیرت وا ہوگئی۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔

حضرت عمرو ؓ بن جموح نے اپنے اس واقعہ کو خود نظم کیا ہے اور اس میں اپنے مسلمان ہونے پر خدا کا بڑا شکر ادا کیا ہے[2]۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۵۲ [2] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۸

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی تصریح ہے کہ وہ رات کو اپنی قوم کے بُت خانوں اور پوجا کی جگہوں میں گھس جاتے اور لکڑی کے بتوں کو توڑ ڈالتے اور ایک مسلمان بیوہ کو لا کر دیتے کہ وہ اس کو جلا ڈالے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ اس عورت سے معلوم ہوا تھا۔ چنانچہ جب سہل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے
ان کی اس خدمتِ جلیلہ کا تذکرہ فرمایا[1]۔

ان واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ بیعت عقبہ کے بعد مشرکین انصار میں مدافعت کی قوت بھی باقی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین گو حقیقۃً مسلمان نہ تھے، لیکن چار و ناچار ان کو بھی مسلمان ہونا پڑا تھا، ورنہ ان کے لئے مدینہ میں زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی۔

[1] طبری۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۴۴

ہجرتِ مہاجرین

قریش نے انصار کے اسلام کو نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ انصار ایک جنگجو قوم ہے اور وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ کی پوری طرح حفاظت کرے گی اور مسلمان ضرور مدینہ ہجرت کریں گے۔ اس لئے بیعت عقبہ کے بعد انہوں نے مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ ظلم وستم شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آ گیا کہ سرزمینِ بطحا اپنی کشادگی کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہوگئی۔

صحابہ ؓ نے قریش کے اس ظلم وتعدی کی بارگاہِ رسالت ﷺ میں فریاد کی، ارشاد ہوا ''میں نے تمہاری ہجرت گاہ خواب میں دیکھی ہے وہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں اور وہ دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے''۔ چونکہ یہ صفت مدینہ کے ساتھ سراۃ میں بھی پائی جاتی تھی اس لئے آپ ﷺ کا ذہن سراۃ کی طرف منتقل ہوا، چند روز کے بعد آپ ﷺ ایک دن بہت مسرور تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا دارالہجرت متعین ہوگیا۔ اب جس کا جی چاہے یثرب چلا جائے۔ اجازت پاتے ہی صحابہ ؓ نے ہجرت کی خفیہ طور پر تیاریاں شروع کیں۔

حضرت ابوسلمہ ؓ بن الاسد نے سب سے پہلے ہجرت کی، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہوں نے بیعت عقبہ سے بھی ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔ ابوسلمہ ؓ کے بعد عامر ؓ بن ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰ بنت ابی خثمہ کے ہمراہ مدینہ گئے۔ پھر عبداللہ بن جحش ؓ، عبداللہ بن جحش ابو احمد مدینہ آئے پھر مہاجرین متواتر پہنچنے لگے۔

چنانچہ عکاشہ ؓ بن محصن، شجاع ؓ، عقبہ ؓ (پسران وہب) اربد بن حمیرہ، منقذ بن بناتہ، سعید بن رقیش ؓ، محرز بن نضلہ، یزید بن رقیش، قیس بن جابر ؓ، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، ثقیف بن عمرو ؓ، ربیعہ بن اکثم، زبیر بن عبیدہ ؓ، تمام ؓ سنجرہ، محمد بن عبداللہ ؓ جحش، زینب ؓ بنت جحش، اُم حبیب ؓ، جذامہ ؓ بنت جندل، امّ قیس بنت محصن، امّ حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت رقیش، سنجرہ بنت تمیم، حمنہ بنت جحش ؓ نے ہجرت کی۔ ان کے بعد حضرت عمر ؓ اور عیاش بن ابی ربیعہ ؓ آئے۔ ان کے بعد زید بن خطاب ؓ، عمرو ؓ، عبداللہ (پسران سراقہ بن معتمر) خنیس ؓ بن حذافہ، سعید بن زید ؓ، واقد بن عبداللہ ؓ، خولی ؓ، مالک ؓ (پسران ابی خولہ) ایاس ؓ، عاقل ؓ،

عامرؓ، خالدؓ، (پسران بکیر) اور ان کے بعد خلفاء آئے اور رفاعہ بنؓ عبدالمنذر کے گھر میں قباء میں قیام کیا۔ پھر باقی اصحاب آئے اور مدینہ میں مختلف جگہوں میں قیام کیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

اسمائے مہاجرین	اسمائے انصار	نام قبیلہ یا محلّہ
۱۔حضرت طلحہؓ ۲۔صہیب ۳۔حضرت حمزہؓ ۴۔زید بن حارثہ ۵۔ابومرثدؓ ۶۔ابومرثدؓ ۷۔آنسہؓ ۸۔ابوکبشہؓ	خبیب بن اسافؓ کلثوم بن الہدمؓ	سخ، حارث بن خزرج قبا
۹۔عبیدہ بن حارثؓ ۱۰۔طفیلؓ ۱۱۔حصینؓ ۱۲۔مسطح بن اثاثہؓ ۱۳۔سویبط بن سعدؓ ۱۴۔طلیب بن عمیرؓ ۱۵۔خباب بن الارتؓ	عبداللہؓ	حارث بن خزرج
۱۶۔حضرت زبیرؓ ۱۷۔ابوسبرہؓ	منذر بن محمد جحیؓ	عصبہ
۱۸۔مصعب بن عمیرؓ ۱۹۔ابوحذیفہؓ ۲۰۔سالمؓ	سعد بن معاذؓ شبیتہ بنت یعارؓ	عبدالاشہل قبا
۲۱۔عتبہ بن غزوانؓ	عباد بن بشرؓ	عبدالاشہل
۲۲۔حضرت عثمانؓ	اوس بن ثابتؓ	نجار
۲۳۔غراب مہاجرینؓ	سعد بن خیثمہؓ	قبا

ان لوگوں کے ہجرت کرنے کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا کوئی نہ رہ گیا تھا۔ البتہ وہ لوگ مستثنیٰ تھے جو یا تو قید تھے یا بیمار اور یا ہجرت سے معذور[۱]۔

ہجرتِ نبوی ﷺ

بیعت عقبہ سے تقریباً ڈھائی مہینہ کے بعد وہ زمانہ آیا کہ جب خود آنحضرت ﷺ نے ہجرت کا عزم فرمایا، صحابہؓ کے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے سے گو ایک حد تک قریش کو سکون نصیب ہوگیا تھا لیکن آپ ﷺ کی موجودگی اب بھی ان کے دل میں کھٹک پیدا کرتی تھی۔ اور آپ ﷺ کی

[۱] طبقات ابن سعد۔ جلد ۱۔ قسم ۱۔ ص ۱۵۲۔ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۷۔ ۲۶۳

ہجرت کو اور بھی آتش زیر پا بنا رہا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے دارالندوہ میں ایک مجلس شوریٰ طلب کی اور نجد کے ایک بوڑھے شیطان کے مشورہ سے آپ ﷺ کے قتل کا فتویٰ صادر کیا، لیکن آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے اور وہاں سے خفیہ مدینہ کا رُخ فرمایا۔

مدینہ میں آپ ﷺ کا نہایت بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا۔ انصار اور مہاجرین روزانہ صبح اُٹھ کر عقبہ کے سنگستان تک جاتے اور جب دھوپ سے زمین تپ اُٹھتی اس وقت واپس آتے تھے۔ ایک روز اسی طرح انتظار کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ یہودی نے ٹیلہ پر سے آواز دی "بنو قیلہ! (انصار کی وادی کا نام ہے) لو تمہارے صاحب آ گئے"۔ انصار یہ سن کر پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت صحابہؓ کے جوش کی عجیب حالت تھی۔ تمام مسلمان ہتھیاروں سے آراستہ تھے اور عمرو بن عوف کے محلّہ میں تکبیر کا اس قدر شور تھا کہ زمین لرز اُٹھتی تھی۔

آنحضرت ﷺ پہلے قبا میں اُترے اور کلثومؓ بن الہدم کے مکان میں قیام فرمایا۔ لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے سعد بن خثیمہؓ کے مکان میں نشست رہتی تھی اس لئے بعض کو شبہہ ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کا مسکن سعد کے مکان کو سمجھا۔ یہاں آپ ﷺ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق ۴ روز اور صحیح بخاری کے رُو سے ۱۴ روز مقیم رہے اور ایک مسجد کی بنیاد قائم کی۔

جمعہ کے روز مدینہ تشریف لے جانے کا خیال ہوا، اور بنو نجار کو اطلاع کرائی۔ بنو نجار ہتھیار سج سج کر خیر مقدم کے لئے قبا پہنچے اور عرض کیا۔ "بسم اللہ تشریف لے چلئے"، موکب رسالت قبا سے روانہ ہوا تو شہرِ یثرب کے درو دیوار طلعتِ اقدس سے جگمگا اُٹھے، اللہ اکبر! مدینہ منورہ کی تاریخ میں یہ کتنا مبارک دن تھا۔

انصار کے تمام قبیلے شہنشاہِ رسالت ﷺ کے انتظار میں ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ تھے۔ رؤسا اپنے اپنے محلوں میں قرینہ سے ایستادہ تھے۔ پردہ نشین خواتین گھروں سے باہر نکل آئیں تھیں۔ مدینہ کے غلام جوشِ مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دیکھا رہے تھے، اور خاندانِ نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر "طلع البدر" کا ترانۂ خیر مقدم گا رہی تھیں۔ غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت ﷺ کا داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اُٹھیں، اور مدینہ کے روز نہائے، دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا!

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میز بانِ دو عالم ﷺ کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو، چنانچہ جب آپ ﷺ رانونا کی مسجد سے نماز پڑھ کر باہر آئے اور بنو سالم میں پہنچے تو عتبان بن مالک ؓ اور عباس ؓ بن عبادہ بن نضلہ نے اھلاً و سھلاً کہا اور قیام کے لئے اپنا مکان پیش کیا۔

پھر بالترتیب بیاضہ میں زیاد بن لبید ؓ، اور فروہ بن عمرو ؓ، ساعدہ میں سعد بن عبادہ ؓ، سردار قبیلۂ خزرج اور منذر بن عمرو ؓ، حارث بن خزرج میں سعد بن ربیع ؓ، خارجہ ؓ بن زید اور عبداللہ ابن رواحہ ؓ، عدی بن نجار میں سلیط ؓ بن قیس اور ابوسلیط اسیرہ بن ابی خارجہ نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کیا اور اپنے اپنے گھروں میں قیام کی خواہش ظاہر کی۔

لیکن کارکنانِ قضاوقدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو چنا تھا وہ حضرت ابوایوب ؓ کا کاشانہ تھا۔ اس لئے جس شخص نے آپ ﷺ سے اس کی خواہش کی جواب ملا " خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ" اس کو چھوڑ دو۔ یہ حکم کی پابند ہے آخر ندائے وحی نے سفر کی منزل متعین کی اور ناقۂ قصوا نے خانۂ ایوب ؓ کے سامنے دم لیا، اب بنو نجار میں قیام کا مسئلہ پیش ہوا، اور امیدوار ہر طرف سے ہجوم کر آئے لیکن اسی اثناء میں حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے آ کر کہا "میرا مکان یہ ہے اور یہ اس کا دروازہ ہے"۔

آپ ﷺ نے اجازت دی تو انہوں نے مہبط وحی و رسالت کو اپنے گھر میں اُتار لیا[1]۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصۂ را شاہے چنیں باشد

یہاں پہنچتے ہی اشاعتِ اسلام کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا جس وقت آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) شہر آرہے تھے، ایک گھر کی بیوی آپ ﷺ کی منتظر تھیں مکان کے سامنے سے گزر ہوا تو انہوں نے اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ اسلام قبول کیا[2]۔

حضرت عبداللہ بن سلام ؓ یہود کے ایک بڑے عالم تھے وہ بھی اب تک اسلام سے محروم تھے۔ خانۂ ایوب ؓ میں جب آنحضرت ﷺ مقیم ہو گئے تو انہوں نے بھی آ کر کلمۂ شہادت پڑھا[3]۔

۱۔ بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۵ و ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۷۔۱۶۰، ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۳

۲۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۴۶ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۶

تعمیرِ مسجدِ نبوی :

چونکہ بنونجار میں اب تک مستقل طور سے کوئی مسجد نہیں بنی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ جہاں موجود ہوتے وہیں نماز ادا فرما لیتے تھے۔ چند روز کے بعد ایک مسجد کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا، جس جگہ اس وقت مسجدِ نبوی ﷺ ہے۔ یہ انصار کے چھوہارے پھیلانے کی جگہ تھی اور حضرت اسعد ؓ بن زرارہ نے مسلمان ہوکر نماز باجماعت کا یہیں انتظام کیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو مسجد کا خیال پیدا ہوا اور اسی مقام کو منتخب فرمایا، جہاں کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ہی چند مقدس نفوس کے ہاتھوں گویا ایک مسجد کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیموں کی مِلک تھی۔ جو حضرت اسعد بن زرارہ ؓ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے قیمت پوچھی تو بولے کہ ہم یہ زمین آپ ﷺ کے لئے ہبہ کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے اسے ناپسند کیا اور اس کی قیمت ادا فرمائی۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ زمین کا روپیہ کس نے ادا کیا تھا؟ صحیح بخاری میں کوئی تصریح نہیں، واقدی نے زہری کے سلسلہ سے لکھا ہے کہ اس کے دام حضرت ابوبکر ؓ کے روپے سے دیئے گئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ ؓ نے اس زمین کے معاوضہ میں ان کو بنو بیاضہ میں ایک باغ دیا تھا[1]۔ اور عجب نہیں کہ یہ صحیح بھی ہو ، کیونکہ صحیح بخاری میں یہ بالتصریح مذکور ہے کہ وہ لڑکے انہی کے زیرِ تربیت تھے، زبیر اور ابو معشر کے نزدیک اس کی قیمت حضرت حضرت ایوب ؓ نے ادا کی تھی[2]۔

غرض زمین کا معاملہ طے ہونے پر اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن جانتے ہو کہ اس مقدس مسجد کے کون لوگ معمار تھے؟ یہ مسجد خدا کی تھی، اس لئے اس کے مزدور وہ تھے جو خدا کے محبوب اور اس کے محبوب کے پیارے تھے، یعنی انصار کرام اور مہاجرین اول (رضوان اللہ علیہم) اور پھر اس کا سب سے بڑا معمار وہ تھا جس نے قصرِ نبوت ﷺ میں آخری اینٹ لگائی تھی اور جس کی غلامی پر جبریلِ امین ؑ بھی ناز کیا کرتے تھے وہ اپنے باپ (حضرت ابرہیم ؑ) کی طرح خدائے قدوس کی عبادت کے لئے عرب کے ظلمت کدہ میں ایک گھر تیار کر رہا تھا، اور عبداللہ ؓ بن رواحہ انصاری کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

---

[1] زرقانی۔ ص ۴۲۲۔ [2] فتح الباری۔ جلد ۷۔ ص ۱۹۳۔

اللّٰھم ان الاٰجر اجر الاخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ [1]

خدایا! اجر تو بس آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسجد نبویؐ کے ساتھ آپ کی سکونت کے لئے چند مکانات بھی بنائے گئے اور جب یہ عمارتیں تیار ہو گئیں، تو آپ حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان سے اپنے مکان میں منتقل ہو گئے [2]۔

یہود سے معاہدہ :

اس کے بعد یہود اور مسلمان میں ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں یہود کو ان کے مذہب پر قائم رہنے اور ان کے مال و جان کی حفاظت کرنے کی اجازت دی گئی اور یہ شرط کی گئی کہ اگر مسلمان کسی قبیلہ سے جنگ کریں تو یہود پر ان کی اعانت لازمی ہوگی۔ یہود کے ساتھ خود انصار و مہاجرین کے باہمی تعلقات کا بھی اس میں تذکرہ کیا گیا تھا [3]۔

مواخاۃ :

ہجرت مقدسہ کے وجود پر آسمانی برکتیں موقوف تھیں۔ ان میں سے ایک نعمت عظمٰی مواخاۃ بھی ہے۔ مواخات مذہب اسلام اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے، جس کی نظیر سے اخلاق اور تمدن دونوں کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

اہل عرب عموماً اور اہل یثرب خصوصاً باہمی معرکہ آرائیوں کی بدولت، حسد، دشمنی بغض اور کینہ توزی کے اس درجہ عادی ہو گئے تھے کہ غیر تو غیر اپنوں پر بھی کسی کو اعتماد نہ ہوتا تھا۔

اوس و خزرج بھائی بھائی تھے۔ لیکن پیہم خانہ جنگیوں نے وہ دن دکھایا تھا کہ ایک دوسرے کی صورت سے ہی نفرت کرتے تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی اسلام بن کر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو صرف اس وجہ سے امام بنایا تھا کہ وہ اپنے کسی ہم قبیلہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے تھے [4]۔ لیکن اسلام کی برکات اور آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے یہ حالت بہت جلد بدل گئی اور وہ دن آ گیا کہ انصار باہمی بغض و عناد کو چھوڑ کر مہاجرین اور اجنبی مسلمانوں کے ساتھ وہ کریں جو دنیا خود اپنے بڑے سے بڑے عزیز کے ساتھ نہیں کر سکتی۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۵ باب ہجرت النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینۃ۔

[2] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۵۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۷۸۔ [4] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۶۹۔

ہجرت کے ۵ ماہ بعد[1] آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کے مکان میں انصار و مہاجرین کا ایک مجمع طلب کیا[2] اور ان میں برادری قائم کی کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کی تعداد ۹۰ تھی جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے ابن سعد نے واقدی سے یہی روایت کی ہے، بعض کا خیال ہے کہ دونوں فریق ۵۰۔۵۰ تھے، اس لحاظ سے یہ تعداد ۹۰ کے بجائے ۱۰۰ ہو جاتی ہے ان بزرگوں میں سے بعض کے نام جو ہم کو معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں:

مہاجرین	انصار
۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت علیؓ
۲۔ حضرت حمزہؓ	حضرت زید بن حارثہؓ (یہ دونوں مہاجر تھے)
۳۔ حضرت جعفر طیارؓ	حضرت معاذ بن جبلؓ
۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ	حضرت خارجہ بن زبیرؓ
۵۔ حضرت عمر بن الخطابؓ	حضرت عتبان بن مالکؓ
۶۔ حضرت ابوعبیدؓ	حضرت سعد بن معاذؓ
۷۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف	حضرت سعد بن ربیعؓ
۸۔ حضرت زبیر بن عوامؓ	حضرت سلمہ بن سلامہ بن دقشؓ
۹۔ حضرت عثمان بن عفانؓ	حضرت اوس بن ثابت بن منذرؓ
۱۰۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ	حضرت کعب بن مالکؓ
۱۱۔ حضرت سعید بن زیدؓ	حضرت ابی بن کعبؓ
۱۲۔ مصعب بن عمیرؓ	حضرت ابوایوب خالد بن زیدؓ
۱۳۔ حضرت حذیفہ بن عتبہؓ	حضرت عباد بن بشر بن دقشؓ
۱۴۔ حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذر بن عمروؓ
۱۵۔ حضرت عمار بن یاسرؓ	حضرت حذیفہ بن یمانؓ
۱۶۔ حاطب بن ابی بلتعہ	حضرت عویم بن ساعدہؓ
۱۷۔ حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابوالدرداءؓ
۱۸۔ حضرت بلال حبشیؓ	حضرت ابورویحہ خثعمیؓ[3]

۱؎ زرقانی۔ جلد ۱۔ ص ۳۳۔ ۲؎ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶ ۳؎ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۱۔۲۸۲

اس مواخاۃ کا کیا اثر ہوا؟ اس کا جواب ذیل کے واقعات میں ملتا ہے۔

مہاجرین جس وقت مکہ سے مدینہ آئے ہیں تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انصار نے اپنی جائیدادیں ان کے لئے علیحدہ کر دیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے انکار کیا تو انصار نے کہا کہ مہاجرین ان کی زمین جوتیں، بوئیں اور اس محنت کے معاوضہ میں نصف پھل لے لیا کریں[1] آنحضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔

انصار کی وراثت بجائے ان کے اعزہ کے مہاجرین کو ملتی تھی۔ جب یہ آیت "وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ" نازل ہوئی تو وراثت کا یہ طریقہ منسوخ ہو گیا[2]۔

عام انصار کے ساتھ حضرت سعد بن ربیع ؓ نے مواخاۃ کا عجیب وغریب منظر پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویوں میں سے ایک منتخب کر لیں، (حضرت سعد ؓ کی دو بیویاں تھیں)۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے لئے خیر و برکت کی دعا کی[3]۔

آنحضرت ﷺ نے انصار کو بحرین میں زمین دینا چاہی تو انہوں نے صرف اس بناء پر لینے سے انکار کیا کہ قریش کو بھی اسی قدر ملنا چاہئے[4]۔

غزوہ موتہ میں امرائے لشکر کی شہادت کے بعد کوئی امیر نہ تھا۔ ایک انصار نے جھنڈا لے جا کر حضرت خالد ؓ کو دیا۔ انہوں نے ہر چند چاہا کہ انصاری امیر بن جائیں، لیکن وہ برابر انکار کرتے رہے اور بولے کہ میں اس کو صرف تمہارے لئے لایا ہوں[5]۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مواخاۃ کی بدولت انصار میں ایثار کا عجیب و غریب مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ نفسانیت بالکل فنا ہو گئی تھی اور جاہلیت کی تمام ادعائی آوازیں پست ہو گئی تھیں۔

اذان: آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کچھ ایسی پُر پیچ مشکلات میں گھری ہوئی گزری تھی کہ نماز کے علاوہ اور کوئی شے مسلمانوں پر فرض نہیں ہو سکتی تھی۔ مدینہ آ کر جب کسی قدر امن وسکون میسر ہوا تو فرائض کی حد بندی اور احکامات میں اضافہ شروع ہوا۔ چنانچہ زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے، حدود مقرر کئے گئے اور حلال وحرام کی تشریح کی گئی۔ اس وقت تک آنحضرت ﷺ نے نماز کے لئے جو

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۸۷ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶ [3] ایضاً۔ ص ۵۶۱ [4] ایضاً۔ ص ۴۴۸
[5] طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۹۴

جماعت قائم کی تھی، اس کی صرف یہ صورت ہوتی تھی کہ لوگ نماز کے اوقات میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کی اطلاع کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔

اس کے لئے آنحضرت نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ نماز کے وقت یہود کی طرح بوق بجایا جائے۔ پھر ناقوس کا خیال ہوا، اسی اثنا میں انصار کے ایک شخص حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے خواب دیکھا اور اس میں اذان کے کلمات سُنے۔

بیدار ہو کر آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے بیان کیا۔ ارشاد ہوا کہ تمہارا خواب سچا ہے اور حضرت بلالؓ کو اذان سکھانے کا حکم دیا۔ وہ اذان دے ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اپنا خواب آکر بیان کیا اور کہا کہ میں نے بھی یہی کلمات خواب میں سُنے ہیں۔ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دو مسلمانوں کے اس اتفاق پر خدا کا شکر ادا کیا[1]۔

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان جو درحقیقت نماز کا دیباچہ اور اسلام کا شعار اعظم ہے، انصاری کی رائے سے قائم ہوئی اور یہ وہ شرف ہے جو انصار کے ناصیۂ کمال پر ہمیشہ غرۂ عظمت بن کر نمایاں رہے گا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۳ و جامع ترمذی۔ ص ۳۷

"الف"

حضرت ابوایوّب رضی اللہ عنہ انصاری

نام نسب اور ابتدائی حالات :

خالد نام، ابوایوب کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

خالد بن زید، بن کلیب ، بن ثعلبہ، بن عوف خزرجی۔ خاندان نجار گو قبائل مدینہ میں خود بھی ممتاز تھا۔ تاہم اس شرف نے حامل نبوت ﷺ کی وہاں ننھیالی قرابت تھی، اس کو مدینہ کے اور قبائل سے ممتاز کر دیا تھا۔ ابوایوّب ؓ اس خاندان کے رئیس تھے۔

اسلام : حضرت ابوایوب ؓ انصاری بھی ان منتخب بزرگانِ مدینہ میں ہیں، جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جا کر آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی۔

حضرت ابوایوب ؓ مکہ سے دولت ایمان لے کر پلٹے تو ان کی فیاض طبعی نے گوارہ نہ کیا کہ اس نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں۔ چنانچہ اپنے اہل وعیال ، اعزۂ واقرباء اور دوست واحباب کو ایمان کی تلقین کی اور اپنی بیوی کو حلقۂ توحید میں داخل کیا۔

حامل نبوت کی میزبانی :

خدا نے اہلِ مدینہ کے قبول دعوت سے اسلام کو ایک امن عطا کر دیا اور مسلمان مہاجرین مکہ اور اطراف سے آ آ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ لیکن جو وجود مقدس قریش کی ستمگاریوں کا حقیقی نشانہ تھا وہ اب تک ستمگاروں کے حلقہ میں تھا۔ آخر ماہ ربیع الاوّل میں نبوت کے تیرہویں سال وہ بھی عازم مدینہ ہوا۔ اہلِ مدینہ بڑی بیتابی سے آنحضرت ﷺ کی آمد آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

انصار کا ایک گروہ جس میں حضرت ابوایوب ؓ بھی تھے، روزانہ حرہ تک جو مدینہ سے ۳،۴ میل ہے صبح اُٹھ کر جاتا تھا اور دوپہر تک حضور کا انتظار کر کے نامراد واپس آتا تھا۔ اسی طرح یہ لوگ ایک روز بے نیل مرام واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے دُور سے آنحضرت ﷺ و قرینہ سے پہچان کر انصار کو تشریف آوری کا مژدہ سُنایا۔ انصار جن میں بنونجار سب سے پیش پیش تھے ہتھیار سج کر خیر مقدم کے لئے آگے بڑھے۔

مدینہ سے متصل قباء نام کی ایک آبادی تھی۔ آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کچھ دنوں قباء میں رونق افروز رہے، اس کے بعد مدینہ کا عزم فرمایا۔ اللہ اکبر! مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب مبارک دن تھا۔ بنونجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دو رویہ صف بستہ تھے۔ رؤساء اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے ایستادہ تھے۔ پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں۔

مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر " طلع البدر علینا " کا ترانہ خیر مقدم گا رہی تھیں۔ غرض اس شان وشکوہ سے آنحضرت ﷺ کا شہر میں داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اُٹھیں اور مدینہ کے روز نہائے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبانِ دوعالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو۔ جدھر سے آپ کا گذر ہوتا لوگ اَھلاً وَسھلاً کہتے ہوئے آگے بڑھتے اور عرض کرتے کہ حضور یہ گھر حاضر ہے۔ لیکن کارکنان قضاوقدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو تاکا تھا وہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کا کاشانہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ'' یعنی اُنٹنی کو آزاد چھوڑ دو، وہ خدا کی جانب سے خود منزل تلاش کرلے گی۔

امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ پر وحی کی حالت طاری تھی اور آپ اپنے قیام گاہ کی تجویز میں حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ آخر ندائے وحی نے تسکین کا سرمایہ بہم پہنچایا اور ناقۂ قصوانہ نے خانہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کے سامنے سفر کی منزل ختم کی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور درخواست کی کہ میرا گھر قریب ہے، اجازت دیجئے اسباب اُتارلوں۔ امیدواروں کا ہجوم اب بھی باقی تھا اور لوگوں کا اصرار اجازت سے مانع تھا۔ آخر لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ کو اس فخر لازوال کے حصول سے جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تقریباً ۶ مہینے تک فروکش رہے۔ اس عرصہ میں حضرت ابوایوبؓ نے نہایت عقیدت مندانہ جوش کے ساتھ آپ ﷺ کی میزبانی کی۔ ان کے مکان کے اُوپر نیچے دو حصے تھے۔ انہوں نے اُوپر کا حصہ آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص کیا، لیکن آپ ﷺ نے اپنی اور زائرین کی آسانی کی خاطر نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔

ایک دفعہ اتفاق سے کوٹھے پر پانی کا جو گھڑا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ چھت معمولی تھی، ڈر تھا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں میاں بیوی کے اوڑھنے کے لئے صرف ایک ہی لحاف تھا۔ دونوں نے لحاف پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہو جائے۔ بایں ہمہ یہ تکلیف ان میزبانوں کے لئے کوئی بڑی زحمت نہ تھی کہ اسلام کی خاطر اس سے بڑی بڑی اور شدید اور تکلیفوں کے تحمل کا وہ عزم کر چکے تھے۔ تاہم یہ خیال کہ وہ اُوپر اور خود حاملِ وحی نیچے ہے[1]۔ ایسا سوہانِ رُوح تھا، جس نے حضرت ابوایوب ؓ اور اُم ایوب ؓ کو ایک دفعہ شب بھر بیدار رکھا اور دونوں میاں بیوی نے اس سوءادب کے خوف سے چھت کے کونوں میں بیٹھ کر رات بسر کی۔

صبح حضرت ابوایوب ؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا اور درخواست کی کہ حضور (ﷺ) اُوپر اقامت فرمائیں، جان نثار نیچے رہیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے درخواست قبول فرمالی اور بالاخانہ پر تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ جب تک ان کے مکان میں تشریف فرما رہے، عموماً انصار یا خود حضرت ابو ایوب ؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے۔ کھانے سے جو کچھ بچ جاتا، آپ ﷺ حضرت ابوایوب ؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ حضرت ابوایوب ؓ آنحضرت ﷺ کی اُنگلیوں کے نشان دیکھتے اور جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا ہوتا، وہیں اُنگلی رکھتے اور کھاتے۔

ایک دفعہ کھانا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تناول نہیں فرمایا۔ مضطربانہ خدمت اقدس میں پہنچے اور نہ کھانے کا سبب دریافت کیا۔ ارشاد ہوا کھانے میں لہسن تھا اور میں لہسن پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابوایوب ؓ نے کہا انی اکرہ ما تکرہ جو آپ کو ناپسند ہو یارسول اللہ ﷺ میں بھی اس کو ناپسند کروں گا۔

مواخات : ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کو باہم بھائی بھائی بنادیا۔ آپ ﷺ نے حضرت انس ؓ کے مکان میں مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور اتحاد مذاق، رُتبہ اور درجہ کے لحاظ سے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنایا۔

اس موقع پر حضرت ابوایوب انصاری ؓ کو جس مہاجر کا بھائی قرار دیا وہ یثرب کے اوّلین داعی اسلام حضرت مصعب بن عمیر قریشی ؓ تھے۔ حضرت مصعب بن عمیر ؓ وہ پُر جوش صحابی ہیں، جنہوں نے اسلام کی خاطر بڑی بڑی سختیاں جھیلی تھیں اور ہجرت نبوی سے پہلے اسلام کے سب سے اوّل

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ا۔ ص ۱۹۷

داعی بنا کر آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ بھیجا تھا۔ حضرت ابوایوب ؓ کی ان سے مواخاۃ یہ معنی رکھتی ہے کہ یہ اپنے اندر اسی قسم کا جوش اور ولولہ رکھتے ہیں اور آخر ان کی زندگی کے واقعات نے اس کو سچ کر دیا۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت ابوایوب ؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں دیگر اکابر صحابہ ؓ کی طرح برابر شریک رہے اور اس التزام سے کہ ایک غزوہ کے شرف شرکت سے بھی محروم نہیں رہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں پہلا غزوہ بدر ہے، حضرت ابوایوب ؓ اس میں شریک تھے، بدر کے بعد وہ احد ، خندق بیعت الرضوان وغیرہ اور تمام غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد میں صرف ہوا ،حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سے جنگ خوارج میں وہ شریک تھے ،اور جناب امیر ؓ کی معیت میں مدائن تشریف لے گئے۔

جناب امیر ؓ کو آپ کی ذات پر جو اعتماد اور آپ کی قابلیت وحسن تدبیر کا جس قدر اعتراف تھا وہ اس سے ظاہر ہوگا کہ جب انہوں نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا تو مدینہ میں حضرت ابوایوب ؓ کو اپنا جانشین چھوڑ گئے ،اور وہ اس عہد میں امیر مدینہ رہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام ؓ کو ان کی سابقہ حسن خدمت کی بنا پر بارگاہ خلافت سے حسب ترتیب ماہانہ وظائف ملتے تھے، حضرت ابوایوب ؓ کا وظیفہ پہلے ۴ ہزار درہم تھا، حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس ہزار کر دیا۔ پہلے ۸ غلام ان کی زمین کی کاشت کے لئے مقرر تھے۔ جناب امیرؓ نے ۴۰ غلام مرحمت فرمائے۔

آل اولاد : حضرت ابوایوب ؓ کی زوجہ کا نام حضرت ام حسن بنت زید انصاریہؓ ہے۔ وہ مشہور صحابیہ تھیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکا عبدالرحمٰن تھا۔

اس حسن خدمت اور محبت کی یادگار میں جو آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذات سے تھی۔ تمام اصحابؓ اور اہل بیت آپ سے محبت وعظمت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت علی ؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے۔ اسی زمانہ میں آپ حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات کو

بصرہ تشریف لے گئے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ نے آنحضرت ﷺ کی اقامت کے لئے اپنا گھر خالی کر دیا تھا، میں بھی آپ کے لئے اپنا گھر خالی کر دوں اور تمام اہل وعیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور مکان مع اس تمام ساز و سامان کے جو گھر میں موجود تھا آپ کی نذر کر دیا۔

مصر کا سفر: حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ آیا۔ عقبہ بنؓ عامر جہنی ان کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عقبہؓ کے عہد امارت میں حضرت ابوایوبؓ کو دو مرتبہ سفر مصر کا اتفاق ہوا۔ پہلا سفر طلب حدیث کے لئے تھا۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ حضرت عقبہؓ کسی خاص حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ صرف ایک حدیث کے لئے حضرت ابوایوبؓ نے عالم پیری میں سفر مصر کی زحمت گوارا کی۔

مصر پہنچ کر پہلے مسلمہؓ بن مخلد کے مکان پر گئے۔ حضرت مسلمہؓ نے خبر پائی تو جلدی سے گھر سے باہر نکل آئے اور معانقہ کے بعد پوچھا کیسے تشریف لانا ہوا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ مجھ کو عقبہؓ کا مکان بتا دیجئے۔ حضرت مسلمہؓ سے رخصت ہو کر عقبہ کے مکان پر پہنچے۔ ان سے "**ستر المسلم**" کی حدیث دریافت فرمائی اور کہا کہ اس وقت آپ کے سوا اس حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں۔ حدیث سن کر اونٹ پر سوار ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ واپس آ گئے[۱]۔

غزوۂ روم کی شرکت:

دوسری بار غزوۂ روم کی شرکت کے ارادے سے مصر تشریف لے گئے۔ فتح قسطنطنیہ کی آنحضرت ﷺ بشارت دے گئے تھے۔ امرائے اسلام منتظر تھے کہ دیکھئے یہ پیشگوئی کس جانباز کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے۔

شام کے دارالحکومت ہونے کے سبب حضرت معاویہؓ کو اس کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا۔ چنانچہ ۵۲ھ میں انہوں نے روم پر فوج کشی کی یزید بن معاویہ اس لشکر کا سپہ سالار تھا۔ دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابوایوبؓ بھی اس پُر جوش فوج کے سپاہی تھے۔ مصر و شام وغیرہ ممالک کے الگ الگ دستے تھے۔ مصری فوج کے سر عسکری گورنر مصر مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامرؓ تھے۔ ایک دستہ فضالہ بن عبید کے ماتحت تھا۔ ایک جماعت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے زیر قیادت تھی۔

---

[۱] مسند احمد۔ جلد ۴۔ ص ۱۵۳

رومی بڑے سروسامان سے لڑائی کے لئے تیار ہوئے اور ایک فوج گراں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھیجی۔ مسلمانوں نے بھی مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ ان کی تعداد بھی دشمنوں سے کم نہ تھی۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ ایک مسلمان رومیوں کی پوری پوری صف سے معرکہ آرا تھا۔ ایک صاحب کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ رومیوں کی صفوں کو چیر کر تنہا اندر گھس گئے۔ اس تیور کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے بیک آواز صریح آیت قرآنی " لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة " (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے خلاف ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رض آگے بڑھے اور فوج کو مخاطب کر کے فرمایا " لوگو تم نے اس آیہ شریفہ کے یہ معنی سمجھے؟ حالانکہ اس کا تعلق انصار کے ارادۂ تجارت سے ہے، اسلام کے امن و فراخی کے بعد انصار نے یہ ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ سالوں میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو جو نقصان اُٹھانے پڑے ہیں ان کی تلافی کی جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس ہلاکت جہاد میں نہیں، بلکہ ترکِ جہاد اور فراہمی مال میں ہے"۔

وفات : اسی سفر جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہوگئی۔ حضرت ابوایوب رض بھی اس وبا میں بیمار ہوئے۔ یزید عیادت کے لئے گیا اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمایئے تعمیل کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا "تم دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جا سکو، میرا جنازہ لے جا کر دفن کرنا"۔

چنانچہ وفات کے بعد اس کی تعمیل کی گئی۔ تمام فوج نے ہتھیار سجا کر رات کو لاش قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کی، نماز میں جس قدر مسلمان فوجی تھے شامل تھے۔ دفن کرنے کے بعد یزید نے مزار کے ساتھ کفار کی بے ادبی کے خوف سے اس کو زمین کر برابر کرا دیا۔

صبح کو رومیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ رات آپ لوگ کچھ مصروف نظر آتے تھے، کیا بات تھی؟ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے پیغمبر کے ایک بڑے جلیل القدر دوست نے وفات پائی، ان کے دفن میں مشغول تھے۔ لیکن جہاں ہم نے دفن کیا ہے تمہیں معلوم ہے۔ اگر مزار اقدس کے ساتھ کوئی گستاخی تمہاری طرف سے روا رکھی گئی تو یاد رکھو اسلام کی وسیع الحدود حکومت میں کہیں ناقوس نہ بج سکے گا[1]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم اوّل۔ ص ۵۰ و اسد الغابہ تذکرۂ حضرت ابوایوب رض

حضرت ابوایوبؓ کا مزار دیوار قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ رومی قحط کے زمانہ میں مزار اقدس پر جمع ہوتے تھے۔ اس کے وسیلہ سے بارانِ رحمت مانگتے تھے اور خدا کے لطف وکرم کا تماشا دیکھتے تھے[1]۔

فضل وکمال :

حضرت ابوایوبؓ کا فضل وکمال اس قدر مسلّم تھا کہ خود صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، براء بن عازبؓ، انس بن مالکؓ، ابوامامہؓ، زید بن خالد جہنیؓ مقدام بن معدی کربؓ، جابر بن سمرہؓ، عبداللہ بن یزید خطمی وغیرہ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت ابوایوبؓ کے فیض سے بے نیاز نہیں تھے۔ تابعین میں سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ، عطاء بن یسار، عطا بن یزید لیثی، ابوسلمہ، وعبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ تاہم وہ حضرت ابوایوبؓ کے عام ارادت مندوں میں داخل تھے۔

حضرت ابوایوبؓ کو فضل وکمال میں مرجعیت عامہ حاصل تھی۔ صحابۂ کرام جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ابن عباسؓ اور مسور بن مخرمہ میں اختلاف ہوا کہ محرم حالت جنابت میں غسل کرتے وقت سر ہاتھ سے مل سکتا ہے یا نہیں۔ ابن عباسؓ کا خیال تھا کہ سر دھو سکتا ہے، مگر مسورؓ کہتے تھے کہ سر دھونا جائز نہیں۔ دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن حسین کو حضرت ابوایوبؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حسن اتفاق یہ کہ وہ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے۔ عبداللہ نے اپنا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اپنا سر باہر نکال کر ملنا شروع کیا اور فرمایا کہ دیکھو آنحضرت ﷺ اسی طرح غسل کرتے تھے[2]۔

حضرت عاصم بن سفیان ثقفی غزوۂ سلاسل میں شرکت کی غرض سے گھر سے نکلے تھے۔ ابھی منزل مقصود سے دُور تھے کہ اختتام جنگ کی خبر آئی، انہیں نہایت افسوس ہوا، اور وہ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ اس وقت ابوایوبؓ اور عقبہ بن عامرؓ موجود تھے۔ ان کی موجودگی میں عاصم نے حضرت ابوایوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا، ان دونوں بزرگوں سے نہیں پوچھا۔ حضرت ابوایوبؓ کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے انہوں نے مسئلہ کا جواب دے کر حضرت عقبہؓ سے تصدیق کرالی کہ ان کو کسی قسم کا خیال پیدا نہ ہو[3]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم ۲ ص ۵۰ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۸ [3] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۲۳ ونسائی باب فضل الوضوء۔

ابن اسحاق (مولیٰ بنی ہاشم) اور بعض دوسرے بزرگوں میں یہ بحث تھی کہ نبیذ کس کس برتن میں بنا سکتے ہیں؟ اور قرع مابہ النزاع تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس ایک آدمی کو تحقیق مسئلہ کے لئے روانہ کیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مزفت میں نبیذ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس شخص نے قرع کا لفظ دہرایا مگر حضرت نے ابوایوبؓ نے پھر یہی جواب دیا[1]۔

حضرت ابوایوب کے حبّ علم اور نشر معارف کی انتہا یہ ہے کہ بستر مرگ پر بھی ان کی زبان اشاعت حدیث کا مقدس فرض ادا کر رہی تھی۔ وفات سے قبل انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں روایت کیں، پہلے کبھی انہوں نے بیان نہیں کی تھیں۔ ان کی رحلت کے بعد عام اعلان کے ذریعہ سے وہ لوگوں تک پہنچائی گئیں[2]۔

اخلاق: حضرت ابوایوبؓ کے مجموعۂ اخلاق میں تین چیزیں سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ حُبِّ رسول، جوشِ ایمان اور حق گوئی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوایوبؓ کو جو محبت تھی[3] اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے ساتھ جو آداب وہ ملحوظ رکھتے تھے، میزبانی کے ذکر میں وہ واقعات گزر چکے ہیں۔

وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد جان نثاروں کے لئے روضۂ اقدس کے سوا اور کیا شے مایۂ تسلی ہو سکتی تھی؟ ایک دفعہ حضرت ابوایوبؓ آنحضرت ﷺ کے روضۂ اطہر کے پاس تشریف رکھتے تھے اور اپنا چہرہ ضریح اقدس سے مس کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا، وہ آ گیا۔ اس کو بظاہر یہ فعل خلافِ سنّت نظر آیا، لیکن حضرت ابوایوبؓ سے زیادہ مروان واقف رموز نہ تھا۔ اصل اعتراض کو سمجھ کر آپ نے فرمایا، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا[4]۔

جوش ایمان کا تماشا تم اُوپر دیکھ چکے ہو۔ غزوات نبوی میں سے کسی غزوہ کی شرکت سے وہ محروم نہ تھے۔ اسّی برس کی عمر میں بھی وہ مصر کی راہ سے بحر روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف تھے۔

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ حکومت اور امارت کا دبدبہ وشان بھی اس سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک دفعہ مصر کے گورنر عقبہؓ بن عامر جہنی نے جو خود صحابی تھے کسی سبب سے مغرب کی نماز میں دیر کر دی۔ حضرت ابوایوبؓ نے اُٹھ کر پوچھا "ماھذا الصلوٰۃ یا عقبہ!" عقبہ یہ کیسی نماز ہے؟

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴ [2] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۴ [3] ایضاً۔ ص ۴۱۴۔ ۴۲۳ [4] ایضاً۔ ص ۴۱۲

حضرت عقبہ ؓ نے کہا، ایک کام کی وجہ سے دیر ہوگئی۔ آپ نے کہا تم صاحب رسول اللہ ﷺ ہو، تمہارے اس فعل سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ شاید آنحضرت ﷺ اسی وقت نماز پڑھتے تھے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے مغرب کے وقت تعجیل کی تاکید فرمائی ہے۔[1]

حضرت خالد بن ولید ؓ کے صاحبزدے عبدالرحمٰن نے کسی جنگ میں چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل کرادیا، حضرت ابوایوب ؓ انصاری کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس قسم کے وحشیانہ قتل سے آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے اور میں تو اس طرح مرغی کا مارنا بھی پسند نہیں کرتا۔[2]

غزوۂ روم کے زمانہ میں جہاز میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی نگرانی میں تھے۔ حضرت ابوایوب ؓ اِدھر سے گذرے تو دیکھا قیدیوں میں ایک عورت بھی ہے۔ جو زار زار رو رہی ہے۔ حضرت ابوایوب ؓ نے سبب پوچھا، لوگوں نے کہا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر الگ کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابوایوب ؓ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ افسر نے امیر سے اس کی شکایت کی، امیر نے باز پرس کی تو بولے رسول اللہ ﷺ نے اس طریقۂ ستم کی ممانعت کی ہے، اور بس۔[3]

حضرت ابوایوب ؓ کی حرکت ضمیر کا یہ فطری تقاضا تھا کہ جو بات اسلام کے خلاف دیکھیں اس پر لوگوں کو متنبہ کریں۔ چنانچہ جب وہ شام اور مصر تشریف لے گئے اور وہاں پاخانے قبلہ رُخ بنے ہوئے دیکھے تو بار بار کہا، کیا کہوں؟ یہاں پاخانے قبلہ رُخ بنے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔[4]

حضرت ابوایوب ؓ کی حیا کا یہ حال تھا کہ کنوئیں پر نہاتے تھے تو چاروں طرف سے کپڑا تان لیتے تھے۔[5]

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۷ [2] ایضاً۔ ص ۴۲۲ [3] ایضاً۔ ص ۴۱۳ [4] ایضاً۔ ص ۴۱۵
[5] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۸

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضر

نام ونسب وخاندان :

انس نام، خاندان نجار سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے انس بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ سلمٰی بنت عمرو جو عبد المطلب (جد رسول ﷺ) کی والدہ تھیں اسی خاندان سے تھیں اور رشتہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن نضیر کی پھوپھی ہوتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کے رئیس تھے۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات اور وفات :

غزوۂ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ ہو سکے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے معذرت کی کہ یارسول اللہ (ﷺ) ! افسوس ہے کہ آپ ﷺ کے پہلے غزوہ میں موجود نہ تھا، لیکن اگر زندگی باقی ہے تو لوگ آئندہ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں !

شوال ۳ھ میں غزوۂ اُحد ہوا، لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اُکھڑ گئے تھے، صرف چند آدمی آنحضرت ﷺ کے باقی رہ گئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے میدان خالی دیکھا تو خود بڑھے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا، کہاں جاتے ہو؟ جنت وہ ہے ! خدا کی قسم میں اُحد کی طرف جنت کی خوشبو محسوس کرتا ہوں ! یہ کہہ کر نہات جوش میں میدان کا قصد کیا، اور بڑے پامردی سے لڑ کر جان دی۔ انا لِلّٰہِ و انّا الیہِ راجِعُونَ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بدن زخموں سے بالکل چھلنی تھا۔ شمار کیا گیا تو اسّی سے اُوپر زخم نکلے۔ کفار نے لاش کو مثلہ کر دیا تھا، اس لئے شناخت نہ ہو سکی۔ آپ کی بہن ربیع بنت نضر نے اُنگلی سے بھائی کی لاش کو پہچانا۔

اخلاق : جوشِ ایمان کا شاہد خود ان کا شہادت کا واقعہ ہے۔ غزوۂ اُحد کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں کی نہایت مدح کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (انس رضی اللہ عنہ بن نضر) کے متعلق نازل ہوئی۔

"من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر" الایۃ

یعنی ""مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے وعدہ میں بالکل سچے ہیں ان میں سے بعض اپنی قرارداد کو انجام تک پہنچا چکے ہیں، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں""۔

ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا، اس کی قوم قصاص کی طالب ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے قصاص کا فیصلہ کیا تو انسؓ بن نضر نے آ کر کہا یا رسول (ﷺ) ! خدا کی قسم ربیع کا دانت نہ توڑا جائے گا ! ارشاد ہوا خدا کا یہی حکم ہے۔

حضرت انسؓ نے جس ذات پر اعتماد کر کے قسم کھائی تھی۔ اس نے یہ صورت نکالی کہ لڑکی کے ورثہ دیت لینے پر راضی ہو گئے۔ اب ربیع قصاص سے بچ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کرتا ہے[1]۔

---

[1] بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۴

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

نام نسب اور ابتدائی حالات :

انس نام، ابوحمزہ کنیت، خادمِ رسول اللہ لقب، قبیلہ نجار سے ہیں۔ جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا۔ نسب نامہ یہ ہے، انس رضی اللہ عنہ بن مالک رضی اللہ عنہ بن نضر، ابن ضمضم، بن زید، بن حرام، بن جندب، بن عامر، بن غنم، بن عدی، بن نجار۔ والدہ ماجدہ کا نام حضرت اُم سلیم سہلہ رضی اللہ عنہا بنت ملحان انصار یہ ہے۔ جن کا سلسلۂ نسب تین واسطوں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آبائی سلسلہ میں مل جاتا ہے اور رشتہ میں وہ آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے دس سال پیشتر شہرِ یثرب میں پیدا ہوئے۔ ۸، ۹ سال کا سن تھا کہ ان کی ماں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے والد بیوی سے ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ماں نے دوسرا نکاح ابوطلحہ سے کر لیا۔ جن کا شمار قبیلۂ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا اور اپنے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ابوطلحہ کے گھر لے گئیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہی کے گھر میں پرورش پائی۔

قبل اسلام عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابوطلحہ) کی صحبت میں جب بادہ وجام کا دور چلتا تو بیٹا (انس رضی اللہ عنہ) ساقی گری کرتا۔ وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچے کو روکنے والا کوئی نہ تھا[1]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام ان کے چچا انس رضی اللہ عنہ بن نضر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمائی۔ انس رضی اللہ عنہ ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا، چنا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابوحمزہ پسند فرمائی۔

اسلام : حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سن ۸، ۹ سال کا تھا کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ بنو نجار نے قبولِ اسلام میں جو پیش دستی کی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرت ﷺ کے یثرب تشریف لانے سے قبل توحید و رسالت کے علمبردار ہو چکے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ (اُم سلیم) نے بھی عقبہ ثانیہ سے پیشتر دینِ اسلام اختیار کر لیا تھا اور جیسا کہ ابھی اُوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد بُت پرست تھے۔ وہ بیوی کے اسلام پر برہم ہو کر شام چلے گئے تھے۔ اِدھر اُم سلیم نے ابوطلحہ سے اس

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۱

شرط پر نکاح کرلیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مکہ جا کر بیعت کی تھی۔ اس طرح حضرت انس ؓ کا پورا گھر نورِ ایمان سے منور تھا۔ ان کی جنتی ماں (امّ سلیم ؓ) شمعِ اسلام کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ (حضرت ابوطلحہ ؓ) دینِ حنیف کے ایک پر جوش فدائی تھے۔ بیٹے نے انہیں والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوا۔

خدمتِ رسول ﷺ :

۱۰ سال کی عمر ہوگی کہ وہ یومِ مسعود آیا جس کے انتظار میں اہلِ یثرب نے مہینوں راتیں کاٹیں تھیں۔ یعنی رسول اللہ یثرب تشریف لائے اور شہرِ یثرب کو مدینۃ النبی ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت انس ؓ گو اس وقت صغیر السن تھے لیکن پر جوش تھے۔ جس ساعتِ سعید میں مدینہ طیبہ کا اُفق آفتابِ نبوت کی نورانی شعاعوں سے منور ہو رہا تھا۔

حضرت انس ؓ اور بہت سے کم سن لڑکے "جاء رسول اللہ جاء رسول اللہ" کا مژدۂ جاں بخش اہلِ عرب کو سنا رہے تھے، اور نہایت جوش میں خوشی خوشی شہر کا گشت لگا رہے تھے۔ "جاء محمد ﷺ" کی آواز کان میں آتی، مڑ کر دیکھتے[1] کہ شاید کاروانِ قدس منزلِ مقصود پر خیمہ زن ہوا ہے لیکن گردِ کارواں کے سوا کچھ نظر نہ آتا، اتنے میں گرد ہٹی اور نہایت ہی شوکت و شان سے کوکبۂ نبوت نمودار ہوا، حضرت انس ؓ کی عقیدت مند نگاہ رخِ انور ﷺ پر پڑی اور تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی نے صحابیت کا ممتاز شرف بارگاہِ نبوت سے حاصل کیا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اقامت فرمائی تو حضرت ابوطلحہ ؓ، حضرت انس ؓ کو لے کر خدمتِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انس ؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا اور حضرت انس ؓ خادمان خاص کے زمرہ میں داخل ہوگئے۔

حضرت انس ؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، وہ کم و بیش دس برس حاملِ نبوت ﷺ کی خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ اس شرف پر ان کو ناز رہا، معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پیشتر درِ اقدس پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر کو اپنے گھر واپس آتے دوسرے وقت پھر حاضر ہوتے اور عصر تک رہتے، نمازِ عصر پڑھ کر اپنے گھر کا رخ کرتے تھے۔ محلّہ میں ایک مسجد تھی وہاں لوگ ان کا انتظار کرتے جب یہ پہنچتے اس وقت وہاں نماز ہوتی تھی[2]۔

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۲ [2] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۲۳۲

ان اوقات کے ماسوا بھی وہ آنحضرت ﷺ کے احکام کی تعمیل کے لئے حاضر رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انس ؓ آپ ﷺ کے کاموں سے فارغ ہوکر گھر روانہ ہوئے دو پہر کا وقت تھا، لڑکے کھیل رہے تھے حضرت انس ؓ بھی کھڑے ہوکر تماشہ دیکھنے لگے اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے لڑکوں نے دور سے دیکھ کر حضرت انس ؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت انس ؓ کا ہاتھ پکڑ کر کسی کام کے لئے بھیج دیا اور خود ایک دیوار کے سایہ تشریف فرما رہے، حضرت انس ؓ کو دیر ہوگئی تھی گھر گئے تو ام سلیم نے پوچھا آج دیر کہاں لگائی انہوں نے کہا ایک کام سے گیا تھا وہ بہانہ سمجھیں اور پوچھا کام کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک پوشیدہ بات تھی، حضرت ام سلیم نے کہا اس کو کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انس ؓ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

ایک مرتبہ حضرت ثابت ؓ سے جو ان کے تلامذۂ خاص تھے، فرمایا اگر میں کسی شخص کو اس راز سے آگاہ کرتا تو وہ تم تھے، لیکن میں بیان نہیں کروں گا[۱]۔

حضرت انس ؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے سفر وحضر اور خلوت وجلوت کی ان کے لئے کوئی تخصیص نہ تھی اور نزولِ حجاب سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔ایک دن نمازِ فجر سے قبل آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج روزہ کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلا دو، حضرت انس ؓ جلدی سے اٹھے اور کچھ خرمے اور پانی لے کر حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ نے سحری کھائی اور پھر نمازِ فجر کے لئے تیار ہوئے[۲]۔

داخلۂ خیبر کے وقت جبکہ نبوت کا جاہ وجلال فاتح کی شان وشوکت رکھتا تھا۔ حضرت انس ؓ کے قدم آنحضرت ﷺ کے قدم کو چھو گئے۔جس سے ازار مبارک کھسک گیا اور آنحضرت ﷺ کے زانوئے مقدس کی سفیدی لوگوں کو نظر آگئی حضور ﷺ نے کچھ خیال نہ فرمایا اور حضرت انس ؓ کی اس خطا سے درگزر کی[۳]۔

حضرت انس ؓ، آنحضرت ﷺ کے تمام کام نہایت مستعدی اور تندہی سے بجالاتے، اور اپنی فرماں برداری سے حضور ﷺ کو خوش رکھتے تھے۔فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس آنحضرت ﷺ کی خدمت کی، لیکن اس مدت میں آپ ﷺ کبھی خفا نہ ہوئے اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہ ہوا، آنحضرت ﷺ کو ان سے خاص محبت ہوگئی تھی ان کو بیٹا اور کبھی کبھی پیار میں "انیس" کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، چھوہارے نوش فرماتے کھانا

---

[۱] مسند احمد۔جلد۳۔ص ۱۰۹، ۱۹۵ [۲] ایضاً۔ص ۱۹۷ [۳] ایضاً۔ص ۱۰۲

موجود ہوتا تو کھانا تناول فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو آرام کرتے، نماز پڑھتے اور حضرت انسؓ کے لئے دعا فرماتے۔

پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت انسؓ کی ماں حضرت اُم سلیمؓ آنحضرت ﷺ کی رشتہ میں خالہ ہوتی تھیں۔ وہ آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو بھی ان کا حد درجہ خیال تھا۔ غزوہ خیبر میں صفیہؓ اسیر ہو کر آئیں اور آنحضرت ﷺ نے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا، تو حضرت اُم سلیمؓ کے پاس بھیج دیا، اُم سلیمؓ نے شادی کا سامان کیا اور حضرت صفیہؓ کو دلہن بنا کر شب کو آنحضرت ﷺ کے خیمہ اطہر میں پہنچایا[1]۔

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے آنحضرت زینبؓ سے عقد کیا، تو ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے صحابہؓ کو طلب فرمایا، اور ایک مختصر سا جلسہ دعوت ترتیب دیا[2]۔

غرض ان مختلف خصوصیتوں نے حضرت انسؓ کو خاندان نبوت کا ایک ممبر بنا دیا تھا، آنحضرت ﷺ کبھی کبھی خوش طبعی میں ان سے مزاح فرماتے تھے، ابوحمزہ ان کی کنیت اسی مزاح کا نتیجہ تھی، ایک مرتبہ میں ارشاد فرمایا: یاذا الا ذنین یعنی اے دو کان والے!

عام حالات:

بارگاہ اقدس میں حضرت انسؓ کو جو قرب و اختصاص تھا، وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو تم نے دیکھا ہوگا کہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں وہ کس استقلال سے آنحضرت ﷺ کے شریک صحبت رہتے تھے، یہی جوش محبت تھا جس نے میدان جنگ میں بھی آقا سے علیحدہ نہ ہونے دیا، غزوہ بدر میں ان کی عمر کچھ نہ تھی ۱۲، برس کا سن تھا، لیکن مجاہدین اسلام کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خدمت گذاری کا فرض بجا رہے تھے ان کی اس کمسنی سے لوگوں کو شرکت بدر میں اشتباہ ہوتا تھا، چنانچہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ بدر میں موجود تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا بدر سے کہاں غائب ہو سکتا تھا؟

واقعہ بدر سے ایک سال بعد غزوہ احد واقعہ ہوا۔ اس میں بھی حضرت انسؓ بہت کم عمر تھے۔ ذیقعدہ ۶ ھ میں حدیبیہ اور بیعت رضوان پیش آئی۔ اس وقت حضرت انسؓ کا عنفوان شباب تھا۔ ۱۶ برس کا سن تھا اب وہ میدان جنگ میں نبرد آزمائی کے قابل ہو گئے تھے۔ ۷ ھ میں آنحضرت ﷺ

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص   مسند انس بن مالکؓ   [2] ایضاً۔ ص ۱۶۳م

نے عمرۃ القضا کیا اس میں حضرت انسؓ تمام جانثاروں کی طرح آنحضرت ﷺ کے ہم کاب تھے اسی سنہ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی اس غزوہ میں حضرت انسؓ، ابوطلحہؓ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اور آنحضرت ﷺ کے اس قدر قریب تھے کہ ان کا قدم آنحضرت ﷺ کے قدم سے مس کر رہا تھا، ۸ھ میں مکہ اور طائف میں معرکوں کا بازار گرم ہوا اور ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع یعنی آخری حج کیا، ان سب واقعات میں حضرت انسؓ نے شرکت کی اور سعادت نبوی اور اخروی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے غزوات کی تعداد اگرچہ ۲۶۔۲۷ تک پہنچی ہے، لیکن جن مقابلوں میں جنگ وقتال کی نوبت آئی ہے وہ صرف ۹ ہیں، بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، مکہ، حنین، طائف، حضرت انسؓ ان سب میں موجود تھے، موسیٰ بن انسؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کے پدر بزرگوار آنحضرت ﷺ کے کتنے معرکوں میں شریک تھے، انہوں نے کہا آٹھ میں غالباً انہوں نے بدر کو شامل نہیں کیا، جس کا سبب یہ ہے کہ بدر میں حضرت انسؓ اس عمر تک نہیں پہنچے تھے جو جہاد کی شرکت کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت انسؓ کو بحرینؓ میں صدقات کا افسر بنانا چاہا پہلے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا، انہوں نے کہا انسؓ بہت ہوشیار شخص ہیں آپ نے جو خدمت ان کے لئے تجویز کی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں، چنانچہ حضرت انسؓ کو بارگاہ خلافت میں طلب کیا اور بحرینؓ کا عامل بنا کر بھیجا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انسؓ کو تعلیم فقہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ اس جماعت میں تقریباً دس اشخاص تھے۔ حضرت انس نے مستقل طور سے بصرہ میں سکونت اختیار کی اور زندگی کا بقیہ حصہ یہیں بسر کیا۔

ان مشاغل کے ماسوا اس عہد کی تمام لڑائیوں میں حضرت انسؓ نے خصوصیت سے حصہ لیا ہے، فتوح عجم میں واقعہ تستر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ اس معرکہ میں پیدل فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ شہر فتح ہونے کے بعد سپہ سالار عساکر عجم جس کا نام ہرمزان تھا اور ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا مع اپنے اہل وعیال کے قید ہو کر اسلامی سپہ سالار اعظم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے روبرو حاضر کیا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے ہرمزان کو حضرت انسؓ کے ہمراہ بارگاہ خلافت میں روانہ کیا اور ۳۰۰ سپاہیوں کا ایک دستہ ہرمزان کی حفاظت کے لئے حضرت انسؓ کی ماتحتی میں دیا۔ حضرت انسؓ مدینہ

منورہ پہنچے اور اپنے مقدس وطن کی زیارت سے محبت کی آنکھیں روشن کیں۔

کچھ دنوں مدینہ منورہ میں ٹھہر کر بصرہ واپس ہوئے، ذوالحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے شہادت حاصل کی اور حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے ان کی خلافت کا ابتدائی زمانہ نہایت پر امن تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد حالات نے نہایت خوفناک صورت اختیار کر لی اور فتنوں کا دروازہ دفعۃً کھل گیا آفاق عالم سے مفسدین اُٹھ کھڑے ہوئے جابجا باغیانہ تحریکیں نشوونما پانے لگیں ملک کے ہر ہر گوشہ میں فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہوئی اور شورہ پشتوں کے سیلاب نے دارالخلافت مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

لیکن اس وقت اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں بہت سی ایسی شخصیتیں موجود تھیں جن کو تعدی وجور مرعوب نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ جب امام مظلوم کی صدائے حق دارالخلافۃ کے ایک مقدس گوشہ سے بلند ہوئی تو سب سے پہلے ان حاملان صداقت نے اسے سنا اور حمایت حق پر کمر ہمت باندھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطنت اسلامیہ کے ہر حصہ میں ان بزرگوں کا وجود تھا۔ بصرہ بھی جو عراق عرب کا صدر مقام تھا، ان بزرگوں سے خالی نہ تھا، چنانچہ جب بصرہ میں ان ہولناک واقعات کی خبر پہنچی، تو حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عمران بن حصینؓ اور دوسرے بزرگوار نصرت دین اور تائید اسلام کے لئے مستعد ہو گئے اور اپنی پر جوش تقریروں سے تمام شہر میں آگ لگا دی لیکن یہ امداد پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ خلیفۂ اسلام شہید ہو چکا تھا!

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسند خلافت کو اپنے جلوس سے زینت بخشی، خلافت کو چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ایک عظیم الشان فتنہ نے بصرہ سے سر اٹھایا، جس کی لپیٹ میں صحابہ بھی آ گئے، بصرہ حضرت انسؓ کا مستقل قرارگاہ تھا، اور وہاں ان کا خاص اثر تھا، لیکن انہوں نے اس فتنہ سے اپنا دامن بالکل محفوظ رکھا وہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح گوشہ نشین رہے، اور اس وقت تک نہ نکلے جب تک آتش فساد سرد نہ ہو گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہے اور انقلاب زمانہ کے عجیب وغریب مناظر دیکھتے رہے، لیکن انہوں نے گوشہ خلوت کو مقدم جانا، اور شہرت کی گوناگوں دلفریبیوں پر اپنے نفس کو مائل نہ کیا۔

بایں ہمہ وہ عمال حکومت کے دست ستم سے محفوظ نہ رہ سکے، عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی جو سلطنت امویہ کے مشرقی ممالک کا گورنر تھا، اور ظلم وجور میں اپنا نظیر

نہیں رکھتا تھا، جب بصرہ آیا تو حضرت انسؓ کو بلا کر نہایت سخت تنبیہ کی اور لوگوں میں ذلیل کرنے کی خاطر گردن پر مہر لگوادی۔

حجاج کا خیال تھا کہ حضرت انسؓ ہوا کے رخ پر چلتے ہیں۔ چنانچہ ان کو دیکھ کر کہا، انسؓ یہ چال بازی! کبھی مختار کا ساتھ دیتے ہو اور کبھی ابن اشعث کا۔ میں نے تمہارے لئے بڑی سخت سزا تجویز کی ہے، حضرت انسؓ نے نہایت تحمل سے کام لے کر پوچھا ! خدا امیر کو صلاحیت دے کس کے لئے سزا تجویز ہوئی ہے۔ حجاج نے کہا تمہارے لئے۔

حضرت انسؓ خاموش ہو کر اپنے مکان واپس تشریف لائے اور خلیفہ عبد الملک کے پاس ایک خط جس میں حجاج کی شکایت لکھی تھی روانہ کیا۔ عبد الملک نے خط پڑھا تو غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ حضرت انسؓ سے فوراً ان کے مکان پر جا کر معافی نگو ورنہ تمہارے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا جائے گا۔ حجاج مع اپنے درباریوں کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور معافی مانگی اور درخواست کی کہ خوشنودی کا ایک خط خلیفہ کے پاس بھیج دیجئے۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اس کی عرضداشت منظور کی اور دمشق ایک خط روانہ کیا۔

وفات : عمر شریف اس وقت سو سے متجاوز ہو چکی تھی ۹۳ھ میں پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا چند مہینوں تک بیمار رہے، شاگردوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، اور دور دور سے لوگ عیادت کو آتے تھے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو ثابت بنانی سے کہ تلامذۂ خاص میں تھے، فرمایا کہ میری زبان کے نیچے آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو، ثابت نے تعمیل کی، اسی حالت میں روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِ ن للّٰہ وَ انا الیہ رَاجعو ن ۔

وفات کے وقت حضرت انس عمر کے ۱۰۳ مرحلے طے کر چکے تھے بصرہ میں سوائے ان کے اور کوئی صحابی زندہ نہ تھا اور عموماً عالم اسلامی (بجز ابو الطفیل) صحابۂ کرام کے وجود سے خالی ہو چکا تھا۔ نماز جنازہ میں اہل و عیال، تلامذہ اور احباب خاص کی معتد بہ تعداد موجود تھی، قسطن بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے محل کے قریب موضع طف میں دفن کئے گئے۔

حضرت انسؓ کی وفات سے لوگوں کو سخت صدمہ ہوا، اور واقعی رنج و الم کا مقام تھا، تربیت یافتگان نبوت ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے صرف دو شخص باقی تھے جن کی آنکھیں شمع نبوت کے دیدار سے روشن ہوئی تھیں اب ان میں سے بھی ایک نے دنیائے فانی سے قطع تعلق کر لیا۔

حضرت انسؓ کا انتقال ہوا تو مورق بولے افسوس! آج نصف عالم جاتا رہا لوگوں نے کہا یہ کیونکر؟ کہا میرے پاس ایک بدعتی آیا کرتا تھا وہ جب حدیث کی مخالفت کرتا میں اسے حضرت انسؓ کے پاس حاضر کرتا تھا؟ حضرت انسؓ حدیث سنا کر اس کی تشفی کرتے تھے اب کون صحابی ہے جس کے پاس جاؤں گا۔

آل واولاد اور خانگی حالات :

حضرت انسؓ کثرت اولاد میں تمام انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا اثر تھا۔ ایک مرتبہ آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اُم سلیمؓ نے عرض کی انسؓ کے لئے دعا فرمایئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے دیر تک دعا کی اور اخیر میں یہ فقرہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا :

" اللھم اکثر ماله وولده وادخله الجنة " حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دو باتیں پوری ہوئیں اور تیسری کا منتظر ہوں۔ مال کی یہ حالت تھی کہ انصار میں کوئی شخص ان کے برابر متمول نہ تھا، اولاد کی اتنی زیادتی تھی کہ خاص حضرت انسؓ کے ۸۰ لڑکے اور دو لڑکیاں (لڑکیوں کے نام حفصہ اور ام عمرو تھا، تولد ہوئیں اور پوتوں کی تعداد اس پر متزاد تھی، مختصر یہ کہ وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کا ایک پورا کنبہ چھوڑا تھا جن کا شمار ۱۰۰ سے اُوپر تھا۔ حضرت انسؓ کے مشہور بیٹوں اور بیٹیوں کے نام یہ ہیں :

۱۔عبداللہ، ۲۔عبیداللہ، ۳۔زید، ۴۔یحییٰ، ۵۔خالد، ۶۔موسیٰ، ۷۔نضر، ۸۔ابوبکر، ۹۔براء، ۱۰۔علا، ۱۱۔عمر، ۱۲۔رملہ، ۱۳۔امیمہ، ۱۴۔ام حرام، (نزہتہ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تالیف وجیہہ الدین ابوالفضائل عمر بن عبدالمحسن بن ابی بکر قالمی)

حضرت انسؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی، وہ اکثر اپنے مکان پر رہتے تھے، از دیاد الفت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اپنے لڑکوں کو خود تعلیم دیتے تھے، لڑکیوں کو بھی حلقۂ درس میں بیٹھنے کی اجازت تھی، ان کے کئی لڑکے فن حدیث میں شیخ اور امام کا منصب رکھتے تھے اور طبقۂ تابعین میں خاص عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جو حضرت انسؓ کی تعلیم کا اثر تھا۔

تعلیم کے ماسوا حضرت انسؓ بہت بڑے تیرانداز تھے، اپنے لڑکوں کو تیراندازی کی بھی مشق کراتے تھے، پہلے لڑکے نشانہ لگاتے، جس میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی، تو خود حضرت انسؓ ایسا تیر جوڑ کر مارتے کہ نشانہ خالی نہ جاتا تھا لڑکوں کو تیراندازی کی مشق کرانا انصار میں ایام جاہلیت سے رائج تھا، مورخ طبری نے تاریخ کبیر میں اس کی تصریح کی ہے۔

عام حالات، حلیہ اور لباس :

حضرت انسؓ کا مفصل حلیہ معلوم نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ خوبصورت اور موزوں اندام تھے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے ہاتھوں میں خلق (ایک قسم کی خوشبو تھی) ملتے تھے، جس کی زردی سے چمک پیدا ہوتی تھی، انگوٹھی پہنتے تھے، صاحب اسد الغابہ نے روایت کی ہے کہ انگوٹھی کے نگینہ پر شیر کی صورت کندہ تھی، ایام پیری میں دانت ہلنے لگے تو سونے کے تاروں سے کسوائے تھے، بچپن میں ان کے گیسو تھے، آنحضرت ﷺ ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے تو ان بالوں کو بھی ہاتھ سے مس فرمایا تھا، ایک دفعہ حضرت انسؓ نے گیسو کٹوانا چاہا تو ام سلیمؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ان بالوں کو چھوا ہے، ان کو نہ کٹاؤ حضرت انسؓ کے مزاج میں نفاست اور پاکیزگی تھی اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا، اس لئے زندگی امیرانہ بسر کرتے تھے، کپڑے قیمتی پہنتے تھے، خز کا لباس اس زمانہ میں اکثر امراء پہنا کرتے تھے، حضرت انسؓ بھی خز کے کپڑے زیب تن کرتے اور اسی کا عمامہ باندھتے تھے، خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے مزاج میں تکلف تھا، ایک باغ نہایت اہتمام سے لگایا تھا جو سال میں دو مرتبہ پھلتا تھا اس میں ایک پھول تھا جو مشک کی طرح مہکتا تھا۔

حضرت انسؓ نے بصرہ سے دو فرسخ باہر مقام طف میں ایک محل بنوایا تھا، اور وہیں اقامت پذیر تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ شہر کے اندر رہنے سے باہر بود و باش رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے، کھانا اچھا کھاتے تھے، دستر خوان پر اکثر چپاتی اور شوربہ ہوتا تھا کبھی کبھی ترکاری بھی ڈالی جاتی تھی، لوکی کی فصل میں اکثر لوکی پڑتی تھی جو ان کو محبت رسول (ﷺ) کی وجہ سے بہت مرغوب تھی، طبیعت فیاض اور سیر چشم واقع ہوئی تھی، کھانے کے وقت شاگرد موجود ہوتے تو ان کو بھی شریک کر لیتے تھے۔

صبح کو ناشتہ کرتے اور ۳ یا ۵ یا اس سے زیادہ چھوہارے نوش فرماتے پانی پیتے تو تین مرتبہ میں ختم کرتے۔

گفتگو بہت صاف کرتے اور ہر فقرہ کا تین مرتبہ بولتے، کسی کے مکان پر تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تھے [1]۔

بااین ہمہ علو مرتبت طبیعت میں انکسار و تواضع تھی لوگوں سے نہایت بے تکلفانہ ملتے تھے، شاگردوں سے بھی چنداں تکلف نہ تھا، اکثر فرماتے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہم لوگ بیٹھے ہوتے اور حضور ﷺ تشریف لاتے، لیکن ہم میں سے کوئی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۳ ص ۱۲۸، ۱۸۰، ۲۲۱، ۲۳۳۔

سے زیادہ ہم کو کون محبوب ہو سکتا تھا؟ اور اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان تکلفات کو ناپسند فرماتے تھے۔

تحمل اور بردباری بھی ان میں انتہا درجہ کی تھی، وہ جس رتبہ کے شخص تھے اسلام میں ان کا جو اعزاز تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کے جو مناقب بیان فرمائے تھے، حامل نبوت کی بارگاہ میں ان کو جو تقرب حاصل تھا ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص ان کو محبت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، لیکن حکومت امویہ کے چند حکام وعمال ایسے متکبر اور بانخوت تھے کہ اپنے جبروت اور سطوت کے سامنے کسی کی عظمت و بزرگی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، حجاج بن یوسف ان تمام متمردوں کا سرگروہ تھا، اس نے حضرت انسؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا، اور حضرت انسؓ نے جس حلم سے کام لیا تھا اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، اگر حضرت انسؓ کے بجائے کسی دوسرے شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو بصرہ میں ایک قیامت برپا ہو جاتی۔

اس تحمل کے ساتھ عظمت وجلال کا یہ عالم تھا کہ ان کے صرف ایک خط پر خلیفہ عبدالملک اموی نے حجاج بن یوسف ثقفی جیسے بااختیار امیر کو جو محض سلطنت کا رعب ودبدبہ قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، ایسا عتاب آمیز خط لکھا کہ خواص تو کجا ایک عام آدمی بھی اپنے لئے وہ الفاظ سننا گوارا نہ کرے گا اور جس کا یہ انجام ہوا کہ حجاج کو حضرت انسؓ سے معذرت کرنی پڑی۔

شجاعت وبسالت کا کافی حصہ پایا تھا، بچپن میں اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ ایک مرتبہ مرالظہر ان میں خرگوش کو دوڑ کر پکڑ لیا تھا، حالانکہ ان کے تمام ہم عمر ناکام واپس آئے تھے، بڑے ہوئے تو فنون سپہ گری میں کمال حاصل کیا، وہ بہت بڑے شہسوار تھے تیر اندازی میں ان کو خاص ملکہ تھا اور گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔

صحابہ میں ارباب روایت تو سینکڑوں ہیں، لیکن ان میں ایک مخصوص جماعت ان لوگوں کی ہے جو روایات میں صاحب اصول تھے، حضرت انسؓ بھی انہی لوگوں میں تھے چنانچہ ان کے روایات کے استقصا سے حسب ذیل اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ روایات کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط کی مسند احمد بن حنبل میں ہے، "کان انسؓ بن مالک اذاحدث عن رسول اللہ ﷺ حدیثا ففزع منه قال او کما قال رسول اللہ ﷺ" یعنی حضرت انسؓ حدیث بیان کرتے وقت گھبرا جاتے تھے، اور اخیر میں کہتے تھے کہ اس طرح یا جیسا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

۲۔ جن حدیثوں کے سمجھنے میں غلطی ہوسکتی تھی ان کو نہیں بیان کیا۔

۳۔ جو حدیث صحابہ سے سنی تھی اور وہ جو آنحضرت ﷺ سے بلاواسطہ سنی تھی اس میں امتیاز قائم کیا۔

حضرت انسؓ نے علم حدیث کی کیا خدمت کی، کیونکر تعلیم حاصل کی؟ شاگردوں تک کس طرح اس فن شریف کو پہنچایا، اور ان کی مجموعی روایات کی تعداد کیا ہے؟ اس کا جواب آئندہ سطور میں ملے گا۔

کسی علم کی سب سے بڑی خدمت اس کی اشاعت اور تعمیر ہوتی ہے، حضرت انسؓ اس باب میں اکثر صحابہ میں پیش پیش ہیں، انہوں نے اس مستعدی اور اہتمام سے نشر حدیث کی خدمت ادا کی ہے جس سے زیادہ مشکل ہے اور انہوں نے تمام عمر اس دائرہ (تعلیم حدیث) سے باہر قدم نہ نکالا جس زمانہ میں تمام صحابہ میدان جنگ میں مصروف جہاد تھے رسول اللہ ﷺ کا خاص خادم جامع بصرہ میں دنیا سے الگ قال رسول اللہ کا نغمہ خلائق کو سنا رہا تھا۔

توسیع علم کا حال شاگردوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، حضرت انسؓ کے حلقۂ درس میں مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے طلبا شامل تھے جس طرح ظاہری اور صلبی اولاد کی کثرت کے لحاظ سے وہ خوش قسمت تھے اسی طرح معنوی اولاد کی بہتات میں ان کا پلہ بہت بھاری تھا۔

حضرت انسؓ نے ابتداً خود حامل وحی سے اکتساب کیا آپ کے بعد جن صحابۂ کرامؓ کے دامن فیض سے وابستہ رہے ان کے نام نامی یہ ہیں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماس، حضرت مالک بن صعصہؓ، حضرت ام سلیمؓ، (والدہ حضرت انسؓ) حضرت ام حرامؓ (خالہ حضرت انسؓ) حضرت ام الفضلؓ (زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

حضرت انسؓ کے دائرہ تلمذ میں اگرچہ ایک جہاں داخل تھا، لیکن وہ بزرگ جو امام فن ہوکر نکلے اور آسمان حدیث کے مہر و ماہ ثابت ہوئے ان کے نام نامی درج ذیل ہیں:

حسن بصری، سلیمان تیمی، ابوقلابہ، اسحٰق بن ابی طلحہ، ابوبکر بن عبداللہ مزنی، قتادہ، ثابت بنانی، حمید الطّویل، ثمامہ بن عبداللہ (حضرت انسؓ کے پوتے ہیں) جعدار، ابوعثمان۔ محمد بن سیرین انصاری، انس بن سیرین ازہری، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الرائے، سعید بن جبیر، اور سلمہ بن دردان۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

فقہ : علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی حضرت انسؓ کو کمال حاصل تھا، فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں، حضرت انسؓ کا شمار دوسرے طبقہ میں ہے جن کے اجتہادات وفتاویٰ اگر ترتیب دیئے جائیں تو ایک مستقل رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ فقہ سکھانے کے لئے بصرہ روانہ کیا تھا۔ اس سے زیادہ ان کی فقہ دانی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

صحابہؓ کے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ عموماً حلقہ درس تک محدود تھا، حضرت انسؓ بھی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اثنائے درس میں کوئی شخص سوال کرتا اس کو جواب سے سرفراز فرماتے تھے اس قسم کے سوال وجواب کا ایک مجموعہ ہے جس کا استقصاء طوالت سے خالی نہیں، یہاں چند مسائل درج کئے جاتے ہیں جن سے حضرت انس کے طرز اجتہاد جودت فہم دقت نظر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوگا۔

باب الاشربہ، یہ مسئلہ کہ نبیذ مخصوص برتنوں میں پینا مکروہ ہے صحابہؓ میں عموماً متفق علیہ تھا، حضرت انسؓ نے اس کو جس قدر وضاحت وصفائی سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے اس میں انہوں نے ان وجوہ واسباب کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے سبب سے ان برتنوں میں نبیذ پینے کی مخالفت آئی ہے۔

حضرت قتادہ نے دریافت کیا کہ گھڑے میں نبیذ بنا سکتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے کہا اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی تاہم میں مکروہ سمجھتا ہوں، یہ استدلال اس بنا پر ہے کہ جس چیز کی حلت وحرمت میں اشتباہ ہو، اس میں حرمت کا پہلو غالب رہے گا۔

ایک مرتبہ مختار بن فلفل نے پوچھا کن ظروف میں نبیذ نہ پینا چاہئے؟ فرمایا مرفتہ میں، کیونکہ ہر مسکر چیز حرام ہے، مختار نے کہا، شیشہ یا رنگے برتنوں میں پی سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا لوگ تو مکروہ سمجھتے ہیں، فرمایا جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو، پھر استفسار کیا کہ نشہ لانے والی چیز تو حرام ہے۔ لیکن ایک دو گھونٹ پینے میں کیا حرج ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا جس کا زیادہ حصہ موجب سکر ہو اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے، دیکھو! انگور، خرمے، گیہوں، جو وغیرہ سے شراب تیار ہوتی ہے، ان میں سے جس چیز میں نشہ پیدا ہوجائے وہ شراب ہوجاتی ہے۔

حضرت انسؓ نے اس مسئلہ کو اگرچہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے لیکن اس کی مزید تشریح کی ضرورت ہے، شارع علیہ السلام نے کتاب الاشربہ کے متعلق جو احکام ارشاد فرمائے ہیں، اور جو اس باب کے قواعد واصول کہے جاسکتے ہیں یہ ہیں :

(۱) کل شراب اسکر فھو حرام ۔ (صحیحین عن عائشہؓ)

(۲) کل مسکر خمر و کل خمر حرام ۔ (صحیح مسلم عن ابن عمرؓ)

(۳) ما اسکر کثیرہ و فقلیلہ حرام ۔ (سنن عن ابن عمرؓ)

ان میں سے پہلے کا مفہوم یہ ہے کہ جس پینے والی چیز میں نشہ آ جائے حرام ہے، دوسرے میں یہ بیان ہے کہ ہر منشی چیز شراب ہوتی ہے اور ہر قسم کی شراب حرام ہے، جس کا نتیجہ یہ متفرع ہوتا ہے کہ ہر منشی چیز حرام ہے۔ تیسرے کلیہ کا یہ منشاء ہے کہ جو زیادہ پینے کی صورت میں نشہ پیدا کرے اس کا خفیف حصہ بھی پینا حرام، حضرت انسؓ نے انہی باتوں کا اپنے جواب میں ذکر کیا ہے یہ اور بات ہے کہ سوالات کی بے ترتیبی سے جواب غیر مرتب ہو گیا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ چند مخصوص برتنوں میں نبیذ پینے کی ممانعت کیوں آئی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عرب میں شراب رکھنے یا بنانے کے لئے وہ نفیس اور خوبصورت شیشہ کے برتن جو آج یورپ نے ایجاد کئے ہیں موجود نہ تھے، وہاں عام طور پر کدو کی تبنی صراحی و سبو کا کام دیتی تھی یا اور اسی نوع کے چند برتن تھے جو قدرتی پھلوں کو خشک اور صاف کر کے بادہ نوشی کے لئے مخصوص کر لئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں شراب رکھنے سے اس کا اثر برتن میں پہنچتا ہو گا اور دھونے کے بعد بھی زائل نہ ہوتا ہو گا، یہی راز ہے کہ اوائل اسلام میں جب شراب حرام ہوئی تو ان برتنوں کا استعمال بھی ناجائز کر دیا گیا، اور گو بعد میں اس قسم کے برتنوں کا جن میں شراب نہ رکھی گئی ہو استعمال جائز قرار دیا جا سکتا تھا، لیکن پہلی صدی ہجری کا پُر جوش مسلمان یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ان برتنوں کے استعمال سے شراب نوشی کی یاد کو عہدِ اسلام میں از سرِ نو تازہ کرے۔

ایک شخص[1] نے سوال کیا کہ آنحضرت (ﷺ) جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا ہاں! جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہو اور نجاست آلودہ نہ ہو، اگر کوئی شخص نیا جوتا پہن کر نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

یحییٰ بن یزید ہنائی نے دریافت کیا کہ نماز میں قصر کب کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ جب میں کوفہ جاتا تھا، قصر کرتا تھا اور آنحضرت ﷺ نے ۳ میل یا ۳ فرسخ کا راستہ طے کر کے قصر کیا تھا (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۳ میل سفر کرنے سے قصر واجب ہو جاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے، راستہ میں جس مقام پر سب سے پہلے نزول اجلال ہوا وہ ذوالحلیفہ تھا

---

[1] کتاب الصلوٰۃ

جو صحیح روایات کی بنا پر مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور چونکہ حدودِ سفر میں داخل تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے قصر پڑھی۔

مختار بن فلفل نے پوچھا کہ مریض کس طرح نماز پڑھے۔ حضرت انس ؓ نے کہا بیٹھ کر پڑھے، عبدالرحمٰن بن دردان ؓ معہ دیگر اہالیان (مدینہ) حضرت انس ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت انس ؓ نے پوچھا نمازِ عصر پڑھ چکے ہو کہا جی ہاں، پھر لوگوں نے استفسار کیا کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟ فرمایا آفتاب خوب روشن اور بلند رہتا تھا۔

حضرت انس ؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جنازہ مرد کا تھا، اس لئے میّت کے سرہانے کھڑے ہوئے اس کے بعد دوسرا جنازہ عورت کا لایا گیا، حضرت انس ؓ نے کمر کی سیدھ پر کھڑے ہو کر اس کی نمار پڑھائی، علاء بن زیاد عدوی بھی نماز میں شریک تھے اس اختلافِ قیام کا سبب پوچھا، حضرت انس ؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے، علاء مجمع کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا کہ اس کو یاد رکھنا۔

ایک شخص نے کہا کہ حضرت عمر ؓ نے رکوع کرنے کے بعد قنوت پڑھا ہے؟ فرمایا، ہاں اور خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھا ہے۔ (لیکن یہ حضرت انس ؓ کا ذاتی اجتہاد ہے، ورنہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور عموماً صحابۂ کرام ؓ وتر میں رکوع کرنے کے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے)، امام شافعیؒ اس مسئلہ میں حضرت انس ؓ کے پیرو ہیں اور انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علی ؓ بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے، لیکن یہ حدیث قطع نظر اس کے کہ منقطع ہے، یعنی امام شافعیؒ نے حکایۃً بیان کی ہے اور اپنی سند ہشیم تک چھوڑ دی ہے سنداً بھی ضعیف ہے، اس کے راویوں میں ہشیم اور عطاء کا نام بھی شامل ہے اور ان دونوں کی ائمۂ فنِ حدیث نے تضعیف کی ہے۔

اس کے علاوہ ابن منذر نے الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت انس ؓ اور فلاں فلاں صحابہ ؓ سے مجھ کو جو روایتیں پہنچی ہیں، سب میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کا تذکرہ ہے اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت انس ؓ سے جو روایات آتی ہے، اس میں اس کی صاف تصریح ہے، عاصم نے حضرت انس ؓ سے پوچھا کہ قنوت قبل رکوع پڑھنا چاہئے یا بعد رکوع؟ انہوں نے کہا قبل رکوع۔ عاصم نے کہا لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد رکوع پڑھتے تھے۔ حضرت انس ؓ نے کہا وہ ایک وقت واقعہ تھا چند قبائل نے مرتد ہو کر بہت سے صحابہ ؓ کو قتل کر دیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک

مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے لئے بددعا کی تھی[1]۔

تم نے دیکھا کہ ان مسائل میں حضرت انسؓ کس قدر صائب الرائے ہیں، ان کے اجتہادی مسائل کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر صحابہؓ کے اجتہاد کے موافق ہیں اور اس لئے قطعاً صحیح ہیں۔

اخلاق : حضرت انسؓ کے گلدستۂ اخلاق میں چار پھول ایسے نازک، لطیف اور شگفتہ ہیں جن پر گلدستہ کی خوبصورتی کا تمام تر انحصار ہے، حُبّ رسول ﷺ، اتباعِ سنّت امر بالمعروف، حق گوئی یہ حضرت انسؓ کے خاص اوصاف ہیں۔ حُبّ رسول ﷺ کا نقشہ تم اوپر دیکھ چکے ہو، جس زمانہ میں وہ دس برس کے نابالغ اور ناسمجھ بچے تھے۔ جوشِ محبت کا یہ عالم تھا کہ صبح اُٹھ کر کاشانۂ نبوت کی زیارت سے آنکھوں کو مشرف کرتے تھے، صبح کاذب کی تاریکی میں اُم سلیمؓ کا کمسن بچہ بسترِ راحت سے اٹھتا تھا اور آنحضرت ﷺ کا سامانِ وضو مہیا کرنے کے لئے مسجدِ نبوی کا راستہ لیتا تھا۔ ایامِ شباب میں ان کی محبت کی کوئی حد نہ تھی۔ وہ شمعِ نبوت پر پروانہ وار شیفتہ تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک نگاہِ کرم حضرت انسؓ کے لئے باعثِ صد طمانیت تھی اور آقائے نامدار ﷺ کی ایک آواز ان کے قالب عقیدت میں نئی روح پھونکنے کا سبب بن جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اگرچہ ظاہری آنکھیں دیدار، محبوب کو ترس گئی تھیں لیکن محبت کی معنوی آنکھوں پر بابِ فیض اب تک بند نہ ہوا تھا۔ چنانچہ کشتۂ عشقِ نبوت اکثر خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف تھا اور صبح کو واقعات شبینہ کی یاد تازہ کر کے گریہ زاری کا ایک طوفان بپا کرتا تھا۔ عاشقِ صادق کے تڑپانے اور تلملانے کے لئے محبوب کی ایک ایک چیز نشتر کا کام کرتی ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک کا بعینہٖ یہی حال تھا، وہ محبوبِ دوعالم کا ذکر کرتے تھے اور فرطِ محبت سے بے قرار ہو جاتے تھے۔

ایک دن آنحضرت ﷺ کا حلیۂ مبارک بیان کر رہے تھے، آپ کا ایک ایک خال وخط زبان مدیح میں نبات محبت گھول رہا تھا، الفاظ جو ادا ہو رہے تھے اسی عالم میں شوق زیارت کا زبردست جذبہ ظہور پذیر ہوا، حرماں نصیبی اور برگشتہ بختی نے وہ ایامِ سعید یاد دلائے جب ہادئ برحق ﷺ عالم مادی کے گل کوچے میں پھرا کرتے، اور حضرت انسؓ ان کے شرفِ غلامی پر ناز کیا کرتے تھے، دفعۃً حالت میں ایک تغیر پیدا ہوا اور زبان سے بے اختیارانہ یہ جملہ نکلا کہ ''قیامت میں رسول اللہ ﷺ کا سامنا ہوگا تو عرض کروں گا کہ حضور ﷺ کا ادنیٰ غلام انسؓ حاضر ہے''۔

---

[1] ان مسائل کے لئے دیکھو مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۲۹، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۷۷۔ وعمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۹، ۵۴۶۔ وجوہر النقی فی الرد علی البیہقی۔ جلد اول۔ ص ۲۱۳

حضرت انسؓ کی ہر مجلس آنحضرت ﷺ کے ذکرِ خیر سے لبریز ہوتی تھی، وہ عہدِ نبوت کے واقعات اپنے تلامذہ کے گوش گذار کیا کرتے تھے۔ اثنائے ذکر میں دل میں ایک ٹیس اٹھتی جس سے حضرت انسؓ بے چین ہو جاتے تھے لیکن یہ وہ درد تھا جس کا علاج طبیبوں کے اختیار سے باہر تھا، ناچارہ ہو کر گھر تشریف لے جاتے اور حضرت ﷺ کے تبرکات نکال لاتے ان ظاہری یادگاروں کو دیکھ کر دل کو تسکین دیتے اور جمعیت خاطر کا سامان بہم پہنچاتے۔

حضرت انسؓ کو جوشِ محبت اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس سے تمام مجلس متاثر تھی ان کے تلامذہ کو رسول اللہ ﷺ سے جو خاص محبت پیدا ہو گئی تھی، وہ حضرت انسؓ ہی کے ولولۂ محبت کا کرشمہ تھا، ثابت حضرت انسؓ کے شاگرد رشید تھے وہ بالکل اپنے استاد کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ہمیشہ عہدِ نبوت کی نسبت سوال کرتے ایک روز حضرت انسؓ سے پوچھا آپ نے کبھی آنحضرت ﷺ کا دستِ مبارک چھوا تھا؟ حضرت انسؓ نے کہا ہاں، ثابت کے دل میں سوزِ محبت نے بیقراری پیدا کر دی حضرت انسؓ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں چوموں گا۔

حُبّ رسول ﷺ کے بعد اتباعِ سنت کا درجہ ہے، محبّ صادق کی یہ شناخت ہے جو چیز اس کے محبوب کے مرغوب خاطر ہو کر خود بھی اس کو پسند کرے، حضرت انسؓ کو آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے جو عشق تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہ آپ کے قول وافعال کی پورے طور سے تقلید کریں، چنانچہ حضرت انسؓ کی زندگی مطہر کے متعدد واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اسلام کا سب سے بڑا رکن کلمۂ توحید کے بعد نماز ہے، آنحضرت ﷺ جس خصوع وخشوع اور جس آداب کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، صحابہؓ کوشش کرتے تھے کہ خود بھی اسی طریقہ پر کاربند ہوں، چنانچہ متعدد صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی نماز سے ملتی جلتی نماز پڑھتے تھے، لیکن حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے طرز وطریقہ سے جو مشابہت اختیار کی تھی وہ ایک چراغِ ہدایت تھا، جو نبوت کے قلبِ مبارک سے حضرت انسؓ کے قلب مصفاء میں روشن ہوا تھا، حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت انسؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے ابن امّ سلیمؓ (انسؓ) سے بڑھ کر کسی کو آنحضرت ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

نماز کے ماسوا آنحضرت ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل صحابہؓ کی نگاہ میں تھا۔ حضرت انسؓ نے دس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت انجام دی تھی اور ہمیشہ ہی ساتھ رہے تھے ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل ایسا نہ تھا جو حضرت انسؓ سے مخفی رہ سکتا، آنحضرت ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے یا

اپنے طریقِ عمل سے کسی امر کو ثابت کرتے تو حضرت انس ؓ اس کو اپنے حافظہ کے سپرد کر دیتے تھے، جب اس قسم کی کوئی صورت پیش آتی تو قوتِ حافظہ سے اپنی امانت طلب کرتے اور اس پر اس کو منطبق کرتے تھے۔ خلیفۂ دمشق نے حضرت انس ؓ کو شام میں طلب کیا تھا، وہاں سے واپسی کے وقت عین التمر میں قیام کرنا چاہا۔ شاگردوں اور جان نثاروں کو آمد آمد کی خبر پہلے سے معلوم ہو چکی تھی اور وہ لوگ عین التمر میں موجود تھے آبادی سے باہر ایک میدان پڑتا ہے، حضرت انس ؓ کا اونٹ اسی طرف سے آ رہا تھا، نماز کا وقت تھا اور حضرت انس ؓ چوپایہ کے پیٹھ پر خالقِ دو جہاں کی حمد و ستائش کر رہے تھے، لیکن اونٹ قبلہ رخ نہ تھا، تلامذہ نے تو استعجاب کے لہجہ میں پوچھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت انس ؓ نے فرمایا ”اگر میں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ پڑھتا“۔

حضرت ابراہیم بن ربیعہ ؓ حضرت انس ؓ کے حضور میں آئے، نماز کا وقت تھا، حضرت انس ؓ ایک کپڑا باندھے اور اسی کو اوڑھے یادالٰہی میں مصروف تھے اور ایک چادر پاس رکھی ہوئی تھی، نماز سے فارغ ہوئے تو ابراہیم نے پوچھا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت انس ؓ نے فرمایا ہاں! میں نے اس طرح آنحضرت ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا (آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات اقدس میں سب سے اخیر نماز جو حضرت ابو بکر ؓ کے پیچھے پڑھی تھی ایک کپڑے میں ادا فرمائی تھی۔

(دیکھو مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۵۹)

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر نقش حضرت انس ؓ کے لئے چراغ ہدایت تھا وہ اسی کی روشنی میں شاہراہ عمل پر قدم رکھتے تھے، فرائض سے اتر کر واجبات و سنن تک میں بھی آپ کا اسوہ پیش نظر رہتا تھا، قربانی ہر صاحب استطاعت پر ضروری ہے، حضرت انس ؓ رئیس اعظم تھے جس قدر جانور چاہتے ذبح کر سکتے تھے، لیکن خیر القرون میں متابعت رسول ﷺ کا درجہ، نام و نمود سے بالاتر تھا، وہاں قربانی شہرت کے لئے نہیں بلکہ ثواب کے لئے ہوتی تھی، آنحضرت ﷺ نے دو جانور قربانی کئے تھے اس لئے حضرت انس ؓ بھی دو ہی کرتے تھے،

حضرت انس ؓ کے بچپن میں آنحضرت ﷺ کا گزر لڑکوں کی طرف ہوا تھا تو آپ ﷺ نے ان سے السلام علیکم فرمایا تھا، اس لئے حضرت انس ؓ ضعیف پیری میں بھی بچوں سے سلام میں سبقت کرتے تھے،

اظہار حق گوئی اور حق پسندی حضرت انس ؓ کے نمایاں اوصاف ہیں، خلافت شیخین کے بعد ایسے نوجوان جو اسلامی تعلیم سے بیگانہ تھے حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہوئے اس لئے بیشتر

اوقات ان سے ایسے افعال سرزد ہو جاتے تھے جو قرآن وحدیث کے بالکل خلاف تھے، اصحاب رسول ﷺ نے جنہوں نے اپنی جان بیچ کر اسلام کا سودا کیا تھا اس طرز کو گوارا نہ کر سکتے تھے اور ان کے جوش ایمانی میں ایک ہیجان پیدا ہوتا تھا اور وہ بلا لومتہ لائم اظہار حق پر آمادہ ہو جاتے تھے حضرت انسؓ آنحضرت ﷺ کے بعد زمانہ دراز تک بقید حیات رہے، بڑے بڑے جبار اور امراء سے ان کو سابقہ پڑا جو بالا علان احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے، حضرت انسؓ سنت نبوی ﷺ کو پامال دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے تھے اور مجمع عام میں ایسے امراء کو تنبیہ کرتے تھے،

عبید اللہ بن زیاد یزید کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کو طشت میں رکھوا کر اپنے سامنے منگایا، اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی اس کو آنکھ پر مار کر آپ کے حسن کی نسبت نا ملائم الفاظ استعمال کئے حضرت انسؓ سے نہ دیکھا گیا۔ بے تاب ہو کر فرمایا یہ چہرہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ سے مشابہ ہے۔

مشہور جفا کار حجاج بن یوسف ثقفی اپنے بیٹے کو بسرہ کا قاضی بنانا چاہتا تھا، حدیث شریف میں قضایا امارت کی خواہش کرنے کی ممانعت آئی ہے، حضرت انسؓ کو خبر ہوئی تو فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس کو منع کیا ہے۔

حکم بن ایوب، حکومت امویہ کا ایک امیر تھا، اس کی سفا کی انسانوں سے متجاوز کر کے حیوانوں تک پہنچی تھی، ایک دفعہ حضرت انسؓ اس کے مکان پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک مرغی کے پاؤں باندھ کر لوگ نشانہ لگا رہے ہیں جب تیر لگتا تو بے اختیار پھڑ پھڑاتی یہ دیکھ کر حضرت انسؓ برہم ہوئے اور لوگوں کو اس حرکت پر تنبیہ کی[1]۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ایام شہزادگی میں دولت امیہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے اور چونکہ خاندان شاہی میں پرورش پائی تھی اس لئے رموز ملت میں دخل نہ تھا لیکن رواج زمانہ کے موافق نماز خود پڑھاتے تھے اور اس میں بعض غلطیاں ہو جاتی تھیں، حضرت انسؓ ان کو ہمیشہ ٹوکتے تھے، بار بار ٹوکنے پر انہوں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ آپ میری کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے اگر آپ اسی طرح پڑھائیں تو میری عین خوشی ہے ورنہ آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھوں گا، عمر بن عبد العزیزؓ کی طبیعت صلاحیت پذیر واقع ہوئی تھی ان جملوں نے خاص اثر کیا، اور اسرار دین سیکھنے کی طرف توجہ صرف کی حضرت انسؓ سے زیادہ اس کام کے لئے اور کون

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۸۔

موزوں ہوسکتا تھا چنانچہ کچھ دنوں ان کی صحبت و تعلیم کے اثر سے ایسی معتدل نماز پڑھانے لگے کہ ان کے قعدہ و قیام کی موزونیت دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ اس لڑکے سے زیادہ کسی شخص کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے مشابہ نہیں ہے۔

وہ کسی موقعہ پر بھی تعلیم دین و تبلیغ سنت سے غافل نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور بعض انصار کو جن کی تعداد ۴۰ کے قریب تھی دمشق بلایا، وہاں سے واپسی کے وقت فج الناقہ پہنچ کر عصر کا وقت آیا، چونکہ سفر ابھی ختم نہ ہوا تھا، اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے باقی تمام آدمیوں نے دو اور بڑھا کر چار رکعتیں پوری کیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور فرمایا کہ جب خدا نے اس کی اجازت دی ہے تو لوگ اس رعایت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک زمانہ میں لوگ دین میں بال کی کھال نکالیں گے اور تعمق سے کام لیں گے لیکن حقیقت میں وہ بالکل کورے رہیں گے۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ نماز ظہر پڑھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو آئے انہوں نے کنیز سے وضو کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے کہا کس وقت کی نماز کی تیاری ہے؟ فرمایا عصر کی حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ ہم تو ابھی ظہر پڑھ کر آرہے ہیں، امراء کی سہل انگاری اور عوام کی غفلت دینی دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا، اور ان سے خطاب کر کے فرمایا، وہ منافق کی نماز ہوتی ہے کہ آدمی بیکار بیٹھا رہتا ہے نماز کے لئے نہیں اٹھتا، جب آفتاب غروب ہونے کے قریب آتا ہے جلدی سے اٹھ کر مرغ کی طرح چار چونچیں مار لیتا ہے۔ جس میں یاد الٰہی کا بہت تھوڑا حصہ ہوتا ہے۔

حق گوئی[1] کے بعد مگر اس سے متصل امر بالمعروف کا رتبہ ہے قرآن مجید میں جہاں پیروان دین حنیف کی مدح سرائی کی گئی ہے؟ امر بالمعروف کو امت اسلامیہ کے خیر الامم ہونے پر سب سے پہلے بطور استشہاد پیش کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ میں یہ وصف خاص طور پر پایا جاتا تھا،

عبید اللہ بن زیاد کی مجلس میں ایک مرتبہ حوض کوثر کا ذکر آیا، اس نے اس کے وجود کی نسبت شک ظاہر کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو لوگوں سے فرمایا کہ اسے میں جا کر سمجھاؤں گا اور عبید اللہ کے ایوان امارت میں جا کر فرمایا، تمہارے ہاں حوض کوثر کا ذکر ہوا تھا؟ اس نے کہا جی ہاں، کیا آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کچھ فرمایا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حوض کوثر کے متعلق حدیث پڑھی اور مکان واپس تشریف لائے۔

---

[1] امر بالمعروف۔

ایک انصاری سردار کے متعلق مصعب بن زبیرؓ کو کچھ اطلاع ملی (غالبًا سازش کی خبر) اس نے انصار کو اس جرم میں ماخوذ کرنا چاہا، لوگوں نے حضرت انسؓ کو خبر کی وہ سیدھے دارالامارت پہنچے، امیر تخت پر بیٹھا تھا، حضرت انسؓ نے اس کے سامنے جا کر یہ حدیث سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کے امراء کو یہ وصیت کی ہے کہ ان کے ساتھ خاص رعایت کی جائے ان کے اچھوں سے سلوک کا برتاؤ اور بروں سے درگزر کا برتاؤ کرنا چاہئے، اس حدیث کا مصعب پر اس قدر اثر ہوا کہ تخت سے اُتر گیا اور فرش پر اپنا رخسار رکھ کر کہا آنحضرت ﷺ کا فرمان سر آنکھوں پر ! میں ان کو چھوڑتا ہوں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

ابی نام، ابوالمنذر وابوالطفیل کنیت، سید القراء، سید الانصار اور سید المسلمین القاب ہیں۔ قبیلہ نجار (خزرج) کے خاندان معاویہ سے تھے، جو بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا (حدیلہ، معاویہ کی ماں کا نام تھا جو جشم بن خزرج کی اولاد میں تھی)۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زیادہ بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجار[1]، والدہ کا نام صہیلہ تھا، جو عدی بن ۔۔۔ کے سلسلہ سے تعلق رکھتی تھیں، اور حضرت ابوطلحہؓ انصاری کی حقیقی پھوپھی تھیں اسی بناء پر حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت ابیؓ پھوپھی زاد بھائی تھے۔

حضرت اُبیؓ کی دو کنیتیں تھیں، ابوالمنذر اور ابوالطفیل، پہلی کنیت آنحضرت نے رکھی تھی اور دوسری حضرت عمرؓ نے ان کے بیٹے طفیل کے نام کی مناسبت سے پسند فرمائی۔

حضرت ابیؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مے نوشی ابی بن کعبؓ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابوطلحہؓ نے ندیموں کا جو حلقہ قائم کیا تھا، حضرت ابی بن کعبؓ اس کے ایک ضروری رکن تھے۔

اسلام : مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً وہ اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے، اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا، چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری دفعہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی، ان میں حضرت اُبیؓ بھی تھے اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔

مواخات : ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں برادری ومواخات قائم ہوئی تھی، اس میں سعید ابن زید بن عمرو بن نفیل سے جو عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی مواخاۃ ہوئی۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت اُبیؓ عہد نبوت کے غزوات میں بدر سے لے کر طائف تک کے تمام معرکوں میں شریک رہے، غزوہ احد میں ایک تیر ہفت اندام میں لگا تھا آنحضرت ﷺ نے ایک طبیب بھیجا، جس نے

رگ کاٹ دی۔ پھر اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا[1]۔ حضرت ابیؓ نے عہد رسالت سے لے کر خلافت عثمانی تک اہم مذہبی اور ملکی خدمات انجام دیں۔ ۹ھ میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے تحصیل صدقات کے لئے عرب کے صوبہ جات میں عمال روانہ فرمائے، تو حضرت ابیؓ بھی خاندان ہائے بلی، عذرا اور بنی سعد میں عامل صدقہ مقرر ہو کر رہ گئے، اور نہایت تدین کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

ایک دفعہ ایک گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے حسب معمولی تمام جانور سامنے لا کر کھڑے کر دیئے کہ ان میں سے جس کو چاہیں انتخاب کر لیں۔ حضرت ابیؓ نے اُونٹ سے ایک دو برس کے بچہ کو چھانٹا صدقہ دینے والے نے کہا اس کے لینے سے کیا فائدہ؟ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے قابل ہے۔ اگر آپ کو لینا ہے تو یہ اُونٹنی حاضر ہے، موٹی تازی بھی ہے اور جوان بھی۔ حضرت ابیؓ نے کہا، یہ کبھی نہ ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے خلاف میں نہیں کر سکتا، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو، مدینہ یہاں سے کچھ دور نہیں۔ آنحضرت ﷺ جو ارشاد فرمائیں اس کی تعمیل کرنا، وہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت ابیؓ کے ساتھ اس اُونٹنی کو لے کر مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے تمام قصہ دہرایا آپ نے فرمایا کہ "اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو اُونٹنی دے دو، قبول کر لی جائے گی، اور خدا تم کو اس کا اجر دے گا"۔ اس نے منظور کیا اور اُونٹنی آپ کے حوالے کر کے اپنے مکان واپس آیا[2]۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، اور حضرت ابوبکرؓ خلافت کی مسند پر متمکن ہوئے، ان کے عہد میں قرآن مجید کی ترتیب و تدفین کا اہم کام شروع ہوا، صحابہؓ کی جو جماعت اس خدمت پر مامور کی گئی تھی، حضرت ابیؓ اس کے سرگردہ تھے وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے، اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے، یہ جماعت چونکہ ارباب علم پر مشتمل تھی اس لئے کسی کسی آیت پر مذاکرہ و مباحثہ بھی رہتا تھا۔ چنانچہ جب سورہ براۃ کی یہ آیت "**ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لایفقھون**" لکھی گئی۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہ سب سے اخیر میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابیؓ نے کہا نہیں اس کے بعد دو آیتیں مجھ کو رسول ﷺ نے اور پڑھائی تھیں، سب سے آخیر آیت: **لقد جاء کُمْ رسولٌ من انفسکم**[3] ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ اُن کے جانشین ہوئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سینکڑوں مفید باتوں کا اضافہ فرمایا جس میں ایک مجلس شوریٰ کا قیام بھی ہے۔ یہ مجلس انصار

---

[1] مسند جابر بن عبداللہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۵۔ [2] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۲۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۳۴۔

ومہاجرین کے مقتدر اصحاب پر مشتمل تھی، جن میں قبیلہ خزرج کی طرف سے حضرت ابی بن کعبؓ بھی ممبر تھے[۱]۔

خلافت فاروقی میں حضرت ابیؓ مدینہ منورہ میں بالا ستقلال مقیم رہے، زیادہ تر درس وتدریس سے کام رہتا تھا، جب مجلس شوریٰ منعقد ہوتیں یا کوئی مہم آپڑتی تو حضرت عمرؓ ان سے استصواب فرماتے تھے، حضرت ابیؓ کے پورے عہد حکومت میں مسند افتاء پر متمکن رہے اور اس کے سوا حکومت کا کوئی منصب ان کو نہیں ملا، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے، بولے کہ میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا[۲]۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو با جماعت کیا تو حضرت ابی بن کعبؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا[۳]۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن مجید میں لب ولہجہ کا اختلاف تمام ملک میں عام ہو چکا تھا، اس بنا پر آپ نے اس اختلاف کو مٹانا چاہا اور خود اصحاب قرأت کو طلب فرما کر ہر شخص سے جدا جدا قرأت سنی، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور معاذ بن جبلؓ، سب کے لہجہ (تلفظ) میں اختلاف نظر آیا، یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو ایک تلفظ کے قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں۔

قریش اور انصار میں ۱۲ شخص تھے، جن کو قرآن پر پورا عبور تھا، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو یہ اہم کام تفویض فرمایا، اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس مجلس کا رئیس مقرر کیا، وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے اور زید لکھتے، آج قرآن مجید کے جس قدر نسخے ہیں، وہ حضرت ابیؓ کی قرأت کے مطابق ہیں[۴]۔

وفات : ۳۹ھ میں عمر طبعی کو پہنچ کر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور مدینہ منورہ میں دفن کئے گئے۔

آل واولاد : حضرت ابیؓ کی اولاد کی صحیح تعداد اگر چہ نامعلوم ہے، لیکن جن کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔طفیل، ۲۔محمد بن ۳۔عبداللہ، ۴۔ ربیع، ۵۔اُم عمر[۵]۔ ان میں سے اول الذکر دو بزرگ عہد رسالت میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابیؓ کی زوجہ کا نام اُم الطفیل ہے، وہ صحابیہ ہیں اور روایات حدیث کی فہرست میں ان کا نام داخل ہے۔

۱؎ کنز العمال۔ جلد۳۔ص۱۳۔ ۲؎ کنز العمال۔ جلد۲۔ص۱۶۳۔ ۳؎ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ التراویح۔
۴؎ کنز العمال۔ جلد۱۱۔ص۲۸۲ ، ۲۸۳۔ ۴؎ کنز العمال۔جلد۱۔ص۲۸۲ ، ۲۸۳۔ ۵؎ نزہتہ الابرار قلمی

حلیہ : حضرت ابیؓ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ، رنگ گورا مائل بہ سرخی، بدن دبلا۔

اخلاق و عادات :

مزاج میں تکلف تھا، مکان میں گدوں پر نشست رکھتے تھے غالباً دیوار میں آئینہ لگایا تھا اور کنگھی کرتے تھے، اسی طرف بیٹھتے تھے، ایام پیری میں جب سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ کنیز سر کے بال بناتی تھی۔

حضرت ابیؓ نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھائی تھی، حضرت عمرؓ نے سنا تو پوچھا، تم نے یہ کس سے سیکھی؟ اس نے حضرت ابیؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ اس کو ساتھ لے کر ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور استفسار کیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ سے ایسا ہی سیکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لئے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے منہ سے تم نے سیکھا ہے۔ جواب دیا، جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے اس جملہ کو پھر دہرایا۔ تیسری مرتبہ حضرت ابیؓ کو غصہ آ گیا، بولے واللہ یہ آیت خدا نے جبرئیل پر نازل کی تھی اور جبرئیل نے قلب محمد ﷺ پر نازل کی، اس میں خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے گھر سے تکبیر کہتے ہوئے نکل گئے[1]۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ کو بلا کر ان سے وہ آیت پڑھوائی انہوں نے پڑھ کر حضرت عمرؓ کی ناک کی طرف انگلی سے اشارہ کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو دوسری طرح پڑھا۔ اور حضرت ابیؓ کی ناک کی طرف اشارہ کیا حضرت ابی نے کہا واللہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح پڑھایا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا اب ہم آپ کی متابعت کرتے ہیں[2]۔

حضرت ابودرداؓ شامیوں کی ایک بڑی جماعت کو تعلیم قرآن کے لئے مدینہ لائے۔ ان لوگوں نے حضرت ابیؓ سے قرآن پڑھا۔ ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی آیت پڑھی، انہوں نے ٹوکا، اس نے کہا مجھ کو ابی بن کعبؓ نے پڑھایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ ایک آدمی کر دیا کہ ابیؓ کو بلا لاؤ، اس وقت حضرت ابیؓ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے۔ آدمی نے پہنچ کر کہا آپ کو امیر المومنین بلاتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا کام ہے۔ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔

---

۱ طبقات۔ ص ۵۵۔ ۱ کنز العمال۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۷۔ ۲ کنز العمال۔ جلد ۱۔ ص ۲۸۵۔

حضرت ابی ؓ دونوں پر بگڑے اور کہا تم لوگ باز نہیں آتے اور غصہ میں اسی طرح دامن چڑھائے ہاتھ میں چارہ لئے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے ان سے اور زید بن ثابتؓ سے آیت پڑھوائی۔ دونوں کی قرأت میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے زید کی تائید کی، حضرت ابی ؓ برہم ہوئے اور کہا خدا کی قسم عمرؓ! تم خوب جانتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اندر ہوتا تھا، اور تم لوگ باہر کھڑے رہتے تھے۔ اب آج میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا ہے، واللہ اگر تم کہو تو میں گھر میں بیٹھ رہوں نہ کسی سے بولوں اور نہ درس قرآن دوں یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کردے، حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، جب خدا نے آپ کو علم دیا ہے تو آپ شوق سے پڑھائیے [1]۔

طبعاً نہایت آزاد اور خوددار تھے، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں ایک آیت پڑھتے ہوئے جارہے تھے، پیچھے سے آواز آئی، ابن عباس ؓ کھڑے رہو، مڑ کر دیکھا تو حضرت عمرؓ تھے، فرمایا کہ میرے غلام کو لیتے جاؤ، ابی بن کعبؓ سے پوچھنا کہ فلاں آیت انہوں نے اس طرح پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی ؓ کے مکان پر پہنچے تھے کہ خود حضرت ابی ؓ بھی تشریف لے آئے اور اجازت لے کر سب اندر پہنچے حضرت ابی ؓ بال بنوار ہے تھے، دیوار کی طرف رخ تھا، حضرت عمر ؓ کو گدے پر بٹھایا گیا۔ حضرت ابی ؓ کی پشت حضرت عمرؓ کی طرف تھی، وہ اسی حالات میں بیٹھے رہے اور ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا مرحبا یا امیر المومنین میری ملاقات کے لئے تشریف لانا ہوا یا کوئی اور غرض ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کام سے آیا ہوں اور ایک آیت پڑھ کر کہا یہ تو بہت سخت ہے (یعنی تلفظ میں) حضرت ابی ؓ نے کہا میں نے قرآن اس سے سیکھا جس نے جبریل سے سیکھا تھا، وہ تو نہایت نرم اور تر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ تو احسان جتانا چاہتے ہیں مگر مجھے جواب سے تشفی نہیں ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر ؓ کی خلافت کے زمانہ میں دونوں میں ایک باغ کی بابت جھگڑا ہو گیا حضرت ابی ؓ رونے لگے اور کہا آپ کے عہد میں یہ باتیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں میری یہ نیت نہ تھی، آپ کا جس مسلمان سے جی چاہے فیصلہ کرالیجئے، میں راضی ہوں انہوں نے زید بن ثابتؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ راضی ہوئے اور حضرت زیدؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا گو حضرت عمر ؓ خلیفہ اسلام تھے تاہم ایک فریق کی حیثیت سے حضرت زید بن ثابتؓ کے اجلاس میں حاضر ہوئے حضرت عمرؓ کو ابی ؓ کے دعویٰ سے انکار تھا۔ انہوں نے ان سے کہا آپ بھولتے ہیں سوچ کر یاد کیجئے۔ حضرت ابی ؓ کچھ دیر سوچتے رہے

---

[1] ایضاً۔ [2] کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۱۔۱۸۴

پھر کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آتا، تو خود حضرت عمرؓ نے واقعہ کی صورت بیان کی۔ حضرت زیدؓ نے حضرت ابیؓ سے پوچھا آپ کے پاس ثبوت کیا ہے، انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے تو آپ امیر المومنین سے قسم نہ لیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھ پر قسم ضروری ہے تو مجھے اس میں تامل نہیں [1]۔

طبیعت غیور پائی تھی، ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا فلاں آدمی اپنے باپ کی عورت (سوتیلی ماں) سے ہمبستر ہوتا ہے۔ حضرت ابیؓ موجود تھے بولے کہ میں تو ایسے شخص کی گردن مار دیتا، آنحضرت ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا ابیؓ کس قدر غیرت مند ہیں، لیکن میں ان سے زیادہ غیور ہوں اور خدا مجھ سے زیاہ غیرت والا ہے۔

بڑے مہمان نواز تھے، لیکن تکلف نہ تھا۔ ایک بار براء بن مالکؓ ملاقات کو آئے۔ پوچھا کیا کھاؤ گے؟ انہوں نے کہا ستو اور چھوہارے۔ اندر جاکر ستو لے آئے اور شکم سیر ہوکر کھلایا۔ براء بن مالکؓ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بڑی عمدہ بات ہے [2]۔

علم وفضل: حضرت ابیؓ بن کعب کی حیات سعید کا ایک ایک لمحہ علم کے لئے وقف تھا، عین اس وقت جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار سے تجارت اور زراعت کا بازار گرم رہتا تھا حضرت ابیؓ مسجد نبوی میں نبوت کے علمی جواہر سے اپنے علوم وفنون کی دوکان سجاتے تھے انصار میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، اور قرآن کے سمجھنے اور حفظ وقرآت میں مہاجرین وانصار دونوں میں ان کی فوقیت مسلّم تھی، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ان سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے۔

علوم اسلامیہ کے علاوہ کتب قدیمہ سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے، تورات، انجیل کے عالم تھے، آنحضرت ﷺ کے متعلق ان کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، وہ ان کو خاص طور پر معلوم تھیں، اس علمی جلالت شان کی بنا پر حضرت فاروق اعظمؓ ان کی تعظیم اور ان کا لحاظ کرتے تھے اور خود ان کے گھر پر جاکر مسائل پوچھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اسلام کی تاریخ میں حبر کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت ابی ابن کعبؓ کی درسگاہ میں حاضری کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

حضرت ابیؓ کا فضل وکمال صرف خرمن نبوت کا خوشہ چین تھا، انہوں نے حامل وحی ﷺ سے اس قدر سیکھ لیا تھا کہ پھر کسی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آنحضرت ﷺ کے بعد کسب علم سے بے نیاز رہا ہو، صرف ابیؓ ابن کعب کی شخصیت تھی جو اس سے مستغنی تھی۔

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۴۔ ۱۸۱ [2] ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۶۵

حضرت ابی بن کعبؓ اگرچہ مختلف علوم کے جامع تھے لیکن وہ خاص فن جن میں اُن کو امامت واجتہاد کا منصب حاصل تھا، قرآن تفسیر، شان نزول، ناسخ ومنسوخ، حدیث وفقہ تھے، اور ہم انہی علوم میں اپنی بساط کے مطابق ان کے کمالات دکھائیں گے۔

قرآن مجید : سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کا ذکر کرنا ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابیؓ اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت ابیؓ مجتہد تھے۔ وہ قرآن مجید پر مجتہدانہ انداز سے غور کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ قرآن میں کون سی نہایت معظم آیت ہے۔ حضرت ابیؓ نے کہا آیۃ الکرسی۔ آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا ! "ابی تمہیں یہ علم مسرور کرے"۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے وہ قرآن کی آیتوں میں کیسا غور وخوض کرتے تھے۔ اب خود ان کی زبان سے قرآن کی حقیقت سنو۔ ایک شخص نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا، "قرآن کو دلیل راہ نہ بناؤ، اس کے فیصلوں اور حکموں پر راضی رہو، رسول اللہ ﷺ نے یہی چیز تمہارے لئے چھوڑی ہے۔ اس میں تمہارا تمہارے قبل والوں اور جو کچھ زمانہ بعد میں ہوگا سب حال درج ہے"۔

حضرت ابیؓ نے اس رائے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

(۱) قرآن مجید اسلام کا مکمل قانون ہے۔

(۲) مسلمانوں کا بہترین دستور العمل ہے۔

(۳) اس کے قصص وحکایات نتیجہ خیز ہیں جو عمل اور عبرت کے لئے ہیں۔ گرمیٔ محفل کے لئے نہیں۔

(۴) اس میں تمام قوموں کا نہایت کافی تذکرہ ہے۔

غور کرو ! جو شخص ان حیثیتوں سے قرآن کریم دیکھتا ہوگا۔ اس کی وسعت معلومات اور دقت نظر میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

حضرت ابیؓ نے ابتدا ہی سے قرآن مجید کے ساتھ غیر معمولی شغف ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ رسول ﷺ مدینہ میں ورود فرما ہوئے تو سب سے پہلے جس نے وحی لکھنے کا شرف حاصل کیا وہ حضرت ابیؓ تھے۔

قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال بھی اسی زمانہ سے پیدا ہوا۔ جس قدر آیتیں نازل ہوتیں وہ حفظ کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کرلیا۔ صحابہؓ میں پانچ بزرگ تھے، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں پورا قرآن یاد کیا تھا۔ لیکن ابیؓ اُن سب میں ممتاز تھے۔ خود آنحضرت ﷺ اس باب میں ان کی مدح فرماتے تھے۔

حضرت ابی ؓ نے قرآن کا ایک ایک حرف رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سُن کر یاد کر لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی تعلیم کی طرف توجہ مبذول فرماتے تھے۔ نبوت کا رعب بڑے بڑے صحابہ کو سوال کرنے سے مانع ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابی ؓ بے جھجک جو چاہتے تھے، سوال کرتے تھے۔ ان کے شوق کو دیکھ کر بعض اوقات آنحضرت ﷺ خود ابتدا فرماتے تھے، اور بغیر پوچھے بتاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابی ؓ سے فرمایا کہ "میں تمہیں ایک ایسی سورہ بتاتا ہوں جس کی نظیر نہ توراۃ وانجیل میں ہے اور نہ قرآن میں"۔ یہ کہہ کر باتوں میں مصروف ہو گئے، حضرت ابی کہتے ہیں میرا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں گے، اس لئے جب آپ گھر جانے کے لئے اُٹھے تو میں بھی ساتھ ہولیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں شروع کر دیں، اور گھر کے دروازہ تک اسی طرح چلے آئے۔ میں نے عرض کی وہ سورۃ بتا دیجئے آپ نے بتا دی [1]۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اس میں ایک آیت پڑھنا بھول گئے، حضرت ابیؓ نماز میں شروع سے شریک نہ تھے بیچ میں شریک ہوئے تھے نماز ختم کر کے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ "کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا"؟ تمام لوگ خاموش رہے پھر پوچھا "ابیؓ بن کعب ہیں"؟ حضرت ابی ؓ نماز ختم کر چکے تھے بولے کہ آپ نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا منسوخ ہو گئی یا آپ پڑھنا بھول گئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نہیں میں پڑھنا بھول گیا"، اس کے بعد فرمایا "میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا اور کسی کو ادھر خیال نہیں ہوا ہوگا" [2]۔

ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابی ؓ کی سمجھ میں نہ آتا تو وہ اور صحابہ ؓ کی طرح خاموش نہیں رہتے تھے، بلکہ آنحضرت ﷺ سے دیر تک مذاکرہ جاری رکھتے اور جب سمجھ میں آجاتا تب اُٹھتے۔ مسجد نبوی ﷺ میں عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایک آیت پڑھی۔ چونکہ وہ قبیلۂ ہذیل سے تھے، ان کی قرآت علیحدہ تھی۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے سُنا تو کہا، آپ نے یہ آیت کس طرح پڑھی؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح پڑھی ہے۔ انہوں نے کہا مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے۔

حضرت ابی ؓ کہتے ہیں، اس وقت میرے دل میں خیالات فاسدہ کا غلبہ ہوا اور عجیب وغریب باتیں ذہن میں آئیں۔ میں ابن مسعود ؓ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا، میرے اور ان کے درمیان قرآت کا اختلاف ہو گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے مجھ سے یہ آیت پڑھوائی اور فرمایا تم ٹھیک پڑھتے ہو۔ پھر حضرت ابن مسعود ؓ سے پڑھوائی اور فرمایا تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو۔ پھر میں نے

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۱　　[2] ایضاً۔ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴

ہاتھ کے اشارے سے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) دونوں ٹھیک ٹھاک پڑھتے ہیں، یہ کیونکر؟ اس قدر کدو کاوش پر حضرت ابیؓ پسینہ پسینہ ہوگئے تھے۔ آنحضرتﷺ نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا "الٰہی اُبی کا شک دُور کر"! دستِ مبارک کی تاثیر تسلّی بن کر قلب میں اُتر گئی اور ان کو کامل تشفی ہوگئی۔

حضرت ابیؓ کا خاص فن قرأت ہے۔ اس میں ان کو اتنا کمال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ نے اُن کی تعریف وتوصیف فرمائی تھی۔ صحابہ میں چند بزرگ تھے، جن کی کمالات کی حامل وحی نے تعیین کردی تھی، ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی نسبت آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا "واقرا ھم ابی بن کعب" یعنی صحابہ میں سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اس جملہ کی یاد کوئی مرتبہ تازہ کیا۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے منبر پر کہا کہ سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔ شام کے مشہور سفر میں مقام جابیہ کے خطبہ میں فرمایا "من اراد القرآن فلیات ابیا" یعنی جس کو قرآن کا ذوق ہو وہ ابیؓ کے پاس آئے [1]۔

فنِ قرأت میں حضرت ابیؓ کو جو دخل تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خود حاملِ نبوت ﷺ ان سے قرآن کو دورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جس سال آپ نے وفات پائی حضرت ابیؓ کو قرآن سُنایا اور فرمایا "مجھ سے جبریلؑ نے کہا تھا کہ ابی کو قرآن سُنا دیجئے"۔

جو سورۃ نازل ہوتی، اس کو آنحضرت ﷺ حضرت ابیؓ کو سُناتے اور یاد کراتے تھے۔ "سورۂ لم یکن" نازل ہوئی تو فرمایا خدا نے تم کو قرآن سُنانے کا حکم مجھے کیا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہاں" حضرت ابیؓ یہ سُن کر فرطِ مسرت میں بے اختیار رو پڑے۔

عبدالرحمٰن بن ابی ابزی حضرت ابی بن کعبؓ کے شاگرد تھے۔ ان کو اُستاد کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو پوچھا: یا ابا المنذر (حضرت اُبیؓ کی کنیت) اس وقت آپ کو خاص مسرت ہوئی ہوگی۔ فرمایا "کیوں نہیں"۔ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفر حوا ھو خیر ممّا یجمعون" [2]۔

اسی قرأت دانی کا نتیجہ تھا کہ ایک قرأت خاص طور پر ان کی جانب منسوب ہوئی، جس کا نام قرأت ابی بن کعبؓ تھا۔ اہلِ دمشق اسی قرأت میں قرآن مجید پڑھتے تھے۔

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۳ [2] ایضاً۔ ۱۱۳

حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت کو ان کے رُتبہ سے عالمگیر ہونا چاہئے تھا، لیکن اس وقت تک زیادہ رواج نہ پاسکی۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سی آیتیں جو منسوخ ہو چکی تھیں اس میں موجود تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بار بار کہا کہ ابی رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ قرآن کے جاننے والے ہیں، لیکن ہم کو بعض مواقع پر اُن سے اختلاف کرنا پڑتا ہے۔ ان کو اصرار ہے کہ انہوں نے جو کچھ سیکھا ہے رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن جب بہت سی آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور اُن کو اس کا علم نہیں ہوا تو پھر ہم ان کی قرأت پر کیونکر قائم رہ سکتے ہیں[1]۔

لیکن بعد میں اس کی اصلاح ہوگئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں جب قرآن مجید کو جمع کیا گیا تو اس میں منسوخ شدہ آیتوں کا خاص خیال رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کی قرأت نے قبولِ عام کی سند حاصل کر لی اور تمام ممالک اسلامیہ جن کی وسعت مغرب سے مشرق تک تھی ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت پر مجتمع ہو گئے۔

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے انتقال کے بعد اس فن میں اپنے دو جانشین چھوڑے جو اپنے عہد میں مرجع انام تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

قراء سبعہ میں سے نافع بن عبدالرحمٰن، ابورویم مدنی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے سے اور عبداللہ بن کثیر مکی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔

درس و تدریس :

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مدرسۂ قرأت اُس وقت ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب و عجم، روم و شام اور دیگر صوبہ جات اسلامیہ سے طلبہ مدینہ منورہ کا رُخ کرتے اور اُن کی درس گاہ قرأت سے فیضیاب ہوتے تھے۔

طلبہ کے علاوہ بعض اکابر صحابہ دُور دراز مقامات سے شائقین کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لاتے اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ انصاری شام میں تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے۔ وہ اس درجہ کے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جن ۵ بزرگوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا اُن میں ایک وہ بھی تھے۔ لیکن باایں ہمہ وہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت سے مستغنی نہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مقدس میں شامیوں کا ایک مجمع ساتھ لے کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۱۳

کی خدمت میں آئے۔ خود قرآن پڑھا اور دوسرے لوگوں کو بھی پڑھوایا۔

حضرت ابی ؓ اگرچہ تلامذہ کی تعلیم سے خاص دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن مزاج تیز تھا، اس لئے بہت جلد ان کا حلم وتحمل غیظ وغضب میں بدل جاتا تھا۔ اس لئے تلامذہ خاص کوئی سوال کرتے تو خوف لگا رہتا کہ کہیں غصہ میں جھنجلا نہ اُٹھیں۔ زرین حبیش جو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے شاگرد رشید تھے اور جن کو حضرت ابی ؓ کے تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا۔ کوئی بات پوچھنا چاہتے تھے، مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک دن ایک سوال کیا کہ تمہید سے مجھ پر نظرِ عنایت فرمایئے، میں آپ سے علم سیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابی ؓ نے کہا، ہاں شاید یہ ارادہ ہوگا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پوچھنے سے باقی نہ رہ جائے۔

اسی وجہ سے ان کی مجلس لایعنی سوالات سے پاک ہوتی تھی۔ وہ قبل از وقت باتوں کا جواب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ ناراض ہوتے تھے۔ مسروق نے ایک دن ایک سوال کیا، حضرت ابی ؓ نے کہا کہ ایسا بھی ہے؟ اُنہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی ٹھہریئے، جب ایسا واقعہ پیش آئے گا تو آپ کے لئے اجتہاد کی تکلیف کی جائے گی۔

لیکن معقول سوالات سے خوش ہوتے تھے اور جواب مرحمت فرماتے تھے۔ زیاد انصاری نے پوچھا، آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں قضا کر جائیں تو آپ نکاح کر سکتے تھے یا نہیں؟ اُنہوں نے کہا کر سکتے تھے۔ زیاد نے کہا پھر آیت کے کیا معنی **"لا یحل لک النساء من بعد"**۔ حضرت ابی ؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے عورتوں کی ایک قسم حلال تھی۔ (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۳۲)

حضرت ابی ؓ کی زندگی بڑی پُر تکلف اور باوقار تھی۔ اس کا اثر ان کے حلقہ درس میں نظر آتا تھا۔ گھر اور مجلس دونوں جگہوں میں ان کی نشست گدّے پر ہوتی تھی اور وہ تلامذہ عام صف میں بیٹھتے تھے۔

نشست و برخاست میں تلامذہ ان کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ دستور بالکل نیا تھا۔ ایک مرتبہ سلیم بن حنظلہ حضرت ابی ؓ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے۔ جب وہ اُٹھے تو شاگردوں کا پورا مجمع پیچھے پیچھے ساتھ ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے دیکھا تو یہ روش ناپسند ہوئی۔ حضرت ابی ؓ سے فرمایا کہ یہ آپ کے لئے فتنہ اور ان لوگوں کے لئے ذلّت ہے۔

تلامذہ سے تحائف و ہدایا قبول کر لیتے تھے اور اس میں کچھ مضائقہ نہ جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں انہوں نے طفیل بن عمرو دوسی کو قرآن پڑھایا تھا۔ انہوں نے ایک کمان ہدیۃً پیش کیا۔ حضرت ابی ؓ اس کو لگا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا "یہ کہاں سے لائے"۔ انہوں نے کہا ایک شاگرد کا ہدیہ ہے۔

آپ نے فرمایا ''اس کو واپس کردو ، آئندہ ایسے ہدیہ سے پرہیز کرنا''۔

اسی طرح ایک شاگرد نے کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، اس میں بھی یہی صورت پیش آئی اس لئے بعد میں ان باتوں سے اجتناب کلی کرلیا تھا، چنانچہ ملک شام کے لوگ جب آپ سے قرآن مجید پڑھنے مدینہ کے کاتبوں سے اس کو لکھواتے بھی تھے اور کتابت کا معاوضہ اس طرح ادا ہوتا تھا کہ شامی اپنے ساتھ کاتبوں کو کھانے میں شریک کرلیتے تھے، لیکن حضرت ابیؓ ایک وقت بھی ان کی دعوت منظور نہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے دریافت کیا، ملک شام کا کھانا کیسا ہوتا ہے؟ حضرت ابیؓ نے کہا میں ان کے ہاں کھانا نہیں کھاتا،

قرات پڑھاتے وقت حرف مخارج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں کے ساتھ تو چنداں دشواری پیش نہ آتی تھی، لیکن اعراب اور بدووں یا دیگر ملکوں کے باشندوں کو جن سے حرف صاف صاف ادا نہ ہوسکتے تھے ان کا پڑھانا نہایت مشکل کام تھا، لیکن حضرت ابیؓ اس مشکل کو آسان کرلیتے تھے،

آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں حضرت ابیؓ ایک ایرانی کو قرآن پڑھاتے تھے، جب اس کو یہ آیت پڑھائی (ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم) تو اس سے اثیم نکلتا نہ تھا، وہ یتیم کہتا تھا، حضرت ابیؓ نہایت پریشان تھے، آنحضرت ﷺ وہاں سے گذرے اور ان کی حیرانی دیکھ کر خود ان کے شریک ہوگئے اور ایرانی میں فرمایا کہو ''طعام الظالم'' اس نے اس کو صاف طور سے ادا کردیا، آپ نے حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ اس کی زبان درست کرو، اور اس سے حرف نکلواؤ، خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔

مصحفِ ابی بن کعبؓ :

حضرت ابیؓ آنحضرت ﷺ سے جس قدر قرآت پڑھتے تھے گھر پر اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے، یہی قرآن ہے جو فن تاریخ قرآت میں ''مصحف ابیؓ'' کے نام سے مشہور ہے، یہ مصحف حضرت عثمانؓ کے عہد تک موجود تھا،

اس مصحف کی شہرت دور تک تھی، حضرت ابیؓ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے پاس جن کا نام محمد تھا اور مدینہ ہی میں رہتے تھے۔ عراق سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم لوگ مصحف کی زیارت کو آئے ہیں۔ انہوں نے کہا وہ تو حضرت عثمانؓ نے لے لیا تھا۔

تفسیر : حضرت ابیؓ مفسرین صحابہ میں ہیں اور ان سے اس فن میں ایک بڑا نسخہ روایت کیا گیا ہے، جس کے راوی امام ابو جعفر رازی ہیں، تین واسطوں سے حضرت ابیؓ تک یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔

فن تفسیر میں حضرت ابیؓ کے اگر چہ متعدد شاگرد تھے، جن کی روایتیں عموماً تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں، لیکن اس کا بڑا حصہ ابوالعالیہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، ابوالعالیہ کے تلمیذ ربیع بن انسؓ تھے، جن پر امام رازی کے سلسلہ روایات کا اختتام ہوتا ہے۔

اس تفسیر کی روایتیں ابن جریر اور ابی حاتم نے کثرت سے نقل کی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی بعض روایتوں کو درج کیا ہے، حضرت ابیؓ سے اس فن میں دو قسم کی روایتیں ہیں، پہلی قسم میں وہ سوالات داخل ہیں جو انہوں نے حضور ﷺ سے کئے تھے، اور آنحضرت ﷺ نے ان کے جوابات عنایت فرمائے تھے۔ دوسری قسم میں وہ تفسیریں ہیں جو خود حضرت ابیؓ کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت ابیؓ کی تفسیر کا پہلا حصہ جو آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے، ظن وقیاس کے رتبہ سے بلند ہو کر یقین کے درجہ تک پہنچتا ہے، کیونکہ حامل وحی سے زیادہ قرآن کا مطلب کون سمجھ سکتا ہے۔

دوسرا حصہ حضرت ابیؓ کی رائے کا مجموعہ ہے، اس میں مختلف حیثیتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں، بعض آیتوں میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول مدنظر ہے، بعض میں خیالات عصریہ کی جھلک ہے، کسی میں اسرائیلیات کا رنگ ہے، اور کہیں کہیں ان سب سے الگ ہو کر مجتہدانہ روش اختیار کی ہے، اور یہی ان کا علم تفسیر میں سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

شان نزول : حضرت ابیؓ سے شان نزول کی متعدد روایتیں ہیں؟ جو تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں۔

حدیث : صحابہ کرامؓ میں جو بزرگ علم حدیث کے ماہر خیال کئے جاتے تھے۔ ان میں ایک حضرت ابیؓ بن کعب بھی تھے ، محدث ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں :

وکان احده من سمع الکثیر یعنی حضرت ابیؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے احادیث کا بہت بڑا حصہ سنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے صحابہ جو اپنے مجالس درس میں مسند روایت پر متمکن تھے۔ حضرت ابیؓ کے حلقۂ تعلیم میں شاگردی کا زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔

چنانچہ ان کے حلقہ میں تابعین سے زیادہ صحابہؓ کا مجمع ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت ابوایوب انصاری، عبادہ بن صامت، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد، سلیمان بن صرد (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کہ تمام صحابہ میں انتخاب تھے۔ حضرت ابیؓ سے علم حدیث میں استفادہ کرتے تھے۔

حضرت ابی ؓ کے اوقات درس اگر چہ متعین تھے۔ تاہم ان وقتوں کے علاوہ بھی باب فیض مسدود نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب مسجد نبوی میں نماز کو تشریف لاتے اور اس وقت بھی کسی تعلیم کی حاجت ہوتی تو اس کی تشفی فرماتے تھے۔

قیس بن عبادہ مدینہ میں صحابہ کے دیدار سے مشرف ہونے آئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابی ؓ بن کعب سے بڑھ کر کسی کو نہ پایا۔ نماز کا وقت تھا، لوگ جمع تھے اور حضرت عمر ؓ بھی تشریف رکھتے تھے۔ کسی چیز کے تعلیم دینے کی ضرورت تھی۔ نماز ختم ہوئی تو محدثِ جلیل اُٹھا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث لوگوں تک پہنچائی۔ ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ تمام لوگ ہمہ تن گوش تھے۔ قیس پر حضرت ابی ؓ کی اس شان عظمت کا بڑا اثر پڑا۔ (مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۰)

روایت حدیث میں حضرت ابی ؓ حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے۔ باوجود اس کے وہ حاملِ نبوت کے مقرب بارگاہ تھے اور زندگی کا بیشتر وقت رسول اللہ ﷺ کے حضور میں صرف کیا تھا بایں ہمہ روایت حدیث میں یہ شدت تھی کہ روایت کی مجموعی تعداد ۱۶۴ سے متجاوز نہیں ہے۔

فقہ : صحابہ میں کئی بزرگ تھے جو اجتہاد کا منصب رکھتے تھے اور استنباط مسائل کرتے تھے۔ حضرت ابی ؓ کا ان میں شمار ہوتا تھا اور وہ حامل قرآن کی مقدس زندگی ہی میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانہ خلافت میں بھی اہل الرائے اور اہل فقہ میں شامل رہے اور لوگ انہی سے استفتاً کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت عثمان غنی ؓ کے دورِ خلافت میں بھی یہ منصب عظیم ان کو حاصل رہا۔

آفاق عالم سے فتوے آتے تھے۔ جن کے مستفتیوں میں صحابہ کا نام بھی داخل ہوتا تھا۔ سمرہ بن جندب ؓ بڑے رُتبہ کے صحابی تھے۔ وہ نماز میں تکبیر کہنے اور سورہ پڑھنے کے بعد ذرا توقف کرتے تھے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ انہوں نے حضرت ابی ؓ کے پاس فتویٰ لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر حقیقت مجہول ہوگئی ہے، اس کے متعلق تحریر فرمائیے، واقعیت کیا ہے؟ حضرت ابی ؓ نے نہایت مختصر جواب تحریر کیا اور لکھا کہ آپ کا طریق عمل شرع شریف کے مطابق ہے اور معترضین غلطی پر ہیں [1]۔

استنباط مسائل کا یہ طریقہ تھا کہ پیشتر قرآن مجید میں غور وخوض کرتے تھے، پھر احادیث کی تلاش ہوتی تھی اور جب ان دونوں میں کوئی صورت نہ ملتی تھی تو قیاس کرتے تھے۔

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۴ ۔ ۷۔ ص ۲۵۱

حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس ایک عورت آئی کہا کہ میرا شوہر مر گیا، میں حاملہ تھی۔ اب حمل وضع ہوا ہے۔ لیکن عدت کے ایام ابھی پورے نہیں ہوئے۔ اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا کہ میعاد معین تک رُکی رہو۔ وہ حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس سے حضرت ابی ؓ کے پاس آئی اور حضرت عمر فاروق ؓ سے فتویٰ پوچھنے کا حال اور ان کا جواب ان کے گوش گذار کیا۔ حضرت ابی ؓ نے کہا جاؤ اور عمر ؓ سے کہنا کہ ابی ؓ کہتے کہ عورت حلال ہوگئی۔ اگر وہ مجھے پوچھیں تو میں یہیں بیٹھا ہوں، آ کر بُلا لینا۔

عورت حضرت عمر فاروق ؓ کے پاس آ گئی۔ انہوں نے کہا کہ بُلا لاؤ۔ حضرت ابی ؓ آئے۔ حضرت عمر نے پوچھا آپ نے یہ کہاں سے کہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن سے اور یہ آیت پڑھی: "واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن" اس کے بعد کہا جو حاملہ بیوہ ہوگئی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سُنی ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے عورت سے کہا کہ جو یہ کہہ رہے ہیں اس کو سنو[1]۔

حضرت عباس ؓ عم رسول اللہ ﷺ کا گھر مسجد نبوی کے متصل تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے جب مسجد کو وسیع کرنا چاہا تو ان سے کہا کہ اپنا مکان فروخت کر دیجئے۔ میں اس کو مسجد میں شامل کروں گا۔ حضرت عباس ؓ نے کہا یہ نہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا اچھا تو ہبہ کر دیجئے، انہوں نے اس سے بھی انکار کیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا تو آپ خود مسجد کو وسیع کر دیں اور اپنا مکان اس میں داخل کر دیں۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات آپ کو ماننا ہوگی۔ حضرت عباس ؓ نے کہا میں ایک بھی نہ مانوں گا۔ آخر دونوں شخصوں نے حضرت ابی بن کعب ؓ کو حکم بنایا۔

انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ سے کہا، بلا رضامندی آپ کو ان کی چیز لینے کا کیا حق ہے؟ حضرت عمر فاروق ؓ نے پوچھا اس کے متعلق قرآن مجید کی رُو سے حکم نکالا ہے یا حدیث سے؟ حضرت ابی ؓ نے کہا حدیث سے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے جب بیت المقدس کی عمارت بنوائی تو اس کی ایک دیوار جو کسی دوسرے کی زمین پر بنوائی تھی گر پڑی۔ حضرت سلیمان ؑ کے پاس وحی آئی کہ اس سے اجازت لے کر بنائیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ خاموش ہو گئے۔ لیکن حضرت عباس ؓ کی غیرت اس کو کب گوارہ کر سکتی تھی۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ سے کہا کہ میں اس کو مسجد میں شامل کرتا ہوں۔

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۱۵۔ ص ۱۶۶

حضرت سوید بن غفلہ، زید بن صوجان اور سلیمان بن ربیعہ کے ہمراہ کسی غزوہ میں گئے تھے مقام عذیب میں ایک کوڑا پڑا ہوا تھا۔ سوید نے اُٹھالیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ اسے پھینک دو، شاید کسی مسلمان کا ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں ہرگز نہ پھینکوں گا۔ پڑا رہے گا تو بھیڑیئے کی غذا بنے گا، اس سے بہتر ہے کہ میں اسے کام میں لاوں۔ اس کے کچھ دنوں بعد سوید حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا۔ حضرت ابی ؓ کے پاس گئے اور کوڑے والا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابی ؓ نے کہا کہ اس قسم کا واقعہ مجھ کو بھی پیش آچکا ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں ۱۰۰ دینار (۵۰۰) روپے پائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتے رہو۔ سال گزرنے کے بعد فرمایا روپے کی تعداد کا نشان وغیرہ یاد رکھنا اور ایک سال اور انتظار کرنا، اگر کوئی نشان کے موافق طلب کرے تو اس کے حوالے کرنا ورنہ وہ تمہارا ہو چکا[1]۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ حج تمتع سے لوگوں کو روک دیں۔ حضرت ابی ؓ نے کہا آپ کو اس کا کوئی اختیار نہیں پھر ارادہ کیا کہ حیرہ کے حلّے پہننے سے منع کریں، کیونکہ اس رنگ میں پیشاب کی آمیزش ہوتی تھی۔ حضرت ابی ؓ نے کہا اس کے آپ مجاز نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہنا ہے اور ہم لوگوں نے بھی پہنا ہے[2]۔ (یہ فتویٰ عموم بلوی کی بناء پر تھا)

طرز استنباط معلوم کرنے کے بعد فقہ ابی ؓ کے چند مسائل بھی سن لینا چاہئیں:

کتاب الصلوٰۃ:

حضرت ابی ؓ قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ مگر اس کی یہ صورت تھی کہ ظہر اور عصر کی فرض نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ عبداللہ ابن ابی ہذیل نے پوچھا کہ آپ قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا "ہاں"[3]۔

حضرت ابی ؓ کا یہ استدلال قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی بنا پر تھا۔ قرآن میں ہے: "واذاقرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون" یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور یہ ظاہر ہے کہ قرأت سری میں جو ظہر و عصر میں ہوتی ہے، قرآن کس طرح سُنا جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ قرأت سری میں مقتدی قرأت کرے اور جہری میں خاموش کھڑا رہے۔

---

[1] کنز العمال، جلد ۴ ص ۲۶۰ [2] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۲ [3] کنز العمال۔ ص ۲۵۴

ایک شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز پر شور کر رہا تھا۔ حضرت ابی ؓ نے دیکھا تو غصہ ہوئے۔ اس نے کہا میں فحش نہیں بکتا۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ مگر مسجد کے ادب کے یہ بات منافی ہے[1]۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اور سورہ برأت تلاوت فرمائی تھی۔ یہ سورہ حضرت ابودرداؓ اور ابوذر ؓ کو معلوم نہ تھی۔ اثنائے خطبہ میں حضرت ابی ؓ سے اشارہ سے پوچھا کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی۔ میں نے تو اب تک نہیں سُنی تھی۔ حضرت ابی ؓ نے اشارہ سے کہا خاموش رہو۔ نماز کے بعد جب اپنے گھر جانے کے لئے اُٹھے تو دونوں بزرگوں نے حضرت ابی ؓ سے کہا کہ تم نے ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟ جواب میں انہوں نے کہا "آج تمہاری نماز بیکار ہوگئی اور وہ بھی محض ایک لغو حرکت کی وجہ سے"۔ یہ سُن کو لوگ آنحضرت کے پاس پہنچے اور بیان کیا کہ ابی ؓ ایسا کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "سچ کہتے ہیں"[2]۔

کتاب الحدید :

حضرت ابیؓ زنا کی سزا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ تین قسم کے لوگوں کے تین قسم کے حکم ہیں۔ کچھ لوگ سزائے تازیانہ اور سنگسار دونوں کے مستحق ہیں، کچھ فقط سنگساری کے اور کچھ صرف تازیانہ کے۔ بیوی والے بوڑھے کو زنا کرنے کی صورت میں تازیانہ اور رجم دونوں، بیوی والے جوان کو محض رجم اور بے بیوی والے جوان کو فقط کوڑے لگائے جائیں۔

شبیب کے متعلق حضرت ابی ؓ کا خیال تھا کہ قرآن مجید کو رُو سے اس کو کوڑے مارے جائیں اور سنت کے لحاظ سے سنگسار کیا جائے[3]۔ حضرت علی ؓ بھی اسی خیال کے موید تھے۔

باب الاشربہ :

نبیذ (چھوہاروں کا شربت) کی حلت پر عموماً علمائے اسلام متفق ہیں۔ لیکن ابی ؓ سے اس کے متعلق ایک خاص اثر مروی ہے۔ ایک شخص نے نبیذ نوشی کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت ابی ؓ نے کہا نبیذ میں کیا رکھا ہے۔ پانی پیو، ستو پیو، دودھ پیو، سائل نے کہا شاید آپ نبیذ نوشی کے موافق نہیں۔ انہوں نے کہا شراب نوشی کی کیسے موافقت کر سکتا ہوں[4]۔

ان مسائل کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ فقہائے صحابہ میں اجتہاد و مسائل اور استنباط احکام کی حیثیت سے۔ حضرت ابی ؓ کا رُتبہ بھی نہایت بلند تھا۔

---

[1] ایضاً۔ جلد۴۔ ص ۲۶۰ [2] کنز العمال۔ جلد ۵۔ ص ۲۵۵ و مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۴۳ [3] کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۹۱ [4] ایضاً۔ ص ۱۶

لکھنا جانتے تھے :

حضرت ابیؓ لکھنا بھی جانتے تھے۔ اور یہ اس زمانہ میں نعمت غیر مترقبہ تھی۔ چنانچہ وحی کی اکثر آیتیں وہی لکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے وحی لکھنے کا سب سے پہلے انہی کو شرف حاصل ہوا۔

اس زمانہ تک کتاب یا قرآن کے اخیر میں کاتب کا نام لکھنے کا دستور نہ تھا۔ سب سے اوّل حضرت ابیؓ نے اس کی ابتداء کی بعد میں اور بزرگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

حُبِ رسول :

بدعات سے اجتناب، جرأت اظہار حق، یہ اوصاف حضرت ابیؓ میں خاص طور پر موجود تھے۔ عبادات الٰہی کا ذوق وشوق ایک مرتبہ اس درجہ ترقی کر گیا کہ حضرت ابیؓ تمام علائق ظاہری سے قطع تعلق کے زاویہ رُوحانیت میں معتکف ہو گئے تھے۔

رات کی ہولناک تاریکی میں جب کہ تمام کائنات بستر راحت پر سرمستِ نشۂ خواب ہوتی تھی، وہ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں معبود برحق کی عظمت وجلال کے تصور سے سرتاپا عجز و نیاز ہوتے تھے۔ زبان پر کلام الٰہی رواں ہوتا تھا اور آنکھوں کی اشک باری ان کے کشتِ عبادت کو سیر کرتی تھی۔

قرآن مجید تین راتوں میں ختم کرتے تھے۔ رات کے ایک حصہ میں درود وسلام کا ورد کرتے تھے۔

محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ استن حنانہ کو اپنے گھر میں بطور تبرک رکھ لیا تھا۔ اور جب تک دیمک نے چاٹ کر اس کو راکھ نہ کر دیا، حضرت ابیؓ نے اس کو علیحدہ نہ کیا[1]۔

بدعات سے اس قدر اجتناب تھا کہ جو باتیں رسول اللہ ﷺ کے مقدس عہد میں نہ ہوئی تھیں، ان کا ارتکاب نہایت قبیح سمجھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے زمانہ مسجد میں آئے۔ تراویح کا وقت تھا۔ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے چاہا کہ اس کو باجماعت کر دیں۔ حضرت ابیؓ سے کہا آپ کو امام بناتا ہوں، آپ تراویح پڑھایا کریں۔ حضرت ابیؓ نے کہا جو بات پہلے نہیں کی ہے اس کو کیسے کر سکتا ہوں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا میں یہ جانتا ہوں۔ لیکن یہ کوئی بُری بات نہیں ہے[2]۔

ان کا دل مزکا صغائر کی خفیف سی گرد کا بھی متحمل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ہم لوگ بیمار ہوتے ہیں یا تکلیفیں اُٹھاتے ہیں، اس میں کچھ ثواب ہے؟

---

[1] بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۲۴ [2] کنز العمال۔ جلد ۴۔ ص ۲۸۴

آپ نے فرمایا ''گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔حضرت ابیؓ موجود تھے، پوچھا چھوٹی تکلیف بھی گناہ کا کفارہوجاتی ہے۔حضورﷺ نے فرمایا ''ایک کانٹا تک کفارہ ہے''۔

حضرت ابیؓ کا جوش ایمان اب اندازے سے باہر تھا۔عذاب وثواب کا تصور آتش زیر پابنا چکا تھا۔خدا کی قہاریت وجباریت کی تصویر آنکھوں میں پھر رہی تھی۔اسی بے اختیاری کے عالم میں زبان سے نکلا! کاش مجھے ہمیشہ تپ چڑھتی رہتی۔لیکن حج، عمرہ، جہاد اور نماز باجماعت ادا کرنے کے قابل رہتا۔دعا قلب صمیم سے نکلی تھی، حریم اجابت تک پہنچی۔حرارت کی ایک خفیف مقدار رگ وپے میں سرایت کرگئی۔چنانچہ جب جسدِ اطہر پر ہاتھ رکھا جاتا تھا۔حرارت معلوم ہوتی تھی۔

حضرت ابوطلحہ انصاری ؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

زید نام، ابوطلحہ کنیت، خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے ہیں۔ جن کے افراد شہرِ یثرب میں معزز حیثیت رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے، زید بن سہل ابن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن مالک بن النجار، والدہ کا نام عبادہ ہے اور وہ مالک بن عدی بن زید بن مناۃ کی بڑی بیٹی تھیں جو حضرت ابوطلحہ ؓ کے جدی رشتے میں تھے، قبیلہ عمرو بن مالک مسجدِ نبوی ﷺ سے عربی جانب باب الرحمۃ کی طرف سکونت پذیر تھا اور حضرت ابوطلحہ ؓ اپنے زمانہ میں اس قبیلہ کے رئیس تھے۔

قبل از اسلام ابوطلحہ ؓ عام اہلِ عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لئے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی [1]۔

اسلام : ابھی زمانۂ شباب کا آغاز تھا۔ بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتاب نبوت ﷺ طلوع ہوا، حضرت ابوطلحہ ؓ نے امّ سلیم ؓ (حضرت انس ؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ ابوطلحہ ؓ دینِ حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ وہ وقت تھا جب مصعب بن عمیر ؓ اسلام کے پرجوش شیدائی شہرِ یثرب میں دینِ اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لئے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابوطلحہ ؓ بھی شامل تھے۔ اس بیعت میں حضرت ابوطلحہ ؓ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا۔

مواخاۃ : بیعت کے چند مہینے کے بعد خود حاملِ وحی ﷺ نے مدینہ کا ارادہ فرمایا اور یہاں پر مہاجرین وانصار میں اسلامی برادری قائم کی، مہاجرین میں سے حضرت ابوطلحہ ؓ انصاری کا جس کو بھائی بنایا گیا وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح قریشی تھے، جن کو ایمان کی پختگی کی بدولت دربارِ رسالت سے امین الامۃ کا خطاب عطا ہوا تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔

---

[1] بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۶۴

غزوات : غزوۂ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے، حضرت ابوطلحہ ؓ نے اس میں کافی حصہ لیا تھا بدر کے بعد غزوۂ اُحد واقع ہوا وہ حضرت ابوطلحہ ؓ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے۔ معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اُکھڑ گئے تھے، لیکن حضرت ابوطلحہ ؓ آنحضرت ﷺ کے آگے ڈھال آڑ کئے سینہ تانے کھڑے تھے کہ آپ کی طرف جو تیر آئے اس کا آماجگاہ خود بنیں[1] اور نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے :

نفسی لنفسک الفداء ووجھی لوجھک الوقاء

میری جان آپ کی جان پر قربان اور میرا چہرہ آپ کے چہرے کی سپر ہو

اور تیر دان میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا۔ جب آنحضرت ﷺ یہ تماشا دیکھنے کیلئے سر اٹھاتے تو حضرت ابوطلحہ ؓ حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اور کہتے "نحری دون نحرک"۔ آپ کے گلے کے پہلے آنحضرت ﷺ اس جاں نثاری اور سر فروشی سے خوش ہو کر فرماتے فوج میں ابوطلحہ ؓ کی آواز سو آدمی سے بہتر ہے[2]۔

حضرت ابوطلحہ ؓ نے اُحد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا، وہ بڑے تیرانداز تھے اس دن دو تین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں، اس وقت ان کے سامنے دو قسم کے خطرے تھے ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال، دوسرے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا مسئلہ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی کہ جس ہاتھ سے بچاؤ کرتے تھے وہ شل ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی۔

غزوۂ خیبر میں حضرت ابوطلحہ ؓ کا اونٹ آنحضرت ﷺ کے اونٹ کے بالکل برابر تھا، اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے گدھے کے گوشت کھانے کی ممانعت کرنا چاہی تو منادی کرنے کے لئے ان ہی کو مخصوص فرمایا[3]۔

غزوۂ حنین میں حضرت ابوطلحہ ؓ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ ۲۰، ۲۱ کافروں کو قتل کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ ؓ نے بیس اکیس آدمیوں کا سامان حصہ میں حاصل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں یہ اخیر غزوہ تھا اور ۸ ھ میں واقع ہوا تھا۔

---

[1] مسند حضرت انس بن مالک بخاری۔ ص ۵۷۹ [2] مسند۔ جلد ۳۔ ص ۶ و بخاری کتاب المغازی
[3] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۱

عام حالات :

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت حضرت ابوطلحہ ؓ اپنے مکان میں تھے، ادھر مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ ؓ میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کون تیار کرے، مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوق قبروں کا رواج تھا لیکن آنحضرت ﷺ بغلی قبر پسند فرماتے تھے۔ مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے۔ مہاجرین میں ابوعبیدہ ؓ اور انصار میں حضرت ابوطلحہ ؓ۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ صندوقی اور حضرت ابوطلحہ ؓ بغلی بناتے تھے اس لئے دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ رائے قرار پائی کہ جو پیشتر پہنچے اس شرف کو حاصل کرے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی مرضی بغلی کی تھی بہت سے مسلمان دست بدعا تھے کہ مہاجرین کے آنے میں دیر ہو اور ابوطلحہ ؓ جلد آجائیں، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابوطلحہ ؓ پہنچ گئے اور اپنے ہاتھ سے بغلی قبر کھودی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ ؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی تھی اور شام چلے گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ بھی ان ہی غمزدوں میں داخل تھے لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانۂ نبوت ﷺ کا رُخ کرتے اور مہینوں کا سفر طے کر کے رسول اللہ ﷺ کے مزار پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے۔

حضرت ابوبکر ؓ کا عہدِ خلافت، حضرت ابوطلحہ ؓ نے شام میں گذارا۔ حضرت فاروق ؓ کے زمانۂ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا، البتہ حضرت فاروق ؓ کی وفات کے قریب وہ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم ؓ کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے ۶ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت ابوطلحہ ؓ کو بلا کر کہا آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی آپ انصار کے ۵۰ آدمی لیکر ان لوگوں پر متعین رہیے، اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن مار دیجئے۔ اور اگر پلہ برابر ہو تو اس فریق کو قتل کیجئے جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نہ ہوں، اور اگر تین دن گذر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے سر اُڑا دیجئے۔

غرض مسور بن مخرمہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلسِ شوریٰ قائم ہوئی اور حضرت ابوطلحہ ؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے، بنو ہاشم شروع سے اس مشورہ کے خلاف تھے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے، اس لئے حضرت عباس ؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آہستہ سے کہا کہ آپ اپنا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے اپنا خود فیصلہ کیجئے حضرت علی ؓ نے اس کا کچھ جواب دیا۔

حضرت ابوطلحہؓ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے۔ حضرت علیؓ کی ان پر نظر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا "لم ترع ابالحسن!" "اے ابوالحسن خوف نہ کیجئے"۔

اسی طرح ایک دن جلسہ کے وقت عمرو بن العاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی پہنچے اور دروازہ پر بیٹھ گئے، حضرت ابوطلحہؓ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جھلا آدمی تھے، ان سے رہا نہ گیا کنکری مار کر بولے یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ مدینہ میں مشہور کریں گے کہ ہم بھی اصحابِ شوریٰ میں تھے۔ کنکری مارنے پر عمروؓ اور مغیرہؓ بھی برہم ہوئے اور بات بڑھنے لگی۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا "مجھے خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں! اس ذات کی قسم جس نے عمرؓ کو وفات دی۔ میں تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دوں گا، پھر گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں"۔

اس کے بعد حضرت ابوطلحہؓ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں، نکاح اور اولاد۔ ان کا نکاح حضرت ام سلیمؓ سے ہوا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر (حضرت انس کے والد) ہجرتِ نبوی ﷺ سے قبل اپنی بیوی ام سلیم سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے وہاں انہوں نے انتقال کیا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے ام سلیم کو پیامِ نکاح دیا انہوں نے کہا کہ میں تمہارا پیام رد نہیں کرتی لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان۔ میرا نکاح تمہارے ساتھ جائز نہیں اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہوگا اور وہی میرا مہر ہوگا۔ حضرت ابوطلحہؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام مہر قرار پایا۔ ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیمؓ سے افضل نہیں سنا۔

حضرت ام سلیم سے حضرت ابوطلحہؓ کی کئی اولادیں ہوئیں لیکن سوائے عبداللہ کے کوئی زندہ نہ رہا۔ حضرت ابوطلحہؓ کے ایک بیٹے کا نام ابوعمیر تھا۔ اس نے بچپن میں ایک لال پایا تھا اتفاق سے لال مر گیا اس کو نہایت غم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پا کر لوگوں سے پوچھا آج یہ سست کیوں ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کو ہنسانے کے لئے فرمایا "یااباعمیر مافعل النغیر" یعنی "اے عمر لال کہاں گیا؟"

ایک اور لڑکا تھا جو کچھ دنوں بیمار رہ کر مر گیا، اس کی وفات کا واقعہ نہایت پر اثر ہے، ایک دن اس کی بیماری کے زمانہ میں حضرت ابوطلحہؓ مسجدِ نبوی ﷺ آ گئے اور ادھر وہ فوت ہو گیا۔ ام سلیم نے اس کو دفن کر دیا اور گھر والوں سے تاکید کی کہ ابوطلحہؓ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا۔ ابوطلحہؓ مسجد سے آئے تو کچھ صحابہؓ ساتھ تھے پوچھا لڑکا کیسا ہے؟ ام سلیم نے کہا پہلے سے اچھا ہے! ابوطلحہ صحابہؓ سے باتیں

کرتے رہے کہ کھانا آیا سب نے کھایا، جب صحابہ چلے گئے تو ابوطلحہ ؓ اندر آئے اور رات کو میاں بیوی نے ایک بستر پر آرام کیا اخیر رات میں امّ سلیم نے لڑکے کی وفات کا ذکر کیا اور کہا کہ خدا کی امانت تھی اس نے لے لی اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ ابوطلحہ ؓ نے انا للہ پڑھی اور صبر کیا۔

(یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں مؤثر اور مختلف طور پر مذکور ہے)

• اس لڑکے کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو گھٹی دی۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان ہی سے حضرت ابوطلحہ ؓ کی نسل چلی، ان کے دو بیٹے تھے۔ اسحاق اور عبداللہ اور اسحاق کے صاحبزادے یحییٰ تھے، اور یہ سب اپنے عہد میں مرجع انام اور علم حدیث کے امام تھے۔

حُلیہ : حضرت ابوطلحہ ؓ کا حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، قد متوسط، سر اور داڑھی سفید (خضاب نہیں کرتے تھے)، چہرہ نورانی۔

وفات : عمر شریف ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا۔ حضرت ابوطلحہ ؓ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ایک دن سورۂ برائت تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت "انفروا خفافا و ثقالا" پر پہنچے ولولۂ جہاد تازہ ہوا۔ گھر والوں سے کہا کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے، میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ سفر کا انتظام کردو (دو مرتبہ کہا)۔ بڑھاپے کے علاوہ روزے رکھتے رکھتے نہایت نحیف اور لاغر ہوگئے تھے۔۔۔۔ گھر والوں نے کہا، خدا آپ پر رحم فرمائے۔ عہد نبوی ﷺ میں تمام غزوات میں شریک ہو چکے، ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانہ خلافت میں برابر جہاد کیا، اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے۔ آپ گھر بیٹھئے، ہم لوگ آپ کی طرف سے غزوہ میں جائیں گے۔

حضرت ابوطلحہ ؓ بھلا کب رُک سکتے تھے۔ شہادت کا شوق ان کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ بولے، جو میں کہتا ہوں، اس کی تعمیل کرو۔ گھر والوں نے چاروناچار سامانِ سفر درست کیا اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد خدا کا نام لے کر چل پڑا۔ غزوۂ بحری تھا اور اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا۔ حضرت ابوطلحہ ؓ جہاز پر سوار ہوئے اور غزوہ کے منتظر تھے کہ ساعت مقررہ آپہنچی اور ان کی رُوح عالم قدس کو پرواز کرگئی۔

بحری سفر تھا۔ زمین کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ہوا کے جھونکے جہاز کو غیر معلوم سمت میں لئے جارہے تھے۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش غربت کی حالت میں جہاز کے تختہ پر بے گوروکفن پڑی رہی، آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا۔ اس وقت لوگوں نے لاش کو ایک جزیرہ میں اُتر کر دفن کیا، لاش بعینہ صحیح وسالم تھی۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۳۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۳۲ھ سال وفات ہے۔ لیکن اس میں زیادہ صحیح روایت حضرت انسؓ کی ہے۔ اس کے رُو سے ۵۱ھ میں حضرت ابوطلحہؓ نے انتقال فرمایا۔

فضل وکمال :

فضل وکمال میں حضرت ابوطلحہؓ کو خاص رُتبہ حاصل ہے۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے جو بڑے پایہ کے محدث تھے، اصابہ میں حضرت ابوطلحہؓ کے فضل وکمال کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے کہ فضلائے صحابہ میں تھے۔

روایت میں نہایت احتیاط کرتے تھے۔ ان کی احادیث مرویہ میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے۔ فضائل اعمال کا بیان نہیں۔ باوجودیکہ وہ مدت دراز تک رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے۔ لیکن روایتوں کی مجموعی تعداد (۹۲) سے زیادہ نہ ہوسکی۔ اس کا اصلی باعث بیان حدیث میں احتیاط تھی۔

حسبِ ذیل روایات ان کے علمی پایہ کو نمایاں کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے :

"لاتدخل الملئكة بيتا فيه صورة"

"یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے"۔

حضرت ابوطلحہؓ کی بیماری میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے۔ آپس میں گفتگو شروع ہوئی۔ زید بن خالد بولے کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی۔ عبیداللہ خولانی سے کہا کہ ہاں یہ بھی تو کہا تھا کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں[1]۔

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ کھانا نوش فرمارہے تھے۔ دسترخوان پر حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی تھے۔ کھانا کھاکر حضرت انسؓ نے وضو کے لئے پانی مانگا۔ دونوں بزرگوں نے کہا، شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا ہے؟ حضرت انس نے کہا جی ہاں۔ اس پر فرمایا کہ تم طیبات کھاکر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو، حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے[2]۔

---

[1] حدیث ابوطلحہؓ۔ جلد ۴۔ ص ۲۸ ومسند احمد [2] ایضاً۔ ص ۳

ایک دن حضرت ابوطلحہؓ نے نفل کا روزہ رکھا تھا۔ اتفاق سے اسی دن برف پڑی۔ وہ اُٹھے اور اولے چُن کر کھانے لگے۔ لوگوں نے کہا روزے میں آپ اولے کھا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ برکت ہے، جس کا حاصل کرنا ضروری ہے[1]۔

حضرت ابوطلحہؓ کو شعروسخن کا بھی ذوق تھا۔ میدانِ جنگ میں تم نے ان کو رجز پڑھتے سُنا ہوگا، یہ شعر انہی کا ہے۔

انا ابو طلحه و اسمی زید وکل یوم فی سلاحی صید

اخلاق : حضرت ابوطلحہؓ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حُبِ رسول ہے۔ ایسی حالت میں تمام مسلمان جنگ کی شدت سے مجبور ہوکر میدان میں منتشر ہوگئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس معدودے چند صحابہ رہ گئے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ کا اپنے کو رسول ﷺ پر قربان کرنے کے لئے بڑھنا، اور آپ کے سامنے کھڑے ہوکر کفار کے وار سہنا، حاملِ نبوت پر جو تیر آئے ان کو اپنے سینے پر روکنا اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ بیکار کر دینا، حبِ رسول ﷺ کا وہ لازوال نشان ہے جو ابد تک نہیں مٹ سکتا۔

اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ کو آنحضرت ﷺ سے خاص خصوصیت تھی وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا اونٹ رسول ﷺ کے اونٹ کے برابر چلتا تھا، غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت، حضرت صفیہؓ آنحضرت ﷺ کے اونٹ پر سوار تھیں، مدینہ کے قریب پہنچ کر ناقہ ٹھوکر لے کر گری اور رسول ﷺ اور صفیہؓ زمین پر آرہے۔ حضرت ابوطلحہؓ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا یا رسول اللہ جعلنی اللہ فداک چوٹ تو نہیں آئی؟ حضور نے فرمایا نہیں عورت کی خبر لو، حضرت ابوطلحہؓ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کو کجاوا درست کرکے بٹھایا[2]۔

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار لیا اور سوار ہوکر جس طرف اندیشہ تھا، روانہ ہوئے، حضرت ابوطلحہؓ پیچھے پیچھے چلے، لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے راستہ میں ملاقات ہوئی فرمایا وہاں کچھ نہیں اور تمہارا گھوڑا بہت تیز رفتار ہے۔

حضرت ابوطلحہؓ کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیز میں بھی ظاہر ہوتا تھا۔ جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بھیج دیتے تھے ایک مرتبہ

---

[1] ایضاً۔ جلد ۳۔ ص ۲۷۹ (مسند انسؓ) [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۰ (مسند انسؓ)

حضرت انسؓ ایک خرگوش پکڑ کر لائے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اس کو ذبح کیا اور ایک ران آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے یہ حقیر لیکن پر خلوص نذر قبول کرلی[1]۔ اسی طرح اُم سلیم نے ایک طباق میں خرمے بھیجے، حضور ﷺ نے قبول فرما کر ازواج مطہرات اور صحابہ میں تقسیم کئے[2]۔

رسول اللہ ﷺ بھی اس محبت کی نہایت قدر کرتے تھے، چنانچہ جب آپ حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور منی میں حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال تو اور لوگوں میں تقسیم ہوگئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابوطلحہؓ کو مرحمت فرمائے، حضرت ابوطلحہؓ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہاں کا خزانہ ہاتھ آگیا۔

اسی طرح جب عبداللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے، تو حضرت ابوطلحہؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ نے کچھ چھوہارے چبا کر اس سے لڑکے کو گھٹی دی۔ لڑکے نے مزے سے اس آب حیوان کی گھٹی لی اور چھوہارے کو مسوڑھے سے دابنے لگا۔ حضور نے فرمایا، دیکھو انصار کو چھوہاروں سے فطری محبت ہے، اس لڑکے کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا، رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ تمام نوجوانان انصار پر فوقیت رکھتے تھے[3]۔

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز فضیح جو چھوہارے کی بنتی ہے پی رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی۔ یہ سن کر حضرت انسؓ سے کہا کہ تم اس گھڑے کو توڑ دو۔ انہوں نے توڑ دیا[4]۔

جب یہ آیت نازل ہوئی :

''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون''۔ (آل عمران۔۸۱)

''جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم کو محبوب ہے نیکی نہیں پاسکتے''۔

تو امرائے انصار نے کیسوں کی مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش کیں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور بیر حا کو خدا کی راہ میں وقف کیا۔

بیر حا ان کی نہایت قیمتی جائداد تھی۔ اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشبودار تھا، اور آنحضرت ﷺ بہت شوق سے اس کو پیتے تھے۔ یہ اراضی حضرت ابوطلحہؓ کے (محلّہ) میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی۔ (بعد میں اس مقام پر قصر بنی عدیلہ بنایا تھا)۔

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۱ (مسند ابن انسؓ)۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۳۵۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۵۷ (مسند انسؓ)

[4] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۱ (بخاری انسؓ)

حضرت ابوطلحہؓ کے اس وقف سے آنحضرت ﷺ نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا! بخ بخ ذالک مال رابح ! ذالک مال رابح " اور حکم دیا کہ اپنے اعزہ میں اس کے تقسیم کردو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے بنی اعمام اور اقارب میں جن میں حسان بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ تھے، تقسیم کردیا[1]۔

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے، اس پر خدا رحم کرے گا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اُٹھ کر کہا میں لئے جاتا ہوں۔ گھر میں کھانے کو نہ تھا۔ صرف بچوں کے لئے کھانا پکا تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلادو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ گل کردو، اس طور پر وہ کھانا کھالے گا، اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے۔ غرض اس طرح اس کو کھلا کر تمام گھر فاقہ سے پڑ رہا۔ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی جو اس موقع پر نازل ہوئی تھی : "ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ" اور حضرت ابوطلحہؓ سے کہا رات تمہارے کام سے خدا کو بہت تعجب ہوا[2]۔

حضرت ابوطلحہؓ کا ایک خاص وصف خلوص تھا۔ وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، بیرحا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ سے قسم کھا کر کہا کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا[2]۔ انہوں نے رسول اللہ کے بعد ۴۰ سال کی زندگی پائی یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی، عید اور بقر عید کے سوا ۳۶۵ دنوں میں کوئی دن ایسا نہ تھا (بجز بیماری کے ایام کے) جس میں وہ صائم نہ رہے ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۸۔ [2] مسند احمد۔ جلد ۳۔ ص ۱۱۵ (مسند انسؓ)

حضرت ابو درداءؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

عویمر نام ہے۔ ابو درداء کنیت ۔ قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے ہیں۔

نسب نامہ یہ ہے :

عویمر بن زید بن قیس بن اُمیہ بن مالک بن عامر بن عدی کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ والدہ کا نام محبۃ تھا، جو ثعلبہ بن کعب کے سلسلے سے وابستہ تھیں۔

بعثت نبوی کے زمانہ میں تجارت کسب معاش کا ذریعہ تھا، لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور رزاق کون ومکان کے سفرۂ عام پر آ بیٹھے۔ بعد میں تجارت سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے، مجھے اب ایسی دوکان بھی پسند نہیں جس میں ۴۰ دینار یومیہ نفع ہو، جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں، اور نماز بھی نہ قضا ہوتی ہو۔ لوگوں نے کہا اس کا سبب؟ فرمایا قیامت کے حساب کا خوف ہے۔

اسلام : یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو درداءؓ باایں ہمہ کمال عقل دوسرے اکابر انصار کے ایک سال بعد ۲ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام تقلیدی نہ تھا، اجتہادی تھا، ممکن ہے کہ یہ ایک سال مزید غور وفکر اور کاوش وتحقیق میں صرف ہوا ہو۔

لیکن قبول اسلام میں یہ ایک سالہ تاخیر تمام عمران کے لئے تکلیف دہ رہی، فرمایا کرتے تھے۔ ''ایک گھڑی کی خواہش نفس، دیرپا غم پیدا کرتی ہے''۔

غزوات اور عام حالات :

غزوہ بدر میں وہ مسلمان نہ تھے۔ اس لئے اس میں شریک نہ تھے، غزوہ احد حالت ایمان میں پیش آیا اس میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا، گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی شجاعت وبسالت کو دیکھ کر نعم الفارس عویمر یعنی عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں۔

احد کے علاوہ دیگر غزوات اور مشاہد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی ۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ابو درداءؓ کا اسلامی بھائی تجویز فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابودرداء ؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی کہ یہاں ہر وقت آپ ﷺ کی یاد تازہ رہتی تھی۔ نیز ملک بملک علم اسلام کی اشاعت وارثانِ نبوت کا فرض تھا۔ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے یہ بھی سُنا تھا کہ فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔ اس بنا پر شام کے دارالحکومت دمشق کی سکونت اختیار کی۔

ان کے ترکِ وطن کے سلسلے میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ سفر کی تیاری کے بعد انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ ترک وطن کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اجازت تو نہیں دیتا، ہاں ہاں اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کیجئے تو منظور کر سکتا ہوں۔ حضرت ابودرداء ؓ نے کہا حاکم بننا پسند کرتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا، پھر اجازت کی امید فضول ہے۔ حضرت ابودرداء ؓ نے درخواست کی کہ حکومت کے بجائے لوگوں کو قرآن وحدیث سکھاؤں گا اور نماز پڑھاؤں گا۔ فرمایا یہ البتہ قبول ہے۔ چنانچہ ادائے فرض کی نیت سے شام کا سفر اختیار کیا۔

دمشق میں ان کا وقت زیادہ تر درس وتدریس، شریعت کی تلقین اور عبادت وریاضت میں گذرتا تھا۔ شام کے متوطن صحابہ کرام میں اکثر ایسے تھے جن کی زاہدانہ اور سادہ زندگی پر شام کی خصوصیت وتکلفات کا رنگ وروغن چڑھ گیا تھا۔ لیکن حضرت ابودرداء ؓ برابر اپنی اصلی بے تکلفی و سادگی پر قائم رہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے شام کا سفر کیا اور یزید بن ابن سفیان ؓ، عمرو بن عاص ؓ اور ابوموسیٰ ؓ کے مکانوں پر جا کر ملاقات کی۔ تو سب کے شاہانہ ٹاٹھ دیکھے۔

حضرت ابودرداء ؓ کے گھر پہنچے تو خدم وحشم نقیب وچاؤش، تزک واحتشام، زینت وآرائش ایک طرف مکان میں چراغ تک نہ تھا۔ کشور دین وملّت کا تاجدار تاریک مکان میں ایک کمبل اوڑھے پڑا تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں پانی آ گیا۔ پوچھا اس قدر عسرت سے زندگی گذارنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت ابودرداء ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا "میں ہم کو اتنا سامان رکھنا چاہئے، جتنا ایک مسافر کے درکار ہے"۔ (آنحضرت ﷺ کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہو گئے)۔ اس پُر اثر فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی [1]۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہ کے نقد وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ مجاہدین بدر کی سب سے بڑی تنخواہ تھی۔ حضرت ابودرداء ؓ مجاہدین بدر میں داخل نہ تھے۔ لیکن حضرت عمر فاروق ؓ نے ان کا وظیفہ بدریوں کے برابر مقرر کیا۔

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۷۔ ص ۸۷ بحوالہ بشکری

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی منظوری ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا۔ کبھی کبھی جب حضرت امیر معاویہؓ کو باہر جانے کی ضرورت پڑتی تو وہ ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے۔ دمشق میں قضا کا یہ پہلا عہدہ تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

اہل وعیال :

حضرت ابودرداءؓ کے ابواب فضائل میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان کے حبالۂ نکاح میں دو بیویاں آئیں اور دونوں فضل وکمال میں ممتاز تھیں۔ پہلی کا نام اُم درداء کبریٰ خیرۃ بنت ابی حدرد اسلمی ہے، اور دوسری کا نام درداء صغریٰ ہجیمہ بنت حی وصابیہ تھا۔

اُم درداءٔ کبریٰؓ مشہور صحابیہ اور بڑی فقیہ، عقل مند اور عبادت گذار بی بی تھیں۔ ان سے حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایتیں مروی ہیں۔

اُم درداءؓ صغریٰ صحابیہ نہ تھیں۔ شوہر کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔ امیر معاویہؓ نے نکاح ثانی کا پیام دیا تھا۔ لیکن قبول نہ کیا۔ اولاد کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ بلال ۲۔ یزید ۳۔ درداء ۴۔ نسیبہ

حضرت بلال ابومحمد دمشقی، یزید اور خلفائے مابعد کے عہد میں دمشق کے قاضی تھے۔ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں معزول کیا۔ ۹۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت درداء صفوان بن عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن حلف قرشی سے منسوب تھیں۔ جو معزز تابعی اور مکہ کے ایک جلیل القدر خاندان کی یادگار تھے۔

حُلیہ : حلیہ یہ تھا، جسم خوبصورت، ناک اُٹھی ہوئی، آنکھیں شربتی، ڈاڑھی اور سر میں خضاب لگاتے تھے۔ جس کا رنگ سنہرا ہوتا تھا۔ لباس عربی تھا، قلنسوہ ایک قسم کی ٹوپی پہنتے تھے، عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ پیچھے لٹکاتے تھے۔

وفات : اُوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ مسافرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہجرت کا بتیسواں ۳۲ھ سال تھا کہ یہ مسافر کاروانِ سرائے عالم سے وطن مالوف کو سدھارا۔

وفات کا واقعہ عجیب حسرتناک تھا۔ حضرت ابودرداءؓ گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ اُم درداءؓ (بیوی کا نام ہے) نے کہا آپ صحابی ہوکر روتے ہیں؟ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا، کیوں نہ روؤں،

خدا معلوم گناہوں سے کیونکر چھٹکارا ہو۔ اسی حالت میں بلال کو بُلایا اور فرمایا دیکھو! ایک دن تم کو بھی یہ واقعہ پیش آنا ہے، اس دن کے لئے کچھ کر رکھنا۔ موت کا وقت قریب آیا، جزع وفزع کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ایمان کے متعلق کہا گیا ہے کہ خوف ورجاء کے درمیان ہوتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ پر خوف الٰہی کا نہایت غلبہ تھا۔ بیوی کے جو پاس بیٹھی تسکین دے رہی تھیں کہا، تم موت کو محبوب رکھتے ہو، پھر اس وقت پریشانی کیوں ہے؟ فرمایا یہ سچ ہے، لیکن جس وقت موت کا یقین ہوا سخت پریشانی ہے، یہ کہہ کر روئے۔ پھر فرمایا یہ میرا اخیر وقت ہے، کلمہ پڑھاؤ۔ چنانچہ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اُس کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ رُوح مطہر نے آخری سانس لی۔

وفات سے کچھ دن پیشتر حضرت یوسف رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن سلام ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آئے تھے لیکن اس وقت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر تھے۔ پوچھا کیسے آئے؟ عرض کیا، میرے والد اور آپ میں جو ارتباط تھا اس کی وجہ سے زیارت کو حاضر ہوا۔ فرمایا جھوٹ بھی کیا بُری شے ہے، لیکن جو شخص استغفار کر لے تو معاف ہو جاتا ہے۔[1]

حضرت یوسف رضی اللہ عنہ ان کی وفات تک مقیم رہے۔ انتقال سے پہلے یوسف رضی اللہ عنہ کو بُلا کر کہا کہ لوگوں کو میری موت کی خبر کر دو۔ اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ آدمیوں کا طوفان اُمنڈ آیا۔ گھر سے باہر تک آدمی ہی آدمی تھے۔ اندر اطلاع ہوئی تو فرمایا، مجھ کو یہاں سے باہر لے چلو۔ باہر آ کر اُٹھ کے بیٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے ایک حدیث بیان کی[2]۔ اللہ اکبر! اشاعت حدیث کا جوش اس وقت بھی قائم تھا۔

فضل وکمال :

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا شمار علمائے اصحاب میں ہے۔ صحابۂ کرام ان کو نگاہِ عظمت سے دیکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ دونوں باعمل عالموں کا کچھ ذکر کرو (معاذ اور ابو درداء)۔ یزید بن معاویہ کا قول تھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کا علم وتفقہ بہت سے امراض (جہل) کو شفا بخشتا ہے۔ معاذ بن جبل نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ سے علم سیکھنا۔ کیونکہ ان کے پاس علم ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے خطاب کر کے کہا تھا کہ "**ماحملت ورقاء ولا اظلت خضراء اعلم منک یا اباالدرداء**" یعنی زمین کے اُوپر اور آسمان کے نیچے تم سے کوئی بڑا عالم نہیں۔

---

[1] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۵۰ [2] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۳

مسروق جو بڑے جلیل القدر تابعی اور اپنے زمانہ کے امام تھے، کہتے ہیں کہ میں نے تمام صحابہ کا علم چھ شخصوں میں مجتمع پایا۔ جس میں ایک ابو درداءؓ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ گو حجاز میں بڑے بڑے صحابہ مسند امامت پر متمکن تھے۔ تاہم وہاں بھی طالبین جوق در جوق ان کے آستانہ کو رُخ کرتے تھے۔

درس کے وقت تشنگان علم کا بڑا ہجوم رہتا تھا۔ مکان سے نکلتے تو طلبہ کا مجمع رکاب میں ساتھ ہوتا۔ ایک روز مسجد جا رہے تھے، پیچھے لوگوں کا اتنا اژدحام تھا کہ موکب شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ اس مجمع کا ہر فرد کسی نہ کسی مسئلہ کا سائل ہو کر آیا تھا۔

حضرت ابو درداءؓ کی تعلیم کا یہ طرز تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں درس کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔ شاگردان کے گرد ہوتے اور مسائل پوچھتے۔ وہ جواب عنایت فرماتے تھے۔

درس قرآن :

حضرت ابو درداءؓ اگرچہ فقہ وحدیث میں بھی ممتاز تھے، لیکن ان کا اصل سرمایہ قرآن مجید کا درس و تعلیم تھا۔ وہ ان لوگوں میں تھے جو خود آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمر فاروقؓ نے شام میں قرآن مجید کی تعلیم اشاعت کے لئے نامزد فرمایا۔ دمشق کے جامع عمری میں یہ قرآن ۔۔۔۔ کا درس دیتے تھے اور گویا یہ قرآن کا ایک مدرسۂ اعظم بن گیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ کے ماتحت اور مدرسین بھی تھے۔ طلبا کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ دور دور سے لوگ آ آ کر شریک درس ہوتے تھے۔

نماز صبح کے بعد دس دس آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت ایک قاری کے زیرِ نگرانی ہوتی تھی۔ قاری قرآن پڑھاتے اور خود ٹہلتے جاتے اور پڑھنے والوں کی طرف کان لگائے رہتے تھے۔ جب کسی طالب علم کو پورا قرآن یاد ہو جاتا تو اس کو خود اپنی شاگردی میں لے لیتے۔ یہ مدرسین جب طلبہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکتے تو وہ مرکز درس کی طرف رجوع کرتے۔

طلبہ کا درس میں اتنا ہجوم رہتا کہ ایک روز شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم حلقۂ درس میں نکلے۔

دارالقراُ کے ممتاز اصحاب میں ۱۔ ابن عامر یحصبی، ۲۔ اُم درداء صغریٰ، ۳۔ خلیفہ بن سعد، ۴۔ راشد ابن سعد، ۵۔ خالد بن سعدان تھے۔

ان میں سے اوّل الذکر بزرگ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں اہلِ مسجد کے رئیس تھے۔

اُم درداء، حضرت ابو درداءؓ کی زوجہ قرأت میں یگانہ روزگار تھیں۔ قرأت کا فن اپنے شوہر سے سیکھا تھا۔

عطیہ بن قیس کلابی کو انہی نے قرأت سکھائی تھی۔ خلیفہ بن سعد کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ صاحب ابی الدرداءؓ کہتے تھے اور شام کے مشہور قاریوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ باقی بزرگوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے خود حضرت ابودرداءؓ کو قرآن سُنایا تھا اور ان کے خاص تلامذہ میں داخل تھے۔

تفسیر : علم تفسیر کا سرمایہ جن صحابہ سے جمع ہوا، اگر چہ حضرت ابودرداءؓ کا نام ان میں شامل نہیں۔ تاہم ان میں سے متعدد آیتوں کی تفسیریں مروی ہیں۔ ان کا قول تھا : "لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا" یعنی انسان تاوقتیکہ قرآن میں مختلف پہلو پیدا نہ کرے فقیہ نہیں ہوسکتا۔

مشکل آیتوں کے مطالب خود آنحضرت سے دریافت فرماتے تھے۔ ایک روز دریافت کیا یارسول اللہ (ﷺ) ! "الذین اٰمنوا و کانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا" سے کیا مراد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "رویائے صالحہ خواہ خود دیکھے یا کوئی دوسرا شخص اس کے متعلق دیکھے[1]۔

خود ابودرداءؓ سے جب کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ نہایت شافی جواب دیتے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ "ولمن خاف مقام ربّہ جنتان" میں زانی اور سارق بھی داخل ہیں؟ فرمایا کہ اپنے رب کا خوف ہوتا تو زنا اور چوری کیوں کرتا[2]۔

سورۂ قلم میں ایک کافر کے متعلق ہے : "عتل بعد ذالک زنیم" عتل کے معنی مختلف مفسروں نے مختلف بیان کیے ہیں۔ حضرت ابودرداءؓ نے یہ جامع معنی بیان فرمائے ہیں :

"کل رحیب الجوف وثیق الحلق اکول شروب جموع للمال منوع لہ"[3]۔
(بڑے پیٹ اور مضبوط حلق والا کثیر الغذا کثیر الشراب، مال جمع کرنے والا نہایت بخیل)

سورۂ طارق میں ہے : "یوم تبلی السرائر" زبان کے لحاظ سے سرائر کے معنی مطلقاً پوشیدہ شے کے ہیں۔ جن میں عقائد، نیات یا جوارح کے اعمال کی کوئی قید نہیں حضرت ابودرداءؓ نے موقع ومحل کے لحاظ سے اس تعمیم میں کسی قدر تخصیص کردی۔ چنانچہ فرمایا :

خدا نے چار چیزوں کا بندوں کو ضامن قرار دیا ہے : ۱۔نماز ۲۔زکوۃ ۳۔روزہ ۴۔طہارت۔ سرائر انہی چیزوں کو کہتے ہیں[4]۔

۱؎ مسند ابوداؤد طیالسی۔ص ۱۳۱ جلد ۱۔ص ۱۵۶ ۲؎ کنز العمال۔ بحوالہ ابن عساکر۔ص ۲۶۷ ۳؎ کنز العمال۔ بحوالہ ابن مردویہ۔ ۴؎ کنز العمال۔ بحوالہ بیہقی۔ جلد ۱۔ص ۱۵۷

حدیث : کلامِ الٰہی کی تعلیم و خدمت کے بعد صحابہ ؓ کا سب سے مقدم فرض حدیث نبوی کی نشر و اشاعت تھا۔ حضرت ابودرداء ؓ نے اس فرض کو بھی پوری طرح انجام دیا۔

ایک دفعہ انہوں نے سعدان بن طلحہ ؓ سے ایک حدیث بیان کی۔ مسجد دمشق میں حضرت ثوبان ؓ جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تشریف لائے تو سعدان ؓ نے توثیق مزید کی غرض سے ان سے اس حدیث کے متعلق استفسار کیا۔ حضرت ثوبان نے فرمایا کہ ابودرداء ؓ نے بالکل صحیح کہا۔ میں خود اس واقعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا[1]۔

حضرت معاذ ؓ نے اپنی وفات کے وقت ایک حدیث بیان کی تھی اور فرمایا تھا کہ شہادت کی ضرورت ہو تو عویمر بن زید (ابودرداء ؓ) موجود ہیں۔ ان سے دریافت کرنا۔ لوگ حضرت ابودرداء ؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے حدیث سُن کر فرمایا، میرے بھائی (معاذ) نے سچ کہا[2]۔

صحابہ جب مل کر بیٹھتے تو آپس میں احادیث نبوی ﷺ کا مذاکرہ فرماتے۔ حضرت ابودرداء ؓ بھی مجلسوں میں شریک رہتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی مذاکرہ کی ابتدا فرماتے تھے۔

ایک مجمع میں حضرت ابودرداء ؓ بھی عبادہ بن صامت ؓ، حرث بن معٰویہ کندی ؓ اور مقدام ابن معدی کرب ؓ تشریف فرما تھے۔ حدیثوں کا ذکر آیا۔ حضرت ابودرداء ؓ نے حضرت عبادہ ؓ سے کہا کہ فلاں غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے خمس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ کو یاد ہے؟ حضرت عبادہ ؓ نے پورا واقعہ بیان کیا۔

حضرت ابودرداء ؓ کی پوری زندگی کلام الٰہی اور حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم و اشاعت میں صرف ہوئی۔ جس وقت رُوح مطہر عالم فنا سے عالم بقا کو پرواز کر رہی تھی، اس وقت آپ نے اہلِ شہر کو جمع کر کے نماز کے متعلق آخری وصیت سُنائی[3]۔

حضرت ابودرداء ؓ نے حدیث کا اکتساب زیادہ تو خود ذات اقدس نبوی سے کیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد بعض روایتیں حضرت زید بن ثابت ؓ اور حضرت عائشہ ؓ سے بھی سُنی تھیں۔

تلامذہ اور راویان حدیث کا دائرہ مختصر تھا۔ حاشیہ نشینانِ نبوت میں سے متعدد بزرگ ان کے حلقہ سے بھی مستفید ہوئے جن کے نام نامی یہ ہیں : ۱۔ حضرت انس بن مالک ؓ ۲۔ فضالہ بن عبید ؓ ۳۔ ابوامامہ ؓ ۴۔ عبداللہ بن عمر ؓ ۵۔ عبداللہ عباس ؓ ۶۔ اُم درداء۔

---

[1] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۳ [2] ایضاً۔ ص ۴۵۰ [3] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۳

تابعین میں سے اکثر اعیان واجلائے علم ان کے شرف تلمذی سے بہرہ یاب تھے۔ بعض کے نام یہ ہیں : ۱۔ سعید بن مسیّب ۲۔ بلال بن ابودرداء ۳۔ علقمہ بن قیس ۴۔ ابومرہ مولیٰ اُم ہانی ۵۔ ابوادریس خولی ۶۔ جبیر بن نضیر ۷۔ سوید ابن غفلہ ۸۔ زید بن وہب ۹۔ معدان بن ابی طلحہ ۱۰۔ ابوحبیبہ طائی ۱۱۔ ابوالسفر ہمدانی ۱۲۔ ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن ۱۳۔ صفوان بن عبداللہ ۱۴۔ کثیر بن قیس ۱۵۔ ابوبحریہ عبداللہ بن قیس ۱۶۔ کثیر بن مرہ ۱۷۔ محمد بن سیرین ۱۸۔ محمد بن ابی وقاص ۱۹۔ محمد بن کعب ۲۰۔ ہلال بن یساف وغیرہم۔

حضرت ابودرداء ؓ کے سلسلے سے جو روایات احادیث میں مدون ہیں، ان کی تعداد ۱۷۹ ہے۔ جن میں سے بخاری میں ۱۳ اور مسلم میں ۸ مندرج ہیں۔

فقہ : مسائل فقہ میں بھی ان کا ایک خاص درجہ ہے۔ لوگ دور دراز مسافت طے کر کے ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ چنانچہ ایک بزرگ کوفہ سے دمشق صرف ایک مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ مسئلہ یہ تھا کہ شخص مذکور شادی پر رضامند نہ تھا۔ اس کی والدہ نے جبراً شادی کر دی۔ شادی کے بعد میاں بیوی میں محبت زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت ماں نے کہا کہ اس کو طلاق دے دو۔ اب وہ طلاق کے لئے آمادہ نہ ہوا۔

حضرت ابودرداء ؓ نے فرمایا کہ میں کسی شق کا تعین نہیں کرتا، نہ طلاق دینے کا حکم دیتا ہوں اور نہ والدہ کی نافرمانی جائز سمجھتا ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو طلاق دے دو یا موجودہ حالت پر قائم رہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کو جنت کا دروازہ کہا ہے[1]۔

حضرت ابوحبیبہ طائی نے استفسار کیا کہ میرے بھائی نے چند دینار فی سبیل اللہ دیئے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں ان کو کسی مصرف میں صَرف کر دوں۔ اب فرمایئے کہ سب سے بہتر مصرف کونسا ہے؟ حضرت ابودرداء ؓ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک مجاہدین سب سے بہتر ہیں[2]۔

اخلاق وعادات :

حضرت ابودرداء ؓ فطرۃً نہایت نیک مزاج اور صالح تھے۔ اسلام کی تعلیم نے اس طلاء کو اور خالص بنا دیا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری ؓ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حق گو اور حریت مجسم تھے اور ابتداً شام میں رہتے تھے۔ یہاں بہت کم لوگ ان کی سخت گیری سے محفوظ تھے۔ امیر معاویہ وغیرہ کو برسر دربار ٹوک دیتے تھے۔ ابودرداء ؓ کی نسبت خود ان سے انہوں نے کہا کہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ بھی

---

[1] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۹۸ [2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۹۸

پاتے اور آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام لاتے تب بھی صالحین اسلام میں آپ کا شمار ہوتا[۱]۔ اس سے زیادہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی طہارت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

بااین ہمہ کہ وہ بساط نبوت کے حاشیہ نشین تھے۔ خالق کون و مکان کے جلال و جبروت کا تخئیل ان کے جسم میں رعشہ پیدا کر دیتا تھا۔ ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو فرمایا کہ میں اس روز سے بہت خائف ہوں، جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قرآن کی ہر آیت پیکر امروز جر بن کر نمودار ہو گی اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اوامر کی کیا پابندی کی۔ آیت آمرہ کہے گی کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر سوال ہوگا کہ نواہی سے کہاں تک پرہیز کیا۔ آیت زاجرہ بولے گی بالکل نہیں۔ لوگو! کیا میں اس وقت چھوٹ جاؤں گا۔

عبادات میں قیام لیل اور نماز پنجگانہ کے علاوہ ۳ چیزوں کے نہایت سختی سے پابند تھے۔ ہر ماہ میں ۳ دن روزہ رکھتے، وتر پڑھتے اور حضر و سفر میں چاشت کی نماز ادا کرتے ان چیزوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ان کو وصیت فرمائی تھی[۲]۔

ہر فرض نماز کے بعد تسبیح پڑھتے تھے تسبیح ۳۳ مرتبہ، تحمید ۳۳ مرتبہ تکبیر، ۳۴ مرتبہ[۳]۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی زندگی زاہدانہ بسر ہوتی تھی۔ وہ دنیائے دوں کی دلفریبیوں اور عالم فانی کے تکلفات سے ملوث نہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو دنیا میں ایک مسافر کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔

ایک دفعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے ان کے گھر آئے۔ یہ دونوں مواخاۃ کے قاعدے سے بھائی بھائی تھے۔ بھاوج کو دیکھا تو نہایت معمولی وضع پایا۔ سبب پوچھا، تو نیک بی بی نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی (ابوالدرداء رضی اللہ عنہ) دنیا سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ ان کو اب ان چیزوں کی کچھ پروا نہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مرحبا کہا اور کھانا پیش کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا آپ بھی آئیے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ میرے ساتھ کھانا ہوگا، ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا۔ رات کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انہی کے مکان میں قیام کیا تھا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اُٹھے۔

---

[۱] مسند عبادہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۷ [۲] کنز العمال۔ جلد ۷۔ بحوالہ ابن عساکر [۳] مسند، جلد ۶۔ ص ۴۴۰
[۴] ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۶

حضرت سلمان فارسیؓ نے روک لیا اور فرمایا : ''بھائی آپ پر خدا کا بھی حق ہے۔ بیوی کا بھی اور اپنے بدن کا بھی۔ آپ کو ان سب کا حق ادا کرنا چاہئے''۔

صبح کا تڑکا ہوا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے ابو درداءؓ کو جگایا اور کہا اب اُٹھو۔ دونوں بزرگوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد دوگانہ کے لئے مسجد نبویﷺ گئے۔ حضرت ابو درداءؓ نے آنحضرتﷺ سے سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان کیا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے ٹھیک کہا۔ وہ تم سے زیادہ سمجھدار ہیں[1]۔

امر بالمعروف تمام تربیت یافتگان نبوت کا فرض ہے۔ حضرت ابودرداءؓ بھی اس فرض سے غافل نہ تھے۔ امیر معاویہؓ نے کوئی چاندی کا برتن خریدا، جس کی قیمت میں چاندی کے وزن سے کم وبیش روپے مالک کو دیئے۔ اسلام میں یہ ناجائز ہے۔ حضرت ابودرداءؓ نے فوراً ٹوکا۔ معاویہ یہ درست نہیں۔ رسول اللہﷺ نے چاندی سونے میں برابر سرابر کا حکم دیا ہے[2]۔

حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام ان کے پاس شام گئے۔ سفر کا مقصد تحصیل علم تھا۔ یہ وہ ساعت تھی جب حضرت ابودرداءؓ مرض الموت میں گرفتار تھے۔ یوسف سے پوچھا کیسے آئے؟ انہوں نے کہا، آپ کی زیارت کو۔ یوسف نے یہ بات چونکہ واقعہ کے خلاف کہی تھی۔ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا: جھوٹ بولنا بڑی بُری بات ہے[3]۔

امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کو شام سے جلاوطن کر دیا۔ حضرت ابودرداءؓ کو راستہ میں خبر ملی تو دس مرتبہ انا للہ پڑھا اور کہا کہ اب ان لوگوں کا بھی انتظار کرو، جیسا کہ اصحاب ناقہ کے بارے میں کہا گیا تھا۔ اس کے بعد نہایت جوش میں فرمایا :

> ''خدایا ! ان لوگوں نے ابوذرؓ کو جھٹلایا، لیکن میں نہیں جھٹلاتا ہوں۔ لوگوں نے ان کو متہم کیا، لیکن میں نہیں کرتا اور ان لوگوں نے ان کو خارج البلد کیا، لیکن میں اس رائے میں شریک نہیں ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہﷺ ان کے برابر کسی کو زمین پر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے برابر کسی سے راز نہ کہتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابودرداءؓ کی جان ہے، اگر ابوذرؓ میرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالیں تو بھی میں ان سے بغض نہ رکھوں''۔

---

[1] بخاری عن ابی جحیفہ [2] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۸ [3] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۵۲

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور میں نے سُنا تھا کہ

"ماأظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی الحجة اصدق من ابی ذر"

"آسمان کے نیچے اور زمین کے اُوپر ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ جو شخص توحید کا قائل ہو وہ جنتی ہے۔ حضرت ابوذر نے عرض کی، خواہ زانی اور چور کیوں نہ ہو؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہاں" یہ ایک خوشخبری تھی جو سب مسلمانوں کو سُنانی چاہئے تھی۔ ابو درداء تین مرتبہ پوچھ کر مسلمانوں کو یہ مژدہ نجات سُنانے چلے۔ راستہ میں حضرت عمر فاروق سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ اس اعلان سے لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔ حضرت ابو درداء نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر نے صحیح کہا[1]۔

ایک روز مکان میں تشریف لائے۔ چہرہ سے غیظ وغضب عیاں تھا۔ بیوی نے پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی ایک بات بھی باقی نہیں رہی۔ لوگوں نے سب چھوڑ دیا۔ صرف نماز باجماعت پڑھتے ہیں[2]۔

ایک مرتبہ سعدان بن ابی طلحہ العمری کو دیکھا۔ پوچھا کہ آپ کا مکان کہاں ہے؟ انہوں نے کہا گاؤں میں، مگر گاؤں شہر کے قریب ہے۔ فرمایا، تو تم شہر میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ جس مقام پر اذان یا نماز نہیں ہوتی وہاں شیطان کا دخل ہو جاتا ہے۔ دیکھو بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے[3]۔

تمام مسلمانوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ غیظ وغضب کے عالم میں بھی جو کچھ کہہ دیتے تھے لوگ دل سے لگا لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک قریشی نے ایک انصار کا دانت توڑ دیا۔ امیر معاویہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ امیر معاویہ نے قریشی کو مجرم ٹھہرایا۔ اس نے کہا کہ پہلے انصار نے میرے دانت کو صدمہ پہنچایا۔ امیر معاویہ نے کہا ٹھہرو، میں انصاری کو رضامند کروں گا۔ لیکن انصاری طالب قصاص تھا وہ راضی نہ ہوا۔ امیر معاویہ نے کہا یہ ابو درداء بیٹھے ہیں جو فیصلہ کر دیں، اس کو مان لینا۔

حضرت ابو درداء نے ایک حدیث پڑھی کہ جو شخص کسی جسمانی تکلیف پہنچنے پر ایذا دہندہ کو معاف کر دے تو اس کے مراتب بلند اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کے سُنتے ہی انصار جو مجسمہ قہر وغضب تھا، پیکر تسلیم ورضا بن گیا۔ حضرت ابو درداء سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سُنا تھا؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ انصاری نے کہا تو میں معاف کرتا ہوں[4]۔

---

[1] ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۵۲ [2] ایضاً۔ جلد ۔ ص ۴۱۰ [3] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۵ [4] ایضاً۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۵

فساد و شر سے دور بھاگتے تھے۔ شام کا ملک حجاز سے کسی حال میں بہتر نہ تھا۔ لیکن فتنوں کے زمانہ میں شام ایک حکومت کے ماتحت بہر حال قائم رہا اور حجاز میں ہر سال نئی فوج کشی کا سامنا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ کی سکونت شام کا یہی سبب تھا۔ فرماتے تھے کہ جس مقام پر دو آدمی ایک بالشت زمین کے لئے منازعت کریں، میں اس کو بھی چھوڑ دینا زیادہ پسند کرتا ہوں[1]۔

نہایت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ گفتگو کے وقت لب مبارک پر تبسم ظاہر ہوتا تھا۔ اُم درداءؓ تبسم کو خلافِ وقار سمجھتی تھیں۔ ایک دن کہا کہ تم ہر بات پر مسکراتے ہو، کہیں لوگ بیوقوف نہ بنائیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ خود رسول اللہ ﷺ بات کرتے وقت تبسم فرماتے تھے[2]۔

مزاج فطرۃً سادہ تھا۔ مسجد دمشق میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاتے تھے۔ لوگ دیکھتے تو تعجب کرتے کہ آغوش پروردہ نبوت اور امام حلقہ مسجد ہو کر اپنے ہاتھ سے ایسے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں، لیکن ان کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ ایک شخص نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ خود یہ کام کرتے ہیں؟ حضرت ابو درداءؓ نے اس کے تعجب کو ان الفاظ سے زائل کیا کہ اس میں بڑا ثواب ہے[3]۔

بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ تنگدستی کے باوجود مہمانوں کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے۔ اکثر ان کے ہاں لوگ ٹھہرا کرتے تھے۔ جب کوئی مہمان آتا حضرت ابو درداءؓ دریافت کراتے کہ قیام کرنے کا ارادہ ہے یا جانے کا۔ جانے کا قصد ہوتا تو مناسب زادِ راہ بھی ساتھ کر دیتے تھے[4]۔

بعض لوگ ہفتوں قیام کرتے[5]۔ حضرت سلمان فارسیؓ جب شام آتے انہی کے ہاں قیام فرماتے۔

دل کے نرم تھے۔ ایک دن کسی طرف جا رہے تھے کہ دیکھا ایک شخص کو لوگ گالی دے رہے ہیں۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی گناہ کیا تھا۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا کہ ایک شخص کنوئیں میں گرے تو اس کو نکالنا چاہئے۔ گالی دینے سے کیا فائدہ؟ اسی کو غنیمت سمجھو کہ تم اس سے محفوظ رہے۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۴۴۸ [2] مسند۔ ابوداؤد وطیالسی۔ ص ۱۳۱ [3] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۴۴۸ [4] ایضاً۔ ص ۴۴۴
[5] ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۶ [6] ایضاً۔ ص ۱۹۷

لوگوں نے عرض کی کہ آپ اس شخص کو بُرا نہیں جانتے؟ فرمایا، اس شخص میں طبعاً تو کوئی بُرائی نہیں، البتہ اس کا یہ عمل بُرا ہے۔ جب چھوڑ دے گا تو پھر میرا بھائی ہے[۱]۔

طبیعت میں استغنا اور بے نیازی بھی تھی۔ عبداللہ بن عامر شام آیا تو بہت سے صحابہ اپنے وظائف لینے گئے۔ لیکن حضرت ابودرداءؓ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے۔ عبداللہ خود ان کا وظیفہ لے کر ان کے مکان پر آیا اور کہا کہ آپ تشریف نہیں لائے، اس لئے میں خود وظیفہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا تھا کہ جب امراء اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی اپنے کو بدل لو[۲]۔

۱۔ اسد الغابہ۔ جلد۴۔ ص۱۶۰ ۲۔ کنز العمال۔ جلد۲۔ ص۱۷۱

حضرت ابوسعید خدریؓ

نام ونسب :

سعد نام ہے۔ ابوسعید کنیت، خاندان خدرہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : سعد بن مالک، بن سنان، بن عبید، بن ثعلبہ، بن الجبر (خدرہ)، ابن عوف بن حارث، بن خزرج۔ والدہ کا نام انیسہ بنت ابی حارثہ تھا۔ وہ قبیلہ عدی بن نجار سے تھیں۔

دادا (سنان) شہید کے لقب سے مشہور اور رئیس محلّہ تھے۔ چاہ بصہ کے قریب اجرو نام قلعہ ان کی ملکیت تھا۔ اسلام سے پیشتر قضا کی۔

باپ نے ہجرت سے چند سال قبل عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے نکاح کیا تھا، جو پہلے عمان اوسی کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت ابوسعیدؓ انہی کے بطن سے تولد ہوئے۔ یہ ہجرت سے ایک برس پیشتر کا واقعہ ہے۔

اسلام : مدینہ میں تبلیغ اسلام کا سلسلۂ بیت عقبہ سے جاری تھا۔ خود انصار داعی اسلام بن کر توحید کا پیغام اپنے قبیلوں کو پہنچاتے تھے۔

سعد بن مالک بن سنان نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا۔ شوہر کے ساتھ بیوی بھی اسلام لائیں۔ اس لئے حضرت ابوسعیدؓ نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔

غزوات اور دیگر حالات :

ہجرت کے پہلے برس مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ حضرت ابوسعیدؓ نے اس کے کاموں میں شرکت کی[1]۔ غزوہ احد میں باپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں گئے۔ اس وقت ۱۳ برس کا سن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ کمسن خیال کر کے واپس کیا۔ مالک نے ہاتھ پکڑ کر دکھایا کہ ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں، تاہم آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔

اس معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا تو مالک نے بڑھ کر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص کو ایسے شخص کے دیکھنے کی خواہش ہو جس کا خون میرے خون سے آمیز ہوا ہو تو مالک بن سنان کو دیکھے"۔ اس کے بعد نہایت جانبازانہ لڑ کر شہادت حاصل کی۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۵

باپ نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔اس سے ان کی شہادت سے بیٹے پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی، پیٹ پر پتھر باندھا۔ ماں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ، آج انہوں نے فلاں شخص کو دیا ہے، تم کو بھی کچھ دیں گے۔ پوچھا گھر میں ہے، وہاں کیا دھرا تھا۔اس لئے خدمت اقدس میں پہنچے۔اس وقت آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ''جو شخص ایسی حالت میں صبر کرے خدا اس کو غنی کر دے گا''۔ یہ سُن کر دل میں کہا میری یاقوتہ (اُونٹنی کا نام تھا) موجود ہے پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ کر چلے آئے۔لیکن رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو کچھ نکلا تھا پورا ہو کر رہا۔رازق عالم نے باب رزق کھول دیا۔ یہاں تک تمام انصار سے دولت وثروت میں بڑھ گئے۔

احد کے بعد مصطلق کا غزوہ پیش آیا۔اس میں شریک ہوئے۔اس کے بعد غزوۂ خندق ہوا، اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔عمر کی طرح ایمان کا بھی شباب تھا۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں دادِ شجاعت دی۔

صفر ۸ھ میں عبداللہ بن غالب لیثی لشکر لے کر فدک روانہ ہوئے، یہ بھی ساتھ تھے۔عبداللہ نے تمام لشکر کو تاکید کی خبر دار متفرق نہ ہونا اور اس کی مصلحت کے لئے برادری قائم کرنے کی ضرورت ہوئی۔حویصہ جو بڑے رُتبہ کے صحابی تھے، ان کے بھائی بنائے گئے۔ برادری کا نتیجہ عمدہ صورت میں نمودار ہوا[1]۔

ربیع الثانی ۹ھ میں علقمہ بن مجزر ایک سریہ کے ساتھ بھیجے گئے، یہ بھی فوج میں تھے۔عبداللہ بن حذافہ نے اسی غزوہ میں صحابہ ؓ کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا۔لیکن دراصل ان کا منشا نہ تھا۔وہ نہایت خوش مزاج آدمی تھے۔طبیعت مذاق کی عادی تھی۔لوگوں نے اس کو صحیح سمجھ کر کودنا چاہا تو خود روکا کہ میں تم سے مذاق کر رہا تھا[2]۔

اسی سلسلہ میں سریہ جس میں ۳۰ آدمی شامل تھے اور دار قطنی کی روایت کے بموجب ابو سعید ؓ اس کے امیر تھے، کسی مقام کی طرف روانہ ہوا، ایک جگہ پڑاؤ تھا۔ گاؤں والوں سے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں۔انہوں نے ضیافت کرنے سے انکار کیا۔اتفاق سے سردار قبیلہ کو بچھو نے ڈنک مارا۔لوگوں نے بہت علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔بعض نے مشورہ دیا کہ صحابہ کے پاس جاؤ، ان کو شاید کچھ علاج معلوم ہو۔ چنانچہ وہ لوگ آئے اور واقعہ بیان کیا۔بعض روایتوں میں تصریح

---

[1] مسند۔جلد ۳۔ص ۴۴۹ باب غزوہ بنی المصطلق وطبقات ابن سعد۔ص ۹۱ حصہ مغازی [2] مسند۔ص ۶۷۔ وابن سعد

ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں جھاڑ سکتا ہوں۔ لیکن ۳۰ بکری اجرت ہوگی۔ انہوں نے منظور کرلیا۔

آپ نے جاکر سورۂ الحمد پڑھی اور زخم پر تھوک دیا۔ وہ شخص اچھا ہوگیا اور بے تکلف چلنے پھرنے لگا اور ان لوگوں نے بکریاں لے کر مدینہ کا رُخ کیا۔ سب کو تردد تھا کہ ان کا لینا جائز ہے کہ نہیں۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ خود آنحضرت ﷺ سے پوچھا جائے۔ آپ ﷺ نے پورا واقعہ سُن کر تبسم کیا اور فرمایا "تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ کا کام دیتی ہے؟ پھر کہا تم نے ٹھیک کیا۔ اس کو تقسیم کرلو، اور میرا بھی حصہ لگانا[1]۔

ان غزوات کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک اور طاؤس میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن چونکہ ان میں ان کا کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عہد نبوت کے ۱۲ غزوات میں ان کو شرف شرکت حاصل تھا۔

عہد نبوت کے بعد مدینہ ہی میں قیام رہا۔ عہد فاروقی و عثمانی میں فتویٰ دیتے تھے۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں جنگ نہروان پیش آئی۔ اس میں نہایت جوش سے حصہ لیا[2]۔ فرماتے ہیں کہ ترکوں کی بہ نسبت خوارج سے لڑنا زیادہ ضروری جانتا ہوں[3]۔

یزید کے مطالبہ بیعت کے وقت جب حضرت امام حسینؓ نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو اور صحابہؓ کی طرح ابوسعید خدریؓ نے بھی یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ یہیں تشریف رکھیں[4]۔ مگر حضرت امام حسینؓ نے نہیں مانا۔

۶۱ھ میں یزید کی بداعمالیوں کی وجہ سے اہلِ حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پر، جو رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے، بیعت کی۔ حضرت ابوسعیدؓ بھی ان میں تھے۔

۶۳ھ میں اہالیان حرم رسول اللہ ﷺ نے علانیہ یزید سے فسخ بیعت کر کے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ الغسیل انصاری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لشکر شام سے مقابلہ پیش آیا۔ جس میں اہلِ مدینہ کو ہزیمت ہوئی اور حضرت عبداللہؓ نہایت جانبازی سے لڑ کر مارے گئے۔ اس وقت عجیب تشویش اور اضطراب کا عالم تھا۔ مدینہ کا گلی کوچہ خون سے لالہ زار تھا۔ مکان لوٹے جا رہے تھے۔ عورتیں بے ناموس

---

۱ صحیح بخاری، کتاب الاجارہ ۲ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۱ ۳ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۵۶ ۴ ایضاً۔ ص ۳۳
۵ تاریخ الخلفاء سیوطی

کی جارہی تھیں اور وہ مقام جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی طرح حرام کیا تھا۔ اہلِ شام کے ہاتھوں قتل وغارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا۔

صحابہؓ سے یہ بے حرمتی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس لئے حضرت ابوسعید خدریؓ پہاڑ کی ایک کھوہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن یہاں بھی پناہ نہ تھی۔ ایک شامی بلائے بے درماں کی طرح پہنچ گیا اور اندر اُتر کر تلوار اُٹھائی۔ انہوں نے بھی دھمکانے کی خاطر تلوار کھینچ لی، وہ آگے بڑھا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے یہ دیکھ کر تلوار رکھ دی اور یہ آیت پڑھی :

"لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف اللہ رب العلمین"

"اگر تم مجھے مارنے کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو میں تمہارے مارنے کو تیار نہ ہوں گا۔ کیوں کہ میں خدائے رب العالمین کا خوف کرتا ہوں"۔

شامی یہ سُن کر پیچھے ہٹا اور کہا خدا کے لئے بتائیے، آپ کون ہیں؟ ابوسعید خدری ! بولا، رسول اللہ ﷺ کے صحابی۔ کہا، ہاں۔ یہ سُن کر غار سے نکل کر چلا گیا [1]۔

غار سے مکان آئے تو یہاں عام داروگیر تھی۔ شامی ابن دحہ کے پاس پکڑے گئے، اس نے یزید کی خلافت پر بیعت لی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو معلوم تھا۔ انہوں نے جا کر کہا، میں نے سُنا ہے آپ نے دو امیروں کی بیعت کی ہے؟ فرمایا! ہاں، بیشتر ابن زبیرؓ سے کی تھی، پھر شامی پکڑ کر لے گئے اور یزید کی بیعت کی۔ ابن عمرؓ نے کہا اسی کا خوف تھا۔ کہا، بھائی! کیا کرتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے شب وروز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے چاہئیں۔ ابن عمرؓ نے کہا، لیکن میں دو امیروں کی بیعت پسند نہیں کرتا۔

وفات : ۷۴ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔ اس وقت بہت سن تھے، ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ لوگوں نے عمر کا تخمینہ ۷۴ سال کیا ہے۔ لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۸۶ برس کی عمر تھی [2]۔ اور یہی صحیح ہے۔

اولاد : دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجزہ تھا، جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں۔ دوسری اُم عبداللہ بنت عبداللہ مشہور تھیں اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں۔ اولاد کے نام یہ ہیں : ۱۔عبدالرحمٰن ۲۔حمزہ ۳۔سعید

---

[1] اصابہ۔ص ۸۵۔جلد ۳ وطبری۔ص ۴۱۸ حالات ۶۳ھ [2] تذکرۃ الحفاظ۔جلد ۱۔ص ۳۷

حُلیہ : حلیہ یہ تھا۔ مونچھیں باریک کٹی ہوئی۔ ڈاڑھی میں زرد خضاب

حضرت ابوسعید خدریؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے[1]۔

علم وفضل :

قرآن مجید ایک قاری سے پڑھا تھا۔ انصار کے کئی حلقۂ درس قائم تھے جن میں علمائے انصار درس دیتے تھے۔ حضرت ابوسعیدؓ کی طالب علمی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگوں کے پاس بدن کے کپڑے تک نہ تھے۔ ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ چھپ کر بیٹھتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اس وقت قاری قرأت کررہا تھا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ آپ ﷺ سب کے پاس بیٹھ گئے اور اشارہ کیا کہ لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھیں۔ چنانچہ سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ اس تمام جماعت میں صرف حضرت ابوسعیدؓ کو آنحضرت ﷺ پہچانتے تھے[2]۔

حدیث وفقہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے سیکھی تھی۔ خلفائے اربعہ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے روایتیں کیں۔

کثرت سے حدیثیں یاد تھیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ ان صحابہ اور ممتاز تابعین کے نام نامی جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا یہ ہیں:

زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ، محمود بن لبیدؓ، ابوالطفیلؓ، ابوامامہ بن سہلؓ، سعید بن مسیبؓ، طارق بن شہابؓ، عطاء، مجاہد، ابوعثمان، مہذی، عبید بن عمیر، عیاض بن ابی سرح، بشر بن سعید، ابونصرہ، سعید بن سیرین، عبداللہ بن محریز، ابوالمتوکل ناجی وغیرہ۔

آپ کا حلقہ درس آدمیوں سے ہر وقت معمور رہتا تھا۔ جو لوگ کوئی خاص سوال کرنا چاہتے تو بہت دیر سے موقع ملتا[3]۔

اوقات درس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرنا چاہتا تو جواب سے مشرف فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے بیٹے علی اور غلام عکرمہ کو بھیجا کہ ابوسعیدؓ سے حدیث سُن کر آؤ۔ اس وقت وہ باغ میں تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر ان کے پاس آکر بیٹھے اور حدیث بیان کی[4]۔

روایت حدیث کے ساتھ سماع کی نوعیت بھی ظاہر فرمادیتے تھے۔

---

[1] اصابہ، جلد ۳، تذکرہ ابوسعید خدریؓ [2] مسند۔ جلد ۳ ص ۶۳ [3] مسند۔ جلد ۳، ص ۳۵ [4] ایضاً۔ ۹۰، ۹۱

عبداللہ بن عمرؓ نے کسی سے ایک حدیث سُنی تھی۔ وہ ابوسعیدؓ سے روای تھا۔ ابن عمرؓ اس کو لے کر ان کے پاس گئے اور پوچھا، اس شخص نے فلاں حدیث آپ سے سُنی ہے۔ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سُنی تھی؟ فرمایا : "بصر عینی وسمع اذنی" یعنی میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سُنا[1]۔

ایک راوی قزعہ کو ایک حدیث بہت پسند آئی۔ انہوں نے بڑھ کر پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کو سُنا تھا۔ اس سوال پر حضرت ابوسعیدؓ کو غصہ آ گیا۔ فرمایا : "تو کیا میں بے سُنے بیان کر رہا ہوں۔ ہاں میں نے سُنا تھا۔

جس حدیث کے الفاظ پر اعتماد نہ ہوتا، اس کے بیان میں احتیاط کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک حدیث روایت کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا۔ ایک شخص نے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے؟ فرمایا میں بھی جانتا ہوں[2]۔

اخلاق و عادات:

نہایت حق گو تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حق گوئی کی تاکید کرتے سُنا تھا۔ لیکن کاش ایسا نہ ہوتا[3]۔ ایک مرتبہ اس حدیث کا جس میں حق گوئی کی تاکید تھی، ذکر چھیڑا تو رو کر کہا کہ حدیث تو ضرور سُنی، لیکن عمل بالکل نہ ہو سکا[4]۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں بہت سی نئی باتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت ابوسعیدؓ سفر کر کے ان کے پاس گئے اور تمام خرابیاں گوش گذار کیں[5]۔

ایک مرتبہ انہی سے انصار کے متعلق گفتگو آئی تو کہا کہ رسول ﷺ نے ہم کو تکلیفوں پر صبر کا حکم دیا، امیر نے کہا تو صبر کیجئے[6]۔

ایک مرتبہ مروان سے فضیلت صحابہؓ کی حدیث بیان کی۔ وہ بولا جھوٹ بکتے ہو۔ زید بن ثابتؓ اور رافع بن خدیجؓ بھی اس کے تخت پر بیٹھے تھے۔ ابوسعیدؓ نے کہا ان سے پوچھو۔ لیکن یہ کیوں بتائیں گے۔ ایک صدقہ کی افسری سے معزول ہونے کا خوف ہوگا، دوسرے کو ڈر ہوگا کہ جنبش لب سے ریاست قوم چھنتی ہے۔ یہ سُن کر مروان نے مارنے کو درہ اُٹھایا۔ اس وقت دونوں بزرگوں نے ان کی تصدیق کی[7]۔

۱۔ ایضاً۔ ص ۴، مسند جلد ۳ ص ۹۱ ۲۔ ایضاً ص ۲۹ ۳۔ ایضاً ص ۵ ۴۔ ایضاً ص ۶۱ و ص ۷۱ ۵۔ ایضاً۔ ص ۸۴
۶۔ ایضاً۔ ص ۸۹ ۷۔ ایضاً۔ ص ۲۲

اسی طرح مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا اور نماز سے قبل خطبہ پڑھا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر ٹوکا کہ دونوں باتیں خلافِ سنت ہیں۔ بولا کہ اگلا طریقہ متروک ہو چکا ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا چاہے کچھ بھی ہو، مگر اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے کہ جو شخص امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرنا چاہئے۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دل سے ضرور بُرا سمجھے۔[۱]

امر بالمعروف کے ولولہ کا یہ حال تھا کہ یہی مروان ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، اس میں ابوسعیدؓ بھی شریک تھے۔ دیکھا تو دونوں جنازے کے لئے نہیں اُٹھے۔ فرمایا: اے امیر! جنازہ کے لئے اُٹھ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اُٹھا کرتے تھے۔ یہ سن کر مروان کھڑا ہو گیا۔[۲]

جب مصعب بن زبیرؓ مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو عید الفطر میں دریافت فرمایا کہ نماز اور خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا عمل کیا تھا؟ فرمایا، خطبہ سے قبل نماز پڑھاتے تھے۔ چنانچہ مصعبؓ نے اس دن اسی قول پر عمل کیا۔[۳]

ایک مرتبہ شہر بن حوشب کو سفر طور کا خیال دامن گیر ہوا۔ وہ ملاقات کو آئے۔ ابوسعیدؓ نے ان سے کہا، تین مسجدوں کے علاوہ (اور کسی مقدس مقام کے لئے) شدِ رحال کی ممانعت ہے۔[۴]

حضرت ابن ابی صعصہ مازنی کو جنگل پسند تھا۔ ان کو ہدایت کی کہ وہاں زور سے اذان دیا کریں کہ تمام جنگل نعرۂ تکبیر سے گونج اُٹھے۔[۵]

نہی عن المنکر کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن متواتر بغیر کچھ کھائے پئے روزے رکھتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ ان کو ہمیشہ منع کرتے تھے۔[۶]

سنت کے پُورے متبع تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے یا کسی سبب سے نہ آسکے تو ابوسعید خدریؓ نے امامت کی۔ ان کے طریقۂ نماز سے لوگوں نے اختلاف کیا۔ انہوں نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا ''میں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح پڑھائی ہے۔ باقی تمہارے طریقہ کی مخالفت تو اس کی مجھے بالکل پرواہ نہیں ہے۔[۷]

۱۔ مسند۔ جلد۳۔ ص۱۰ ۲۔ ایضاً۔ ص۴۷ و ص۹۷ ۳۔ ایضاً۔ ص۹ ۴۔ ایضاً۔ ص۹۳ ۵۔ ایضاً۔ ص۳۵
۶۔ ایضاً۔ ص۹۵ ۷۔ مسند۔ جلد۳۔ ص۱۸

مزاج میں بردباری اور تحمل تھا۔ ایک مرتبہ پاؤں میں درد ہوا، پیر پر پیر رکھے لیٹے تھے کہ آپ کے بھائی نے آکر اسی پاؤں پر ہاتھ مارا، جس سے درد بڑھ گیا۔ انہوں نے نہایت نرم لہجے میں کہا، تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، جانتے تھے کہ درد ہے؟ جواب ملا، ہاں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے ممانعت فرمائی ہے[1]۔

مگر ناحق باتوں پر غصہ آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ حج پر جارہے تھے، ایک درخت کے نیچے قیام ہوا۔ ابن صیاد بھی جس کے دجال ہونے میں خود آنحضرت ﷺ کو شبہ تھا۔ اسی درخت کے نیچے ٹھہرا تھا۔ ان کو برا معلوم ہوا۔ لیکن خاموش رہے۔ اس نے خود چھیڑ کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی۔ ان کو رحم آگیا۔ مگر جب اس نے ایک خلاف واقعہ دعویٰ کیا تو بگڑ کر فرمایا: **تبالک سائر الیوم**[2]۔

سادگی اور بے تکلفی فطرت ثانیہ تھی۔ ایک جنازہ میں بلائے گئے، سب سے اخیر میں پہنچے۔ لوگ بیٹھ چکے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھے اور جگہ خالی کردی۔ فرمایا یہ مناسب نہیں، انسان کو کشادہ جگہ میں بیٹھنا چاہئے۔ چنانچہ سب سے الگ کھلی جگہ پر جاکر بیٹھے[3]۔

حضرت ابوسلمہؓ سے یارانہ تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے آواز دی۔ یہ چادر اوڑھے نکل آئے۔ ابوسلمہؓ نے کہا ذرا باغ تک چلئے، آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چنانچہ یہ ساتھ ہولئے[4]۔ اس واقع میں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ ابوسلمہؓ تابعی اور وہ صحابی ہیں۔ اس کے ماسوا ابوسلمہؓ کو تلمذی بھی حاصل ہے۔

یتیموں کی پرورش کرتے تھے۔ لیث اور سلیمان بن عمرو بن عبد العتواری انہیں کے تربیت یافتہ تھے[5]۔

ہاتھ میں چھڑی لیتے تھے۔ پتلی چھڑیاں زیادہ پسند تھیں۔ کھجور کی شاخیں لاتے اور ان کو سیدھا کر کے چھڑی بناتے۔ یہ بھی رسول ﷺ کا اتباع تھا[6]۔

۱؎ ایضاً۔ ۲؎ ایضاً۔ ۴۳ ۳؎ ایضاً۔ ۱۸ ۴؎ مسند۔ جلد ۳ ص ۶۰ ۵؎ ایضاً۔ ص ۱۱ و ص ۴۳
۶؎ ایضاً۔ ص ۶۵

حضرت ابو مسعود بدریؓ

نام ونسب :

عقبہ نام، ابو مسعود کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : عقبہ بن عمر بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عمیرہ ابن عطیہ بن خوراراہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور دین حنیفی کے پُر جوش داعی ثابت ہوئے۔

غزوات اور عام حالات :

تمام غزوات میں شرکت کی۔ عام خیال یہ ہے کہ بدر میں شریک نہ تھے۔ صرف بدر کی سکونت سے بدری مشہور ہوگئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام شعبہ، بخاری، مسلم ان کی شرکتِ بدر کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں اس کی طرف صاف طور پر اشارہ کیا ہے[1]۔

اس کے سوا بیعتِ عقبہ کی شرکت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں۔ پھر بدر سے غائب ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ میں اقامت پذیر رہے۔ کچھ دنوں بدر میں سکونت رکھی۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں کوفہ میں منتقل ہوگئے[2]۔ اور یہاں مکان بنوایا تھا[3]۔

جناب امیرؓ کے احباب خاص میں تھے۔ جب آپ جنگِ صفین کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے اور آپ کی واپسی تک کوفہ انہی کی ذات سے مرکز امارت رہا[4]۔

جنگِ صفین کے بعد (مدینہ) کی محبت نے اپنی طرف کھینچا اور آپ مدینہ لوٹ آئے۔

وفات : ۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ امیر معاویہؓ کے اخیر زمانہ خلافت تک موجود تھے۔ لیکن یہ غلطی سے خالی نہیں۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی ولایت کوفہ کے وقت زندہ تھے۔ جس کا زمانہ قطعاً ۴۰ھ کے بعد تھا۔

اولاد : لڑکے کا نام بشیر تھا۔ ایک صاحبزادی تھیں۔ جو امام حسینؓ کو منسوب تھیں۔ زید انہی کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ بشیر آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یا کچھ بعد پیدا ہوئے تھے۔

---

[1] مسند۔ جلد۴۔ ص ۱۲۰ [2] بخاری۔ جلد۲۔ ص ۵۷۱ [3] اصابہ۔ جلد۴۔ ص ۲۵۲ [4] ایضاً

فضل وکمال :

حضرت ابو مسعودؓ نے حدیث نبوی کی نشر واشاعت کا فرض بھی انجام دیا۔ راویان حدیث کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار ہے اور کتب حدیث میں ۱۰۲ روایتیں ان کی موجود ہیں۔ رواۃ میں تابعین کے کئی طبقے داخل ہیں۔ جن میں مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں :

بشیر، عبداللہ بن یزید خطمی، ابووائل، علقمہ، قیس بن ابی حازم، عبدالرحمٰن بن یزید نخعی، یزید بن شریک تیمی، محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری۔

اخلاق : پابند احکام رسول اور امر بالمعروف آپ کے خاص اوصاف تھے۔ حکم نبوی کی متابعت کا یہ واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی "ابو مسعود ذرا سوچ کر ایسا کرو! جس خدا نے اس پر تم کو قادر کیا ہے اس کو تم پر بھی قدرت دے سکتا ہے"۔ یہ آنحضرت ﷺ کی آواز تھی۔ دل پر خاص اثر پڑا۔ قسم کھائی کر عرض کی کہ آئندہ کسی غلام کو نہ ماروں گا اور اس کو آزاد کرتا ہوں[1]۔

امر بالمعروف کے فرض سے بھی غافل نہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے امارت کوفہ کے زمانہ میں نماز عصر دیر میں پڑھائی۔ اسی وقت ان کو ٹوکا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز پنجگانہ حضرت جبریلؑ کے بتانے کے مطابق پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ "ھٰکذا امرت"[2]۔

سنت کی پوری اتباع کرتے تھے۔ ایک روز لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے، پھر خود نماز پڑھا کر بتائی[3]۔

نماز میں مل کر کھڑے ہونا، رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لوگوں نے اس کو چھوڑا تو فرمایا، اس کا فائدہ یہ تھا کہ باہم اتفاق تھا۔ اب تم لوگ دور دور کھڑے ہوتے ہو، اسی وجہ سے تو اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

---

[1] مسند۔ جلد ۵۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۱ [3] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۲

حضرت ابو قتادہؓ

نام ونسب :

حارث نام، ابو قتادہ کنیت، فارس رسول اللہ لقب، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔
نسب نامہ یہ ہے : حارث بن ربعی بن بلدمہ بن خناس ابن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن زید بن جشم بن خزرج۔ والدہ کا نام کبشہ بنت مظہر بن حرام تھا۔ اور بنو سلمہ میں سواد بن غنم کے خاندان سے تھیں۔ ہجرت سے تقریباً ۱۰ سال پیشتر مدینہ میں پیدا ہوئے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام قبول کیا۔

غزوات : غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے۔ احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔

ربیع الاوّل ۶ھ میں غزوہ ذی قرد یا غابہ پیش آیا۔ اس میں ان کی شرکت نمایاں تھی۔ آنحضرت ﷺ کی اونٹنیاں ذی قرد نامی ایک گاؤں میں چرا کرتی تھیں۔ آپ کے غلام جن کا نام رباح تھا۔ ان کے نگراں تھے۔ چند غطفانی چرواہوں کو قتل کر کے اونٹنیوں کو ہانک لے گئے۔ سلمہ بن اکوعؓ ایک مشہور صحابی تھے۔ انہوں نے سُنا تو عرب کے عام قاعدہ کے موافق مدینہ کی سمت رُخ کر کے "یا صباحاہ" کے تین نعرے لگائے اور رباح کو آنحضرت ﷺ کے پاس دوڑایا اور خود غطفانیوں کے تعاقب میں رہے۔

آنحضرت ﷺ نے مدد کے لئے ۳ سوار بھیجے اور پیچھے خود بھی روانہ ہوئے۔ سلمہ منتظر تھے، نظر اُٹھی تو احرم اسدی، ان کے پیچھے ابو قتادہؓ انصاری، اور ان کے پیچھے مقداد کندی گھوڑا اُڑاتے چلے آرہے تھے۔ غطفانی سواروں کو دیکھ کر فرار ہو گئے۔

لیکن احرم کو شوق شہادت دامن گیر تھا۔ غطفانیوں کے پیچھے ہو لئے۔ آگے بڑھ کر ان میں اور عبدالرحمٰن غطفانی میں مقابلہ ہو گیا اور احرم شہید ہو گئے۔ عبدالرحمٰن ان کا گھوڑا لے جانا چاہتا تھا کہ ابو قتادہؓ پہنچ گئے اور بڑھ کر نیزہ کا وار کیا اور عبدالرحمٰن کا قصہ بھی پاک ہو گیا۔ یہاں سے لوٹے تو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے قصہ سُن کر فرمایا : " کان خیر فرساننا الیوم ابو قتادہ " یعنی آج ابو قتادہ بہترین سوار تھے[1]۔

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱

شعبان ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے نجد کے ایک مقام خضرہ کی جانب ۱۵ آدمیوں کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابوقتادہؓ ان کے امیر تھے۔ چھاپہ مارنا مقصود تھا، اس لئے رات بھر چلتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے۔ مقام خضرہ میں قبیلہ غطفان آباد تھا، جو غارت گر، امن وامان اور مسلمانوں کا قدیم دشمن تھا۔ حضرت ابوقتادہؓ موقع پا کر اچانک پہنچ گئے۔ قبیلہ طاقتور تھا، بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔ لیکن ابوقتادہ نے لوگوں سے کہہ دیا کہ جو تم سے لڑے اس کو مارنا۔ ہر شخص سے تعرض کی ضرورت نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا جلد خاتمہ ہو گیا اور ۱۵ دن کے بعد مال غنیمت لے کر صحیح وسالم مدینہ واپس آئے۔ مالِ غنیمت میں ۲۰۰ اونٹ، ۲۰۰۰ بکریاں اور بہت سے قیدی تھے۔

اس کا خمس نکال کر باقی وہیں تقسیم کرلیا گیا۔ حضرت ابوقتادہؓ کے حصہ میں ایک حسین لڑکی بھی آئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اپنے لئے مانگ کر محمیہ بن ضرہ کو دیدی[1]۔

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں ۸ آدمیوں کا ایک سریہ بطن اخم کی طرف بھیجا۔ حضرت قتادہؓ اس کے بھی سرگروہ تھے۔ بطن اخم ذی خشب اور ذی مردہ کے درمیان مدینہ سے ۳ منزل کے فاصلہ پر مکہ کی جانب واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کر چکے تھے۔ ان لوگوں کے بھیجنے کا مدعا یہ تھا کہ لوگوں کو مکہ کا خیال نہ آئے اور لڑائی سے پہلے یہ راز کسی طرح فاش نہ ہو۔ ذی خشب پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ روانہ ہو گئے۔ اس لئے یہ لوگ وہاں سے چل کر سقیا میں آنحضرت ﷺ کے لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے[2]۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔ لڑائی سخت تھی کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن ابوقتادہؓ نے اس میں نہایت شجاعت دکھائی۔ ایک مسلمان اور مشرک میں لڑائی ہو رہی تھی۔ دوسرا مشرک پیچھے سے حملہ کی فکر میں تھا۔ حضرت قتادہؓ نے مسلمان کو تنہا دیکھ کر اس مشرک پر پیچھے سے حملہ کیا، تلوار کندھے پر پڑی جو زرہ کاٹتی ہوئی اچٹ کر ہاتھ تک پہنچی اور ہاتھ صاف ہو گیا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے دست وگریباں ہو گیا۔ آدمی تنومند تھا، اس زور سے دبایا کہ حضرت ابوقتادہؓ گھبرا گئے۔ لیکن خون زیادہ نکل چکا تھا، اس لئے ابوقتادہؓ نے موقع پا کر قتل کر دیا۔ خود کہتے ہیں کہ مجھے جان کے لالے پڑ گئے تھے، لیکن قضا اس کی آئی تھی۔

---

[1] طبقات حصہ مغازی۔ ص ۶ [2] طبقات حصہ مغازی۔ ص ۹۶

مکہ کا ایک آدمی ادھر سے گزر رہا تھا، اس نے مقتول کا سارا سامان اُتار لیا۔ اس وقت لشکر اسلام میں عجیب سراسیمگی طاری تھی۔ لوگ میدان سے ہٹ رہے تھے۔ یہ بھی اسی طرف چلے۔ ایک مقام پر حضرت عمر فاروقؓ کچھ آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ ان سے پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا جو خدا کی مرضی۔ اتنے میں لوگ پلٹ پڑے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

لڑائی کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعلان کیا کہ جس نے جس کافر کو مارا ہو، اس کا مال متاع ثبوت کے بعد اس کو دلایا جائے گا۔ حضرت قتادہؓ نے اُٹھ کر کہا میری نسبت کون شہادت دیتا ہے۔ کسی طرف سے آواز نہ آئی۔ ۳ مرتبہ ایسا ہی ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ابوقتادہ ! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے سارا قصہ گوش گذار کیا، ایک شخص بولا سچ کہتے ہیں، ان کا سامان میرے پاس ہے، لیکن ان کو راضی کر کے مجھے دلوا دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یہ بے انصافی ہے کہ خدا کا شیر امارت اور مال سے محروم رہے اور قریش کی ایک چڑیا مفت میں مزے اُڑائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حقیقت یہی ہے ، بہتر ہے کہ ان کا مال انہی کو دیدو۔

حضرت ابوقتادہؓ نے اس کو فروخت کر کے بنوسلمہ میں ایک باغ خریدا۔ قبول اسلام کے بعد جائداد خریدنے کی یہ پہلی بسم اللہ تھی[1]۔

عام حالات :

عہد نبوت کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ مُبارک میں امارت مکہ پر نامزد ہوئے تھے۔ لیکن پھر کسی وجہ سے قثم بن عباسؓ امیر بنائے گئے۔ یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔ اسی سنہ میں جنگ جمل اور دوسرے سال صفین کا معرکہ ہوا۔ حضرت ابوقتادہؓ دونوں میں شریک ہوئے۔ ۳۸ھ میں خوارج نے علم بغاوت بلند کیا۔ جناب امیرؓ نے جس فوج کے ساتھ فوج کشی کی تھی، حضرت قتادہؓ اس کے پیادوں کے افسر تھے۔

وفات : سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ۴۰ھ ہے، ان لوگوں کے نزدیک کوفہ میں انتقال کیا تھا اور جناب امیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ جس میں ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان انتقال کیا۔ امام بخاری نے اوسط میں یہی لکھا ہے اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں۔

حُلیہ : حُلیہ مفصل مذکور نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ گردن تک بال رکھتے تھے، جس کو جمہ کہتے ہیں۔ کبھی کبھی کنگھی کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پراگندہ منہ دیکھا تو فرمایا "ذرا ان کو تو درست کرو، آدمی بال

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۶۱۸ و مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۳۰۶

رکھے تو ان کی خبر گیری بھی کرے، ورنہ رکھنے سے کیا فائدہ۔ اس سے تو گھٹا ہوا سر اچھا ہے"۔

اولاد : چار بیٹے تھے۔ عبداللہ، معبد، عبدالرحمٰن، ثابت۔ موخر الذکر ام ولد سے تولد ہوئے تھے۔ بیوی کا نام سلافہ بنت براء بن صخر تھا[1]۔ خاندان سلمہ کے نہایت ممتاز گھرانے سے تھیں، جو خود صحابیہ اور جلیل القدر صحابی کی لڑکی تھیں۔

فضل و کمال :

گو حضرت قتادہؓ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی اشاعت کے فرض سے غافل نہ رہے۔ لیکن روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کذب علی الرسول کی حدیث سنی تھی۔ اس وقت سے وہ حدیث کے باب میں نہایت محتاط ہو گئے تھے[2]۔

تابعین کی ایک مجلس میں حدیث کا چرچا تھا۔ ہر شخص **قال اللہ کذا، قال اللہ کذا** کہہ رہا تھا۔ حضرت قتادہؓ نے سن کر فرمایا: "بدبختو! منہ سے کیا نکال رہے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے"[3]۔

لیکن اس احتیاط کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد ۱۷۰ ہے۔ راویوں میں صحابہ کبار اور تابعین عظام داخل ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، ابو محمد نافع بن الاقرع (ان کے آزاد کردہ غلام تھے)، سعید بن کعب بن مالک (بہو کے بھائی تھے)، کبشہ بنت کعب بن مالک (بہو تھیں)، عبداللہ بن رباح، عطاء بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عمر بن سلیم زرقی، عبداللہ بن معبد زمانی، محمد بن سیرین، نبہان مولی التوامہ، سعید بن مسیب، ابن منکدر کہ سپہر حدیث کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ ان کے لمعاتِ فضل سے مستغنی نہیں۔

اخلاق و عادات :

اخوت اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایک انصاری کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا، اس پر قرض تو نہیں؟ لوگوں نے کہا دو دینار (ایک روپیہ) فرمایا کچھ چھوڑا بھی ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگ نماز پڑھ لو۔ حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اگر میں قرض ادا کر دوں تو آپ نماز پڑھا دیں گے۔ فرمایا "ہاں"۔ چنانچہ انہوں نے قرض ادا کر کے آنحضرت ﷺ کو خبر کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے جنازہ منگا کر نماز پڑھی[4]۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد۔ ص ۲۰۳ [2] مسند ابن حنبل۔ ص ۲۹۷ [3] ایضاً۔ ص ۳۱۰ [4] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۵۔۳۰۳

ایک مسلمان پر ان کا کچھ قرض تھا۔ جب یہ تقاضہ کرنے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک روز گئے تو اس شخص کے لڑکے سے معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں۔ پکار کر کہا، نکلو مجھے معلوم ہو گیا ہے، اب چھپنا بے کار ہے۔ جب وہ آیا تو چھپنے کی وجہ پوچھی، اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں تنگدست ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے، اس کے ساتھ عیال دار بھی ہوں۔ پوچھا واقعی تمہارا حال خدا کی قسم ایسا ہی ہے۔ بولا، ہاں۔ حضرت ابوقتادہؓ آبدیدہ ہو گئے اور اس کا قرض معاف کر دیا[1]۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا تھا تو حضرت خالد کو لکھا کہ وہ مالک بن نویرہ بوعی کی طرف جائیں۔ انہوں نے کسی وجہ سے مالک کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، قتل کر ڈالا۔ حضرت قتادہؓ کو اتنی ناگواری ہوئی کہ انہوں نے بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ میں ان کی ماتحتی میں نہ رہوں گا۔ انہوں نے ایک مسلمان کا خون کیا ہے[2]۔

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امر بالمعروف کا خیال رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ چھت پر کھڑے تھے کہ ستارہ ٹوٹا۔ لوگ دیکھنے لگے۔ فرمایا: اس کا زیادہ دیکھنا منع ہے[3]۔

اکثر خدمتِ رسول اللہ ﷺ کی سعادت بھی حاصل ہوتی تھی۔ ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کی خبر لو، ورنہ سویرے پیاسے اُٹھو گے۔ لوگ پانی ڈھونڈھنے نکل گئے، لیکن حضرت قتادہؓ مرکب نبوی کے ساتھ رہے۔ آنحضرت ﷺ اُونٹ پر سو رہے تھے، جب آپ ﷺ اُونگھ میں کسی طرف جھکتے تو یہ بڑھ کر ٹیک لگا دیتے۔ ایک دفعہ گرنے کے قریب تھے، انہوں نے ٹیک لگائی۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا کون ہے؟ عرض کیا، ابوقتادہ۔ فرمایا، کب سے میرے ساتھ ہو۔ کہا شام سے۔ آنحضرت ﷺ نے دعا دی "حفظک اللہ کما حفظت رسولہ" جس طرح تم نے میری نگہبانی کی، خدا تمہارا نگہبان رہے"[4]۔

فطرۃً نہایت رحیم تھے۔ جانوروں تک پر رحم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے گھر گئے۔ بہو نے وضو کے لئے پانی رکھا، بلّی آئی اور منہ ڈال کر پانی پینے لگی۔ حضرت ابوقتادہؓ نے بھگانے کے بجائے برتن اس کی طرف جھکا دیا کہ خوب اچھی طرح پی لے۔ بہو کھڑی ہوئی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ کہا بیٹی! اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ نجس نہیں، وہ تو گھروں میں آنے جانے والی ہے[5]۔

---

[1] ایضاً ص ۳۱۸ [2] تاریخ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۸ [3] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۹ [4] ایضاً۔ ص ۲۹۸ [5] ایضاً۔ ص ۳۰۳

شکار کا بے حد شوق تھا۔ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ مکہ جارہے تھے۔راستہ سے کچھ ساتھیوں کو لے کر نکل گئے۔علاقہ پہاڑی تھا،ان کو پہاڑ پر تیزی سے چڑھنے کی مشق تھی،دوستوں کو لے کر پہاڑ پر تفریحاً چڑھے کہ ایک جانور نظر آیا۔انہوں نے بڑھ کر دیکھا اور پوچھا کہ بتاؤ کون جانور ہے؟ لوگوں نے کہا،ہم ٹھیک سے نہیں بتا سکتے۔بولے گورخر ہے۔پہاڑ چڑھتے وقت کوڑا بھول آئے تھے۔ساتھیوں سے کہا میرا کوڑا لاؤ۔یہ لوگ احرام باندھ چکے تھے،اس بنا پر شکار میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔اس لئے خود نیزہ لے کر گورخر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کو شکار کر کے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کے اُٹھانے میں ہاتھ بٹاؤ۔لیکن اس میں بھی کسی نے مدد نہ کی۔آخر خود اُٹھا کر لائے اور گوشت پکایا لوگوں کو کھانے میں بھی تامل ہوا۔

بعضوں نے کھایا اور بعض محترز رہے۔حضرت قتادہؓ نے کہا اچھا! تھوڑی دیر میں بتاؤں گا۔رسول اللہ ﷺ سے چل کر پوچھتا ہوں۔چنانچہ جب آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا،اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے،خدا نے تمہارے ہی لئے بھیجا تھا۔اگر کچھ باقی ہو تو میرے لئے لاؤ۔لوگوں نے پیش کیا۔آپ نے صحابہ سے فرمایا اس کو کھاؤ[1]۔

نہایت ملنسار تھے۔اس لئے احباب کا ایک حلقہ تھا۔حدیبیہ میں جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ جارہے تھے تو راستہ میں دوست،احباب ہنستے اور مذاق کرتے جاتے تھے[2]۔ابو محمد بھی ان کی مجلس کے ایک رکن تھے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری۔جلد ۹۔ص ۵۲۸ وص ۲۶۔برفتح الباری [2] مسند جلد ۵۔ص ۳۰۱ [3] ایضاً۔ص ۲۹۵

حضرت اسید رضی اللہ عنہ بن حضیر

نام ونسب :

اسید نام ہے۔ ابو یحییٰ و ابو عتیک کنیت ۔قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے ہیں۔
نسب نامہ یہ ہے : اسید بن حضیر، بن سماک ، بن عتیک بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ۔ ماں کا نام اُم اسید بنت اسکن تھا۔

حضرت اسیدؓ کے والد (حضیر) قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ایام جاہلیت میں اوس وخزرج میں جولڑائیاں ہوئیں وہ حضیر ہی کے زیرِ قیادت ہوئیں ۔ جنگ بعاث میں جولڑائیوں کا نچوڑ تھی سپہ سالاری کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

اس میں انہوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا۔خزرج کی ریاست عمرو ابن نعمان رجیلہ کے سپرد تھی ۔ وہ نہایت تدبر سے فوجوں کولڑا رہا تھااور اوسی شکست کھا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضیر خود مقابلہ کوآگے بڑھے اور عمرو مارا گیا اور اوس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ ہجرت سے ۵ سال قبل کا واقعہ ہے۔

اسلام : اس کے تین سال بعد بیعت عقبہ ہوئی اور حضرت مصعب بن عمیر اشاعت اسلام کے لئے مدینہ تشریف لائے۔ حضرت اسید ؓ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

حضرت مصعبؓ نے اسعد بن زرارہ کے مکان میں قیام کیا تھا اور بنوظفر کے قبیلہ میں بیٹھ کر تعلیم قرآن دیا کرتے تھے۔ بنوظفر کے مکانات عبدالاشہل سے متصل واقع تھے۔ایک روز باغ میں مسلمانوں کوتعلیم دے رہے تھے کہ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ کوخبر ہوگئی۔سعد نے اسید سے کہا کہ ان کو جا کر منع کرو، ہمارے محلّہ میں آئندہ نہ آئیں ۔اگر سعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود چلتا۔ان کے کہنے پر اسیدؓ نیزہ اُٹھا کر باغ کی طرف اسلام قلع قمع کرنے روانہ ہوئے ۔ کارکنانِ قضا نے کہا ۔

"آمد آں یارے کہ نامی خواستیم"

حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو آتا دیکھ کر داعی اسلام سے کہا کہ یہ اپنی قوم کے سردار ہیں اور آپ کے پاس آرہے ہیں، ان کو مسلمان بنا کر چھوڑیئے گا۔ اسید نے قریب پہنچ کر پوچھا تم ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف کیوں بناتے ہو۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ معصبؓ پر اس کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ فرمایا، آپ بیٹھ کر پہلے میری بات سن لیں۔ اگر پسند ہو تو خیر ورنہ جو مزاج میں آئے کیجئے گا۔

حضرت اسید بیٹھ گئے اور مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی۔ کلام پاک کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر ان پر خاص اثر طاری ہوا، اور بے اختیار منہ سے نکلا ''اس دین میں کیوں کر داخل ہوسکتا ہوں''؟ جواب دیا پہلے نہانا ضروری ہے، پھر کپڑے پاک کرنا، کلمہ پڑھنا اور نماز پڑھنا، اسیدؓ اُٹھے اور نہا کر مسلمان ہو گئے۔

چلتے وقت کہا میں جاتا ہوں اور دوسرے سردار کو بھیجتا ہوں ان کو بھی مسلمان کرنا، اور وہاں سے لوٹ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو روانہ کیا یہ عقبہ ثانیہ سے پہلے کا واقعہ ہے، بیعت عقبہ میں خود شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو عبدالاشہل کا نقیب تجویز کیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کو جو مہاجر اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا اسلامی بھائی بنایا، غزوات میں سے بدر کی شرکت میں اختلاف ہے احد میں شریک تھے اور ے زخم کھائے تھے لڑائی کی شدت کے وقت جب تمام مجمع رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ہٹ گیا اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے تھے۔

غزوہ خندق میں لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی مسلمان ۱۰ روز تک محصور رہے اور مشرکین شبخون کے ارادہ سے راتوں کو گشت لگاتے تھے اس وقت حضرت اسیدؓ نے ۲۰۰ آدمی لے کر خندق کی حفاظت کی[1]۔

جب غطافانیوں نے لوٹ مار میں زیادہ سرگرمی دکھائی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے سرداروں (عامر بن طفیل اور زید) کو بلا بھیجا۔ ان دونوں نے باتفاق کہا کہ مدینہ کے پھلوں میں حصہ دلوایئے تو اس کی تدبیر کی جاسکتی ہے۔ اسیدؓ بن حضیر کھڑے تھے، نیزہ سے دونوں کے سر کو ٹھوکا دے کر کہا لومڑی جا بھاگ۔

---

[1] طبقات۔ ص ۴۹ حصہ مغازی

عامر کو یہ الفاظ ناگوار گزرے، پوچھا تم کون ہو؟۔کہا اسیدؓ بن حضیر۔ سوال کیا، حضیر کتائب کے بیٹے۔کہاہاں، بولا کہ تمہارے باپ تم سے اچھے تھے۔جواب دیا کبھی نہیں میں تم سے اوراپنے باپ دونوں سے اچھاہوں، کیونکہ وہ کافر تھے۔

اس کے ایک سال بعداور غزوہ حدیبیہ سے ایک سال قبل،ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کوقتل کرنے کوایک آدمی بھیجا تھا۔اس نے چھوٹا سا خنجر کمر میں رکھااور آنحضرت ﷺ کو پوچھتا ہوا عبدالاشہل کی مسجد میں پہنچا۔آپ ﷺ نے صورت دیکھتے ہی فرمایا یہ دھوکہ دینے آیا ہے۔وہ قتل کے ارادہ سے آپ ﷺ کی طرف بڑھا،حضرت اسیدؓ نے اس کی لنگی پکڑ کر کھینچ لی اوراس کا خنجر نیچے گر پڑا،وہ سمجھا کہ اب جان کی خیر نہیں۔انہوں نے اس کا گریبان مضبوطی سے پکڑلیا تھا کہ بھاگنے کا قصد نہ کرے[1]۔

خیبر میں سلمہ بنؓ اکوع کے چچا عامر نے ایک یہودی پر حملہ کیا تھا،مگران کی تلوار اُچٹ کر خود ان کو لگ گئی،جس سے وہ جاں بحق تسلیم ہوگئے۔حضرت اسیدؓ اور بعض بزرگوں کو خیال ہوا کہ چونکہ اپنے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں جوایک طرح کی خودکشی ہے،اس لئے ان کے اعمال رائیگاں گئے۔سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔ارشادہوا کہنے والوں نے غلط کہاان کودوہرا ثواب ہے[2]۔

فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین اورانصار کے ساتھ تھے۔جن کا دستہ تمام لشکر کے پیچھے تھا۔اس میں حضرت اسیدؓ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کے اورحضرت ابوبکرؓ کے درمیان تھے[3]۔غزوۂ حنین میں قبیلہ اوس کا جھنڈا ان کے پاس تھا[4]۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بیعت سقیفہ میں نمایاں حصہ لیا۔قبیلہ اوس سے کہا کہ خزرج سعد بن عبادہ کوخلیفہ بنا کر سیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئےتو تم پر ہمیشہ کے لئے تفوق حاصل کرلیں گے اورتم کوخلافت میں کبھی حصّہ نہ دیں گے۔میرے خیال میں ابوبکرؓ سے بیعت کرلینا بہتر ہےاورمشورہ دے کرسب کوحکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرلیں۔اوس کی آمادگی کے بعد حضرت سعد بن عبادہؓ کی قوت ٹوٹ گئی[5]۔

فتح بیت المقدس میں کہ ۱۶ھ کاواقعہ ہے۔حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔

وفات : حضرت عمر فاروقؓ سے وصیت کی تھی کہ وہ جائیداد اپنے ہاتھ میں لے کر قرض ادا کریں۔ آسان صورت یہی تھی کہ جائیداد فروخت کرکے قرض ادا کردیا جاتا۔لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے

۱؎ ایضاً۔ص ۶۸ ۲؎ صحیح مسلم۔جلد۲۔ص ۹۶ ۳؎ طبقات۔ص ۹۸ حصہ مغازی ۴؎ طبقات۔ص ۱۰۸
۵؎ تاریخ طبری،جلد ۶۔ص ۱۰۴۳

ایسا نہیں کیا۔ قرض خواہوں کو بلا کر ایک ہزار درہم سالانہ پر راضی کیا۔ اس طرح ۴ برس پھل فروخت کر کے ان کا کل قرضہ ادا کر دیا اور جائداد سالم بچ گئی۔ فرماتے تھے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو محتاج نہیں دیکھنا چاہتا۔

اہل وعیال :

بیوی نے عہد نبوت میں انتقال کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حج یا عمرہ سے لوگ واپس ہو رہے تھے کہ ذوالحلیفہ میں چند انصار لڑکوں نے اسیدؓ ابن حضیر کو ان کی بیوی کے مرنے کی خبر سنائی۔ انہوں نے منہ پر کپڑا ڈال کر رونا شروع کیا۔

حضرت عائشہؓ نے کہا خدا آپ کی مغفرت کرے، آپ ایک جلیل القدر صحابی ہو کر ایک عورت کے لئے روتے ہیں۔ انہوں نے کپڑا اٹھا لیا اور کہا آپ سچ کہتی ہیں، ہم کو صرف سعد بن معاذؓ پر رونا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ ان باتوں کو سُنتے رہے[1]۔

لڑکا غالباً وہی تھا اور اس کا نام یحییٰ تھا۔ صحیح بخاری باب **نزول السکینہ و الملئکۃ عند قرأۃ القرآن** میں ان کا تذکرہ آیا ہے[2]۔

فضل وکمال :

دوسرے اکابر صحابہ کی طرح قرآن وحدیث کی نشر واشاعت میں ان کا حصہ بھی ہے۔ انہوں نے براہ راست آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابو لیلی انصاریؓ، حضرت کعب بن مالکؓ جیسے جلیل المنزلت صحابہ ان کے راویان حدیث کے سلسلہ میں داخل ہیں۔

اخلاق وعادات :

تزکیہ باطن نے تمام حجابات اُٹھا دیئے تھے۔ ایک روز رات کو کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے، گھوڑا قریب بندھا تھا۔ وہ بدکا انہوں نے پڑھنا بند کیا تو تھم گیا۔ دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو پھر بدکا۔ ان کو ڈر ہوا کہ بچہ پاس لیٹا ہے کہیں کچل نہ جائے۔ تیسری مرتبہ باہر نکل کر دیکھا تو ایک سایہ بان نظر آیا، جس میں چراغ کی طرح روشنی تھی۔ قرأت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اُوپر چڑھتا ہوا نظر سے غائب ہو گیا۔ صبح اُٹھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ فرشتے قرأت سُننے آتے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو روز روشن میں دیکھ سکتے تھے[3]۔

---

[1] مسند۔ جلد ۴ ص ۳۵۲ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۵۰ [3] بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۵۰

ایک رات آنحضرت ﷺ کے پاس سے اُٹھے تو سخت اندھیرا تھا۔ چھڑی ہاتھ میں تھی۔ ایک صحابی اور ہمراہ تھے۔ آگے ایک روشنی ساتھ چلتی تھی۔ راستہ میں الگ الگ ہوئے تو روشنی بھی دونوں کے ساتھ جدا جدا ہوگئی[1]۔ اس واقعہ کو لوگوں نے کرامات صحابہ میں داخل کیا ہے۔

نہایت صاف گو تھے اور اس لئے سینہ کینہ سے پاک تھا۔ جو بات ہو منہ پر کہہ دیتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اس فضیلت کی وجہ سے ان کو تمام انصار پر فضیلت دیتے تھے۔ نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے۔

حضرت سعد بن معاذ ؓ کے بعد قبیلہ اوس تمام تر ان کا تابع فرمان تھا۔

ان کے اثر واقتدار کا واقعہ اُوپر گذر چکا ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جہاں پیشتر سے تمام انصار حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے خلیفہ بنانے پر اتفاق کر کے آئے تھے۔ ان کی ایک جنبش لب نے انصار کی تمام سوچی سمجھی اسکیم درہم برہم کر دی تھی۔

انہیں عظیم الشان خدمات کے سبب آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا "نعم الرجل اسید بن حضیر ؓ"۔

حضرت عائشہ ؓ فرمایا کرتی تھیں کہ وہ صحابہ کے بہترین اور برگزیدہ افراد میں داخل ہیں۔

---

[1] ایضاً۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۷

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

سماک نام ہے۔ ابو دجانہ کنیت۔ قبیلہ ساعدہ سے ہیں اور سعد بن عبادہ سردار خزرج کے بن عم ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اسماک بن لوذان بن عبدود بن ثعلبہ ابن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عتبہ بن غزوان سے ان کی برادری قائم ہوئی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے[1]

غزوۂ احد میں آنحضرت ﷺ نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر کہا اس کا حق کون ادا کرتا ہے؟ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بولے میں ادا کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تلوار عنایت فرمائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے دریافت کیا، اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا : ''مسلمان کو نہ مارنا اور کافر سے نہ بھاگنا[2]۔

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے حسبِ معمول سر پر سُرخ پٹی باندھی اور تنتے اکڑتے صفوں کے درمیان آکر کھڑے ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا : ''یہ چال اگرچہ خدا کو ناپسند ہے، لیکن ایسے موقع پر کچھ حرج نہیں[3]۔

معرکۂ کارزار میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور بہت سے کافر قتل کئے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں بہت سے زخم کھائے، لیکن میدان سے نہ ہٹے تھے۔

آنحضرت ﷺ ان کی جانبازی سے نہایت خوش ہوئے۔ مکان تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا : میری تلوار دھوڈالو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آکر یہی خواہش کی اور کہا آج میں خوب لڑا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا : اگر تم خوب لڑے تو سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی خوب لڑے۔ (اسدالغابہ جلد ۲ ص ۳۵۲)

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۳۴۶ [2] اصابہ، ص ۵۰ [3] اسد الغابہ، جلد ۵، ص ۵۴۸

غزوۂ بنو نضیر کا کل مال اور اسباب رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا، تاہم آپ نے چند مہاجرین اور انصار کو اس میں سے حصہ عنایت فرمایا تھا۔ ابودجانہ ؓ کو بھی زمین دی تھی جو انہی کے نام سے مال ابن خرشہ مشہور تھی[1]۔

غرض تمام معرکوں میں ان کی شرکت نمایاں تھی۔ مصنف استیعاب لکھتے ہیں[2]۔

"له مقامات محمودة فی مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم"۔

"غزوات نبوی ﷺ میں ان کو ممتاز درجہ حاصل ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد میں جنگ یمامہ میں نہایت جانبازی دکھائی۔ مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا۔ وہ اپنے باغ کے اندر سے لڑ رہا تھا۔ مسلمان گھسنا چاہتے تھے، لیکن دیوار حائل تھی۔ ابودجانہ ؓ تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ اس کے بعد کہا: مسلمانو مجھ کو ادھر پھینک دو!

اس ترکیب سے اگرچہ دیوار پھاند گئے، لیکن پاؤں ٹوٹ گیا۔ تاہم وہ مشرکین سے دروازہ روکے کھڑے رہے اور جب تک مسلمان باغ میں داخل نہ ہو گئے اپنی جگہ سے نہ ہلے[3]۔

شہادت: مسلمان اندر پہنچ کر جوش و خروش سے لڑنے لگے۔ گو ابودجانہ ؓ کا پاؤں ٹوٹ چکا تھا، تاہم وہ مسیلمہ کو مارنے کے لئے بڑھے اور آخر خود بھی شہید ہو گئے[4]۔

فضل و کمال:

اگرچہ حضرت ابودجانہ ؓ سے حدیثیں منقول نہیں، تاہم صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

"وهو من فضلاء الصحابة واکابرهم"۔ یعنی وہ فضلائے صحابہ میں تھے اور بڑے رتبہ کے شخص تھے[5]۔

اخلاق و عادات:

جوش ایمان کا نظارہ جنگ یمامہ کی جانبازی میں ہو چکا ہے۔ حب رسول ﷺ احد میں ظاہر ہوتی ہے۔ جس وقت تمام مجمع آنحضرت ﷺ کے پاس سے منتشر ہو گیا اور صرف چند آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے، ان میں دو آدمی آپ کے سپر بنے ہوئے تھے، مصعب بن عمیر اور ابودجانہ ؓ۔ اوّل الذکر جان دے کر ہٹے اور ابودجانہ ؓ نے کاری زخم کھا کر فدائیت کا ثبوت دیا۔

شجاعت کا اندازہ بھی انہی واقعات سے کرنا چاہئے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں:

"کان بهمة من البهم الابطال"۔

"یعنی ان کا شمار مشہور اور دلیر بہادروں میں تھا"[6]۔

اسد الغابہ میں ہے کہ وہ لڑائی کے وقت سر پر سرخ پٹی باندھتے تھے اور ناز و تبختر سے چلتے تھے[7]۔

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۱۴۲ [2] ایضاً۔ ۵۸۲ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۳ [4] ایضاً، جلد ۵، ص ۱۸۴
[5] اسد الغابہ، جلد ۲، ص ۳۵۳ [6] استیعاب، جلد ۲، ص ۶۰۲ [7] اسد الغابہ، جلد ۵، ص ۱۸۴

حضرت ابوالیسر کعبؓ بن عمرو

نام ونسب :

کعب نام ہے۔ ابوالیسر کنیت۔ بنوسلمہ سے ہیں نسب یہ ہے : کعب بن عمر ابن عبادہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن علی بن اسد بن ساروہ۔ بن یزید بن جشم بن خزرج۔ ماں کا نام نسیبہ بنت ازہر بن مری تھا اور بنوسلمہ سے تھیں۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں بیعت کی۔

غزوات : تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں نہایت جوش سے لڑے۔ مشرکین کا علم ابوعزیز بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے بڑھ کر چھین لیا۔ ایک مشرک منبہ بن حجاج سہمی کو قتل کیا اور حضرت عباسؓ کو اسیر کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے۔ آپ ﷺ ان کے چھوٹے قد اور حضرت عباسؓ کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوئے اور فرمایا کہ عباسؓ کو گرفتار کرنے میں ان کی کسی فرشتہ نے اعانت کی۔ اس وقت ان کا سن کل ۲۰ سال کا تھا۔ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں بھی ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے۔

معرکہ خیبر میں جب کہ صحابہ قلعوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، ایک رات کسی یہودی کی بکری قلعہ میں جارہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "مجھ کو اس کا گوشت کون کھلائے گا؟ ابوالیسرؓ نے کہا میں اور اُٹھ کر نہایت تیز دوڑتے ہوئے پہنچے۔ بہت بکریں اندر جارہی تھیں۔ انہوں نے دو بکریاں پکڑ لیں اور بغل میں دبا کر لے آئے۔ لوگوں نے ان کو ذبح کر کے گوشت پکایا[1]۔

صفین اور دوسری لڑائیوں میں جناب امیرؓ کے ہمرکاب تھے۔

وفات : ۵۵ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ اصحاب بدر میں یہ سب سے بعد میں فوت ہوئے۔ خیبر والی حدیث بیان کر کے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ سے فائدہ اُٹھالو۔ صحابہ میں صرف میں باقی رہ گیا ہوں۔ وفات کے وقت سن ستر سے اُوپر تھا۔ بعض لوگوں نے ۱۲۰ سال لکھا ہے۔ لیکن یہ بداہۃً غلط ہے۔

اولاد : ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔ جس کا نام عمار تھا۔

---

[1] مسند۔ جلد ۳ ص ۴۲۷

حُلیہ : حُلیہ یہ تھا : قد کوتاہ، پیٹ بڑا۔

فضل وکمال :

حدیث کم اور نہایت احتیاط سے بیان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عبادہ بن ولیدؒ سے دو حدیثیں بیان کیں اور حالت یہ تھی کہ آنکھ اور کان پر اُنگلی رکھ کر کہتے تھے کہ ان آنکھوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے اور ان کانوں نے آنحضرت ﷺ کو بیان فرماتے سُنا[1]۔

تلامذہ میں عبادہ بن ولید، موسیٰ بن طلحہ، عمر بن حکم بن رافع، حنظلہ بن قیس زرقی، صیفی مولا ابوایوب انصاری اور ربعی بن حراش کا نام داخل ہے۔

اخلاق وعادات :

نہایت رحیم اور نرم دل تھے۔ بنو حرام کے ایک شخص پر قرض آتا تھا۔ اس کے مکان پر جا کر آواز دی، معلوم ہوا موجود نہیں۔ اتنے میں اس کا چھوٹا لڑکا باہر آیا، پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں۔ بولا اماں کی چارپائی کے نیچے چھپے ہیں۔ انہوں نے پکارا اب نکل آؤ، تم جہاں پر ہو مجھے معلوم ہے۔ وہ باہر آیا اور اپنی فقر کی داستان سُنائی۔ ابوالیسرؓ کا دل بھر آیا اور کاغذ منگا کر تمام حروف کو مٹا دیا اور کہا اگر مقدرت ہو تو ادا کرنا ورنہ میں معاف کرتا ہوں[2]۔

غلاموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ عبادہ بن ولید ان سے حدیث سُننے کے لئے آئے۔ دیکھا تو ان کے غلام کے پاس کتابوں کا ایک پشتارہ ہے خود ایک چادر اور معافری کی بنی ہوئی لنگی پہنے ہیں۔ غلام کا بھی یہی لباس ہے۔ عبادہؓ نے کہا، عم محترم بہتر ہو کہ مکمل کر لیجئے، یا تو آپ ان کی معافری لے لیجئے اور اپنی چادر ان کو دیدیجئے یا اپنی معافری دیدیجئے اور ان سے چادر لیجئے۔ ابوالیسرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم یہ ہے کہ جو تم پہنو غلاموں کو پہناؤ اور جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ[3]۔

---

[1] مسند جلد ۳ ص ۴۲۷ [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۵۰ [3] ایضاً۔

حضرت ابولبابہؓ

نام نسب :

رفاعہ نام ہے۔ ابولبابہ کنیت۔ قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : رفاعہ ابن عبد المنذر بن زبیر بن زید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اسلام لائے اور نقیب بنائے گئے۔

غزوات : اکثر غزوات میں شرکت کی۔ غزوہ بدر میں خاص امتیاز حاصل ہوا، ہر اونٹ پر ۳، ۳ آدمی سوار تھے، ابولبابہؓ جس اونٹ پر تھے وہ شہنشاہ زماں کا مرکب ہمایوں تھا، جناب امیر علیہ السلام بھی اسی پر تھے، وہ لوگ باری باری چڑھتے اترتے تھے، جب آنحضرت ﷺ کے اترنے کی باری آتی تو جان نثار عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں، ہم پیدل چلیں گے، لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں، اور نہ میں تم سے زیادہ ثواب سے مستغنی ہوں[1]۔

مدینہ سے دو دن کی مسافت پر روحا ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ابولبابہؓ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کر کے واپس کر دیا اور غنیمت میں جس طرح مجاہدین کا حصہ لگایا تھا، ان کا بھی لگایا۔

غزوہ قینقاع اور غزوہ سویق میں بھی وہی مدینہ پر آنحضرت ﷺ کے جانشین تھے[2]۔

۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے اہل قریظہ کا جو یہود تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے، محاصرہ کیا۔ یہ لوگ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ اس بنا پر انہوں نے ابولبابہؓ کو مشورہ کے لئے بلایا۔ یہ وہاں پہنچے تو یہود نے بڑی تعظیم کی اور ان کے سامنے اصل مسئلہ پیش کیا۔ یہودیوں کی عورتیں اور بچے روتے ہوئے سامنے نکل آئے، یہ عجیب دردناک سماں تھا۔

اس کو دیکھ کر دل بھر آیا، اور کہا کہ میرے خیال میں تم کو آنحضرت ﷺ کا حکم مان لینا چاہئے۔ گلے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ نہ ماننے کی صورت میں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ کرنے کو تو اشارہ کر گئے لیکن جب یہ خیال آیا کہ خدا اور رسول کی خیانت ہوئی تو پیروں کے نیچے کی زمین نکل گئی۔ وہاں سے

---

۱ طبقات ابن سعد۔ ص ۱۱۴ ۲ ایضاً۔ ۱۹۔ ۴۸

اُٹھ کر مسجد نبوی میں آئے اور ایک موٹی وزن دار زنجیر سے اپنے کو ایک ستون میں باندھا کہ جب تک خدا توبہ قبول نہ کرے، اسی طرح بندھا رہوں گا۔

زیادہ عرصہ گذرا تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا۔ قصہ معلوم ہونے پر فرمایا، خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں خود استغفار کرتا۔ غرض ۷، ۸ روز اسی طرح گذر گئے۔ نماز اور حوائج ضروریہ کے لئے زنجیر کھول لیتے تھے۔ اس فراغت کے بعد ان کی لڑکی پھر باندھ دیتی۔ کھانا پینا بالکل ترک تھا۔ کانوں سے بہرے ہو گئے، آنکھیں بھی معرض خطر میں پڑ گئیں اور ناطاقتی سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ اس وقت رحمتِ الٰہی کے نزول کا وقت آیا۔

آنحضرت ﷺ حضرت اُم سلمہؓ کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پیشتر آیت توبہ اُتری۔ آپ فرطِ مسرت سے مسکرا اُٹھے۔ حضرت اُم سلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، بات کیا ہے؟ فرمایا: ''ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہوگئی''۔ اتنا کہنا تھا کہ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی۔ لوگ ابولبابہؓ کو کھولنے آئے۔ انہوں نے کہا جب آنحضرت ﷺ خود آکر کھولیں گے اس وقت یہاں سے ہٹوں گا۔ چنانچہ نماز صبح کے لئے جب آنحضرت ﷺ مسجد تشریف لائے تو خود اپنے دستِ مقدس سے حضرت ابولبابہؓ کو کھولا۔

حضرت ابولبابہؓ پر مسرت طاری تھی۔ درخواست کی کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر آپ کے پاس رہوں گا اور اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک ثلث صدقہ کرو[1]۔

توبہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ''

''مسلمانو! تم اللہ و رسول اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ حالانکہ تم اس کو جانتے ہو، اور خوب سمجھ لو کہ تمہارا مال اور اولاد آزمائش ہیں، اور خدا کے پاس بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! تم بلکہ خدا سے ڈرو گے تو تم کو ممتاز کرے گا۔ اور تمہاری بُرائیاں دور کرے گا۔ اور خدا بڑا فضل کرنے والا ہے''۔

---

[1] کتب رجال و مسند بن حنبل جلد ۴ ص ۴۵۳

۸ ؁ھ میں غزوہ فتح ہوا۔ اس غزوہ میں عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔ غزوہ تبوک میں شریک تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس غزوہ میں شامل نہیں ہوئے، اور اسی وجہ سے اپنے کو مسجد کے ستون سے باندھا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ غزوہ تبوک میں جو مسلمان بلا عذر رہ گئے تھے، وہ صرف ۳ تھے۔ مرارہ بن ربیع، ہلال بن اُمیہ، کعب بن مالکؓ۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی تین ہی کا لفظ موجود ہے، ''وعلی الثلثة الذین خلفوا''۔

وفات : سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ لیکن اس قدر مسلّم ہے کہ جناب امیرؓ کے عہد مبارک میں وفات پائی۔

اولاد : دو لڑکے چھوڑے۔ سائب اور عبدالرحمٰن۔

فضل وکمال :

حضرت ابولبابہؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ برسوں آنحضرت ﷺ کی صحبت سے مشرف رہے تھے۔ اس اثناء میں بہت حدیثیں سُننے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ لیکن ان کی مرویات کی تعداد نہایت قلیل ہے۔

راویان حدیث کے زمرہ میں بعض اکابر صحابہ داخل ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمرو، تابعین کا تمام اعلیٰ طبقہ ان کی مسند فیض کا حاشیہ نشین ہے۔ جن میں مخصوص لوگوں کے نام یہ ہیں :

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر، ابوبکر بن عمرو بن حزم، سعید بن مسیّب، سلمان اغر، سعید الرحمٰن بن کعب بن مالک، سالم بن عبداللہ، ابن عمر، عبیداللہ بن ابی یزید، نافع مولی ابن عمر، سالب عبدالرحمٰن۔

اخلاق : معمولی معمولی باتوں میں بھی حدیث نبوی پر عمل کا لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سانپ مارنے کی حدیث سُنی تھی، اس کی بنا پر جہاں سانپ دیکھتے مار ڈالتے تھے۔ لیکن گھر میں نکلنے والے سانپ اس سے مستثنیٰ تھے۔ ابولبابہؓ کا مکان ان کے مکان سے بالکل متصل واقع تھا۔ ایک روز کہا کہ اپنے گھر کی کھڑکی کھولو۔ میں اسی طرف سے مسجد جاؤں گا۔ ابن عمرؓ اُٹھے۔ ادھر سے وہ بھی کھول رہے تھے۔ پٹ کھلا تو ایک سانپ نظر آیا، دوڑ کر مارنا چاہا۔ انہوں نے روکا کہ آنحضرت ﷺ نے سانپوں کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے[1]۔

---

[1] مسند ابن حنبل۔ جلد ۳ ص ۴۵۲، ۴۵۳

حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

نام ونسب :

مالک نام ہے۔ابوالہیثم کنیت ،قبیلۂ اوس سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : مالک بن التیہان بن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبدالاعلم بن عامر بن زعورا ابن جشم بن حارث بن خزرج بن مالک بن اوس۔

زعورا،عبدالاشہل کا بھائی تھا۔اس بنا پر ابوالہیثم اسید بن حضیر کے ابن عم ہیں۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبدالاشہل سے محض حلیفانہ تعلق تھا۔دراصل وہ خاندان بلی کے ایک فرد تھے۔ابن سعد کی یہی رائے ہے۔لیکن کثرت رائے پہلی روایت کی جانب ہے۔

اسلام : وہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے۔ ابن سعد میں ہے :

”وکان اسعد بن زرارة وابو الهیثم بن التیهان متکلمان بالتوحید بیثرب“۔

”یعنی مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ اور ابوالہیثم بن تیہان ،توحید کا خیال ظاہر کرتے تھے“[1]۔

اسعد بن زرارہؓ ۶ آدمیوں کے ساتھ مکہ سے مسلمان ہوکر آئے ،تو ابوالہیثم سے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا اور اسلام کی تعلیم پیش کی ۔ ابوالہیثم پہلے ہی دین الفطرت کے متلاشی تھے ۔فوراً اس صدا کو لبیک کہا۔

اس کے بعد ۱۲ آدمیوں کا جو وفد مکہ گیا ،ابوالہیثم اس میں شامل تھے ۔آنحضرت ﷺ کے دستِ مقدس پر بیعت کی۔دوسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ گئے اور بیعت حرب میں شریک ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس میں سب سے پہلے بیعت کے لئے جس شخص نے ہاتھ بڑھایا وہ ابوالہیثم تھے۔بنو عبدالاشہل کا یہی بیان ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے یہی نقل کیا ہے۔

اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں ۔ بنونجار ،اسعدؓ بن زرارہ کے تاج عظمت پر طرہ لگاتے ہیں۔ بنوسلمہ کعبؓ بن مالک کو پیش کرتے ہیں اور بعض لوگ ان سب کے علاوہ براء ابن معرور کا نام لیتے ہیں[2]۔

۱۔ طبقات جلد ا قسم ا ص ۱۴۶ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۷۴

بیعت کے بعد نقیبوں کا انتخاب ہوا۔ بنو عبد الاشہل میں اسید بن حضیر اور ابوالہثیم اس منصب کے لئے پیش کئے گئے۔

غزوات : عثمان بن مظعون سے کہ بڑے پائے کے مہاجر تھے، رشتہ اخوت قائم ہوا۔ غزوات عہد نبوت میں کسی غزوہ کی شرکت سے محروم نہیں رہے۔

وفات : حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانۂ خلافت ۲۰ھ میں وفات پائی۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ جناب امیر ؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ تھے اور صفین میں ان کی طرف سے لڑ کر شہید ہوئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ واقدی نے صاف تصریح کی ہے کہ صفین میں ان کی شرکت کی خبر بے بنیاد ہے، اس کے ماسوا۔ ۲۰ھ میں فوت ہونے پر زہری، صالح بن کیسان اور حاکم جیسے جلیل القدر محدثین کی روایتیں موجود ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ایک مشکوک اور بے سند روایت کہاں تک قابل اعتبار ٹھہر سکتی ہے۔

فضل وکمال

حدیث کی بعض کتابوں میں چند روایتیں مذکور ہیں۔ لیکن ان کی صحت پر مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"والروایات عن ابی الھیثم کلھا فیھا نظر ولیست تاتی من وجہ یثبت وذلک لتقدم موتہ"[1]

"یعنی ابوالہثیم سے جتنی روایتیں ہیں مشکوک ہیں۔ ایک بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بہت پہلے انتقال کر چکے تھے"۔

اخلاق : حُب رسول ﷺ پر ذیل کا واقعہ شاہد عدل ہے:

ایک روز آنحضرت ﷺ خلافِ معمول باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی پہنچے۔ پوچھا ابوبکر اس وقت کیسے آئے؟ عرض کی حضور کی زیارت کو۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر فاروق ؓ بھی آ گئے۔ ان سے بھی یہی سوال ہوا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) اس وقت بھوک یہاں لائی۔ ارشاد ہوا میں بھی بھوکا ہوں۔ تینوں بزرگ ابوالہثیم ؓ کے یہاں چلے۔

ابوالہیثم ؓ کے پاس کھجور کے باغات اور بکریوں کے ریوڑ تھے، لیکن کوئی نوکر نہ تھا۔ تمام کام خود انجام دیتے تھے۔ اس وقت وہ گھر میں موجود نہ تھے۔ مکان پہنچ کر آواز دی۔ ان کی بیوی نے کہا پانی بھرنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں مشک لئے ہوئے آتے دکھائی دیئے۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۶

آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر مشک رکھ دی اور آپ ﷺ سے لپٹ کر نہایت ذوق وشوق سے کہنے لگے۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ اس کے بعد اپنے باغ میں لے گئے۔ بیٹھنے کے کوئی چیز بچھادی اور خود چھوہاروں کی ایک شاخ کاٹ کر لائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: پکے چھوہارے لائے ہوتے۔ عرض کی، اس میں پکے گدر ہر قسم کے ہیں، جو مرغوب خاطر ہوں آپ اس کو نوش فرمائیں چھوہارے کھانے کے بعد پانی پلایا۔ پانی نہایت صاف اور شیریں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد فرمایا، دیکھو کتنی نعمتیں ہیں۔ سایہ، عمدہ چھوہارے، ٹھنڈا پانی۔ خدا کی قسم ان کا قیامت کے دن سوال ہوگا! ابو الہثیم اپنے معزز مہمانوں کو باغ میں چھوڑ کر مکان میں آئے اور کھانے کا سامان کیا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا، انہوں نے ایک بچہ ذبح کرایا اور اس کو بریاں کر کے حضور کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد پوچھا، تمہارے پاس نوکر ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا، جب میرے پاس قیدی آئیں تو آنا۔ ن اثناء میں دو قیدی آئے۔ ابوالہیثم سے ارشاد ہوا کہ ایک کو پسند کرلو۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی پسند پر چھوڑا۔ آپ ﷺ نے ایک کو اس بناء پر منتخب کیا کہ وہ نماز پڑھتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا۔ غلام کو لے کر گھر آئے اور بیوی سے یہ قول نقل کیا۔

بیوی بھی نہایت سمجھ دار ملی تھیں۔ بولیں فرمانِ نبوی کی تعمیل منظور ہے تو ان کو آزاد کردو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو نہایت مسرور ہوئے اور میاں بیوی دونوں کی مدح فرمائی [1]۔

[1] جامع ترمذی۔ ص ۳۹۱

حضرت اسعدؓ بن زرارہ

نام ونسب :

اسعد نام ہے۔ ابو امامہ کنیت۔ خیر لقب، قبیلۂ خزرج سے تھے اور نجار کے خاندان سے وابستہ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے : اسعدؓ بن زرارہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک ابن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل اگرچہ جزیرہ عرب پورا خطہ کفر وظلمت کا نشیمن تھا، تاہم چند نفوس اپنی فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے[1]۔

اسلام : اسی زمانہ میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن قیس نے جو عتبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ آئے تھے۔ ان سے آنحضرت ﷺ کے حالات بیان کئے۔

انہیں سُن کر ذکوان نے اسعدؓ سے کہا 'دونک! ھذا دینک " یعنی تم کو جس چیز کی تلاش تھی وہ موجود ہے، اب اس کو ختیار کرلو۔ چنانچہ حضرت اسعدؓ اُٹھ کر بارگاہِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے اور توحید کے ساتھ رسالت کا بھی اقرار کیا[2]۔

مکہ سے ایمان واسلام کا جو جذبہ ساتھ لائے تھے، وہ مدینہ آکر ظاہر ہوا۔ چنانچہ اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔

سب سے پہلے ابوالہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا۔ ابوالہیثم بولے کہ تمہارے ساتھ میں بھی آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں[3]۔

اس بناء پر انصار میں جو شخص سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے وہ اسعدؓ بن زرارہؓ ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عقبہ اولیٰ میں ٦ آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ بہر حال عقبہ اولیٰ کے دوسرے سال ١٢ آدمی کے ساتھ مکہ آئے اور تیسرے سال عقبہ کبیرہ کی بیعت میں شرکت کی۔ کہتے ہیں کہ اسعدؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس بیعت میں آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو نجار کا نقیب تجویز فرمایا۔ حضرت سعدؓ نقیبوں میں سن وسال کے لحاظ سے سب سے

---

[1] طبقات۔ جلد ا قسم ا ص ١٤٦ [2] اسد الغابہ جلد ا ص ٧١ [3] طبقات ابن سعد جلد ا قسم ا۔ ص ١٤٦

چھوٹے تھے۔ لیکن اس صغرسنی کے باوجود ایمان شباب پر تھا۔ حرہ بنی بیاضہ میں جس کو نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں۔ باجماعت نماز کا انتظام کیا اور چالیس آدمیوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا[۱]۔

حضرت کعب بن مالکؓ جو اصحاب عقبہ میں تھے، جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت اسعدؓ کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے[۲]۔ کہ اس کار خیر کی بنیاد اسی خیر مجسم کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی۔ سچ ہے "من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة"۔

اسی زمانہ میں انصار سے آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو داعی اسلام بنا کر مدینہ روانہ کیا، تو اسعد بن زرارہ نے ان کو اپنے گھر میں مہمان اُتارا[۳]۔

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد اگرچہ وحی اسلام کا مامن حضرت ابوایوب انصاریؓ کا کاشانہ تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی اُونٹنی اسعدؓ بن زرارہ کی مہمان تھی[۴]۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے لئے جو جگہ تجویز ہوئی تھی، وہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیموں کی ملکیت تھی، جو اسعدؓ بن زرارہ کی نگرانی میں تربیت پاتے تھے[۵]۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے مربی سے زمین کی قیمت دریافت کی تو یتیموں نے عرض کیا کہ ہم صرف خدا سے اس کی قیمت چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ بلا قیمت لینا منظور نہ تھا، اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس کے دام دلوائے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اسعدؓ بن زرارہ نے ان یتیموں کو اپنا ایک باغ جو بنی بیاضہ میں تھا، اس زمین کے معاوضہ میں دیا تھا[۶]۔

وفات: ابھی مسجد نبوی کی عمارت تیار ہو رہی تھی کہ شوال ۱ھ میں پیغام اجل آ گیا۔ حلق میں ایک درد اُٹھا جس کو ذبحہ کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ عیادت کو تشریف لے گئے اور دستِ مبارک سے سر کو داغا۔ لیکن یہ درد پیغام اجل تھا۔ اس لئے رُوح جسم سے پرواز کر گئی۔ آنحضرت ﷺ کو سخت رنج ہوا۔ فرمایا کیا کہوں؟ یہ کیسی بُری موت ہوئی ہے۔ اب یہودیوں کو یہ کہنے کا موقع ہے کہ پیغمبر تھے تو اپنے دوست کو اچھا نہ کر دیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میں قضا کا کیا علاج کر سکتا ہوں۔ یہ واقعہ غزوہ بدر سے قبل کا ہے۔

جنازہ کی نماز آنحضرت ﷺ نے پڑھائی اور بقیع میں لے جا کر دفن کیا۔ کہتے ہیں کہ ہجرت کے بعد یہ پہلی موت تھی۔ یہ بھی خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلی نماز جنازہ انہی کی پڑھی تھی

---

۱ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۷۱ ۲ اصابہ جلد ۱ ص ۳۲ ۳ طبقات جلد ۳ ص ۴۸۳ ۴ طبقات جلد ۱ قسم ۱ ص ۱۶۰ ۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۵۵ ۶ زرقانی جلد ۱ ص ۴۴۴

اور انصار کے خیال کے مطابق بقیع میں سب سے پیشتر دفن ہونے والے مسلمان یہی تھے[1]۔

چونکہ اسعدؓ بنو نجار کے نقیب تھے۔ اس لئے ان کی وفات پر اس خاندان کے چند ارکان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ان کی جگہ پر کسی کو نقیب تجویز فرمایا جائے۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگ میرے ماموں ہو۔ اس لئے میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا نقیب بننا بنو نجار کے لئے ایسا لازوال شرف تھا جس پر وہ ہمیشہ فخر و ناز کیا کرتے تھے[2]۔

اولاد : حضرت اسعدؓ نے دو لڑکیاں چھوڑیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق وصیت کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا ہمیشہ خیال رکھا اور دونوں کو سونے کی بالیاں جن میں موتی جڑے ہوئے تھے پہنائیں[3]۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۳۸ و اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۷۱ [2] اسد الغابہ جلد ۔ ۷۲

[3] اصابہ جلد ۱۔ ص ۳۴

حضرت ابو قیس صرمہ رضؓ

نام ونسب :

صرمہ نام ہے۔ابو قیس کنیت ،سلسلۂ نسب یہ ہے : صرمہ بن ابی انس قیس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

اسلام سے پہلے حضرت سرمہ رضؓ میں چند ایسی باتیں تھیں جنہوں نے ان کو پوری قوم میں معزز بنادیا تھا۔دنیا ترک کی ،راہب بنے ،ٹاٹ پہنا ،بُت پرستی چھوڑی اور جنابت سے غسل کیا۔ان شریف خصلتوں کے بعد نصرانیت کا خیال ہوا تھا۔لیکن فطرت نے خلیل بُت شکن کے آستانے پر پہنچایا اور دین حنفی میں داخل ہوگئے ۔اسلام سے قبل ایک عبادت گاہ بھی بنائی اور فرماتے تھے، " اعبد رب ابراھیم ! میں ابراہیم کے خدا کی پرستش کرتا ہوں[1]۔

اس معبد میں ناپاک مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی[2]۔حضرت صرمہ رضؓ خود بھی ایسے گھروں میں جہاں جنب اور حائضہ عورت ہو نہیں جاتے تھے[3]۔

اسلام : عالم پیری تھا کہ سرزمین یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔انہوں نے نہایت جوش سے خیر مقدم کیا اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔اس مسرت وانبساط کے موقع پر انہوں نے جو اشعار لکھے وہ درج ذیل ہیں۔

ثوی فی قریش بضع عشرة حجة — یذکر لو یلقی صدیقا مو ایتا

ولعرض فی اهل المواسم نفسه — فلم یلق من یومن ولم یر دا عیا

فما اتانا و اطمانت به النوی — و اصبح مسرور ابطیبة راضیا

و اصبح لا یخشی عداوة واحدٍ — قریبا ولا یخشی من الناس باغیا

بذلنا له الا موال من جل مالنا — و انفسنا غدا الوغی و التآسیا

اقول اذ اصلیت فی کل بیعة — خانیک لا تظهر علی الا عادیا[4]

غزوات کی شرکت سے ضعف پیری مانع رہا۔

وفات : ۱۲۰ سال کے سن میں وفات پائی۔ان کے اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

---

۱ اصابہ، جلد۳۔۲۴۲ ۲ اسد الغابہ جلد۹۔ص۷۸ ۳ ایضاً ۴ اصابہ۔جلد۳۔ص۳۴۲

بدالی انی عشت تسعین حجۃ	وعشر اول وما بعدھا ثمانیا
فلم الفھا لما صفت وعدوتھا	بحسبھا فی لدھر الا لیا لیا

فضل وکمال :

حضرت صرمہؓ دورِ جاہلیت کے سعدی تھے۔ان کا موضوع اخلاق تھا۔صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں :

"له اشعار کثیرہ حسان فیھا حکم وصایا"

"یعنی ان کے اشعار حکمت ونصیحت سے لبریز ہیں"۔

چند شعر یہ ہیں :

سبحو اللہ شرف کل صباحٍ	طلعت شمسہ وکل ھلال
عالم السر والبیان لدینا	لیس ما قال ربنا بضلال
یا بنی الارحام لا تقطعو ھا	وصلوھا قصیرۃ من اطوال
واتقوا اللہ فی ضعاف الیتامیٰ	ربما یستحل غیر الحلال
واعلموا ان للیتیم ولیا	عالما یھتدی بغیر السوال
ثم مال الیتیم لا تاکلولا	ان مال الیتیم یدعاہ وال
یا بنی النجوم لا تخذلوھا	ان خذل النجوم ذوعقال
یا بنی الایام لا تامنوھا	واحذروامکرھا مکرا للیال

واجمعوا امرکم علی البر والتقویٰ وترک الحنا واخذ الحلال [1]

حضرت عباسؓ ان کے ہاں جاتے اوران کے شعرلاتے تھے [2]۔

اخلاق : گذشتہ واقعات میں ترک بُت پرستی، اخلاق حسنہ کی طرف سبقت اور رذائل سے اجتناب وتنفر کا تذکرہ ہو چکا ہے۔اس سے حضرت سرمہؓ کی فطری صلاحیت معلوم ہوئی ہوگی۔

ایام جاہلیت میں حق کا قائل ہونا اورخدا کی تعظیم وتقدیس بالکل غیر معمولی بات تھی وہ اپنے اشعار میں اکثر خدا کا تذکرہ کرتے تھے اورعظمت کے ساتھ کرتے تھے۔محمد بن اسحٰق صاحب سیرت کو چند اشعار ملے تھے [3]۔جن کو ہم بھی اس مقام پر نقل کرتے ہیں :

---

[1] استیعاب۔جلد۲۔ص ۷۰۳ [2] اسد الغابہ،جلد۵۔ص ۱۸ [3] ایضاً۔۲۷۸

یقول ابو قیس و اصبح ناصحا	الا ما استطعتم من وصاتی فافعلوا
اوصیکم باللہ و البر و التقیٰ	و اعراضکم و البر باللہ اوّل
وان قومکم سادوا فلا تحسدو نھم	وان کنتم اھل الریاسۃ فاعدادا
وان نزلت احدی الدواھی بقومکم	فانفسکم دون الشعیرہ فاجعلوا
وان یات عزم قادح فارفقو ھم	وما حملوکم فی الملمات فاحملوا
وان انتم املقتم فتعففو ا	وان کان فضل الخیر فیکم فافضلوا

قبول اسلام کے بعد ضعف پیری کے باوجود روزہ رکھتے تھے اور دن بھر کھیت میں کام کرتے تھے۔ ایک روز شام کو مکان پر آئے اور افطار کے لئے کھانا مانگا۔ اس کے آنے میں کچھ دیر ہوئی، یہ محنت سے چور تھے۔ آنکھ لگ گئی۔ ابتدائے اسلام میں قاعدہ تھا کہ افطار کے وقت کوئی سو جائے تو تمام رات تو تمام رات اور دوسرے دن تک روزہ رکھے۔ بیوی نے سوتا دیکھا تو کہا "خیبۃ لک" تم پر افسوس ہے۔ صبح اُٹھے تو سخت نڈھال تھے۔ دن چڑھے غش آ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، پوچھا اوس کیسے ہو؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

"کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَ بْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَ سْوَدِ"[1]

"یعنی تم لوگ طلوع فجر تک کھانا کھا سکتے تھے"۔

اس سہولت کو سن کر تمام لوگ باغ باغ ہو گئے۔

[1] صحیح بخاری۔ جلد ا۔ ص ۲۵۶۔ ۲۵۷

حضرت ابوحمیدؓ ساعدی

نام ونسب :

عبدالرحمٰن نام ہے۔ ابوحمید کنیت۔ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ ساعدہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : عبدالرحمٰن بن سعد بن منذر بن سعد بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج ابن ساعدہ۔ والدہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں۔ ان کا پورا نام یہ ہے : امامہ بنت ثعلبہ بن جبل بن اُمیہ بن عمرو بن حارثہ بن عمرو بن خزرج۔

اسلام : ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا۔

غزوات : احد اور مابعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ وادی القریٰ اور تبوک کی شرکت خود ان کی روایت سے ثابت ہوتی ہے[1]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت یا یزید کے ابتدائی دورِ حکومت میں وفات پائی۔

اولاد : ایک لڑکا چھوڑا۔ منذر نام تھا۔

فضل وکمال :

ان کے سلسلہ سے ۲۶ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ عروہ ابن زبیر، عباس بن سہل، محمد بن عمرو بن عطاء خارجہ، بن ثابت، عبدالملک بن سعید بن سوید، عمرو بن سلیم زرقی، اسحاق بن عبداللہ بن ؟ و، سعید بن منذر (پوتے تھے) عبدالرحمٰن بن سعید جیسے اکابر ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

روایت حدیث میں سخت محتاط تھے۔ ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی تو فرمایا "سمع اذنی بصر عینی وسلوا زید بن ثابت "[2]۔ اس واقعہ کو میرے کانوں نے سُنا اور آنکھوں نے دیکھا، اس کو زید بن ثابت سے پوچھ سکتے ہو۔

اس کا سبب جیسا کہ ابوحمیدؓ کی حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے[3] :

" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفہ قلوبکم و تلین لہ اشعار کم وابشار کم وترون انہ منکم قریب فانا

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۴۲۴ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۴۲۴ [3] ایضاً۔

اولا کم بہ واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم و تنفر منہ اشعار کم و ابشار کم و ترون انہ منکم بعید فانا ابعد کم منہ "۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جب تم کسی سے میری کوئی حدیث سنو تو یہ دیکھو تمہارا دل کیا گواہی دیتا ہے۔ اگر دل بول اُٹھے، نفس نرم ہو جائے اور عقل صحیح سمجھے تو میرا کلام ہونے میں کچھ شک نہیں، اور اگر دل کراہیت کرے، طبیعت متنفر ہو اور بعید از قیاس معلوم ہو تو میرا قول ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

یہ حدیث درحقیقت احادیث کے پرکھنے کی اور جانچنے کی کسوٹی ہے۔ شارع علیہ السلام کا ہر ہر لفظ احکام، اسرار شریعت، مصالح عامہ تزکیۂ باطن اور اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ اس بنا پر جو حدیث ان اوصاف سے خالی ہو، اس کے جعلی اور موضوع ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ صحابہ میں فن درایت اس کی بدولت پیدا ہوا تھا۔

اخلاق : ان کے تمام اوصاف میں خدمت رسول اللہ ﷺ زیادہ نمایاں ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت کی خدمت میں خالص دودھ جس کو خوب سرد کیا تھا، پیالہ میں لے آئے۔ لیکن کھلا لائے تھے۔ ارشاد ہوا، اس کو ڈھانپ کے لاتے خواہ لکڑی ہی رکھ کر[1]۔

آنحضرت ﷺ کی نماز اچھی طرح محفوظ رکھی تھی۔ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں (جن کی تعداد مسند میں دس ہے، اور ابو قتادہؓ کے بھی وہاں موجود ہونے کا تذکرہ ہے) انہوں نے کہا " انا احفظکم بصلاۃ رسول اللہ " یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے[2]۔

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۴۲۵ [2] ایضاً و بخاری باب سنۃ الجلوس فی التشہد۔ جلد ۱

حضرت اُصَیرِم رضؓ

نام ونسب :

عمرو نام ہے۔ اُصیرِم لقب ہے۔ قبیلہ اوس سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عمرو بن ثابت، بن وقش بن زغبہ بن زعورا بن عبداللہ۔ والدہ کا نام لیلیٰ بنت یمان تھا۔ حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی کی ہمشیرہ تھیں۔

اسلام : اسلام سے برگشتہ تھے۔ ان کے قبیلے کے تمام زن ومرد حضرت سعدؓ بن معاذ کے اشارے سے مسلمان ہو گئے تھے، لیکن یہ اپنے اسی قدیم مذہب پر قائم تھے۔

لیکن غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ نے میدان کی تیاریاں کیں، تو ان کے دل میں یکا یک حق وصداقت کا جوش پیدا ہوا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایام جاہلیت میں ان کا سودی لین دین تھا اور قرضداروں کے ذمہ قرض بہت باقی تھا۔ یہ اپنا روپیہ وصول کر کے مسلمان ہونا چاہتے تھے، کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی۔ احد کے موقع پر غالباً روپیہ وصول ہو چکا تھا، اس لئے مسلمان ہونے کا عزم بالجزم کر لیا۔

احد کی روانگی کے وقت تمام صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ جن میں اُصیرِم کے خاندان عبدالاشہل کے لوگ بھی تھے۔ اُصیرِم اپنے محلّہ میں ہر طرف سناٹا دیکھ کر گھر آئے۔ پوچھا، میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا، احد۔ گو اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ تاہم زرہ اور خود پہنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر پوچھا، لڑوں یا مسلمان ہوں؟ ارشار ہوا، دونوں کام کرو۔ پہلے مسلمان ہو، پھر لڑائی میں شرکت کرو۔ عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی، ایسی صورت میں اگر مارا گیا تو کیا میرے لئے بہتر ہوگا۔ فرمایا : ''ہاں'' ! چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

احد کی شرکت اور شہادت :

تلوار لے کر میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو اس کا بالکل علم نہ تھا۔ ان کو دیکھ کر کہا تم یہاں سے واپس جاؤ۔ جواب دیا کہ میں بھی مسلمان ہوں۔

لڑائی شروع ہوئی تو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور کفار کی صف میں کھڑے بہت سے زخم کھائے۔ زخم اتنے کاری تھے کہ اُٹھنے کی بھی تاب نہ تھی۔ قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اُصیرم ؓ بھی مردوں میں پڑے ہیں۔ ابھی تک کچھ کچھ سانس آرہی تھی۔ پوچھا تم کہاں؟ شاید قومی حمیت یہاں کھینچ لائی۔ بولے نہیں۔ میں مسلمان ہو کر خدا اور رسول کی طرف سے شریک ہوا ہوں۔

میدان سے اُٹھا کر گھر لائے گئے۔ تمام خاندان میں یہ خبر مشہور ہوگئی۔ قبیلہ شہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے سنا تو ان کے گھر تشریف لائے اور ان کی بہن سے واقعہ دریافت کیا۔ ابھی یہ مجمع منتشر نہ ہوا تھا کہ رُوح مطہر جسم سے پرواز کر گئی۔

آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا: "عَمِلاً قَلِيلاً وَاجْراً كَثِيراً" بعض روایتوں میں ہے کہ "انه لمن اهل الجنة "یعنی" اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا، وہ یقیناً جنتی ہے"۔

چونکہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کے یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ اپنے شاگردوں سے دریافت فرماتے کہ کوئی ایسا شخص بتاؤ، جس نے ایک وقت کی بھی نماز نہ پڑھی ہو اور سیدھا جنت میں داخل ہوگیا ہو۔ جب لوگ جواب نہ دیتے تو فرماتے اُصیرم ؓ عبد الاشهل [1]

---

[1] دیکھو صحیح بخاری وکتب رجال۔ یہ واقعہ ابوداؤد، مسلم، نسائی، حاکم سب میں منقول ہے۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

عمرو نام ہے۔ ابوزید کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : عمرو بن اخطب بن رفاعہ بن محمود ابن یسیر بن عبداللہ بن صیف بن لعمیر بن عدی بن ثعلبہ بن عامرو بن عامر ماءالسماء۔ اگرچہ عدی ابن ثعلبہ کی اولاد تھے مگر اس کے برادر خزرج کی نسل سے مشہور ہوئے اور عرب میں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[1] :

"کثیر اما تفعل العرب هذا تنسب ولد الاخ الیٰ عمهم لشهرته"۔

"عرب میں بسا اوقات چچا کے مشہور ہونے کی وجہ سے بھتیجا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا ہے"۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : ۱۳ غزوات میں شرکت کی[2]۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی : بشیر اور عزرہ بن ثابت محدث کی والدہ۔

حُلیہ : حلیہ یہ تھا : خوبصورت اور میانہ رو تھے لنگڑا کر چلتے تھے۔

فضل وکمال :

چند حدیثیں روایت کیں، جو صحیح مسلم اور سنن میں موجود ہیں۔ راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں : علباً بن احمر لشکری، حسن بن ابی الحسن البصری، ابونہیک ازدی، انس بن سیرین، ابوالخلیل، تمیم بن حویص، سعید بن قطن، ابوقلابہ، عمرو بن بجدان، حسن بن محمد عبدس، تمیم بن مریض۔

اخلاق : حُبِ رسول علانیہ نمایاں تھی۔ آنحضرت ﷺ بھی اُن سے محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جسد اطہر سے کُرتا اُٹھا کر فرمایا، یہاں آؤ اور میری پیٹھ چھوؤ۔ ہاتھ پیٹھ سے نبوت پر پہنچا اور اس کو اچھی طرح دیکھا[3]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۰۴ [2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۴۰ [3] مسند۔ جلد ۵۔ ۳۴۰

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے پانی مانگا، پیالہ میں بال پڑا تھا۔ انہوں نے جلدی سے نکالا، آنحضرت ﷺ نہایت خوش ہوئے۔ سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا خدایا اس کو صاحب جمال کر[1]۔ جن لوگوں نے ان کو ۹۳۔۹۴ سال کے سن میں دیکھا، بیان کرتے ہیں کہ سر اور داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ ہوا تھا[2]۔ وفات کے وقت جب ۱۲۰ سال کی عمر تھی، سر کے بال سفید ہو گئے تھے[3]۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۴۰۔۳۴۱ [2] ایضاً۔ ص ۳۴۱ [3] ایضاً

حضرت ابوعمرہؓ

نام ونسب :

بشیر نام ہے۔ ابوعمرہ کنیت۔ قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : بشیر بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام کبشہ بنت ثابت تھا۔ قبیلۂ نجار سے تھیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہمشیرہ تھیں۔

اسلام : بیعت عقبہ میں مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات : بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ بدر یا احد میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فی کس ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے مرحمت فرمائے۔

معرکۂ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ ایک روایت ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ درہم سے اعانت بھی کی تھی[1]۔

وفات : میدان میں پہنچے تو باایں ہمہ پیرانہ سالی ۳ تیر چلائے اور پھر خود روزہ کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

اولاد : دو لڑکے چھوڑے۔ بیوی کا نام معلوم نہیں۔ مقوم بن عبدالمطلب کہ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، ان کی بیٹی تھیں[2]۔

---

[1] تہذیب، جلد ۱۲۔ ص ۱۸۶ [2] اصابہ۔ ص ۱۳۸

حضرت اوس بن خولیؓ

نام ونسب :

اوس نام ہے۔ ابو لیلیٰ کنیت۔ قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : اوس بن خولی ابن عبداللہ بن حارث بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج بن الحارث ابن الخزرج۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات: شجاع بن وہب اسدی سے مواخاۃ ہوئی۔ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ابن ابی الحقیق یہودی کے قتل کو جو سریہ گیا تھا، اس میں بعض کے خیال کے مطابق یہ بھی شامل تھے[1]۔

عمرۃ القضا میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ چونکہ آپ کو قریش سے قریب کا خوف تھا، اس لئے مرالظہران میں ٹھہر کر، اوس کو دوسو آدمیوں کے ساتھ بطن یاجج کی طرف روانہ کیا۔ اوس ذی طوی پہنچ کر مقیم ہوئے[2]۔

آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو گھر کے اندر حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، فضل، قثم اور سقران کے سوا کوئی نہ تھا۔ صحابہ میں ہر شخص اندر جانے کا متمنی تھا۔ لیکن ان بزرگوں نے ہجوم کے خوف سے دروازے بند کر لئے تھے۔ انصار نے متفقاً آواز دی کہ ہم آنحضرت ﷺ کے نانہالی اعزہ ہیں اور ہمارا اسلام میں جو رُتبہ ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ ادھر اوس بن خولیؓ نے حضرت علیؓ کو اپنے بُلانے کے لئے قسم دی۔ آپ نے فرمایا، ایک شخص جس کو سب منتخب کر لیں، اندر آ سکتا ہے۔ سب نے اس پر اتفاق کیا۔ اس وقت دروازہ کھلا اور اندر جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن اس کے بعد اُٹھے اور پانی پہنچانے کی خدمت انجام دی۔ قوی آدمی تھے، ایک ہاتھ سے گھڑا اُٹھا کر لاتے تھے[3]۔

دفن کے وقت اہلِ بیعت کے ساتھ اوس بن خولیؓ بھی لحد میں اُترے[4]۔

وفات : حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔ یہ ان کے محاصرہ سے قبل کا واقعہ ہے[5]۔

فضل وکمال : شہسواری، کتابت اور تیرنا خوب جانتے تھے۔ جو شخص عرب میں ان چیزوں کا ماہر ہوتا تھا، اس کو کامل کہتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ ان کے متعلق لکھتے ہیں، "کان من الکملۃ" کاملین میں تھے۔

۱۔ اصابہ جلد ۱۔ ص ۸۵ ۲۔ ایضاً وطبقات ابن سعد جلد ۲۔ قسم ۱۔ ص ۸۸ ۳۔ طبقات جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۶۱، ۶۲، ۶۳ ۴۔ ایضاً۔ ص ۷۶ ۵۔ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۱۴۵

حضرت ابوعبسؓ بن جبیر

نام ونسب :

عبدالرحمٰن نام ہے ۔ ابوعبس کنیت ۔ قبیلۂ اوس کے خاندانِ حارثہ سے ہیں ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے ۔ عبدالرحمٰن بن جبیر بن عمرو بن زید بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ۔ (جاہلیت میں عبدالعزی نام تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا)۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے اور ابوبردہؓ کو ہمراہ لے کر بنو حارثہ کے بُت توڑے[1]۔ خنیس بن حذافہ سے برادری قائم ہوئی۔

غزوات : تمام غزوات میں شریک ہوئے غزوۂ بدر میں ۴۸ سال کا سن تھا۔

بنونضیر میں کعب بن اشرف ایک یہودی تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان سب اس سے پریشان تھے۔ اس لئے انصار کی ایک جماعت اس کے قتل کے لئے آمادہ ہوئی۔ حضرت ابوعبسؓ بھی ان میں شامل تھے۔

وفات : ۳۴ھ میں انتقال ہوا۔ بیماری میں حضرت عثمان غنیؓ عیادت کو تشریف لائے[2]۔ لیکن مرض اور پیری نے جانبر نہ ہونے دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں لے جا کر دفن کیا۔ ابوبردہ بن نیار، محمد بن مسلمہ، قتادہ بن نعمان، سلمہ بن سلامہ بن وقش جیسے اکابر قبر میں اُترے۔ وفات کے وقت عام روایت کے مطابق ہفتاد سالہ تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اُوپر گذر چکا ہے کہ بدر میں ۴۸ برس کا سن تھا۔ اس لئے اُن کی عمر ۸۰ سال قرار پائی ہے۔ استیعاب کے ایک نسخہ میں ۷۰ کے بجائے ۹۰ مذکور ہے[3]۔

اولاد : محمد اور زید، دو لڑکے چھوڑے۔

حُلیہ : آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں آنکھ جاتی رہی تھی۔ آپ نے ان کو ایک عصا دیا تھا کہ اس کو لے چلنے میں روشنی معلوم ہوگی۔ ضعیفی میں جب بال سفید ہو گئے تو مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

---

[1] استیعاب جلد۲۔ص ۶۹۰ [2] اسد الغابہ جلد۳۔ص ۲۸۳ [3]

فضل وکمال:

ایام جاہلیت ہی میں علم کا شوق تھا۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں: "كان يكتب بالعربي قبل الاسلام"[۱] اسلام سے قبل وہ عربی لکھ لیتے تھے۔

مسلمان ہوکر قرآن وحدیث سیکھی۔ ۵۰ حدیثیں ان کے سلسلے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جن کے روایت کرنے والے رافع بن خدیج رض کے پوتے عبایہ ہیں۔

استیعاب جلد ۲۔ ص ۶۹۰ ۔ [۲] اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۸۳

حضرت ابوزیدؓ

نام ونسب :

قیس نام ہے۔ ابوزید کنیت۔ قاری لقب، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :

قیس بن السکن بن قیس بن زعورا بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے چچا ہوتے تھے۔

غزوات : غزوۂ بدر میں شریک تھے۔

وفات : خلافت فاروقی میں جسر ابوعبید کے معرکہ میں شہادت پائی۔ یہ ۱۵ھ کی اخیر تاریخوں کا واقعہ ہے۔

اولاد : کوئی صلبی یادگار نہ تھی۔ اس لئے حضرت انسؓ کو ترکہ پہنچا[1]۔

فضل وکمال :

معنوی یادگاریں بہت ہیں اور لاکھوں سے متجاوز ہیں۔ حضرت ابوزیدؓ انصار کے اُن چار حفاظ میں ہیں، جنہوں نے آنحضرتﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کرلیا تھا[2]۔ اس بنا پر آج جس قدر حافظ موجود ہیں، ان کا سلسلۂ روایت ان بزرگوار تک منتہی ہوتا ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۵۔ ص ۲۵۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۷۴۸ کتاب مذکور۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۸

حضرت ابواسید رضؓ ساعدی

نام ونسب :

مالک نام ہے۔ ابواسید کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : مالک بن ربیعہ ابن بدن عامر بن عوف بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ بدر کی شرکت صحیح بخاری میں مذکور ہے[1]۔ فتح مکہ میں بنوساعدہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا۔

وفات : ۶۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا۔ بدریین میں وہ سب سے اخیر میں فوت ہوئے۔ اس وقت عمر شریف ۷۸ سال تھی۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی : حمید، زبیر، منذر، حمزہ۔ ان کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت رکھتی تھی۔

حُلیہ : حُلیہ یہ تھا : قد کوتاہ، بال گھنے، سر اور داڑھی سفید، کبھی خضاب بھی لگاتے تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں آنکھ جاتی رہی تھی۔

فضل وکمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں۔ راویوں میں اصحاب ذیل داخل ہیں ؛ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سہل بن سعدؓ، عباس بن سہل، علی بن عبید، ابوسعید، ابوسلمہ، عبدالملک بن سعید، ابن سوید، ابراہیم بن سلمہ بن طلحہ، قرہ بن ابی قرہ، یزید بن زیاد۔

حضرت براءؓ بن مالک

نام ونسب :

براءنام ہے۔ حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے علاتی بھائی ہیں۔ ماں کا نام سحاء تھا۔ بعض لوگوں نے ان کو حضرت انسؓ کا حقیقی بھائی قرار دیا ہے، جو صحیح نہیں۔ حضرت اُم سلیمؓ کی جس قدر اولادیں پیدا ہوئیں، رجال کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اس میں براءؓ کا کہیں نام نہیں۔

اسلام : انصار مدینہ کے سر برآوردہ اشخاص تو مکہ جا جا کر مسلمان ہو چکے تھے۔ عام طبقہ ہجرت نبوی سے پیشتر اور بعد تک حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا رہا۔ حضرت براءؓ بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں گے۔

غزوات : غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے۔ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔ جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) سے ہوئی تھی۔ نہایت نمایاں حصہ لیا۔ حضرت خالدؓ سردار لشکر تھے۔ براءؓ نے کہا کہ تم اُٹھو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور حمد وثناء کے بعد مسلمانوں سے کہا :

''مدینہ والو! آج مدینہ کا خیال دل سے نکال دو، آج تم کو صرف خدا اور جنت کا خیال رکھنا چاہئے''۔ اس تقریر سے تمام لشکر میں جوش کی ایک لہر پیدا ہوگئی اور لوگ گھوڑوں پر چڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ ہو گئے۔

ایک سردار سے براء کا مقابلہ ہوا۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ انہوں نے اس کے پاؤں پر تلوار ماری۔ وار اگر چہ خالی گیا تھا لیکن وہ ڈگمگا کر چت گرا۔ انہوں نے اپنی تلوار میان میں رکھی اور لپک کر اس کی تلوار چھین لی اور ایسا صاف ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔

اس کے بعد برق وباد کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے اور ان کو دھکیل کر باغ کی دیوار تک ہٹا دیا۔ باغ میں مسیلمہ موجود تھا۔ اہلِ یمامہ اپنے پیغمبر کے لئے ایک آخری لڑائی لڑے، لیکن حقیقی جوش مصنوعی جوش پر غالب رہا۔ حضرت براءؓ نے مسلمانوں سے کہا، ''لوگو! مجھ کو دشمن کے لشکر میں پھینک دو''۔ وہاں پہنچ کر ایک فیصلہ کن جنگ کی اور باغ کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے۔ حامیان مسیلمہ آمادہ کارزار ہوئے۔ انہوں نے موقع پا کر جلدی سے دروازہ کھول دیا، اور اسلامی لشکر فاتحانہ باغ میں داخل ہو گیا اور مسیلمہ کذاب کی جماعت کو شکست فاش ہوئی۔

اس جانبازی سے بدن چھلنی ہوگیا تھا۔ ۸۰۰ سے زائد تیر اور نیزے کے زخم لگے تھے۔ سواری پر خیمہ میں لائے گئے۔ ایک مہینہ تک علاج ہوتا رہا، اس کے بعد شفا پائی۔ حضرت خالدؓ علالت کے پورے زمانہ تک ان کے ہمراہ رہے۔

حریق کے معرکہ میں جو عراق میں ہوا تھا۔ نہایت جانبازی دکھائی۔ شہر کے ایک قلعہ پر حملہ کرنا تھا۔ دشمنوں نے آگ میں تپتی ہوئی کانٹے دار زنجیر دیوار پر ڈال رکھی تھیں۔ جب کوئی مسلمان دیوار کے قریب پہنچتا تو اس زنجیر کے ذریعہ اُوپر اُٹھا لیتے تھے۔

حضرت انسؓ دیوار پر چڑھنے کے لئے پہنچے، تو قلعہ والوں نے ان کو بھی زنجیر سے اُٹھانا چاہا، وہ اُوپر کھینچ رہے تھے کہ براءؓ کی نظر پڑگئی، فوراً دیوار کے پاس آئے اور زنجیر کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ اُوپر کی رسی ٹوٹ گئی اور حضرت انسؓ نیچے گرے۔ زنجیر پکڑنے سے حضرت براءؓ کے ہاتھ کا تمام گوشت نُچ گیا تھا اور ہڈیاں نکل آئی تھیں۔

تستر (فارس) کے معرکہ میں وہ میمنہ کے افسر تھے۔ انہوں نے تنہا ۱۰۰ آدمی قتل کئے اور جو شرکت میں مارے گئے ان کا حد وشمار نہیں۔

وفات: ہنوز یہ معرکہ جاری تھا اور قلعہ فتح نہ ہوا تھا کہ ایک دن حضرت انسؓ ان کے پاس گئے۔ وہ گانے میں مشغول تھے، کہا کہ خدا نے آپ کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائی ہے، (یعنی قرآن)۔ اس کو لحن سے پڑھئے۔ فرمایا شاید آپ کو یہ خوف ہے کہ کہیں بستر پر میرا دم نہ نکل جائے، لیکن خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں جب مروں گا تو میدانِ جنگ میں مروں گا۔

آنحضرت ﷺ نے ان کے متعلق ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ "بہت سے پراگندہ مو، غبار آلود، جن کی لوگوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، جب خدا سے قسم کھا بیٹھتے ہیں تو وہ ان کی قسم کو پورا کردیتا ہے۔ اور براء بھی انہی لوگوں میں ہیں"۔ اس بنا پر مسلمانوں کو تستر میں جب ہزیمت ہوئی تو ان کے پاس آئے کہ آج ہے قسم کھا یئے۔ فرمایا "اے خدا میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح دے اور مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف فرما"۔

اس کے بعد فوج لے کر خود حملہ کیا۔ زرارہ کا مرزبان کہ سلطنت فارس کے چیدہ امراء میں تھا، مقابلہ پر آیا۔ انہوں نے اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کرلیا اور نہایت جوش سے مارتے دھاڑتے پھاٹک تک پہنچے۔ عین پھاٹک پر ہرمزان کا سامنا ہوا، دونوں میں پُر زور مقابلہ ہوا۔ اور حضرت براءؓ شہید ہوئے، لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ یہ ۲۰ ھ کا واقعہ ہے۔

فضل وکمال :

حضرت براءؓ آنحضرت ﷺ کے مخصوص صحابہ میں تھے۔ وہ برسوں بساطِ نبوت کے حاشیہ نشین رہے۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں سُنی ہوں گی۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ ان کی روایت کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ مصنف استیعاب لکھتے ہیں :

"كان البراء بن مالك احد الفضلاء"۔ براء فضلاً صحابہ میں تھے۔
(استیعاب ص ۵۷)

شاید جہاد کی مصروفیت بیان کرنے سے مانع رہی ہو۔

اخلاق وعادات :

انتہا درجہ کے جری اور بہادر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اسی وجہ سے ان کو کسی فوج کا افسر نہیں بناتے تھے۔ اور افسران کو لکھتے کہ خبردار! براءؓ کو امیر نہ بنانا، وہ آدمی نہیں بلا ہیں، سامنے ہی جائیں گے۔

گانے کا بہت شوق تھا اور آواز اچھی پائی تھی۔ ایک سفر میں رجز پڑھ رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ذرا عورتوں کا خیال کرو۔ اس پر انہوں نے سکوت اختیار کرلیا۔

حضرت براءؓ بن عازب

نام ونسب :

براء نام ہے۔ابوعمارہ کنیت،خاندان حارثہ سے ہیں۔نسب یہ ہے : براء بن عازب ابن حارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک اوس۔ننھیال کی طرف سے حضرت ابو بردہؓ بن نیار جوغزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور قبیلۂ بلی سے تھے[1]۔ ان کے ماموں تھے[2]۔پیشتر وہ اپنی سسرال کے حلیف بھی بن چکے تھے۔

حضرت براءؓ کے والد (عازب) صحابی تھے۔صحیحین میں ان کا یہ واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے اُونٹ کا پالان خریدا،اور کہا اس کو اپنے بیٹے سے اُٹھوا کر میرے ساتھ بھیجئے۔جواب دیا،پہلے ہجرت کا قصہ سنایئے[3]،پھر آپ جاسکتے ہیں۔

اسلام : مدینہ میں دعوت اسلام عام ہو چکی تھی۔ماموں عقبہ میں بیعت کر چکے تھے باپ نے بھی توحید ورسالت کا اقرار کرلیا تھا،بیٹے نے ان ہی دونوں خاندانوں میں تربیت پائی تھی۔

غزوات ودیگر حالات :

قبول اسلام کے بعد احکام ومسائل کے سیکھنے میں مصروف ہوئے،مصعب بن عمیرؓ اور ابن مکتوب کی درس گاہ کتاب وسنت کا مرکز بنی ہوئی تھی،انہوں نے وہیں تعلیم پائی،پہلے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا،آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو **سبح اسم ربک الاعلیٰ** کی سورۃ زیردرس تھی[4]۔

غزوہ بدر میں اگر کمسن تھے تاہم جوش ایمان عین شباب پر تھا،رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے،آپ نے لڑائی کے ناقابل سمجھ کر واپس کردیا[5]۔

غزوۂ احد میں پندرہ سال کی عمر میں لڑائی میں شریک ہوئے[6]۔خندق[7]،حدیبیہ[8]،خیبر[9]، میں بھی شرف شرکت حاصل تھی۔

غزوۂ حنین میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا،ایک شخص نے پوچھا حنین میں تم بھاگ گئے تھے؟

---

1. اصابہ حالات ابو بردہ
2. مسند۔جلد۴۔ص ۲۸۲
3. صحیح بخاری جلد ا۔ص ۵۵۷
4. ایضاً۔جلد ا۔ص ۵۵۸
5. صحیح بخاری جلد ا۔ص ۵۶۴
6. ایضاً۔ص ۵۷۹
7. ایضاً۔ص ۵۸۹
8. ایضاً۔ص ۲۱۰
9. ایضاً۔ص ۶۰۷

فرمایا بہر حال میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری۔ جلد باز لوگ البتہ دور تک پھیل گئے تھے[1]۔

اس روایت سے لوگوں نے براءؓ کے عدم فرار پر استدلال کیا ہے کہ بھاگنے کی صورت میں وہ ان واقعات کو دیکھ نہ سکتے تھے، جن کے بچشم خود دیکھنے کے مدعی ہیں۔

غزوۂ طائف کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو کچھ لوگوں کے ہمراہ یمن روانہ کیا۔ حضرت براءؓ بھی ساتھ تھے۔ ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اصحاب خالدؓ میں جو لوگ وہاں رہنا چاہیں، تمہارے ساتھ رہ سکتے ہیں اور جو آنا چاہتے ہوں وہ مدینہ چلے آئیں۔ حضرت براء یمن میں ٹھہر گئے اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا[2]۔

غرض عہد نبوت کے وہ غزوات جن میں آنحضرت ﷺ کی بہ نفس نفیس شرکت تھی، ان میں سے ۱۵ میں شرف شمولیت حاصل کیا[3]۔ غزوات کے ساتھ اگر دیگر واقعات بھی ملا دیئے جائیں تو آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کی تعداد ۱۸ ہو جاتی ہے[4]۔

۲۴ھ (خلافت فاروقی) میں رے فتح کیا۔ غزوۂ تستر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ تھے اور جناب امیرؓ کے عہدِ خلافت میں جو لڑائیاں ہوئیں۔ سب میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے۔

کوفہ میں ایک مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔

وفات : ۷۲ھ میں مصعب بن زبیر امیر کوفہ تھے۔ کوفہ میں انتقال فرمایا۔

اولاد : حسبِ ذیل چھوڑی : ۱۔عبید ۲۔ربیع ۳۔لوط ۴۔سوید ۵۔یزید۔ ان میں سے موخر الذکر عمان کے امیر تھے[5]۔ سوید کے حالات میں صاحب طبقات نے لکھا ہے عمان کے بہترین امیر ثابت ہوئے تھے[6]۔ ممکن ہے کہ یزید اور سوید دونوں عمان کے امیر مقرر ہوئے ہوں۔

سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ سونا مردوں کے لئے شرعاً حرام ہے۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔ فرمایا، پہلے واقعہ سن لو۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا، صرف یہ انگوٹھی رہ گئی، ادھر اُدھر دیکھا، پھر مجھ کو بلا کر فرمایا "تو" اس کو پہنو "خدا اور رسول نے تم کو پہنائی ہے"۔ اب تم ہی بتاؤ، جو چیز اللہ اور رسول نے مجھے پہنائی ہو، اس کو کیونکر اُتار کر پھینکوں[7]۔

---

[1] ایضاً ص ۶۱۷۔ [2] ص ۶۲۳۔ [3] مسند جلد ۴۔ ص ۲۹۲۔ [4] ایضاً ص ۲۹۲۔
[5] مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۸۔ [6] ابن سعد جلد ۶۔ ص ۲۰۷۔ [7] ایضاً ص ۲۹۴

فضل وکمالات :

فضلاء صحابہ میں تھے۔ حدیث کے نشر واشاعت میں خاص اہتمام تھا۔ ان کے سلسلہ سے جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں، ان کی تعداد ۳۰۵ ہے۔ ان میں سے ۲۲ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

روایت حدیث میں خاص احتیاط رکھتے تھے اور اس کی تعلیم خود آنحضرت ﷺ سے پائی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک دعا بتائی اور خود سنا کر ان سے پڑھوایا انہوں نے "برسولک" پڑھا۔ آنحضرت ﷺ نے "بنبیک" بتایا تھا۔ فرمایا نہیں "بنبیک"[1]

اس کا یہ اثر تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان نزاکتوں کا پورا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنی روایتوں کی نوعیت بیان کی۔ فرمایا :

''ما کل الحدیث سمعناه من رسول اللہ کان یحدثنا اصحابنا عنه کانت شغلنا عند رعیة الابل''[2]

''یعنی جتنی حدیثیں میں بیان کروں، ضروری نہیں کہ سب رسول اللہ ﷺ سے سُنی بھی ہوں۔ ہم اُونٹ چرایا کرتے تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے پاس ہر وقت حاضر نہ رہ سکتے تھے۔ بہت حدیثیں میں صحابہ سے روایت کرتا ہوں۔

جن صحابہ سے حدیث کی وہ اپنے طبقہ کے سر برآوردہ تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوایوبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عازبؓ۔

جن لوگوں کو تلمذ کا فخر حاصل تھا، وہ اکابر تابعین سے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ، عدی بن ثابت، ابو اسحاق، معاویہ بن سوید بن مقرن، ابوبردہ، ابوبکر پسران، ابوموسیٰ اشعری وغیرہ۔

بسا اوقات حدیث کی مجلس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ابوجحیفہ اور عبداللہ ابن زید خطمی تو راویوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی صحابہ آتے تھے۔ ایک روز کعب بن عجرہ چند صحابہ کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لائے تھے[3]۔

مجلس میں مختلف قسم کے شکوک پیش ہوتے تھے۔ بعض آیات قرآنی پر شبہ وارد کرتے تھے۔ بعض مسائل فقہ دریافت کرتے تھے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ " لا تلقوا بایدیکم الی التهلكة " (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) مشرکین پر حملہ کرنا داخل ہے یا نہیں؟ فرمایا کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کو

---

[1] ایضاً۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۳۔ [2] ایضاً۔ ص ۲۹۳۔ [3] مسند۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۲۔

جہاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا: "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک" (خدا کی راہ میں لڑائی کرو، تم صرف اپنے نفس کے مکلّف ہو) تم نے جو آیت پیش کی، خرچ کے بارے میں ہے[1]۔ یعنی یہ نہ سمجھو کہ راہ خدا میں صرف کرنے سے ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ایسا سمجھنا ہلاکت ہے۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن مطعم (ابومنہال) کے ساتھی نے بازار میں کچھ درہم ایک مدت معینہ تک کے لئے فروخت کئے، عبدالرحمٰن نے کہا یہ جائز بھی ہے؟ بولا ہاں، میں نے اس سے پہلے بھی بیچے ہیں لیکن کسی نے برا نہ کہا' یہ براء بن عازب کے پاس گئے اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ہم لوگ اسی طرح خرید وفروخت کرتے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ہاتھوں ہاتھ ہو اس میں مضائقہ نہیں لیکن ادھار نا جائز ہے۔ مزید اطمینان کے لئے زید بن ارقم سے جا کر پوچھو وہ ہم سب میں بڑے تاجر تھے۔ عبدالرحمٰن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے' انہوں نے براءؓ کی تائید کی[2]۔

اخلاق و عادات: اخلاق و عادات میں اتباع سنت۔ حُب رسول ﷺ، انکسار و تواضع نمایاں ہیں اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ نماز کیا ایک ایک چیز رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھی، ایک روز گھر والوں کو جمع کر کے کہا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے، آج تم کو دکھا دوں، خدا معلوم میری زندگی کب تک رہے اور وضو کر کے ظہر کی نماز باجماعت پڑھی، پھر عصر، مغرب، عشاء سب اسی طرح پڑھائیں[3]۔

ایک روز آنحضرت ﷺ کے سجدہ کی نقل کر کے بتائی[4]۔

ایک مرتبہ ابوداؤد ملاقات کو آئے تو انہوں نے خود سلام کیا، اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خوب ہنسے، پھر فرمایا جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ آنحضرت ﷺ نے میرے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جب وہ مسلمان اس طرح ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت کی جاتی ہے[5]۔

صف نماز میں داہنی طرف کھڑے ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لئے حضرت براءؓ داہنی طرف کھڑا ہونا پسند کرتے تھے[6]۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت جان ومال سے زیادہ تھی اور اس کا اثر ہر بات پر نمایاں تھا،

۱۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۱۔ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ۳۔ مسند جلد ۴۔ ص ۴۸۔ ۴۔ ایضاً ص ۳۰۳۔
۵۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۸۹۔ ۶۔ ایضاً ص ۳۰۴۔

آنحضرت ﷺ کا حلیہ بیان کرتے تو ہر لفظ محبت کے آب حیات میں ڈوبا ہوا نکلتا، فرماتے کہ آنحضرت ﷺ سب آدمیوں سے خوبصورت تھے میں نے سرخ چادر اوڑھے دیکھا تھا۔ جتنی آپ پر کھلتی تھی کسی پر نہ کھلتی تھی[1]۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ (چمک میں) تلوار کے مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کے مانند تھا[2]۔

انکسار تواضع کا یہ حال تھا کہ گو آپ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن اپنے کو نہایت ناچیز سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ خوش بختی مبارک ہو! آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور بیعت الرضوان میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔ فرمایا، برادرزادے! تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہم نے کیا کیا[3]۔

---

[1] بخاری جلد ۱۔ص ۵۰۲ [2] ایضاً۔ [3] صحیح بخاری جلد ۱۔ص ۵۹۹

حضرت براء بن معرورؓ

نام ونسب :

براء نام ہے۔ ابو بشر کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

براء بن معرور بن صخر بن سابق بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد ابن علی بن اسد بن سارده بن حنبل بن خزرج۔

والدہ کا نام رباب تھا اور حضرت سعد بن معاذ سردار اوس کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ حضرت براءؓ اپنے قبیلہ کے رئیس اور سردار تھے۔ جبل ونخل، مسجد خربہ اور چند قلعے ان کی ملکیت تھے۔

اسلام : عقبہ کبیرہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ عقبہ اولیٰ میں بیعت کی تھی[1] لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس روایت کے نقل کرنے والے صرف محمد بن اسحاق ہیں۔ باقی اصحاب سیرت اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔

جس زمانہ میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا اور مسلمان اسی کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ لیکن براءؓ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کہ میں اس کی طرف پشت نہیں کرنا چاہتا۔ اس بنا پر جب عقبہ ثانیہ کی شرکت کے لئے مکہ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ سے استفسار کیا کہ یا نبی اللہ نے مجھ کو اسلام کی ہدایت دی اور میں سفر کر کے یہاں آیا ہوں، میری خواہش ہے کہ نماز میں کعبہ کی طرف پشت کر کے نہ پڑھوں۔ میرے ساتھی اس کے خلاف ہیں۔ اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا ، ”اگر کچھ دنوں صبر کرو تو امید ہے یہی قبلہ قرار پا جائے“۔ اس وقت حضرت براءؓ نے فرمان نبوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔

ایام تشریق میں بیعت کا وعدہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ حضرت عباسؓ کے ہمراہ تشریف لائے اور فرمایا تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

حضرت براءؓ نے آنحضرت ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ معبوث کیا، ہم اپنی جانوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔ یا رسول اللہ ! آپ ہم سے بیعت لے لیجئے۔ خدا کی قسم ہم ایک مسلح جماعت ہیں اور ہم نے ہتھیار ابا عن جدٍ وراثت

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۳

میں پائے ہیں۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی، پھر تمام مجمع بیعت کے لئے بڑھا۔

بیعت کے بعد نقباء کا انتخاب ہوا۔ حضرت براءؓ بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے۔

وفات : ذی الحجہ میں بیعت کی تھی۔ اس کے دو مہینے بعد صفر میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھ کو قبر میں قبلہ رُخ رکھنا اور میرا ثلث مال رسول اللہ ﷺ کی رائے پر ہے۔ جس مصرف میں چاہیں صرف کریں۔ یہ ہجرت سے ایک مہینہ قبل کا واقعہ ہے۔

جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کو لے کر حضرت براءؓ کی قبر پر آئے اور چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھی اور جس مال کے متعلق براءؓ نے وصیت کی تھی اسے قبول فرما کر پھر ان کے لڑکے کو واپس دیدیا۔

اولاد : اولاد کی تفصیل معلوم نہیں۔ حضرت بشرؓ ایک صاحبزدے تھے جو بیعت عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھے۔ براءؓ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو سلمہ کا سردار بنایا تھا۔ غزوۂ خیبر میں جب آنحضرت ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر دیا گیا تھا تو حضرت بشرؓ نے بھی گوشت کھایا تھا۔ اسی کے اثر سے انتقال ہوا۔

حضرت ثابت بن قیسؓ

نام ونسب : ثابت نام ہے۔ ابومحمد کنیت، خطیب رسول اللہ لقب، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : ثابت بن قیس بن شماس بن زبیر بن مالک ابن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج۔ والدہ کا نام معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ خاندان طے سے تھیں[1]۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو خیر مقدم کے لئے تمام شہر اُمنڈ آیا تھا۔ اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا اس کا ایک فقرہ یہ تھا :

"نمنعک ممانمنع منه انفسناو اولادنا ! فما لنا ؟ قال الجنة! قالو ارضينا"[2]۔

یعنی "ہم آپ کی ہر اس چیز کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن ہم کو اس کا معاوضہ کیا ملے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جنت" تو تمام مجمع پکار اُٹھا کہ "سب راضی ہیں"۔

غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اصحاب مغازی نے اگرچہ ان کو اصحاب بدر کے زمرہ میں شامل نہیں کیا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں یہی رائے ظاہر کی ہے[3]۔ باقی غزوات کی شرکت پر تمام ائمہ فن کا اتفاق ہے۔

غزوۂ مریسیع ۵ ھ میں حضرت جویریہؓ ام المومنین اسیر ہو کر حضرت ثابتؓ اور ان کے ابن عم کے حصہ میں آئی تھیں۔ انہوں نے ۹ اوقیہ سونے پر مکاتب بنایا۔ حضرت جویریہؓ نے آنحضرت ﷺ سے مدد طلب کی۔ آپ نے رقم مذکور ادا کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے غلامی سے نجات دی اور اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔

۹ ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا اور بدویانہ طریقہ پر آنحضرت ﷺ کے دروازے پر آکر آواز دی کہ باہر نکلو۔ آپ باہر تشریف لائے تو بات چیت کے بعد عطارد بن حاجب کو کھڑا کیا کہ تمیم کے رُتبہ سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کرے۔ عطارد اس قبیلہ کا مشہور خطیب تھا۔ اس کو تقریر ختم ہوئی تو آنحضرت ﷺ

---

[1] اسد الغابہ جلد ۸۔ ص ۲۲۹ [2] اصابہ جلد ۱۔ ص ۲۰۳ [3] تہذیب التہذیب جلد ۲۔ ص ۲۲

نے حضرت ثابت کو حکم دیا کہ تم اس کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ نے اس فصاحت و بلاغت سے جواب دیا کہ اقرع بن حابس بول اٹھا کہ اپنے باپ کی قسم ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے۔

اسی سال مسیلمہ کذاب، بنوحنیفہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ آیا۔ آنحضرت ﷺ ثابت بن قیسؓ کو لے کر اس کے پاس گئے۔ ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ مسیلمہ نے کہا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کرو تو ابھی تمہاری اتباع کرتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، خلافت تو بڑی چیز ہے میں تجھ کو یہ چھڑی دینا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ خدا نے تیری نسبت جو فیصلہ کیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں تیرے انجام کو خواب میں دیکھ چکا ہوں اور زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو ثابتؓ موجود ہیں ان سے پوچھ، اب میں جاتا ہوں۔

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانے کے لئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر ہوئی تو حضرت عمر فاروقؓ وغیرہ کو لے کر پہنچے۔ اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا وہ حسب ذیل تھا:

"اما بعد ! فنحن انصار الله و كتيبة الاسلام و انتم معاشر المهاجرين رهط وقد طرقت دافة من قومكم فاذا هم يريدون ان يختزلونا من اصلنا و ان يحضنونا من الامر"[1]

"ہم خدا کے مددگار اور اسلام کی فوج ہیں اور مہاجرین معدودے چند ہیں۔ تعجب ہے کہ اس پر بھی لوگ ہم کو خلافت سے محروم کرنا چاہتے ہیں"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ "تم نے جو کچھ کہا بالکل صحیح ہے، لیکن قریش کے سوا دوسرا خلیفہ نہیں ہوسکتا"۔

اسی سنہ میں طلیحہ پر فوج کشی ہوئی۔ حضرت خالدؓ اس مہم کے افسر تھے۔ انصار حضرت ثابتؓ کی ماتحتی میں تھے۔[2]

وفات: ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا۔ حضرت ثابتؓ اس میں شریک تھے۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی، تو حضرت انسؓ نے آکر کہا چچا! آپ نے دیکھا وہ خوشبو مل رہے تھے۔ بولے کہ یہ لڑنے کا طریقہ نہیں ہے، لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس طرح نہیں لڑتے تھے۔ اس کے بعد اُٹھے اور خندق کھود کر نہایت پامردی سے لڑے اور آخر شہادت حاصل کی۔

۱؎ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۱۰ ۲؎ طبری جلد ۴۔ ص ۱۸۸۷

بدن پر زرہ نہایت عمدہ تھی، ایک مسلمان نے اُتار لی، ایک دوسرے مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ثابتؓ ان سے کہہ رہے ہیں "فلاں مسلمان نے میری زرہ اُتار لی ہے تم خالد سے کہو کہ اس سے وصول کر لیں اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہنا کہ ثابت پر اتنا قرض تھا وہ اس زرہ سے ادا کریں اور میرا فلاں غلام آزاد کر دیں"۔ حضرت خالدؓ نے زرہ لے لی اور حضرت ابوبکرؓ نے اس وصیت پر عمل کیا۔ یہ واقع صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے۔ لیکن مختصر ہے۔ طبرانی نے نہایت تفصیل سے اس کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

اہل وعیال: ایک لڑکی تھی مگر اس کا نام معلوم نہیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں: محمد، یحییٰ، عبداللہ، اسمٰعیل۔

بیوی کا نام جمیلہ تھا جو عبداللہ بن ابی بن سلول سردار خزرج کی بیٹی تھیں[1]۔

فضل وکمال: صحیح بخاری میں ان سے ایک روایت منقول ہے اور بھی چند حدیثیں ہیں، جن کو حضرت انسؓ بن مالک، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس نے روایت کیا ہے۔

حضرت ثابتؓ نہایت فصیح البیان اور زبان آور تھے۔ انصار نے اسی بنا پر ان کو اپنا خطیب بنایا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی دربار نبوت کا ان ہی کو خطیب تجویز فرمایا[2]۔

اخلاق: احترام نبوت ان کی سیرت کا جلی عنوان ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو موجود پا کر فرمایا، کوئی ثابت کی خبر لاتا۔ ایک شخص نے کہا، میں جاتا ہوں۔ گھر جا کر دیکھا تو سر نیچے کئے بیٹھے تھے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہا کیا بتاؤں بہت بُرا حال ہے۔ میری آواز تیز ہے، آنحضرت ﷺ کے سامنے چلا کر بولتا تھا۔ اب میرا سارا عمل باطل ہو گیا اور جہنمی ہو گیا ہوں۔ (یہ اس آیت کی طرف اشارہ تھا جس میں آنحضرت ﷺ کے روبرو آہستہ بولنے کی ہدایت نازل ہوئی تھی)۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو خبر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "ان سے جا کر کہو تم جہنمی نہیں، میں تم کو جنت کی بشارت دیتا ہوں"[3]۔

آنحضرت ﷺ کو ان سے جو محبت اور اُنس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار جب وہ بیمار پڑے تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے اور ان کی ان الفاظ میں دعا کی۔

"اذهب الباس رب الناس عن ثابت بن قيس بن شماس"[4]

---

[1] طبقات جلد ۵۔ ص ۵۹　[2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۲۶۸　[3] صحیح بخاری ص ۷۱۸
[4] تہذیب التہذیب۔ جلد ۲۔ ص ۱۲

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

ثابت نام ہے۔ابوزید کنیت،قبیلۂ اشہل سے ہیں۔سلسلۂ نسب یہ ہے : ثابت بن ضحاک بن ثعلبہ بن عدی بن کعب بن عبدالاشہل۔بعثت نبوی کے تیسرے سال تولد ہوئے۔بعض لوگ نے ۳ھ سال ولادت قرار دیا ہے۔لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔

غزوات : غزوۂ احمرالاسد میں شریک تھے۔خندق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سوار تھے۔اور صحیح مسلم کی روایت کے بموجب بیعت رضوان میں شرکت کی تھی۔

ابن مندہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے۔عجب نہیں یہ خیال صحیح ہو۔ترمذی نے بھی بدر میں شریک ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن سعد کی روایت کے بموجب غزوۂ احد میں شرکت بھی ثابت ہوتی ہے،کیونکہ انہوں نے حمراءالاسد کے ذکر میں ضمناً یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں صرف وہی لوگ شریک تھے جنہوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی تھی[1]۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں ناقابلِ اعتبار ہیں،کیونکہ جہاد کی شرکت کے لئے ۱۵ سال کا سن ضروری تھا اور جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا،حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا سال ولادت ۳ھ نبوی ہے۔ اس بنا پر ہجرت کے وقت ان کی عمر کم وبیش ۱۰ سال تھی۔

غزوۂ بدر ۲ھ اور غزوۂ احد ۳ھ میں ہوا۔اس لئے اس وقت ان کا سن ۱۲۔۱۳ سال کا تھا۔جو جہاد کے لئے ناکافی ہے۔صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت آئی ہے کہ[2]

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم عرضہ یوم احد وھوا بن اربع عشرۃ سنۃ فلم یجزہ و عرضہ یوم الخندق وھوا بن خمسۃ عشرۃ سنۃ فاجازہ"۔

"وہ احد میں چہاردہ سالہ تھے۔آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی،لیکن دوسرے سال خندق میں پانزدہ سالہ تھے۔اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اجازت دیدی"۔

---

[1] بخاری جلد۲۔ص ۵۸۸ [2] بخاری جلد۲۔ص ۵۵۸ [3] بخاری جلد۲۔ص ۵۸۸

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ ان روایتوں کی موجودگی میں جو صحیح سند سے ثابت ہیں، دوسری روایتوں پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

اس بنا پر ہمارے نزدیک بدر واحد کے بجائے ان کا پہلا غزوہ خندق تھا اور حمراء الاسد میں لڑنے کے بجائے دوسرے کاموں کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ چنانچہ مصنف اصابہ لکھتے ہیں:

"وکان ولیلہ الیٰ حمراء الاسد"[1]۔

یعنی "وہ آنحضرت ﷺ کو حمراء الاسد کا راستہ بتاتے تھے"۔

وفات: عہد نبوی ﷺ کے بعد شام کی سکونت اختیار کی۔ پھر وہاں سے بصرہ چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔ بعضوں نے ۶۴ھ کی تصریح کی ہے۔

اولاد: ایک بیٹا چھوڑا، زید نام تھا۔ اسی بنا پر بعض نے ان کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی مشہور کا والد سمجھا ہے، لیکن یہ غلطی ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے والد دورِ جاہلیت میں فوت ہوئے اور کفر کی حالت میں مارے گئے۔ اس کے ماسواء زید خود ان کے ہمسن تھے اور اس بنا پر یہ ان کے باپ کیونکر ہو سکتے ہیں۔

یہ خیال اس لحاظ سے بھی ناقابلِ التفات ہے کہ ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے ان سے روایتیں کی ہیں اور ابو قلابہ رضی اللہ عنہ ۶۴ھ سے پیشتر کسی طرح روایت کے قابل نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ انہوں نے ۶۹ھ کے بعد تحصیل میں قدم رکھا تھا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ۴۵ھ میں فوت ہو چکے تھے۔

فضل وکمال:

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد ۱۴ ہے۔ راویوں کے زمرہ میں ابو قلابہ اور عبدالرحمن بن معقل داخل ہیں۔

---

[1] کتاب مذکور جلد ۱۔ ص ۲۰۱

حضرت جابر بن عبداللہ رض

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

جابر نام ہے۔ ابو عبداللہ کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے، جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ، والدہ کا نام نسیبہ تھا، جن کا سلسلۂ نسب حضرت جابرؓ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام سے مل جاتا ہے۔

سلمہ کی اولاد اگرچہ حرہ اور مسجد قبلتین تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن خاص بنو حرام قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھے۔

حضرت جابرؓ کے دادا (عمرو) اپنے خاندان کے رئیس تھے۔ عین الازرق (ایک چشمہ ہے) جس کو مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں درست کرایا تھا۔ انہی کی ملکیت تھا۔ بنو سلمہ کے بعض حصے، قلعے اور جابر بن عتیک کے قریب کے قلعے ان کے تحت وتصرف میں تھے۔

عمرو کے بعد یہ چیزیں عبداللہ کے قبضہ میں آئیں۔ حضرت جابرؓ انہی عبداللہ کے فرزند ہیں جو تقریباً ۶۱۱ھ (مطابق ۴۴ عام الفیل) میں ہجرت سے ۲۰ سال قبل تولد ہوئے تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے اور ان کے والد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنو حرام کے نقیب تجویز کئے گئے۔ اس بیعت میں ان کا سن ۱۸۔۱۹ سال کا تھا۔

غزوات اور عام حالات :

ان کے والد نے غزوۂ احد میں شہادت حاصل کی، کافروں نے مثلہ کردیا تھا، اس لئے جنازہ کپڑوں میں اڑھا کر لایا گیا۔ حضرت جابرؓ نے کپڑا اٹھادیا اور دیکھنا چاہا، لوگوں نے منع کردیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کپڑا اٹھادیا۔ بہن پاس کھڑی تھیں، بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ایک چیخ ماری، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا ان کی بہن۔ فرمایا تو روؤ یا نہ روؤ، جب تک جنازہ رکھا رہا، فرشتے پروں سے سایہ کئے ہوئے تھے[1]۔

حضرت عبداللہؓ نے دس خرد سال لڑکیاں چھوڑیں، جو گھر میں بلک رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی جابرؓ کے پاس ایک اونٹ بھیجا کہ ابا جان کی لاش گھر لے آئیں اور مقبرہ بنی سلمہ میں دفن کردیں، وہ تیار ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، فرمایا کہ جہاں ان کے دوسرے بھائی (شہداء) دفن

---

[1] مسلم جلد۲۔ ص ۳۴۶ بخاری جلد۲۔ ص ۵۸۴

کئے جائیں گے، وہیں وہ بھی دفن ہوں گے۔ چنانچہ احد کے گنجِ شہیداں میں دفن کیے گئے[1]۔

ان پر قرض بہت تھا۔ حضرت جابر ؓ کو اس کے ادا کرنے کی فکر ہوئی، لیکن ادا کہاں سے کرتے؟ کل دو باغ تھے، جن کی پوری پیداوار قرض کو نہ کافی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس گھبرائے ہوئے آئے اور کہا یہودیوں کو بُلا کر قرض کچھ کم کرا دیجئے۔ آپ نے ان لوگوں کو طلب فرما کر جابر ؓ کا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے قرض چھوڑنے سے انکار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اچھا دو مرتبہ میں اپنا قرض وصول کرلو، نصف اس سال اور نصف دوسرے سال۔ وہ لوگ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہا حضرت جابر ؓ کو تسکین دی اور فرمایا کہ سنیچر کے دن تمہارے ہاں آؤں گا۔

چنانچہ سنیچر کو صبح کے وقت تشریف لے گئے۔ پانی کے پاس بیٹھ کر وضو کیا، مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر خیمہ میں آ کر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ بھی پہنچ گئے۔ تقسیم کا وقت آیا تو ارشاد ہوا کہ چھوہاروں کو قسم وار الگ کر کے خبر کرنا۔ چنانچہ آپ کو خبر کی گئی۔ آپ تشریف لائے اور ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے۔

حضرت جابر ؓ نے بانٹنا شروع کیا اور آپ دعا کرتے رہے۔ خدا کی قدرت کہ قرض ادا ہونے کے بعد بھی کچھ بچ گیا۔ حضرت جابر ؓ خوشی خوشی آپ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ قرض ادا ہو گیا اور اتنا فاضل ہے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ و حضرت عمر فاروق ؓ کو بھی بہت مسرت ہوئی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو مکان لے گئے اور گوشت، خرما اور پانی پیش کیا۔ آپ نے فرمایا، شاید تم کو معلوم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں۔ چلنے کا وقت آیا تو اندر سے آواز آئی کہ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود پڑھیے۔ فرمایا "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْھِم"[2]۔

والد کی موجودگی تک انہوں نے کسی غزوہ میں حصہ نہیں لیا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے بدر میں میدان کا عزم کیا۔ لیکن باپ مانع ہوئے۔ احد میں بھی ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ لیکن باپ احد میں شہید ہو گئے، تو باقی غزوات میں نہایت گرم جوشی سے شرکت کی اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کو ۱۹ غزوات میں شرف شرکت حاصل ہوا[3]۔

---

[1] مسند جلد ۳۔ ص ۴۹۶ [2] بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۰ یہ واقعہ مسند صفحات ۲۹۷، ۳۰۳، ۱۳، ۶۵، ۹۱، ۹۵، ۹۸ میں موجود ہے۔ [3] مسند جلد ۳۔ ص ۳۲۹

ابتدائی غزوؤں میں والد کے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود میدان میں جانا چاہتے تھے اور گھر میں ۹ لڑکیاں تھیں۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد گھر بالکل خالی ہو جاتا[1]۔

تاہم بعض ابتدائی غزوات میں بھی ان کے شریک ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بدر کے دن وہ لوگوں کو پانی پلاتے تھے[2]۔ غزوۂ ذات الرقاع میں جو ۵ھ میں ہوا تھا شامل تھے[3]۔ واپسی کے وقت ان کا اُونٹ بھاگ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ایک لکڑی سے مار کر دعا کی، اس کا یہ اثر ہو گیا کہ وہ تیز رو ہو گیا[4]۔

اسی سن میں خندق کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ خندق کھود رہے تھے، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ خود کدال لے کر ایک سخت پتھر کو کھودنے کے لئے تشریف لائے، دیکھا تو شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے[5]۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج ایسی بات دیکھی جس پر صبر نہیں ہو سکتا، کچھ ہو تو پکاؤ اور خود ہی ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے ہاں چل کر ماحضر تناول فرمائیے۔ سرور دو عالم ﷺ کے کاشانہ میں تین دن سے فاقہ تھا۔

دعوت قبول ہوئی اور عام منادی کرادی کہ جابرؓ نے سب لوگوں کی دعوت کی ہے۔ حضرت جابرؓ نے انتظام آپ ﷺ کے اور دو تین آدمیوں کے لئے کیا تھا، اس لئے نہایت تنگ دل ہوئے۔ مگر ادب سے خاموش رہے۔ آنحضرت ﷺ تمام مجمع لے کر ان کے مکان تشریف لے گئے۔ خود بھی کھانا نوش فرمایا اور لوگوں نے بھی کھایا پھر بھی بچ رہا[6]۔ آپ ﷺ نے ان کی بیوی سے فرمایا کہ یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے ہاں بھیجو، کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔

۶ھ میں بنو مصطلق کا غزوہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ جب روانگی کے قصد سے اُونٹ پر سوار ہوئے اور نماز پڑھنے لگے تو ان کو کسی کام سے بھیجا تھا۔ جب یہ واپس آئے، اس وقت کوچ کا حکم دیا۔

اس غزوہ کے بعد غزوۂ انمار واقع ہوا۔ اس میں بھی حضرت جابرؓ موجود تھے[7]۔

اسی سنہ میں آنحضرت ﷺ عمرہ کی غرض کے مکہ روانہ ہوئے۔ ۱۵۰۰ جانثار ہمرکاب تھے۔ بیعت الرضوان کا مشہور واقعہ اسی میں پیش آیا[8]۔ اور حضرت جابرؓ مشرف بہ بیعت ہوئے۔ اس میں

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، چھ لڑکیاں چھوٹی تھیں [2] اصابہ جلد ۱۔ ۲۲۳ [3] مسند جلد ۳۔ ص ۳۷۵
[4] ایضاً ص ۳۰۰ [5] بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۸ و ۷۸۹ [6] بخاری غزوۂ انمار [7] بخاری غزوۂ حدیبیہ
[8] مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۵۵

حضرت عمر فاروق ؓ رسول اللہ ﷺ کا اور حضرت جابر ؓ حضرت عمر فاروق ؓ کا بیعت کے وقت ہاتھ پکڑے ہوئے تھے[1] آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ساری دنیا سے بہتر ہو[2]۔

رجب ۸ ھ میں ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ ؓ اس کے امیر تھے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ عجیب ابتلاء کا وقت تھا۔ لیکن مسلمان اس میں پورے اُترے۔ زادراہ ختم ہو گیا، پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا شروع کیا۔ آخر سمندر سے ایک بڑی مچھلی کنارہ پر آئی اور لوگوں نے عطیہ غیبی سمجھ کر نوش جان کیا[3]۔

مچھلی اتنی بڑی تھی کہ سردار لشکر نے اس کی ایک پسلی کھڑی کرائی اور سب سے اُونچا اُونٹ انتخاب کر کے لایا گیا اور وہ اس کے نیچے سے نکل گیا[4]۔ حضرت جابر ؓ پانچ آدمیوں کے ساتھ اس کی آنکھ کی ہڈی کے حلقہ میں بیٹھ گئے تو کسی کو پتہ بھی نہ لگا۔ اس مچھلی کا نام عنبر تھا۔ ۱۵ روز تک کھائی گئی۔ کھانے والے ۳۰۰ تھے[5]۔

اس کے بعد اور بھی غزوات پیش آئے، جن میں ان کی شرکت رہی۔ حنین اور تبوک میں ان کا نام صراحت سے آیا ہے۔ حجۃ الوداع میں بھی جو ۱۰ ھ میں ہوا وہ بھی شامل تھے[6]۔

۳۷ ھ میں حضرت علی ؓ اور امیر معاویہ ؓ کی جنگ میں حضرت جابر ؓ، حضرت علی ؓ کی طرف سے صفین میں جا کر لڑے[7]۔

۴۰ ھ میں امیر معاویہ ؓ کا عامل بسر بن ابی ارطاۃ حجاز و یمن پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے آیا اور مدینہ میں ایک خطبہ دیا۔ اس میں اس نے کہا کہ بنو سلمہ کو اس وقت تک امان نہیں مل سکتی، جب تک جابر میرے پاس نہ حاضر ہوں۔ حضرت جابر ؓ کو جان کا خوف تھا۔ حضرت اُم سلمہ ؓ (اُم المومنین) کے پاس جا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے لڑکوں کو بھی بیعت کی رائے دی ہے، تم بھی بیعت کر لو۔ عرض کی یہ تو گمراہی پر بیعت ہے۔ فرمایا، مجبوری ہے۔ لیکن میری رائے یہی ہے۔ ان کے مشورے کے مطابق بسر کے پاس آ گئے اور امیر معاویہ ؓ کی خلافت پر بحث کی۔

۷۴ ھ میں حجاج مدینہ کا امیر تھا۔ اس کے جور و ظلم سے صحابہ بھی محفوظ نہ رہے۔ چنانچہ اس نے متعدد صحابہ پر یہ عنایت کی گردنوں پر اور حضرت جابر ؓ کے ہاتھ پر مہر لگوائی[8]۔

وفات: یہ سن ان کی زندگی کا اخیر سال تھا۔ بالکل ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے۔ آنکھوں نے الگ جواب دیدیا تھا۔ عمر ۹۴ سال تک پہنچ چکی تھی۔ اس پر حکومت کا جبر و تشدد اور بھی وبال جان ہو رہا تھا۔

---

[1] مسند جلد ۳۔ ص ۳۹۶ [2] بخاری غزوہ حدیبیہ [3] مسند جلد ۳۔ ص ۳۰۸ [4] ایضاً۔ [5] مسند جلد ۳ ص ۳۰۸
[6] ایضاً ص ۳۴۹، ۲۹۲، ۴۱ [7] اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۲۵۷ [8] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ وحالات سہل بن سعد۔ ص ۳۶۶

عقبۂ کبیر کا نورانی منظر جن آنکھوں دیکھا تھا، ان میں صرف یہی ایک بزرگ باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت صحابۂ کرام کے طبقہ میں بھی بہت کم لوگ بقید حیات تھے۔ اس بنا پر ان کا وجود عالم اسلامی میں بسا غنیمت تھا۔

حجاج کے ظلم وستم نے جس سال ان کا زور توڑا، طائرِ روح نے اسی سال قفسِ عنصری کی تیلیاں توڑیں۔ انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ حجاج جنازہ نہ پڑھائے۔ اس لئے حضرت عثمانِ غنیؓ کے بیٹے اماب نے نماز پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا۔

تاریخ بخاری میں ہے کہ حجاج جنازہ میں آیا تھا۔ اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ نماز بھی پڑھائی تھی۔

اہل وعیال: حضرت جابرؓ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا، کسی کنواری سے کیا ہوتا کہ وہ تم سے کھیلتی، اور تم اس سے کھیلتے۔ عرض کیا کہ بہنیں خرد سال تھیں۔ اس لئے ہوشیار عورت کی ضرورت تھی، جوان کے کنگھی کرتی، جوئیں دیکھتی، کپڑے سی کر پہناتی۔ فرمایا، "اصبت" [1] (تم نے ٹھیک کیا)۔

دوسری شادی بنوسلمہ میں کی۔ اسلام میں عورت کو دیکھ کر شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس لئے پیام کے بعد لڑکی کو چھپ کر دیکھ لیا، پھر شادی کی [2]۔

پہلی بیوی کا نام سہیلہ بنت مسعود تھا [3]۔ صحابیہ تھیں اور انصار کے قبیلہ ظفر کی لڑکی تھیں۔ دوسری کا نام اُم حارث تھا۔ وہ محمد بن مسلمہ بن سلمہ کی جو قبیلہ اوس سے تھے اور معزز صحابی تھے، بیٹی تھیں [4]۔

اولاد: اولاد کے نام یہ ہیں: عبدالرحمن [5]، عقیل [6]، محمد، حمید، میمونہ، اُم حبیب [7]۔

حُلیہ: حُلیہ یہ تھا: مونچھ خوب کٹی ہوئی، سر اور ڈاڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے۔ آنکھیں اخیر عمر میں جاتی رہی تھیں۔

مکان: مسجد نبوی سے ایک میل دور تھا۔ اس لئے ایک مسجد بھی بنوائی تھی [8]۔

علم وفضل: تحصیل کی ابتداء سرچشمۂ وحی سے ہوئی۔ لیکن تربیت یافتگان نبوت میں جو لوگ علوم وفنون کے مرکز تھے، ان کے حلقوں سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ،

---

[1] مسند جلد ۳۔ ص ۳۰۸ [2] بخاری، جلد ۲، ص ۵۸۰ [3] فتح الباری، جلد ۷۔ ص ۳۰۵ [4] طبقات۔ ص ۲۰۳
[5] مسند جلد ۳۔ ص ۲۳۱ [6] ایضاً۔ جلد ۳۔ ۳۴۳ [7] نزہۃ الابرار قلمی [8] مسند۔ ص ۳۰۲

حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عمارؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ابو بردہ بن نیارؓ، ابوقتادہؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوحمید ساعدیؓ، عبداللہ بن انیسؓ، اُم شریکؓ، اُم مالکؓ، اُم مبشرؓ، اُم کلثومؓ بنت ابوبکر صدیقؓ، (تابعین) سب کے سب ان کے اساتذہ میں داخل ہیں۔

حدیث کا یہ شوق تھا کہ ایک ایک حدیث سننے کے لئے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے۔ عبداللہ بن انیسؓ کے پاس ایک حدیث تھی، وہ شام میں رہتے تھے۔ حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا تو ایک اُونٹ خریدا اور ان کے پاس جا کر کہا کہ وہ حدیث بیان کیجئے۔ میں نے اس لئے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور حدیث سننے سے رہ جاتی[1]۔

اسی طریقہ سے مسلمہ بن مخلد امیر مصر سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا اور حدیث کی اجازت لی۔ اس سفر کا تذکرہ طبرانی میں موجود ہے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے۔ حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا۔ شائقین مقامات بعیدہ سے آتے تھے۔ مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر میں ان کا دریائے فیض رواں تھا۔

کمالات کے مظہر تفسیر وحدیث وفقہ کے فن تھے۔ تفسیر میں اگرچہ روایتیں زیادہ نہیں، تاہم معتدبہ ہیں۔ لوگوں میں ورود کے معنی میں اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ مسلمان جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ بعض کا خیال تھا کہ سب جائیں گے مگر مسلمان کو نجات مل جائے گی۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا، فرمایا: "برو فاجر" نیک وبد سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ لیکن اچھوں پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ پھر متقیوں کو نجات ملے گی اور ظالم اس میں رہ جائیں گے[2]۔

حضرت طلق بن حبیب کو شفاعت کا انکار تھا۔ انہوں نے حضرت جابرؓ سے مناظرہ کیا اور خلود فی النار کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں ہیں، سب پڑھیں۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا، شاید تم اپنے کو مجھ سے زیادہ قرآن وحدیث کا عالم جانتے ہو! انہوں نے کہا، استغفر اللہ میرا خیال بھی نہیں ہوسکتا، ارشاد ہوا تو سنو! یہ آیتیں مشرکین کے متعلق ہیں۔ جو لوگ عذاب دینے کے بعد نکال لئے گئے، ان کا اس میں ذکر نہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے[3]۔

---

[1] ادب المفرد بخاری [2] الباری۔ جلد ا۔ ص ۱۵۹ [3] ایضاً۔ ص ۳۳۰

حدیث ان کی تمام کوششوں کا جولانگاہ ہے۔ اشاعت حدیث ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا۔ بااین ہمہ کہ کثیر الروایات تھے اور ان کی مرویات ۵۴۰ تک پہنچتی ہیں۔ بیان حدیث میں نہایت احتیاط و حزم سے کام لیتے تھے۔ ایک حدیث بیان کی سَمِعتُ کا لفظ بولنا چاہتے تھے، کہ رُک گئے اور اپنے اُوپر موقوف کردی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو الفاظ پر اطمینان نہ ہوسکا[1]۔

تلامذۂ حدیث کا شمار طوالت سے خالی نہیں۔ تابعین کا ہر طبقہ ان کے خرمن فیض کا خوشہ چیں ہے۔ لیکن خاص شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

امام باقرؒ، محمد بن منکدر، سعد بن مینا، سعید ابی بلال، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری، محمد عمرو بن حسینؓ، حسن بن محمد حنفیہ وغیرہم۔

فقہ بھی ان کی علمی موشگافیوں کا مظہر ہے۔ وہ مسائل وفتاویٰ جو وقتاً فوقتاً پوچھے گئے اور انہوں نے جو جوابات دیئے اگر وہ جمع کیے جائیں تو ایک مختصر رسالہ تیار ہوسکتا ہے

اخلاق وعادات: اقامۃ حدود اللہ، جوش ایمان اور جرأت اظہار حق، امر بالمعروف، مؤدت رسول اللہ ﷺ، اتباع سنت ورفق بین المسلمین، اخلاق کی بیخ و بنیاد ہیں۔ اور قدرت نے حضرت جابرؓ کو نہایت فیاضی سے ان تمام چیزوں سے حصہ دیا تھا۔

اقامت حدود اللہ، ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضرت جابرؓ کو اس میں یگانہ و بیگانہ کا فرق و امتیاز روک نہ سکتا تھا۔ حضرت ماعز بن اسلمیؓ جو مدینہ کے باشندے اور اصحاب پاک میں داخل تھے۔ ان کی حد رجم کے موقع پر خود جا کر اپنے ہاتھ سے ان کو پتھر مارے تھے[2]۔

اظہارِ حق میں کسی کی وجاہت خلل انداز نہ ہوسکتی تھی۔

حضرت سعد بن معاذؓ انصاری، قبیلۂ اوس کے سردار اور بڑے رُتبہ کے صحابی تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''آج عرش اعظم جنبش میں آگیا ہے''۔ حضرت براء بن عازبؓ کو یہ حدیث معلوم تھی۔ لیکن وہ عرش رحمٰن کے بجائے صرف ''سریر'' کہتے تھے، جس سے جنازہ کا ہلنا مراد ہے۔ حضرت جابرؓ سے لوگوں نے براءؓ کا قول نقل کیا۔ فرمایا کہ حدیث تو یہی ہے جو میں نے بیان کی، باقی براءؓ کا قول، تو وہ باہمی بغض و عداوت و کینہ توزی کا نتیجہ اور اثر ہے۔ اوس اور خزرج اسلام سے پہلے سخت مخاصمت تھی[3]۔

اس واقعہ کا یہ پہلو بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت جابرؓ قبیلۂ خزرج سے تھے، اس بنا پر ان کو خزرجیوں کا ہم آہنگ و ہمنوا ہونا چاہئے تھا۔

---

[1] ایضاً۔۳۳۳ [2] مسند۔ جلد۳۔ ص ۳۸۱ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۶

حجاج بن یوسف جب مدینہ کا امیر ہو کر آیا تو اس نے اوقات نماز میں کچھ تقدیم وتاخیر کی۔ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔فرمایا، آنحضرت ﷺ ظہر کی نماز دوپہر کے بعد، عصر کی آفتاب کے صاف روشن ہونے تک۔ مغرب کی وقت غروب، فجر کی تاریکی میں پڑھتے تھے اور عشاء کے وقت لوگوں کا انتظار ہوتا تھا۔اگر جلد مجمع ہو گیا تو جلد پڑھتے تھے ورنہ دیر میں[1]۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ نے تین برس کے لئے اپنی زمین کا پھل فروخت کر دیا۔ ان کو خبر ہوئی تو کچھ لوگوں کو لے کر مسجد آئے اور سب کے سامنے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے جب تک پھل کھانے کے قابل نہ ہو جائیں، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں[2] (پھر نکلنے سے قبل کیونکر جائز ہوسکتا ہے)۔

ایک مرتبہ ایک سرگروہ فتنہ وفساد مدینہ آیا۔لوگوں نے حضرت جابرؓ کو گھیرا کہ اس کو شر سے باز رکھیئے۔اس زمانہ میں وہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔اپنے دو بیٹوں کو بلایا اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نکلے اور کہا کہ خدا اس کو ہلاک کرے جس نے رسول اللہ ﷺ کو خوف میں ڈال رکھا ہے۔ بیٹوں نے عرض کی، رسول اللہ ﷺ تو فوت ہو چکے ہیں۔اب ان کو خوف کیسا؟ فرمایا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے جس نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا، گویا خود مجھے ڈرایا[3]۔

آپ اتباع رسول ﷺ کے ولولہ میں ان امور میں بھی آپ کی اقتداء کرتے تھے، جن میں آپ کی تقلید ضروری نہیں ہے۔آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ صرف ایک کپڑا اوڑھے نماز پڑھتے دیکھا تھا اس لئے خود بھی اسی طرح نماز پڑھی۔شاگردوں نے کہا کہ آپ کے پاس چادر رکھی تھی، اس کو کیوں نہ اوڑھ لیا کہ ازار اور چادر دو کپڑے ہو جاتے۔فرمایا، اس لئے کہ تم جیسے بے وقوف رسول اللہ ﷺ کی اس رخصت کو دیکھیں اور اعتراض کریں[4]۔

آنحضرت ﷺ نے مسجد فتح میں تین روز (پیر، منگل، بدھ) دعا مانگی تھی۔تیسرے دن نماز کے اندر قبول ہوئی تو چہرہ مبارک پر بشارت کی موجیں نور بن کر دوڑ گئیں۔حضرت جابرؓ نے یہ واقعہ دیکھا تھا۔ چنانچہ جب کوئی مشکل آپڑتی تو اس خاص وقت میں وہاں جا کر دعا کرتے اور قبولیت و اجابت کا مژدہ ساتھ لاتے تھے[5]۔

غزوات نبوی ﷺ میں انہوں نے سرفروشی اور فداکاری کا اعلانیہ ثبوت دیا اور غزوۂ حدیبیہ یا مشہد بیعت الرضوان میں جس قوت نے کام کیا تھا، اس کا اقرار خود مصحف ناطق میں کیا گیا ہے۔

---

[1] مسند جلد ۳۔ص ۳۶۹ [2] ایضاً ص ۳۵۴ [3] ایضاً ص ۳۵۴ [4] مسند جلد ۳۔۳۲۰ [5] ایضاً۔ص ۳۳۲

حُبِ رسول ﷺ کے مناظر یہ ہیں :

غزوۂ خندق میں تمام لشکر بے آب و دانہ تھا اور سید کونین ﷺ تین دن فاقہ سے رہے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر مہمات جنگ میں مصروف تھے۔ آقا کو اس حالت میں دیکھا تو کام چھوڑ کر مکان گئے اور دعوت کا انتظام کیا[۱]۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کے چھوہارے جن میں گٹھلی نہ تھی پیش کئے آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ میں گوشت سمجھا تھا، اسی وقت گھر جا کر بیوی سے کہا، انہوں نے بکری ذبح کر کے گوشت پکا دیا[۲]۔

ایک روز آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے آپ ﷺ کی عادت معلوم تھی، اٹھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ چلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا نسل اور دودھ کیوں قطع کرتے ہو؟ عرض کی ابھی بچہ ہے چھوہارے کھا کر اتنی موٹی ہوگئی ہے[۳]۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سامنے سے گذرے، یہ ڈھال میں چھوہارے لئے تھے شرکت کی دعوت دی، آپ ﷺ نے قبول فرمائی[۴]۔

حدیبیہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے، سقیا میں قیام ہوا، پانی موجود نہ تھا، حضرت معاذ بن جبلؓ کی زبان سے نکلا کہ کوئی پانی پلاتا، حضرت جابرؓ چند انصار کو لے کر پانی کی تلاش میں روانہ ہوئے ۲۳ میل چل کر اثانیہ میں پانی ملا وہاں سے مشکوں میں بھر کر لائے، عشاء کے بعد دیکھا تو ایک شخص اونٹ پر سوار حوض کی طرف جا رہا ہے، یہ آنحضرت ﷺ تھے، بڑھ کر مہار تھام لی اونٹ کو بٹھایا، آنحضرت ﷺ نے اتر کر نماز پڑھی خود بھی پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہوئے[۵]۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے وہ عیادت کو آئے رسول اللہ ﷺ کو کبھی قرض کی ضرورت ہوتی تو ان سے لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرض تھا، اور ادائیگی کے وقت بطور اظہار خوشنودی کچھ زیادہ دیا[۶]۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک خاص واقعہ میں ان کے لئے ۲۵ مرتبہ استغفار فرمایا تھا[۷]۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے تو خود عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت جابرؓ بے ہوش

۱؎ ایضاً ص ۲۷۷ ۲؎ ایضاً ص ۳۳۴ ۳؎ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۶ ۴؎ ایضاً۔ ص ۳۹۷
۵؎ ایضاً۔ ۳۸۰ ۶؎ ایضاً۔ ص ۳۰۰ ۷؎ ایضاً۔ ص ۳۰۲ اصابہ تذکرۂ جابرؓ

تھے۔آپ ﷺ نے وضو کر کے پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا اس وقت تک ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ باپ بھی فوت ہو چکے تھے۔شریعت میں ایسے شخص کے وارث کو کلالہ کہتے ہیں۔ چونکہ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے۔عرض کیا کہ میں مر گیا تو کلالہ وارث ہوگا۔فرمایئے میراث کیونکر تقسیم کروں؟ کیا دو ثلث بہنوں کو دیدوں۔فرمایا، اچھا ہے دیدو۔عرض کیا خواہ نصف؟ فرمایا،"ہاں"۔ یہ کہہ کر باہر تشریف لائے، پھر واپس ہوئے اور آکر فرمایا، جابر! تم اس مرض میں نہ مرو گے، تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

"یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ"۔

"تم سے (اپنے پیغمبر) لوگ کلالہ کے بارے میں استفسار کرتے ہیں، کہو کہ خدا کا اس کے متعلق یہ فتویٰ ہے"۔تم بہنوں کو دو ثلث دے سکتے ہو[1]۔

کہیں دعوت ہوتی تو ساتھ لے جاتے[2]۔کبھی خود اپنے ساتھ مکان پر لاتے اور کھانا کھلاتے۔ایک روز وہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھے تھے۔رسول اللہ ﷺ سامنے سے گذرے، یہ دوڑ کر ساتھ ہو لئے۔ادب کے خیال سے پیچھے چل رہے تھے۔فرمایا پاس آجاؤ۔ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ اقدس پر لائے اور پردہ گرا کر اندر بلایا، اندر سے ۳ ٹکیاں اور سرکہ ایک صاف کپڑے پر رکھ کر آیا۔ آپ نے ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی تقسیم کی اور فرمایا سرکہ بہت عمدہ سالن ہے۔جابرؓ کہتے ہیں کہ اس دن سے سرکہ کو میں نہایت محبوب رکھتا ہوں[3]۔

کچھ اس واقعہ پر موقوف نہیں، نوازشات خاص ہر صورت میں ہوتی رہتی تھیں۔غزوۂ ذات الرقاع میں حضرت جابرؓ نہایت عمدہ اونٹ پر سوار تھے، جو اپنی تیز رفتاری میں تمام اونٹوں سے آگے تھا۔چلتے چلتے یکایک رک گیا[4]۔ پیچھے سے آواز آئی، کیا ہوا؟ یہ آنحضرت ﷺ تھے۔تشریف لائے اور ایک کوڑا مارا اونٹ پھر تیز ہو گیا، اور ان کو لے اڑا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔عرض کی حاضر ہے، لیکن قیمت کی ضرورت نہیں۔فرمایا نہیں قیمت دی جائے گی[5]۔درخواست کی کہ مدینہ تک میں اس پر چلوں گا جو منظور ہوئی۔شہر پہنچ کر اونٹ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ ﷺ اس کو گھوم گھوم کر دیکھتے تھے اور فرماتے تھے، کیسا اچھا ہے۔اس کے بعد حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اتنے

---

[1] مسند۔جلد۳۔ص۲۹۸ و ۳۷۲ [2] ایضاً۔۳۸۷ [3] ایضاً۔ص۳۷۹ و ۴۰۰
[4] ایضاً،۳۷۲ [5] مسند۔جلد۳۔ص۳۱۴

اوقیہ سونا تول دو۔ اصل کے بعد کچھ اور بھی عطا فرمایا اور پوچھا دام پا چکے؟ کہا جی ہاں۔ فرمایا دام اور اُونٹ دونوں لے جاؤ، سب تمہارا ہے[1]۔ ایک یہودی نے اس واقعہ کو سنا تو تعجب کیا[2]۔

قیمت سے زیادہ دام چونکہ آنحضرت ﷺ کی بخشش تھی۔ اس لئے اس کو ایک تھیلی میں علیحدہ حفاظت سے رکھ دیا۔ حرہ کے دن اہل شام نے ان کے گھر پر چھاپا مارا۔ اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس کو بھی لوٹ کر لے گئے[3]۔

ایک مرتبہ بحرین سے مال آنے والا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو ۳ آبخورہ بھر کر دوں گا۔ لیکن جب مال آیا تو آپ ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منادی کرادی کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وعدہ کیا ہو یا آپ پر کسی کا قرض ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے کہا کہ مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا لے لو، ۳ آبخورہ میں ۱۵۰۰ آئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ادب واحترام خاص طور پر ملحوظ رہتا تھا۔ اعمال وعقائد میں تو آنحضرت ﷺ کا ہر قول وفعل فرض وواجب کا درجہ رکھتا تھا اور اس میں کسی کو مجال انکار نہ تھی۔ لیکن امور باہمی میں بھی ان کو اس کا لحاظ رہتا تھا کہ جس بات کو آنحضرت ﷺ ۳ مرتبہ ارشاد فرماتے، بے چوں چرا تسلیم کر لیتے۔ ایک دو مرتبہ میں قیل وقال کی گنجائش رہتی تھی[4]۔ مسلمانوں سے محبت کرتے اور "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی مجسم تصویر تھے۔

ایک مرتبہ ان کا پڑوسی کہیں سفر میں گیا تھا۔ واپس آیا تو بایں جلالت قدر ملاقات کو تشریف لے گئے۔ اس نے لوگوں کے اختلاف جماعت بندی کی داستان سنائی، بدعات کا رائج ہونا بیان کیا۔ صحابہ نے کشت اسلام اپنے بدن کے خون سے سینچی تھی۔ ان واقعات کے کب کان متحمل ہو سکتے تھے؟ بے اختیار آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، رسول اللہ نے سچ کہا تھا کہ لوگ جس طرح گروہ در گروہ خدائی دین میں داخل ہوں گے اسی طرح خارج بھی ہو جائیں گے[5]۔

ان اوصاف کے ساتھ مذہبی جوش اور حرارت بھی نہایت نمایاں تھی۔ ایک میل[6] سے پنج وقتہ نماز پڑھنے آتے تھے۔ ظہر کے وقت گرمی کی یہ شدت ہوتی تھی کہ زمین پر سجدہ کرنا دشوار تھا۔ ہاتھ میں کنکریاں ٹھنڈی کرتے اور سجدہ کرتے تھے[7]۔ لیکن آنا ترک نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب میں مکان خالی ہوئے۔ حضرت جابرؓ اور بنو سلمہ کا ارادہ ہوا کہ یہاں اُٹھ آئیں کہ نماز کا آرام ہوگا۔ آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

---

۱ مسند۔ جلد۳۔ ص۳۷۲ ۲ ایضاً۔ ص۳۰۳ ۳ ایضاً۔ ص۳۰۸ ۴ مسند۔ جلد۳۔ ص۲۵۸۔۲۵۹
۵ ایضاً۔ ص۳۴۳ ۶ ایضاً۔ ۳۰۳ ۷ ایضاً۔ ص۳۲۷

تمہیں وہاں سے آنے میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے۔ سوچو تو کتنا ثواب ہوا۔ سب نے کہا کہ حضور ﷺ کا ارشاد بدل و جان منظور ہے[۱]۔

حج متعدد کئے تھے۔ دو کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے۔ پہلا حجۃ الوداع، دوسرا ایک اور جس میں محمد بن عباد بن جعفر ایک مسئلہ پوچھا تھا[۲]۔

سادگی مسلمانوں کی ترقی کا اصل راز ہے۔ حضرت جابرؓ نہایت سادہ تھے۔ صحابہ کا ایک گروہ مکان پر ملنے آیا۔ اندر سے سرکہ لائے اور کہا بسم اللہ اس کو نوش فرمائیے، سرکہ کی بڑی فضلیت آئی ہے۔ پھر فرمایا، آدمی کے پاس اگر اعزہ و احباب آئیں تو جو کچھ حاضر ہو پیش کردے، اس میں کوتاہی نہ کرے۔ اسی طرح ان لوگوں کا فرض ہے کہ پیش کردہ چیز کو خوشی خوشی کھائیں اور اس کو حقیر نہ سمجھیں، کیونکہ تکلف میں دونوں کی ہلاکت کا سامان ہے[۳]۔

ایک مرتبہ مقنعؓ بیمار ہوئے تو حضرت جابرؓ دیکھنے کو گئے تو فرمایا، میرے خیال میں تم پچھنہ لگاؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس میں شفاء ہے[۴]۔

مزاج میں بے تکلفی تھی۔ ملنے جلنے کا انداز بہت سادہ تھا۔ آنحضرت ﷺ سے زیادہ کون معزز و محترم ہوسکتا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ چلتے تو لوگ آپ ﷺ کے برابر یا آگے چلتے تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ کے پیچھے فرشتے چلتے تھے[۵]۔

آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز دل و دماغ میں جاگزیں تھی۔

بیعت الرضوان کی بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی۔ لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو کٹوادیا۔ مسیّب بن حزن کا بیان ہے کہ ہم اس درخت کو دوسرے ہی سال بھول گئے تھے[۶]۔ لیکن حضرت جابرؓ کو برسوں کے بعد بھی یاد تھا۔ اخیر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ حدیبیہ کا قصہ بیان کیا تو فرمایا آج آنکھیں ہوتیں تو وہ موقع دکھلا دیتا[۷]۔

---

۱ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۰۳ ۲ ایضاً۔ ص ۲۹۶ ۳ مسند۔ جلد ۳۔ ص ۳۷۱ ۴ ایضاً۔ ص ۳۳۵

۵ ایضاً ۳۳۲ ۶ صحیح بخاری۔ جلد ۲ ص ۵۹۹ ۷ ایضاً ۵۹۸

حضرت جبار بن صخرؓ

نام ونسب :

جبار نام ہے۔ابوعبداللہ کنیت ،قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے :

جبار بن صخر بن امیہ بن خنیس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔ والدہ کا نام سعاد بنت سلمہ تھا اور جشم بن خزرج کے قبیلہ سے تھیں۔

اسلام : بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔

غزوات اور دیگر حالات :

مقداد اسود کندی سے یہ کہ بڑے رُتبہ کی صحابی تھے۔مواخاۃ ہوئی۔تمام غزوات میں شرف شرکت حاصل کیا۔غزوۂ بدر میں ۳۲ سالہ تھے۔

خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو ایک سال خارص بنا کر بھیجا تھا۔غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت ہوگئی تو جبار بن صخرؓ کا اس منصب کے لئے انتخاب کیا۔ جبار ہر سال خیبر کے پھلوں کا تخمینہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی اسی منصب پر مامور رہے اور حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہود کو خیبر سے جلاوطن کیا تو مہاجرین وانصار کو لے کر خیبر گئے تھے۔اس سفر میں جبار بن صخرؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔

وفات : ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں انتقال کیا۔اس وقت ان کی عمر ۶۲ سال کی تھی۔

فضل وکمال : مسند میں چند حدیثیں ان کے سلسلہ میں مروی ہیں۔حساب میں کمال حاصل تھا۔ اس لئے دار الخلافت میں حساب اور خارص کا عہدہ ان کو تفویض تھا۔

حُب رسول اللہ ﷺ پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

اخلاق : مکہ معظّمہ کے سفر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اثابہ میں کوئی جا کر پانی کا انتظام کرتا۔ حضرت جبارؓ نے اُٹھ کر کہا، میں جاتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر حوض کے اردگرد ڈھیلے رکھے اور اس میں پانی بھر دیا۔محنت کی وجہ سے تھک گئے تھے، آنکھ لگ گئی۔ آنحضرت ﷺ پہنچے اور فرمایا، "مالک حوض! میں اپنے اُونٹ کو پانی پلا سکتا ہوں"۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز پہچان کر اجازت دیدی۔

آپ ﷺ اُونٹ بٹھا کر اُترے اور وضو کے لئے پانی مانگا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کرا کے خود بھی وضو کیا اور پھر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہوگئے۔ چونکہ بائیں جانب کھڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر داہنے جانب کر دیا۔ تھوڑی دیر میں تمام لوگ آ پہنچے۔ اور تنہائی کا لطف صحبت مفقود ہوگیا[1]۔

[1] مسند ابن حنبل۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۱

حضرت جلبیب رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

جلبیب نام تھا۔ انصار کے کسی قبیلہ سے تھے۔ سلسلۂ نسب معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے انصار کی ایک لڑکی سے ان کی نسبت ٹھہرائی۔ چونکہ نہایت کم رو اور پستہ قد تھے۔ اس لئے لڑکی کے والدین نے انکار کرنا چاہا۔ لیکن لڑکی نہایت سمجھدار تھی۔ اس کو معلوم ہوا تو یہ آیت پڑھی :

"ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم"۔

یعنی "جب اللہ اور رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں"۔

اور میں بالکل رضامند ہوں، جو رسول اللہ ﷺ کی مرضی ہے وہی میری بھی ہے۔ آنحضرت کو خبر ہوئی تو آپ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا :

"اللّٰھم اصبب علیھا الخیر ولا تجعل عیشھا کدا"۔

"خداوندا اس پر خیر کا دریا بہادے اور اس کی زندگی کو تلخ نہ کر"۔

دعائے نبوی ﷺ کا یہ اثر ہوا کہ تمام انصار میں اس سے زیادہ کوئی عورت تونگر اور خراچ نہ تھی۔

عورت کی رضامندی پا کر آنحضرت ﷺ نے جلبیب ؓ سے کہا کہ فلاں لڑکی سے تمہارا نکاح کرتا ہوں۔ بولے، یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ مجھے کھوٹا پائیں گے۔ فرمایا "لکنک عند اللہ لست بکاسد" یعنی تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو[1] (اس واقعہ کی تفصیل اور بھی ہے)۔

شہادت : آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے کہ مال غنیمت آیا۔ ارشاد ہوا دیکھو کون کون لا پتہ ہیں۔ لوگوں نے چند آدمیوں کے نام گنائے۔ آپ ﷺ نے ۳ مرتبہ پوچھا اور وہی جواب ملا تو فرمایا "لکنی افقد جلبیبا"! لیکن میں جلبیب کو گم پاتا ہوں۔

مسلمان حضرت جلبیب ؓ کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ سات آدمیوں کے پہلو میں مقتول پڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپ خود تشریف لائے اور لاش کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا :

---

[1] استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۰ ودیگر کتب رجال ومسند احمد بن حنبل۔

" قتل سبعة ثم قتلوه هذا مني انامنه ! هذا مني وانا منه "۔

" سات کو قتل کر کے قتل ہوا، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ، مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔

اور جلیبیبؓ کی لاش کو اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر لائے اور قبر کھدوا کر دفن کیا اور غسل نہیں دیا[1]۔

حضرت جلیبیبؓ واقعی خدا کے نزدیک کھوٹے نہ تھے۔ شہادت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ یہ شرف کتنا عظیم الشان تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے ہاتھوں سے ان کی لاش اُٹھا کر لائے۔ تمام لوگوں کو تابوت لکڑی کے تختوں سے تیار ہوتا ہے، لیکن جلیبیبؓ کا تابوت مہبط وحی والہام کا دست مبارک تھا۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندی
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲۔ص ۲۴۷

حضرت حباب رضؓ بن منذر بن جموع

نام ونسب :

نام حباب ہے۔ ابوعمر کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب یہ ہے : حباب بن منذر بن جموع بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

تمام غزوات میں شرکت کی، غزوۂ بدر میں قبیلۂ خزرج کا علم ان کے پاس تھا[1]۔ بدر کے قریب پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ڈیرا ڈالا تو حباب نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! اس مقام پر اُترنے کے لئے حکمِ خداوندی ہے یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ فرمایا، میری رائے ہے۔ عرض کی تو موقع ٹھیک نہیں ہے، ہم کو پانی کے پاس اُترنا چاہئے اور تمام کنوؤں پر قبضہ کر کے ایک حوض تیار کرنا چاہئے تاکہ ہمارے لشکر میں پانی کی قلت نہ ہو۔ اور دشمن تشنگی سے پریشان ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، حباب صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ تمام لشکر کو لے کر چاہ بدر پر نزول اجلال ہوا[2]۔

غزوۂ احد میں قریش اس سروسامان سے نکلے تھے کہ مدینہ ہل گیا تھا۔ ذوالحلیفہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے دو جاسوس بھیجے اور ان کے بعد حباب ؓ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے تمام لشکر میں گھوم کر مختلف خبریں بہم پہنچائیں اور دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ کر کے آنحضرت ﷺ کو خبر دی[3]۔

اس غزوہ میں بھی خزرج کا علم ان کے پاس تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ سعد بن عبادہ علمبردار تھے[4]۔ غزوۂ خیبر میں ایک حصہ کا اور حنین میں تمام خزرج کا علم انہی کو تفویض ہوا تھا[5]۔ سقیفۂ ساعدہ میں وہ سعد بن عبادہؓ کے سرگرم حامی تھے اور ان کے خلیفہ بنانے پر مصر تھے۔ اثنائے خطبہ میں ایک یہ فقرہ کہا تھا۔

"اَنَا جُذَیْلُھَا الْمُحَکَّکُ وَ عُذَیْقُھَا الْمُرَجَّبُ"۔

یعنی "میں قوم کا معتمد ہوں اور لوگ میری رائے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں"۔

اس کے بعد یہ رائے پیش کی کہ دو امیر ہوں، ایک انصاری اور ایک مہاجری حضرت عمرؓ نے برجستہ کہا یہ ناممکن ہے، دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند!

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۸ ایضاً۔ ص ۹ [2] اسد الغابہ جلد ا۔ ص ۳۶۰ [3] ایضاً۔ ص ۲۲

[4] اسد الغابہ۔ جلد ا۔ ص ۲۷ [5] اسد الغابہ۔ ص ۷۷ و ۱۰۸

وفات : حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے۔عمر ۵۰ سال سے متجاوز تھی۔غزوہ بدر میں ۳۳ برس کا سن تھا۔

فضل وکمال : حدیث میں ابوالطفیلی عامر بن واثلہ ان کے شاگرد ہیں۔شاعری عرب کا فطری جوہر ہے۔حضرت حبابؓ بھی شعر کہتے تھے،یہ شعرانہی کی طرف منسوب ہیں۔

الم تعلما الله درا ببکما ۔۔۔ وما الناس الا کمه و بصیر
کیا تمہیں خبر نہیں تمہارے باپ کی بھلائی خدا کے لئے ہو ۔۔۔ کہ وہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں قدرتی نابینا اور ارباب بصر

بانا و اعد النبی محمد ﷺ ۔۔۔ اسود لهانی العالمین زئیر
چنانچہ ہم اور آنحضرت ﷺ کے دشمن دونوں شیر ہیں ۔۔۔ جن کی گرج سے تمام عالم گونج اٹھا ہے

نصر نا و آویناء النبی و ما له ۔۔۔ سوانا مِن اهل الملتین نصیر
لیکن ہم کو یہ شرف ہے کہ ہم نے پیغمبر کو پناہ دی اور مدد کی ۔۔۔ اور ہمارے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہے

خطبہ اچھا دیتے تھے،اوراس میں فصاحت وبلاغت کے پورے جوہر دکھاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ میں انہوں نے دو خطبے دیئے تھے جن سے قوت تقریر اور زور بیان کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔اس مفہوم کو کہ انصار چاہیں تو خلافت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں کس بلیغ پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

"اما و الله لئن شئتم لنعید نها جذعة"

خلافت کو اُونٹ سے تعبیر کر کے کہتے ہیں کہ تم چاہو تو میں اس کو پانچ برس کا ایک بچہ بنا سکتا ہوں۔اسی طرح اپنی حیثیت اور ذاتی وجاہت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"انا جذیلها المحک وعدیقها المرجب" یعنی "میں انصار کے خارشتی اونٹ کے بدن رگڑنے کا ستون اوران کے تناور درخت کا سدروئین ہوں"۔

عرب میں جس اونٹ کے خارش نکلتی تھی صحت یابی کے لئے اس ایک لکڑی یا ستون سے باندھ دیتے تھے جس سے وہ اپنا بدن رگڑ رگڑ کر اچھا ہو جاتا تھا۔اسی طرح کھجور کے بہت بڑے درخت کے نیچے جس کے جھکنے کا خوف ہوتا تھا،ایک دیوار بنا دیتے یا لکڑی گاڑ دیتے تھے تو درخت سیدھا رہتا تھا۔

حضرت حبابؓ نے اپنی ذمہ داری کو اسی لکڑی اور دیوار سے تشبیہ دی ہے۔

حضرت حرام بن ملحان رضؓ

نام ونسب :

حرام نام، قاری لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حرام بن مالک (ملحان) بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ حضرت امّ سلیمؓ کے بھائی تھے جو آنحضرتﷺ کی خالہ اور حضرت انس بن مالکؓ مشہور صحابی کی والدہ ماجدہ تھیں۔

اسلام : بنونجار، صدائے اسلام پر لبیک کہنے میں تمام انصار پیش پیش رہے تھے، حضرت اُم سلیمؓ کی وجہ سے خاندانِ عدی اسلام کے نام سے گوش آشنا ہو چکا تھا اس لئے بھائی نے بھی قبولِ اسلام میں سبقت کی۔

غزوات اور وفات :

بدر اور اُحد کے معرکوں میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا، سریہ بیر معونہ[1] میں جو احد کے بعد ہوا تھا ان کے موجود ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرتﷺ کے پاس کچھ لوگ یہ درخواست لے کر آئے کہ ہمارے ملک میں اشاعتِ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے جو قرآن وسنت کی اچھی طرح تعلیم دے سکیں، آپ ﷺ نے ۷۰ آدمیوں کو جو قراء کے لقب سے مشہور تھے ان کے ساتھ کر دیا۔ حرام بھی اسی جماعت میں تھے وہاں پہنچ کر ایک مقام پر قیام کیا حرام دو آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ایک کے پاؤں میں لنگ تھا قبیلہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے گئے اور یہ کہہ کر ان کو قریب چھوڑ دیا کہ تم یہیں ٹھہرو، پہلے میں جاتا ہوں اگر زندہ بچ گیا تو خیر ورنہ تم دوڑ کر ہمارے ساتھیوں کو خبر کر دینا، اور قبیلہ میں جا کر کہ میں آنحضرتﷺ کی رسالت پر کچھ کہنا چاہتا ہوں تم مجھے امان دیتے ہو۔

اِدھر تقریر شروع ہوئی تھی کہ اُدھر قبیلہ والوں نے ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے نیزہ کا وار کیا جو ایک پہلو کو توڑ کر دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ نے زخم کا خون لے کر چہرہ اور سر پر چھڑکا اور فرمایا "اللہ اکبر! فزت ورب الکعبہ"، "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا"۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۵

دونوں ساتھیوں میں سے جن کے پاؤں میں لنگ تھا، پہاڑ میں چھپ رہے۔ دوسرے نے مسلمانوں کو خبر کی واقعہ سن کر سب موقع پر پہنچ گئے اور اسی جگہ لڑ کر جامِ شہادت نوش کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخون وخاک غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ایک مہینہ تک قاتلین کے حق میں دعائے بد کی[1]۔

فضل وکمال:

قرآن وحدیث میں اس قدر عبور تھا کہ نجد میں ان کی اشاعت کے لئے مقرر کئے گئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ قرآن پڑھا کرتے اور رات کے وقت اس کا درس دیتے تھے[2]۔ اسی وجہ سے قاری لقب پڑ گیا تھا[3]۔

اخلاق:

رات نماز پڑھتے[4]، دن کو مختلف نیک کام کرتے، مسجد نبوی ﷺ میں پانی بھر کر رکھتے، لکڑی کاٹ کر فروخت کرتے[5] اور اس سے اصحابِ صفہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کی غذا مہیا کرتے تھے[6]۔ ان کے کریمانہ اخلاق میں جوش ملی جس کا نظارہ اوپر ہو چکا ہے ایسا دیدہ زیب مرقع پیش کرتا ہے جس کے بعد دوسرے مرقع کی حاجت نہیں رہتی۔

---

۱ صحیح بخاری۔ص ۵۸۶، ۸۱　۲ صحیح مسلم۔جلد۲۔ص ۱۰۸　۳ ایضاً　۴ ایضاً　۵ ایضاً
۶ صحیح مسلم۔جلد۲۔ص ۱۳۸

حضرت حسّان بن ثابت رض

نام ونسب :

حسان نام ہے۔ابوالولید کنیت،شاعر رسول اللہ ﷺ لقب ہے۔سلسلۂ نسب یہ ہے :

حسان ابن ثابت منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار ابن ثعلبہ بن خزرج۔ والدہ کا نام فریعہ بنت خالد بن خنیس بن اوذان بن عبد ودابن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ تھا۔قبیلۂ خزرج سے تھیں اور سعد ابن عبادہ سردار خزرج کی بنت عم ہوتی تھیں[1] - حسان نے ایک شعر میں ان کا نام ظاہر کیا ہے۔

امسی الجلابیب قد غروا وقد کثروا   وابن الفریعة امسی بیضة البلد [2]

وہ اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔حضرت حسان رض کے اجداد اپنے قبیلہ کے رئیس تھے۔فارغ کا قلعہ جو مسجدِ نبوی ﷺ سے جانب غرب باب الرحمۃ کے مقابل واقع تھا انہی کا سکونت گاہ تھا۔حسان رض کہتے ہیں۔

ارقت لتوما من البروق اللوامع   ونحن نشاوی بین سلع و فارع [3]

سلسلۂ اجداد کی چار پشتیں نہایت معمر گذریں۔عرب میں کسی خاندان کی چار پشتیں مسلسل اتنی طویل العمر نہیں مل سکتیں۔حرام کی عمر جو حضرت حسان رض کے پردادا تھے ۱۲۰ سال کی تھی،ان کے بیٹے منذر اور ثابت بن منذر اور حسان بن ثابت سب نے یہی عمر پائی[4]۔

اسلام : حضرت حسان رض حالتِ ضعیفی میں ایمان لائے۔ہجرت کے وقت ۶۰ برس کا سن تھا۔

غزوات : دل کے کمزور تھے اس لئے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے[5]۔حضرت ابن عباس رض کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں شرکت کی تھی،حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

" قیل لا بن عباس قدم حسان اللعین فقال ابن عباس ماھو بلعین قد جاھد "مع رسول اللہ ﷺ بنفسه ولسانه" [6]۔

---

[1] صحیح بخاری۔جلد۲۔ص ۵۹۵   [2] اصابہ۔جلد۸۔ص ۱۶۶   [3] خلاصۃ الوفاء ۲۹   [4] اسد الغابہ جلد۲۔ص ۷

[5] [6] تہذیب التہذیب۔جلد ا۔ص ۲۴۸۔افک یعنی حضرت عائشہ رض پر تہمت تراشی کے واقعہ میں حضرت حسان رض بھی منافقین کے فریب میں آکر شریک ہو گئے تھے،اس لئے بعض اصحاب حب رسول ﷺ میں ان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔اس واقعہ میں بھی غالباً ملعون کہنے کا سبب یہی ہے۔

"ابن عباس ؓ سے کہا گیا کہ حسان ملعون آیا ہے فرمایا ملعون کیونکر ہو سکتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اپنے نفس اور زبان سے جہاد کیا ہے"۔

لیکن عام تذکرے اس کے خلاف ہیں، غزوۂ خندق میں عورتوں کے ساتھ قلعہ میں تھے آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ ؓ بنت عبدالمطلب بھی اس قلعہ میں تھیں۔ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہ ؓ کو اندیشہ ہوا کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہوگئی تو بڑی مشکل پیش آئی گی۔کیونکہ آنحضرت ﷺ جہاد میں مشغول تھے، انہوں نے حسان سے کہا کہ اس کو مارو، ورنہ یہود سے جا کر خبر کر دے گا۔انہوں نے جواب دیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ حضرت صفیہ ؓ نے یہ جواب سن کر خود خیمہ کی چوب اٹھائی اور مردانہ وار نکل کر مقابلہ کیا اور یہودی کو قتل کر کے حسان سے کہا اب جا کر اس کا سامان اُتار لاؤ، بولے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں [1]

حضرت حسان ؓ جان کے بجائے زبان سے جہاد کرتے تھے، چنانچہ غزوہ بنونضیر میں جب آنحضرت ﷺ نے بنونضیر کے درخت جلائے تو انہوں نے یہ شعر کہا۔

فهان علی سراة بنی لوئی　　　حريق بالبويرة مستطير

بنونضیر اور قریش میں باہم نصرت و مدد کا معاہدہ تھا اس بنا پر قریش کو غیرت دلاتے ہیں کہ تم بنونضیر کی جس وقت کہ مسلمان ان کے باغ جلا رہے تھے کچھ مدد نہ کر سکے۔ یہ شعر مکہ پہنچا تو ابوسفیان بن حارث نے جواب دیا۔

اذام الله ذالک من صنيع　　　وحرق فی نواحيها السعير

ستعلم اينا منها بنزه　　　وتعلم ای ارضينا نضير

یعنی خدا تم کو ہمیشہ اس کی توفیق دے، یہاں تک کہ آس پاس کے شعلوں سے خود مدینہ خاکستر ہو جائے اور ہم دور سے بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھیں [2]

۵ھ میں غزوہ مریسیع سے واپسی کے وقت منافقین نے حضرت عائشہ ؓ پر اتہام لگایا، عبداللہ بن ابی ان سب میں پیش پیش تھا۔ مسلمانوں میں بھی چند آدمی اس کے فریب میں آ گئے جن میں حسان، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش بھی شامل تھیں جب حضرت عائشہ ؓ کی برأت کی آیتیں اتریں تو آنحضرت ﷺ نے اتہام لگانے والوں پر، عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے کی قرآن کی مقرر کردہ حد جاری رکھی [3]۔

---

[1] اسدالغابہ جلد۲۔ص۶　[2] صحیح بخاری جلد۲۔ص۵۹۵　[3] اصابہ جلد۸۔ص۱۲۶

گو حضرت حسان ؓ حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگانے والوں میں سے تھے لیکن اس کے باوجود جب ان کے سامنے حسان ؓ کو کوئی برا کہتا تو منع کرتیں اور فرماتیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی مدافعت کرتے تھے۔[1]

ایک مرتبہ حضرت حسان ؓ حضرت عائشہ ؓ کو شعر سنا رہے تھے کہ مسروق بھی آ گئے اور کہا آپ ان کو کیوں آنے دیتی ہیں، حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جس نے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ فرمایا: یہ اندھے ہو گئے اس سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا۔ پھر فرمایا، بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مشرکین کی ہجو کرتے تھے۔[2]

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسان کو حکم دیا کہ تم اٹھ کر اس کا جواب دو، انہوں نے اسی ردیف وقافیہ[3] میں برجستہ جواب دیا۔

ان الذوائب من فهرو اخوتهم	قد بينوا سنة للناسِ تتبع
يرضىٰ بها كل من كانت سريرة	تقوىٰ الا لد وبالا مر الذى شرعو
قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم	اوحاولو النفع فى اشياعهم نفعوا
سجية تلک منهم غير محدثةٍ	ان الخلائق فاعلم شرها البدع
لو كان فى النّاس سباقون بعد هم	فكل سبق لادنى سبقهم تبع
لاير فع النا س ماوهت اكفهو	عند الرقا ع ولا يو هون مارفعوا
ولا يضنون عن جار بفضلهم	ولا يمسهم فى مطمع طمع
خذ منهم ماأتوا عفوا اذا عطفوا	ولا يكن همک الامر الذى منعوا
فان فى حربهم فانزل عداوتهم	شرا بحاض اليه الصاب والسلع
اكرم بقوم رسُو ل الله شيعتهم	اذا تفوقت الا هوا ح والشيح

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت حسان ؓ نے کئی پُر درد مرثیے لکھے جو ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں۔ ہم ان کے صرف مطلعوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلے مرثیہ کا مطلع ہے۔

اليت حلفه برغير ذى دخل	منى اليَّة غير افتا د
بالله ماحملت انثىٰ ولا وضعت	مثل النبى بنى الرحمة الهاد

---

[1] خلاصۃ الوفاء ۲۹ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۷ [3] استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۱

آ گے چل کر لکھتے ہیں۔

امسی نساء ک عطلن البیوت فما		یضر بن خلف فقا ستر یا د تا

مثل الروا ھب یلبس المسوح وقد		ایقن بالیؤس بعد النعمة البادی

دوسرے مرثیے میں جس کا مطلع

مابال عینک لا تنام کا نما		کحلت مافیھا مابکحل الارمد

ہے اپنی مصیبت اور رنج وغم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

جنبی یقیت النر بلھفی لیتنی		کنت المغیب فی الضریح الملحد

پھر کہتے ہیں۔

اقیم بعدک بالمدینة بینھم		بالھف نفسی لیتنی لم اولد

تیسرا مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے۔

یا عین جودی بدمع منک اسبال		ولا تملن من سحٍ و اعوا ل

چوتھے مرثیے کا پہلا شعر ہے۔

نب المساکین ان الخیر فاوقھم		مع الرسول تولی عنھم سحرا [1]

آنحضرت ﷺ کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی، ۱۲۰ برس کا سن تھا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ۴۰ھ سے پیشتر انتقال کیا لیکن یہ صحیح نہیں۔

اہل وعیال : بیوی کا نام سیرین تھا جو ماریہ قبطیہ حرم رسول اللہ ﷺ کی ہمشیر تھیں ان سے عبدالرحمٰن نام کا ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس بناء پر عبدالرحمٰن اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ حقیقی خالہ زاد بھائی تھے [2]۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ان کا آبائی مسکن فارع کا قلعہ تھا، لیکن جب ابوطلحہؓ نے بیرحا کو صدقہ کر کے اپنے اعزہ پر تقسیم کر دیا اور ان کے حصہ میں بھی ایک باغ آیا تو یہاں سکونت اختیار کر لی۔ یہ مقام بقیع سے قریب تھا۔ امیر معاویہؓ نے ان سے خرید کر یہاں ایک قصر بنوایا تھا جو قصر بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ زمین آنحضرت ﷺ نے اس صلہ میں دی تھی کہ انہوں نے صفوان بن معطل کا وار برداشت کیا تھا لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲۔ ص ۹۰، ۹۱ و ۹۲۔ قسم ۲		[2] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۶

اول تو وہ کبھی میدانِ جنگ میں شریک نہیں ہوئے دوسرے خود اس روایت کی سند مشتبہ ہے، ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید صحیح بخاری سے ہوتی ہے[1]۔

فضل وکمال :

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ روایوں میں حضرت براء بن عازب ؓ، سعید بن مسیّب ؒ، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، عروہ بن زبیر، ابو الحسن مولیٰ بنو نوفل، خارجہ بن زید بن ثابت، یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب اور دیگر حضرات ہیں۔

شاعری : حضرت حسان ؓ کی سیرت میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے۔ شعر و سخن عرب کا مذاق تھا اور چند قبائل خصوصیت کے ساتھ شاعروں کے معدن تھے۔ مثلاً قیس، ربیعہ، تمیم، مضر، یمن، موخر الذکر قبیلہ میں اوس وخزرج کا شمار تھا جن سے حضرت حسان ؓ کا آبائی سلسلۂ نسب ملتا ہے۔

ان قبائل میں بھی چند مخصوص خاندان تھے جن کے ہاں شاعری ابا عن جد وراثت کے طور پر چلی آتی تھی۔ حضرت حسان ؓ بھی ان ہی میں سے تھے ان کے باپ، دادا اور وہ خود اور ان کے بیٹے عبد الرحمٰن اور پوتے سعید بن عبد الرحمٰن سب شاعر گذرے ہیں[2]۔ ان شاعروں میں کچھ لوگ ''اصحابِ مذہبات'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مذہبات ذہب سے مشتق ہے جس کے معنی سونا ہیں۔ چونکہ بعض شاعروں کے منتخب اشعار سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے اس لئے مذہبہ کہلاتے ہیں۔ بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا، حضرت حسان ؓ کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے۔

لعمر ابیک الخیر حقا لما نبا　　　علی لسانی فی الخطوب ولا یدی

حضرت حسان ؓ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے۔ اصمعی کہتا ہے :

''شعر حسان فی الجاهلیت من اجود الشعر''

ایک مرتبہ کعب بن زبیر نے فخریہ کہا :

فمن للقوافی شانها من یجولها　　　اذا ما مضی کعب وفوز جردل

تو مرزد (برادر شماخ شاعر مشہور) نے فوراً ٹوکا کہ[3]

''فلست کحسان الحسام بن ثابت''

آبادی کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو حصوں پر منقسم ہیں۔ اہل وبر (دیہات والے) اور اہلِ مدر (شہر والے)۔ اہلِ مدر میں مکہ، مدینہ، طائف کے باشندے شامل تھے۔ باقی تمام ملک

---

[1] کتاب مذکور۔ ص ۲۵۴　[2] ایضاً۔ ص ۶۹　[3] طبقات الشعر و شعراء ابن قتیبہ۔ ص ۱۷۰

قصبات اور دیہات سے بھرا پڑا تھا۔ شعراء عموماً انہی دیہاتوں کے باشندے تھے لیکن چند شاعر شہروں میں بھی پیدا ہوئے ان سب میں حضرت حسان ؓ کو بالاجماع فوقیت حاصل ہے[1]۔

خصوصیات شاعری :

شعر کے اگر چہ مختلف اصناف اور قسمیں ہیں لیکن ان میں اصولی حیثیت صرف چار کو حاصل ہے۔ رغبت، رہبت، طرب، غضب۔ چنانچہ رغبت میں مدح، شکر، رہبت میں معذرت، طلب رافت، طرب میں شوق، تغزل اور غضب میں ہجو، عتاب و حشم داخل ہیں[2]۔ حضرت حسان ؓ کا کلام ان میں سے ہر رنگ میں موجود ہے۔ اگر چہ ہجو کا رنگ ان سب سے زیادہ ہے تند و تیز ہے۔ خصوصیات شاعری حسب ذیل ہیں۔

۱۔ **جدت استعارات** : اگر چہ عربوں کی شاعری تمدن کی پروردہ نہیں تھی تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمدن سے متاثر ضرور تھی۔ تمدن عرب کی حقیقی صبح صادق قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات سے طلوع ہوئی قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس نے بڑے بڑے زبان آوروں کو اپنے سامنے خاموش کر دیا تھا اس بناء پر جو شاعر مذہب اسلام میں داخل ہوئے ان میں فصاحت و بلاغت کی ایک نئی روح پیدا ہوئی۔ حضرت حسان ؓ ان میں سب سے زیادہ تھے۔

قرآن مجید میں صحابہ ؓ کی تعریف میں لکھا ہے کہ "سیماھم فی وجوھم من اثر السجود" حسان ؓ اس کو استعارہ بنا کر حضرت عثمان ؓ کے قاتلین کا ذکر کرتے ہیں۔

ضحوا باشمط عنوان السجود بہ   یقطع اللیل تسبیحا و قرانا[3]

لوگوں نے اس کچے پکے بالوں والے کی قربانی کر دی جس کی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا اور تمام رات تسبیح و قرآن خوانی میں گذرتا تھا۔ دیکھو اس شعر میں چہرہ کو "عنوان السجود بہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو بالکل جدید استعارہ ہے۔

۲۔ **اشارہ کی لطافت** : اشارہ کی ایک قسم تبتیع یا تجاوز ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر کسی چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہے لیکن پھر اس سے عمداً گریز کرتا ہے اور ایک ایسی صفت بیان کرتا ہے جس میں وہ چیز بھی صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے۔

۱۔ کتاب الاغانی۔ ص ۵۶ اور اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۶   ۲۔ کتاب العمدہ جلد ۱۔ ص ۷۷، ۷۸

۳۔ کتاب العمدہ جلد ۱۔ ص ۱۸۶

عرب میں سینکڑوں قبیلے صحراؤں اور بیابانوں میں اقامت گزین تھے جو ہمیشہ خانہ بدوش پھرا کرتے تھے جہاں کہیں پانی مل جاتا طرح اقامت ڈال دیتے اور جب ختم ہو جاتا تو کسی اور طرف رخ کر لیتے۔ شاعروں نے اس مضمون کو مختلف طور سے باندھا ہے لیکن حسان رضی اللہ عنہ نے جس طرز سے ادا کیا ہے وہ بالکل اچھوتا اور نہایت ہی لطیف ہے۔

اولاد جفنة حول قبر ابيهم قبر ابن مارية الكريم المفضل

جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد گھومتی ہے جو نہایت سخی اور فیاض تھا۔

ممدوح چونکہ عرب نسل تھا، اس بنا پر اس کی تعریف کے ساتھ ایک ملیح اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ خانہ بدوش نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بے خوف وخطر اپنے باپ کی قبر کے ارد گرد رہتے ہیں۔ ان کا مقام سکونت سرسبز و شاداب ہے۔ اس بنا پر ان کو مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۔ **کنایہ کی بداعت** : عرب شاعر بعض صفات کو کنایہ اور تعریض کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً اگر کہنا ہو کہ ممدوح نہایت ذی رُتبہ اور فیاض ہے تو ہو کہے گا : "**المجد بين ثوبيه والكرام فى برديه**" یعنی یہ اوصاف اس کے کپڑوں کے اندر ہیں۔ حسان اس کو بالکل نئے انداز سے ادا کرتے ہیں :

بنى المجد بيتا فاستقرت عماده علينا فاعيى الناس ان يتحولا

مقصود یہ ہے کہ ہم نہایت بلند رُتبہ ہیں۔ اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجد بزرگی نے ہمارے ہاں ایک گھر بنایا ہے اور اس کے ستون اس قدر مضبوط گاڑے ہیں کہ لوگ ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے۔ اس مجد کا ایک گھر بنانا، پھر اس کے ستون اپنے یہاں قائم کرنا اور لوگوں کا ان کو ہٹا نہ سکنا، یہ بالکل جدید انداز بیان ہے۔

۴۔ **وزن کی خوبی** : اس کا مدعا یہ ہے کہ وزن کے لحاظ سے ہلکا ہو، ذیل کے اشعار کس درجہ سبک اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں[1]۔

ماهاج حسان رسوم المقام ومظعن الحى ومبنى الخيام
والنوى قدهدم اعضاره تقادم العهد بوار نهام
قد ادرک الشرن ما املوا والجبل من شعثاء رث الرمام
كان فاها نغب بارد فى رصف تحت ظلال الغمام

۵۔ **قافیہ کی خوبی** : اس میں الفاظ کی نشست، جملوں کی ترکیب اور کلام کی سلامتی و روانی کے ساتھ ساتھ یہ صفت ہوتی ہے کہ بیت اول کے پہلے مصرع کا مقطع قصیدہ کا قافیہ بن سکتا ہے۔

---

[1] نقد الشعراء قدامہ ابن جعفر۔ ص ۱۰

اس میدان کا مرد صرف امراء القیس ہے۔ تاہم اور شاعروں نے بھی کوشش کی ہے۔ حضرت حسان نے ایک قصیدہ لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

الم تسال الربع الجديد التكلما   بمد قع اشداخ فرقة اكلما

اس کے بعد کا یہ شعر ہے:

ابى رسم دار الحى ان يتكلما   انيطق بالمعروف من كان ابكما[1]

۶۔ **الفاظ کا حاوی اور جامع ہونا:** اس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر ایک مفہوم ادا کرتا ہے۔ جس میں وہ تمام چیزیں بیان کر دیتا ہے، جس میں اس مفہوم کے پورے طور پر ادا ہونے کو دخل ہے۔ مثلاً یہ شعر:

لم تفتها شمس النهار بشئ   غير ان الشباب ليس يدوم[2]

۷۔ **قلت مبالغہ:** حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی عہد اسلام کی شاعری مبالغہ سے بالکل خالی ہے ظاہر ہے کہ جو شعر مبالغہ سے خالی ہوا، وہ بالکل پھیکا اور بے مزہ ہوگا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے۔ اس بنا پر میں نے افراط کو کہ جھوٹ کی ایک قسم ہے بالکل چھوڑ دیا ہے[3]۔

جاہلیت کی شاعری میں بھی مبالغہ کا کم عنصر شامل تھا۔ نابغہ نے ان کے حسب ذیل شعر[4]

لنا الجفنات الغر يلمعن بالضحى   واسيافنا يقطرن من نجدة دما

میں اسی نقطۂ خیال سے نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے نزدیک "غر" کے بجائے بیض "ضحیٰ" کے جگہ دجی اور "یقطرن" کے مقام پر "یجرین" کہنا چاہئے تھا۔ لیکن دراصل یہ خیال صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر میں پیالوں کی سفیدی بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف شہرت اور نباہت کا اظہار مدنظر ہے اور غر سے مشہور چیز کا نام لینا تمام عرب میں عام تھا۔ مثلاً یوم اغر اور ید غراء وغیرہ۔

اسی طرح "ضحیٰ" کے بجائے "دجی" صحیح نہیں۔ کیونکہ دن میں وہی چیزیں زیادہ چمکتی ہیں جن کی روشنی نہایت تیز اور شدید ہو، اور رات کو ہر چھوٹی اور دھندلی چیز نمایاں ہو جاتی ہے۔ مثلاً ستارے دن کو بھی موجود رہتے ہیں۔ لیکن ان کی روشنی آفتاب کی وجہ سے ماند رہتی ہے یا چراغ تاریکی میں درندوں کی آنکھیں تک چمک اُٹھتی ہیں اور ایک قسم کی مکھی جس کو عربی میں براع اور فارسی میں کرمک کہتے ہیں، بالکل آگ کا شعلہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح یقطرن کی جگہ یجرین، محاورۂ عرب کے خلاف ہے۔ عرب میں جب کسی بہادر اور جانباز کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں "**سيفه يقطر دما**"۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ **سيفه دما يجرى**۔

---

[1] نقد الشعراء قدامہ بن جعفر۔ ص ۱۵ [2] ایضاً۔ ص ۵۰ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵ [4] نقد الشعراء۔ ص ۱۸

دفاعی نظمیں : حضرت حسانؓ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت عن الدین یا ہجو کفار ہے۔ انہوں نے بہت کفار کی ہجو لکھی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا کلام فحاشی سے بالکل پاک تھا۔

عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض محض اپنے قبیلہ کی مدافعت ہوتی تھی۔ اس بنا پر وہ اپنے اشعار صحیح صحیح واقعات میں نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے ہیں۔ چنانچہ زہیر نے تجاہل کے طور پر یہ اشعار لکھے[1]۔

دما اوری رسوف اخال ادری　　اقوم آل حصینٍ ام نساء

"مجھے معلوم نہیں اور عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ آل حصین مرد ہیں یا عورت"

فان تکن النساء نحبئات　　فحق لکل محضیۃٍ ھداء

"اگر عورتیں ہیں تو ان کو ہدیہ کرنا چاہئے"

لوگوں کو نہایت گراں گزرا کہ عرب میں سب سے سخت ہجو لکھی گئی تھی۔

حضرت حسانؓ کی ہجو سب و شتم پر مشتمل نہ تھی۔ بلکہ مدافعت تھی اور وہ بھی بطریق احسن و بہ پیرایۂ مناسب۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[2]:

"کان حسان و کعب یعارضانھم مثل قولھم فی الوقائع والا یام والماثر ویذ کرون مثالبھم"

یعنی "حسان و کعب مشرکین کی رزمیہ اور فخریہ نظموں کا جواب دیتے تھے اور ان کے شالب کا تذکرہ کرتے تھے"۔

حضرت حسانؓ کی ہجو کی شان نزول یہ ہے کہ مشرکین میں ابوسفیان بن حارث ابن عبدالمطلب، عبداللہ بن زبعری، عمرو بن خاص، ضراء بن خطاب، آنحضرت ﷺ کی ہجو کرتے تھے۔ لوگوں نے جناب امیرؓ سے درخواست کی کہ آپ اُن کے جواب میں ہجو لکھیں۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہو تو آمادہ ہوں۔ آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا : "علی اس کام کے لئے موزوں نہیں، اس کام کو انصار کریں گے، جنہوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے"۔ حسانؓ نے زبان پکڑ کر کہا، میں اس کام کے لئے بخوشی آمادہ ہوں۔ ارشاد ہوا کہ "قریش کی ہجو کس طرح کرو گے، حالانکہ میں بھی انہی میں سے ہوں"۔ عرض کی :

"لا سلنک منھم کماتسئل الشعرۃ من العجین"

"میں آپ ﷺ کو اس طرح نکالوں گا جیسے آٹے سے بال نکالا جائے"۔

---

[1] کتاب العمدہ جلد ۲ ص ۱۳۹　[2] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۵　[3] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۵

فرمایا : تو تم نسب ناموں میں ابوبکر صدیق ؓ سے مدد لینا، ان کو قریش کے نسب میں اچھی واقفیت ہے[1]۔

حضرت حسان ؓ، حضرت ابوبکر ؓ کے پاس جاتے اور ان سے دریافت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ بتاتے کہ فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا، یہ رسول اللہ ﷺ کی دادیاں ہیں۔ باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا۔ ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار لکھے :

وان سنام الجد من آل هاشم	بنو بنت مخذوم و الدت ابعد
ومن ولدت ابناء زهرة منهم	كرام ولم لقريب عجائزک المجد
ولست كعباس ولا كابن امه	ولكن لئيم، لا تقام له زند
ران ارع اكانت سمية اُمه	و سمراء مغمو، اذا بلغ الجعد
وانت بين نيط فى آل هاشم	كما نيط خلت الراكب القدح الفرد

تو بولا کہ ان شعروں میں ابوبکر ؓ کا حصہ ضرور ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت عبداللہ اوحاب، زبیر، حضرت حمزہ، حضرت صفیہ ؓ، حضرت عباس ؓ، اور ضراء بن عبدالمطلب کو مستثنیٰ کرکے ابوسفیان کی ماں سمیہ اور اس کے باپ حارث کی ماں سمراء پر طنز کیا ہے[2]۔

اسی ابوسفیان کی ہجو میں کہتے ہیں :

هجوت محمد افاجيت عنه	وعند الله فى ذاک الجذاء
هجرت مطهرا ابراحنيفا	امين الله شمية الوقاء
اتهجوه ولست له بندٍ	فشر كما لخير لما افداء
نان ابى ووالده وعرضى	لعرض محمد منكم وقاء

آنحضرت ﷺ اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے ایک مرتبہ فرمایا :

"حسان اجب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اللّهم ايده بروح القدس"۔

''اے حسان میری طرف سے جواب دے، خداوند روح القدس کے ذریعہ اس کی تائید کر''۔

ایک مرتبہ ارشاد ہوا :

"اهجهم و جبريل معک"[3]

یعنی ''تو مشرکین کی ہجو کر جبریل تیرے ساتھ ہیں''۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۹ و اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۹۰۹

مشرکین پر ان شعروں کا جو اثر پڑتا تھا، اس کو آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"ان قوله فيهم اشد من وقع النبل"[۱]

"حسان کا شعر ان میں تیر ونشتر کا کام کرتا ہے"۔

اب ہم ہجو کے چیدہ اشعار لکھتے ہیں:

اتهجوه ولست له بندٍ — فسر كما لخير كما الفداء

"تو باایں ہمہ کہ آنحضرت ﷺ کا کفو نہیں، ان کی ہجو کرتا ہے، تم میں کا بُرا اچھے پر قربان ہے"۔

اس شعر کا اخیر مصرعہ اس قدر مقبول ہوا کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔

واشهد ان لک من قريش — کال السقب من ولد النعام

"میں جانتا ہوں کہ تیری قرابت قریش ہے، لیکن اس طرح جیسے اُونٹ کے بچہ کی شتر مرغ کے بچہ سے ہوتی ہے"۔

ابن مضرغ نے انہی کا پہلا مصرع اُڑا کر امیر معاویہ ؓ کی ہجو لکھی تھی۔

واشهد ان الک من زياد[۲]

وامک سوداء مردونة — کانّ انا ملها الخنطب[۳]

"تیری ماں کالی حبشن ہے اور بے انتہا پستہ قد ہے اور پور گویا خنطب (ایک چھوٹا جانور ہے) ہیں"۔

مدح: مدح اچھی لکھتے تھے۔ آل عنان کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں، ان میں بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں:

يسقون من ورد البريض عليهم — بردى يصفق بالرحيق السلسل

"جو ان کے ہاں جاتا ہے، وہ اس کو بردی (نہر کا نام ہے) کا پانی صاف شراب میں ملا کر پلاتے ہیں"۔

مصعب بن زبیر کی مدح میں ابن قیس نے ایک شعر اسی کے قریب کہا ہے، لیکن جو مضمون اس میں ادا ہوا ہے اس میں نہیں ادا ہوا[۴]۔

اسی طرح یہ شعر:

يغشون حتى ماتهم کلا بهم — لا يسئلون عن السواد المقبل

اس بات میں اختلاف ہے کہ مدح کا سب سے بہتر شعر کونسا ہے۔ تین شاعروں کے تین شعر اس باب میں سب سے بہتر ہیں۔ لیکن ان میں بھی ترجیح کس کو ہے یہ امر نا قابل انفصال ہے۔ حطیہ حضرت حسان ؓ کے شعر کو ترجیح دیتا ہے اور ابو الطمحان اور نابغہ کے شعروں کو بہتر بتاتے ہیں[۵]۔ عبدالملک بن مروان کہ اہلِ زبان اور زبان کا حاکم تھا، اس کا فیصلہ یہ ہے کہ

---

[۱] استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۹ [۲] طبقات الشعر والشعراء۔ ص ۲۱۲ [۳] دیوان حسان۔ ص ۲۰

[۴] کتاب العمدہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ [۵] ایضاً۔ جلد ۲۔ ص ۱۱۰

"ان امدح بیت قالته العرب بیت حسان هذا "[۱]

"عرب نے جتنے مدح میں اشعار، ان میں سب سے بہتر حسان کا شعر ہے"۔

اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعی عجیب جدت ہے۔ شاہان غسان کے جود وسخا کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی ہے کہ کتے تک مانوس ہو گئے ہیں اور ان کو دیکھ کر نہیں بھونکتے۔

یہ جاہلیت کے اشعار تھے۔ آنحضرت ﷺ کی مدح میں جو شعر لکھے ہیں، اب ان کو بھی سُننا چاہئے۔

مستی مبید فی الدجیٰ الیھم جبینه   یلح مثل مصباح الدجی المتوقد

"جب آنحضرت ﷺ کی پیشانی اندھیری رات میں نظر آتی ہے تو اس کی چمک نہایت روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے"۔

فمن کان او من تدیکون کاحمدٍ   نظام لحق او لکان لملحد

"پس آنحضرت ﷺ کا مثل کہ حق کا نظام اور ملحد کو عذاب جان ہیں۔ کون پیدا ہوا اور کون آئندہ ہو سکتا ہے"۔

حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ آپ ﷺ ایسے ہی تھے جیسا کہ حسانؓ نے کہا ہے[۲]۔

آنحضرت ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیتے تھے حضرت حسانؓ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے تھے اور آپ نہایت مسرور ہوتے تھے[۳]۔

جب بنو تمیم کا وفد آیا اور حسانؓ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے تو سب کے سب بول اُٹھے کہ محمد ﷺ کا خطیب ہمارے خطیب اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے[۴]۔

حسان رذان ماتر بریبةٍ   وتصبیح عرثی من لحو لم الغوافل

حضرت عائشہؓ کی مدح میں ہے۔ ان کو سُنایا تو بولیں، خیر میں تو ایسی ہوں لیکن تم ایسے نہیں[۵]۔

حسب ذیل اشعار فخر میں ہیں :

افتخار :

اھدی لھم مدحا قلب موازره   فیما احب لسان حائک صنع[۶]

"میں ممدوح کی ایسی مدح کرتا ہوں، جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جس کو شعر کی درست کرنے والی اور ماہر زبان پسند کرتی ہے"

۱۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۳۰   ۲۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۲۰   ۳۔ ایضاً۔   ۴۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۳۱
۵۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۹۷   ۶۔ دلائل الاعجاز ص ۳۹۵

اس میں انہوں نے زبان کو صنعت کلام کا ماہر قرار دیا ہے۔

الیک ارضا عازب الشعر بعد ما   تمهل فی روض المعانی العجائب

"ممدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعید المعنی ہیں اور جو معانی کے گلشن میں قیام کر چکے تھے"۔

غرائب لاقت فی فنائک انسها   من المجد فهی الآن خیر غرائب

"جو نوادر تھے، تمہارے ہاں عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے"۔

مقصد یہ ہے کہ میرے اشعار بلند معنی رکھتے ہیں اور ان کو اکابر شعراء کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے۔ یہ ممدوح کی قدردانی ہے جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں۔ ورنہ وہ گلستان معانی میں تقسیم ہو گئے ہیں کیونکہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے۔

وقافیه مثل انسان رز تها   تناولت من جو السماء نزولها

"اور ایک قافیہ جو تیر کی طرح ہے۔ کیا خوب ہے، آسمان سے اس کو اُڑا لایا ہوں"[1]۔

مرثیہ : حضرت حسانؓ نے مرثیے لکھے ہیں۔ جن کا ہر ہر شعر یکسر سوز و گداز ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مرثیے ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاقی نظمیں : ایک تجربہ کار شاعر۔ ایک سن رسیدہ بزرگ اور سب سے بڑھ کر ایک مقدس صحابی ہونے کی حیثیت سے حضرت حسانؓ کا موضوع شاعری، وعظ و پند اور اعلیٰ اخلاق کی طرف قوم کو رغبت دلاتا ہے۔ چنانچہ ادب کے متعلق فرماتے ہیں[1]۔

اصون عرضی بمال الا ادنسه   لابارک الله بعد العرض فی المال

"میں اپنی آبرو مال کے ذریعہ سے بچاتا ہوں۔ جس مال سے آبرو حاصل نہ ہو وہ اچھا نہیں"۔

احتال للمال ان اودی فاکسبه   ولست للعرض ان اودی ممجتال

"مال اگر نہ رہے تو پھر حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن آبرو بار بار حاصل نہیں ہو سکتی"۔

نرم و گرم ہونے کے متعلق کہتے ہیں :

وانی لحلو تعترینی مرارة   وانی لتراک لما لم اعود[2]

"میں شیریں ہوں، لیکن مجھے تلخی پیش آجاتی ہے اور میں جس چیز کا عادی نہیں اس کو چھوڑ دیتا ہوں"۔

ظلم کا انجام بُرا ہوتا ہے :

فدع السوال عن الامرور بحثها   ولرب حافر حضرةٍ هریصرع[3]

"ہم کسی بات کو کھود کرید کر نہیں پڑھتے، کیونکہ گڑھا کھودنے والا بسا اوقات اسی میں پچھاڑا جاتا ہے"۔

---

[1] حماسہ ابوتمام۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۔ ۵۹   [2] حماسہ تجری۔ ص ۱۱۲   [3] حماسہ تجری۔ ص ۱۱۳

آدمی کو ہمیشہ ایک سا رہنا چاہئے۔ امیر ہو کر آپے سے باہر اور غریب ہو کر غمگین نہ ہونا چاہئے۔

فلا المال یسینی حیائی و حفظی ولا وقعات الدھر لغل مبردے [۱]

"مال ہوتا ہے تو حیاء اور حفاظت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور مصیبت آتی ہے تو آرام میں خلل نہیں ڈالتا ہے"۔

اپنی موت کا بُلانا:

فلاتک کالشاہ التی کان حتفھا بحفر ذراعیھا تثیر و تحفر [۲]

"تم اس بکری کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے اپنے کھر سے زمین کھود کر موت بلائی تھی"۔

بڑے لوگوں کے کینے اور بغض کی حالت:

وقوم من البغضاء زورٍ کانما باجو افھم معا تجن لنا الحجر [۳]

"بہت سے آدمیوں کے پیٹ میں انگارے بھرے رہتے ہیں"۔

یجیش بما فیھا لنا الغلی مثل ما تجیش بما فیھا من اللھب القدر

"ان کے اندر کینے اس طرح جوش مارتے ہیں، جس طرح انگارے پر دیگ کا کھانا"۔

تصد اذا مارا جھتنی خدور ھم لدی محفل حتی کا نھم صعر

"جب تم محفلوں میں ان کے متکبرانہ چہرے دیکھتے ہو تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہو"۔

بات کا پورا کرنا:

وانی اذا ماقلت قولاً فعلتہ واعرض ھمالیس قلبی بفاعل [۴]

"میں جب کوئی بات کہتا ہوں تو کر گزرتا ہوں اور جس کام کو دل نہیں چاہتا ہے اس سے اعراض کرتا ہوں"۔

ومن مکر ھی ان اشئت الاقوالہ ومنع خلیل مذھب غیر طائل

"اگر میں نہ کہوں تو کوئی بھی زبردستی کرنے والا نہیں اور دوست کا کسی بات سے روکنا بے کار نہیں ہوتا"۔

غدر اور خیانت کی بُرائی:

یا جار! من یغدر بذمۃ جارہ منکم فان محمد الم یغدر [۵]

"اے پڑوسی! تم میں جو ہمسایہ سے دھوکا کرتا ہے، سُن لے محمد دھوکہ نہیں کرتے"۔

ان تغدر وانا لغدر منکم شمیۃ والغدرینبت فی اصول السنجر

"اگر تم دھوکا کرتے ہو تو وہ تمہارا شیوہ ہے، دھوکا سنجر کی جڑوں سے نکلتا ہے"۔

---

۱ ایضاً۔ ص ۱۱۹ ۲ ایضاً۔ ص ۱۷۹ ۳ ایضاً۔ ص ۲۵۰ ۴ حماسہ تجری۔ ص ۱۴۳ ۵ ایضاً۔ ص ۱۳۸

وامانه المرى حيث لقيته مثل الزجاجة صدعها لم يجبر

''مری کی امانت تم جہاں پاؤ، اس شیشے کی طرح ہوگی، جس کا شگاف درست نہیں ہوسکتا''۔

بُری باتوں سے درگزر :

اعرض عن العوراء حيث سمعتها واصفح كانك غافل لا تسمع [1]

''بُری بات سن کر اعراض کیا کرو، اس طرح کہ تم نے اس کو سنا ہی نہیں''۔

ذلت کی زندگی بسر کرنا :

كرهوا الموت فاتسبح حماهم واقاموا فعل اللئيم الذليل [2]

''انہوں نے موت کو ناپسند کیا اس بنا پر ان کی آبروریزی ہوئی''۔

امن الموت تهربون فان الموت موت الهزال غير جميل

''اگر تم موت سے بھاگتے ہو تو کمزوری کی موت اچھی نہیں ہوتی''۔

متفرق چیدہ کلام :

حضرت حسانؓ کے متفرق چیدہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

قوم اذاحاد بوا اضروا عدوهم اوحاولو االنفع فى اشياعهم نفع

سجية تلك منهم غير محرثةٍ ان الخلائق فاعلم شرها البدع

علم معانی میں بدیع کی ایک قسم نہایت لطیف ہے جو بالکل وجدانی ہے وہ یہ کہ کلام کے تمام اجزاء متحد اور ایک دوسرے میں داخل ہوں، ہر لفظ کا ربط نہایت شدید ہو یہاں تک کہ پورا جملہ موتی کی ایک لڑی معلوم ہو۔ مذکورہ بالا شعر اسی صفت کا ہے اور اس میں تقسیم نے اور بھی لطف زیادہ کردیا ہے [3]۔

وان شام المجد من آل هاشم بنو بنت نحزوم ووالدك العبد

مقصود یہ ہے کہ جس کی ہجو کی ہے اس کو غلام ثابت کریں اور یہ بیان کر کہ اس کا غلام ہونا سب پر روشن ہے اس کو " العبد " کے الف لام نے ظاہر کردیا ہے اگر والدک عبد کہتے تو صرف خبر معلوم ہوتی، غلامی کا آشکارا و ہویدا ہونا سمجھ میں نہ آسکتا [4]۔

اهوى حديث الندمان فى فلق الصبح وصوت المغرد المغرد

یہ شعر اس درجہ موثر ہے کہ بعض اہلِ مدینہ کا بیان ہے کہ میں جب پڑھتا ہوں جذبات، شجاعت برانگیختہ ہوجاتے ہیں [5]۔

---

[1] حماسہ تبریزی۔ ص ۱۷۲ [2] ایضاً۔ ۲۶ [3] دلائل الاعجاز۔ ص ۴۷ [4] دلائل الاعجاز۔ ص ۱۴۰ [5] طبقات شعراء الشعراء۔ ص ۱۷۲

دیوان :

حضرت حسان ؓ کے اشعار عرصہ تک لوگوں کی زبانوں اور سینوں میں محفوظ رہے لیکن بعد میں زینت دہِ سفینہ بھی ہو گئے ابو سعید سکری نے ان کو جمع کر کے ان کی تشریح کی۔ اصابہ میں اس کے حوالے جا بجا موجود ہیں[1]۔ بعد میں کسی دوسرے شخص نے اس کی شرح لکھی ان کا دیوان ہندوستان اور تونس میں طبع ہوا، ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے مشہور ادارے گب میموریل سیرز نے لندن، برلن، پیرس اور سینٹ پڑسبرگ کے متعدد قلمی نسخوں و نیز مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے بڑے اہتمام سے اس کو چھاپا، لیکن با ایں ہمہ اس کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دی جاسکتی۔ احادیث، لغت اور ادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بے شبہ صحیح ہیں باقی احادیث کے متعلق اطمینان مشکل ہے۔

حضرت علی ؓ کے دیوان میں پہلا شعر ہے :

الناس فی صورة الشبه افكاء　　　ابوهم آدم والام حواء

لیکن عبدالقاہر جرجانی جو ادب کے امام اور علمِ معانی و بیان کے موجد تھے اسرار البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ اشعار محمد بن ربیع موصلی کے ہیں[2]۔

دیوانِ حسان ؓ کو بھی اسی پر قیاس کیجئے صاحب استیعاب لکھتے ہیں[3] :

"قال الاصمعی حسان احد فحول الشعراء فقال له ابو حاتم یاتی له اشعار لینة فقال الاصمعی تنسب الیه اشیاء لا تصح عنه"

"اصمعی نے کہا کہ حسان نہایت زبردست شاعر تھے، ابو حاتم بولے بعض اشعار تو بہت کمزور کہتے تھے۔ اصمعی نے کہا کہ بہت سے شعر ان کے نہیں بلکہ لوگوں نے ان سے منسوب کر دیئے"۔

اصمعی دوسری صدی ہجری میں تھا اور تیسری صدی میں انتقال کیا جب تیسری صدی میں اس قدر آمیزش ہو گئی تھی تو ۱۳ صدیاں گزرنے پر خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے ہوں گے۔

اخلاق و عادات :

ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دربارِ نبوی ﷺ کے شاعر تھے اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے کفار کی مدافعت میں اشعار کہتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا روح القدس سے ان کی مدد کر، اس بناء پر بارگاہِ رسالت ﷺ میں ان کو خاص تقرب حاصل تھا۔

---

[1] اصابہ جلد ۲۔ ص ۷۸　[2] کتاب مذکور۔ ص ۲۱۴　[3] استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۳۰

طبیعت کی کمزوری کے باوجود اخلاقی جرأت موجود تھی ایک مرتبہ مسجدِ نبوی ﷺ میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے منع کیا تو جواب دیا کہ میں تم سے بہتر شخص کے سامنے پڑھا کرتا تھا[1]۔

جاہلیت میں شراب پیتے تھے، لیکن جب سے مسلمان ہوئے قطعی پرہیز کیا ایک مرتبہ ان کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے حسانؓ نے دیکھا تو بہت لعنت ملامت کی۔ جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے آپ کا شعر ہے:

ونشر بها تمتر کنا ملوکاً   واسدا ما ینهنهنا اللقاء

ہم اسی کے بموجب پیتے ہیں۔ فرمایا، یہ جاہلیت کا شعر ہے۔ خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منہ نہیں لگائی[2]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۔ص ۹۰۹ و مسند جلد ۵۔ص ۲۲۲   [2] استیعاب جلد ۱۔ص ۱۲۹

حضرت حارثہ بن سراقہ رضؓ

نام ونسب :

حارثہ نام ہے۔ قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے : حارثہ ابن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔ والدہ کا نام ربیع بنت نضر تھا۔ وہ جلیل القدر صحابیہ اور حضرت انس بن مالک رضؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

اسلام : والد ہجرت سے قبل فوت ہو گئے تھے، والدہ زندہ تھیں اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ ماں کے ساتھ بیٹے نے بھی دائرہ اسلام میں شمولیت اختیار کی۔

غزوۂ بدر کی شرکت اور شہادت :

غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ جس روز کوچ کا حکم ہوا، سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے[1]۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ناظر بنا کر ساتھ لیا[2]۔ ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ حبان بن عرفہ نے تیر مارا، اس نے تشنۂ دہن کو شربت شہادت سے سیراب کیا۔ کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے پہلے انہی کو شرف شہادت حاصل ہوا۔

بدر سے واپسی کے وقت حارثہ کی ماں آنحضرت ﷺ کے خدمت میں آئیں اور عرض کیا، یارسول اللہ! حارثہ سے مجھے جس قدر محبت تھی آپ کو معلوم ہے۔ اگر وہ جنت میں گئے ہوں تو خیر صبر کرلوں گی ورنہ آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں۔ ارشاد ہوا، کیا کہہ رہی ہو! جنت ایک نہیں بلکہ کثرت سے ہیں اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہیں[3]۔

حضرت ربیع اس بشارت کو سن کر باغ باغ ہو گئیں۔ مسکراتی ہوئی اُٹھیں اور کہنے لگیں، بخ بخ یا حارثہ! یعنی واہ واہ اے حارثہ[4]۔

اخلاق : حضرت حارثہ رضؓ اپنی ماں کے نہایت اطاعت گزار اور فرمانبردار تھے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں :

"کان عظیم البر بامه"[5] "ماں کے معاملہ میں نہایت نیکوکار تھے"۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۲۸۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۴ [3] ایضاً۔ ص ۵۶۷
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۵۶ [5] اسد الغابہ۔ ص ۳۵۵

جوش ایمانی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسی طرف جارہے تھے کہ حارثہؓ سامنے آگئے۔ فرمایا: حارث! صبح کیسی کی؟ بولے اس طرح کہ سچا مسلمان ہوں۔ فرمایا ذرا سوچ کر کہو، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! دنیا سے منہ پھیر لیا ہے، رات کو رواں اور دن کو تشنہ دہن رہتا ہوں، اس وقت یہ حال ہے کہ اپنے کو عرش کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، جنتی جنت اور جہنمی دوزخ میں جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا: جس بندے کا قلب خدا منور کردے، وہ پھر خدا سے جدا نہیں ہوتا۔ حارثؓ نے درخواست کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے دعا کی، جس کی قبولیت غزوۂ بدر میں ظاہر ہوئی۔

حضرت حارث بن صمہؓ

نام ونسب :

حارث نام ہے۔ابوسعید کنیت،قبیلۂ خزرج کے خاندان سے ہیں۔سلسلۂ نسب یہ ہے : حارث بن صمہ بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن عامر (مبذول) بن مالک بن نجار۔

اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت صہیب رومیؓ سے جوراہِ خدا میں سخت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کر چکے، اخوت قائم ہوئی۔

غزوۂ بدر میں شریک تھے۔آنحضرت ﷺ کے ساتھ روحاء نام ایک مقام پر پہنچے تھے کہ چوٹ آ گئی۔اس میں آپ ﷺ نے ان کو مدینہ واپس کر دیا اور غنیمت واجر میں شامل فرمایا۔

غزوۂ احد میں جبکہ تمام لوگ منتشر ہو گئے تھے۔حارث نے نہایت پامردی سے داد شجاعت دی اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو قتل کیا۔آنحضرت ﷺ نے اس کا تمام سامان ان کو دیدیا۔ ان کے علاوہ اس غزوہ میں اور کسی مسلمان کو کسی کافر کا سامان نہیں دیا۔

اسی معرکہ میں آنحضرت ﷺ نے حارث سے پوچھا کہ تم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو دیکھا ہے؟ بولے پہاڑ کی طرف مشرکین کے نرغے میں تھے۔میں نے جانا چاہا لیکن حضور ﷺ پر نظر پڑ گئی تو اس طرف چلا آیا۔ارشاد ہوا، ان کو فرشتے بچا رہے ہیں۔حارث حضرت عبدالرحمٰن عوف کے پاس گئے۔دیکھا تو ان کے سامنے سات آدمی پچھڑے پڑے ہوئے ہیں۔پوچھا، یہ سب تم ہی نے مارے ہیں؟ بولے ارطاط اور فلاں فلاں کو تو میں نے قتل کیا ہے۔باقی ان لوگوں کے قاتل مجھ کو نظر نہیں آئے۔حارث نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے بالکل صحیح فرمایا تھا۔

وفات : بیر معونہ کے معرکہ میں عمرو بن امیہ کے ساتھ کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ چیلیں اور دوسرے پرندے نظر آئے۔یہ عمرو کو ساتھ لے کر اسی سمت چلے۔دیکھا تو مسلمانوں کی لاشیں خاک وخون میں غلطاں ہیں۔عمرو سے کہا بولو! کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ حق پر ہیں، کہا۔ تو پھر کیا دیکھتے ہیں جہاں منذر مارے جائیں، میں کس طرح ہٹ سکتا ہوں اور عمرو ؓ کو ساتھ لے کر کفار کی طرف بڑھے۔ انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ کردی جو بدن میں ہر جگہ پیوست ہو گئے اور حارث کی رُوح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دوسرے ساتھی اسیر ہو گئے۔

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ سعد اور ابوجہم، یہ دونوں صحابی تھے۔

فضل وکمال : اشعار ذیل حضرت حارث ؓ کے طبعزاد ہیں :

یارب ان الحارث بن صمه　　　اقبل فی مهامه مهمه

یسوق بالبنی هادی الامه

حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر

نام ونسب :

حنظلہ نام ہے۔ غسیل الملائکہ، تقی القاب، قبیلۂ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے : حنظلہ بن ابی عامر عمرو بن صیفی بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ ابن زید بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ عبداللہ بن ابی رئیس خزرج کی ہمشیرہ تھیں۔

ابو عامر (حنظلہ کا باپ) قبیلۂ اوس میں نہایت شریف اور بااثر شخص تھا۔ بعثت نبوی کا قائل تھا۔ اسی جذبۂ مذہبی نے رہبانیت کی طرف مائل کیا۔ ریاست دنیاوی سے دست کش ہو کر مذہبی سیادت حاصل کی اور پلاس پہن کر گوشۂ عزلت اختیار کیا۔ راہب اسی وجہ سے لقب پڑا۔

لیکن جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور مدینہ میں خلافت الٰہی کی بنیاد ڈالی گئی تو ابو عامر اور ابن ابی دونوں کی سیادت میں رخنہ پڑا تو ابن ابی نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا اور مدینہ میں مقیم رہا۔ ابو عامر کا پیمانۂ صبر زیادہ لبریز تھا۔ وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا اور مکہ کی سکونت اختیار کی۔ غزوۂ احد میں قریش مکہ نہایت سروسامان سے اُٹھے تو ابو عامر جوش حسد میں ان کے ساتھ آیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے فاسق کا لقب تجویز کیا۔ جس سے تاریخ اسلام میں وہ اب تک مشہور ہے۔

احد کے بعد پھر مکہ کو مراجعت کی اور وہیں مقیم رہا۔ ۸ ھ میں جب فضائے بطحا پر توحید کا علم لہرایا تو اس پر یہ زمین بھی تنگ ہوگئی۔ مکہ سے نکل کر روم پہنچا اور ہرقل کے دامن میں پناہ لی اور اسی جگہ ۹ ھ یا ۱۰ ھ میں مر گیا۔

ابو عامر کی شدت کفر کا تو یہ عالم تھا۔ اُس کے بیٹے (حنظلہ) کی حرارت ایمانی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حکم ہو تو اپنے باپ کا خاتمہ کر دوں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے منظور نہیں کیا۔ عبداللہ بن ابی کے فرزند حضرت عبداللہ نے بھی یہی درخواست کی تھی۔ ان کو بھی یہی جواب عنایت ہوا [1]۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۴۵

غزوۂ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ تھے۔ احد میں شرکت کی جوان کے لئے پہلا اور آخری غزوہ ثابت ہوا۔

شہادت : بیوی سے ہم بستر تھے کہ نفیر عام سُنی۔ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ نہانا تک یاد نہ رہا تھا۔ شمشیر بکف میدان میں پہنچے۔ ابوسفیان بن حرب رئیس کفر سے مقابلہ ہوا۔ اس کو اُٹھا کر دے مارنا چاہتے تھے کہ کام تمام کر دیں کہ شداد بن اسود لیثی (ابن شعوب) نے دیکھ لیا جھپٹ کر بڑھا اور ایسا وار کیا کہ حنظلہؓ کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا۔ ابوسفیان کہتا ہے :

ولو شئت بختي كميت طمرة

ولم احمل النعمالاء بن شعوب

بعض کا خیال ہے کہ ابوسفیان نے ابن شعوب کے ساتھ مل کر مارا تھا، مار کر بولا، حنظله حنظلاة یعنی حنظلہ حنظلہ کے مقابلہ میں ہے۔

بدر میں ابوسفیان کا ایک لڑکا حنظلہ حنظلہ کے مقابلہ میں ہے۔

بدر میں ابوسفیان کا ایک لڑکا حنظلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ یہ اسی کی طرف اشارہ تھا۔

چونکہ حالتِ جنابت میں شہید ہوئے تھے۔ ملائکہ نے ان کو غسل دیا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی بیوی سے دریافت کرو، بات کیا تھی؟

بیوی نے واقعہ بیان کیا۔

فرمایا : ''اسی وجہ سے فرشتے غسل دے رہے تھے''۔ غسیل ملائکہ کا لقب اسی وجہ سے ان کو حاصل ہوا۔

اولاد : حضرت عبداللہؓ ایک فرزند تھے۔ جن کی آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سات سال کی عمر تھی۔ سن شعور کو پہنچ کر باپ کی خلف الرشید ثابت ہوئے۔

یزید بن معاویہ کی شرمناک حرکتوں سے بیزار ہو کر نقضِ بیعت کی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے آستانۂ خلافت پر سرِ نیاز خم کیا۔ شام سے فوجیں آئیں، جنہوں نے مدینۃ الرسول میں حرہ کا خونین منظر رونما کیا۔

حضرت عبداللہؓ نے جرأت کر کے تمام مدینہ کو اُبھارا اور خود سپہ سالار بن کر میدان میں نکلے۔ انصار کثرت سے شہید ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ نے یکے بعد دیگرے اپنے آٹھ بیٹوں کو

آگے بڑھایا۔ سب قتل ہوئے اور وہ اپنی آنکھوں سے یہ دردانگیز منظر دیکھتے رہے۔ آخر میں خود بھی مقابلہ کے لئے بڑھے۔ جس میں وہ ردائے خونی ملبوس بدن تھی۔ جس کو ان کے پدر بزرگوار جنگ احد میں اوڑھ چکے تھے۔ یہ واقعہ روح فرسا ذی الحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا۔

اخلاق : اخلاق وعادات کی عظمت و بلندی اس سے ظاہر ہے کہ ''پدر فاسق'' کا فرزند ''تقی'' اپنی قوم کے نام ناصیہ کمال پر غرۂ عظمت بن کر چمکا۔ قبیلۂ اوس ہمیشہ ان کے وجود باجود پر فخر کرتا تھا۔

ایک مرتبہ انصار کے دونوں قبیلے اپنے فضائل فخریہ بیان کر رہے تھے فریقین نے اس موقع پر اپنے اپنے عظیم المرتبت اصحاب کو پیش کیا تھا جن میں سب سے پہلے حضرت حنظلہؓ کا نام نامی تھا۔

"خ"

حضرت خبیبؓ بن عدی

نام ونسب :

نامِ نامی خبیب تھا اور قبیلۂ اوس سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : خبیب بن عدی ابن مالک بن عامر بن مجدعہ بن جحجی بن عوف بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک ابن اوس۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوۂ بدر میں شریک تھے اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی سپرد تھی[1]۔ اس غزوہ میں انہوں نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا[2]۔

۳ھ میں غزوۂ رجیع ہوا۔ آنحضرتﷺ نے عاصم بن ثابتؓ انصاری کو دس آدمیوں پر امیر بنا کر جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ عسفان اور مکہ کے درمیان میں ہذیل کا ایک قبیلہ لحیان رہتا تھا، اس کو خبر ہوگئی۔ اس کے سو تیر اندازوں نے اس مختصر جماعت کو گھیر لیا۔ سات آدمی اُسی جگہ لڑ کر شہید ہو گئے۔ تین شخص جس میں ایک حضرت خبیبؓ بھی تھے، زندہ بچے۔ یہ تینوں جاں بخشی کے عہد و پیمان پر پہاڑی سے نیچے اُترے۔ تیر اندازوں نے کمانوں کے تار کھول کر اُن کے ہاتھ باندھے، ایک غیرت مند اس بے عزتی کو گوارہ نہ کر سکا اور مردانہ وار لڑ کر جان دی۔ اب صرف دو شخص باقی رہ گئے۔ ان کو لے جا کر مکہ کے بازار میں فروخت کیا۔ اسلام کے اس یوسف کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خریدا۔ جسے غزوۂ بدر میں انہوں نے قتل کیا تھا[3]۔

عقبہ بن حارث نے اپنے گھر میں لا کر قید کیا[4]۔ ہاتھ میں ہتھکڑیاں پہنائیں[5] اور موہب کو نگرانی پر مقرر کیا[6]۔ عقبہ کی بیوی کھانا کھلاتے وقت ہاتھ کھول دیا کرتی تھی[7]۔

کئی مہینہ قید رہے۔ اشہر حرم گزر گئے تو قتل کی تیاریاں ہوئیں[8]۔

حضرت خبیبؓ نے موہب سے تین باتوں کی درخواست کی تھی[9]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۵۷۴　[2] ایضاً ص ۵۶۸　[3] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۵۷۴
[4] استیعاب جلد۱۔ص ۱۶۸　[5] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۵۸۵　[6] طبقات ابن سعد
[7] استیعاب جلد۱۔ص ۱۶۸　[8] طبقات ابن سعد ص ۴۰　[9] ایضاً

۱۔ آب شیریں پلانا۔ ۲۔ بتوں کا ذبیحہ نہ کھلانا۔ ۳۔ قتل سے پہلے خبر کر دینا۔
یہ اخیر درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی۔ قتل کا ارادہ ہوا تو اس نے ان کو آگاہ کر دیا تھا[۱]۔ انہوں نے طہارت کے لئے اس سے اُسترہ مانگا، اس نے لاکر دیدیا۔ اس کا بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔ انہوں نے اس کو اپنی ران پر بٹھالیا۔ ماں کی نظر پڑی تو دیکھا ننگا اُسترہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے زانوں پر ہے۔ یہ منظر دیکھ کر کانپ اُٹھی۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا اس بچہ سے انتقام لونگا، حاشا یہ ہماری شان نہیں[۲]۔ پھر مزاح میں فرمایا کہ اب اللہ نے تم کو مجھ پر قادر کر دیا، بولی کہ تم سے تو یہ امید نہ تھی، انہوں نے استرہ اس کے آگے ڈال دیا، اور کہا کہ میں مذاق کر رہا تھا[۳]۔

حضرت خبیبؓ کی باتوں کا اثر ہوا، کہتی تھی کہ میں نے خبیبؓ سے بہتر کسی قیدی کو نہ دیکھا، میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا، حالانکہ اس زمانہ میں انگور کی فصل بھی نہ تھی، اس کے علاوہ وہ بندھے ہوئے تھے، اس لئے یقیناً وہ خدا کا دیا ہوا رزق تھا، جو خزانہ غیب سے ان کو ملتا تھا[۴]۔

شہادت : حضرت خبیبؓ کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا، حرم سے باہر تنعیم میں ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا[۵]۔ آدمی جمع کئے گئے۔ مرد، عورت، بوڑھے، امیر وغریب وضیع و شریف۔ غرض ساری خلقت تماشائی تھی۔ جب لوگ عقبہ کے گھر سے ان کو لینے کے لئے آئے تو فرمایا، ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھ لوں[۶]، زیادہ پڑھوں گا تو کہو گے موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر مقتل کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں یہ دعا زبان پر تھی:

"اللّٰھم احصٰھم عددا وا قتلھم بددا و لا تبق منھم احد"

پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچے:

وذالک فی ذاتِ الالٰه وان یشأ — یبارک علی او صال شلو ممزع

یہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی محبت میں اگر وہ چاہے — تو ان کٹے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا

ولست ابالی حین اقتل مسلما — علی ای جنب کان للہ مصرع

اگر مسلمان رہ کر میں مارا جاؤں تو مجھے — غم نہیں کہ کس پہلو پر خدا کی راہ میں پچھاڑا جاتا ہوں

عقبہ بن حارث اور میرہ عبدری نے گلے میں پھندا ڈالا۔ چند منٹ کے بعد سر اقدس دار پر تھا[۷]۔

۱۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۸ ۲۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۱۸۵ ۳۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸
۴۔ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۵ ۵۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۱۶۸ ۶۔ بخاری جلد ۲۔ ص ۵۶۹ ۷۔ استیعاب جلد ۱۔ ۱۶۸

یہ کیسا عجیب منظر تھا۔ اسلام کے ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم وستم ہو رہے تھے۔ بطحائے کفر کا خونی قاتل، توحید کو کس طرح ذبح کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن مجسمہ اسلام اب بھی پیکر صبر ورضا بنا ہوا تھا اور بغیر کسی اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ جان دی۔

آنحضرت ﷺ کو اس فاجعۂ عظمیٰ کی خبر وحی کے ذریعہ سے ہوئی تو فرمایا: اے حبیب! تجھ پر سلام [1]! اور عمرو بن امیہ ضمری کو اس شہید وفا کی لاش کا پتہ لگانے کے لئے مکہ بھیجا۔ عمرو رات کو سولی کے پاس ڈرتے ڈرتے گئے۔ درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی، جسدِ اطہر زمین پر گرا، چاہا کہ اتر کر اٹھالیں، لیکن یہ جسم زمین کے قابل نہ تھا۔ فرشتوں نے اٹھا کر اس مقام پر پہنچایا، جہاں شہیدانِ وفا راہ خدا کی روحیں رہتی ہیں! عمرو بن امیہ کو سخت حیرت ہوئی۔ بولے کہ کیا انہیں زمین تو نہیں نگل گئی؟[2]

قتل کرتے وقت مشرکین نے قبلہ رخ نہیں رکھا تھا، لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا، وہ کسی دوسری طرف کیونکر پھر سکتا تھا۔ مشرکین نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی[3]۔

حضرت خبیبؓ نے جو دعا کی تھی، اس کا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہو گیا۔ جو لوگ ان کے قتل میں شریک تھے۔ نہایت بے کسی کی حالت میں مارے گئے[4]۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں امان نہ داد کہ شب را سحر کند

---

[1] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۹۵ [2] اصابہ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ [3] اصابہ جلد ۲۔ ص ۱۰۴ [4] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۵۹

حضرت خارجہؓ بن زید ابی زہیر

نام ونسب :

خارجہ نام ہے۔خزرج کے خاندان اغر سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : خارجہ ابن زید ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔ رئیس قبیلہ اور کبار صحابہ میں تھے۔

اسلام : عقبہ میں بیعت کی۔

غزوات اور عام حالات :

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مدینہ آکر انہی کے ہاں قیام کیا تھا[1]۔اور انہی سے مواخاۃ ہوئی۔

بدر میں شریک تھے اور امیہ بن خلف کو کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر مارا تھا۔امیہ کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قاتلوں کو تاڑ لیا تھا۔چنانچہ دوسرے سال جب غزوۂ احد واقع ہوا تو اس کو ان لوگوں کے قتل کی فکر ہوئی۔

شہادت : حضرت خارجہؓ نہایت بہادری سے لڑے اور دس سے اُوپر نیزوں کے زخم کھا کے زمین پر گر گئے۔صفوان نے ان کو شناخت کر کے ناک، کان اور دیگر اعضاء کاٹے اور کہا کہ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔میرے باپ کے عوض محمد (ﷺ) کے بڑے بڑے بہادر کام آئے۔

ان کے بھتیجے سعد بن ربیعؓ بھی اس معرکہ میں داد شجاعت دے کر شہید ہوئے تھے۔ چچا بھتیجے دونوں ایک قبر میں دفن کیے گئے۔

اولاد : دو اولادیں چھوڑیں۔ایک زید جنہوں نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔ دوسری حبیبہؓ جو ابوبکر صدیقؓ سے منسوب تھیں۔اُم کلثوم بنتِ ابی بکر ان ہی کے بطن سے تولد ہوئیں۔ اس بنا پر حضرت خارجہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلامی بھائی ہونے کے ساتھ خسر بھی تھے[2]۔

---

[1] بعض کا خیال ہے کہ خبیبؓ ابن اساف کے پاس ٹھہرے تھے۔

[2] اسد الغابہ جلد ۲۔ص ۸۰ واصابہ جلد ۲۔ص ۸۴ واستیعاب جلد ۱۔ص ۱۶۲۔۱۶۳

حضرت خزیمہؓ بن ثابت

نام ونسب :

خزیمہ نام ہے۔ ابوعمارہ کنیت، ذوالشہادتین لقب ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : خزیمہ بن ثابت بن فاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ بن عامر بن عیاں بن عامر بن خطمہ (عبداللہ) بن جشم بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام کبشہ بنت اوس تھا اور قبیلۂ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھیں۔

اسلام : ہجرت سے پیشتر مشرف باسلام ہوئے اور عمیر بن عدی بن خرشہؓ کو لے کر اپنے قبیلہ (خطمہ) کے بُت توڑے۔

غزوات اور شہادت :

بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے۔ فتح مکہ میں بنوخطمہ کا علم ان کے پاس تھا۔ جناب امیرؓ کی دونوں لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے۔ جنگ جمل میں محض رفاقت کی۔ صفین میں اولاً خاموش رہے، لیکن جب حضرت عمار بن یاسرؓ افواج شام کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو حضرت خزیمہؓ نے تلوار نیام سے نکالی اور حسبِ ذیل رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا

ابو حسن ممانخاف من نعمتن

"جب ہم نے علی سے بیعت کر لی، تو یہ بالکل کافی ہے اور اب ہم کو کسی چیز کا خوف نہیں"۔

وفیه الّذی فیهم من الخیر کله

وما فیهم بعض الذی فیه من حسن

"علی میں اہلِ شام کی تمام بھلائیاں جمع ہیں، لیکن شامیوں میں علی کی بعض خوبیاں نہیں"۔

اور فرماتے جاتے تھے کہ اب گمراہی آشکارا ہوگئی۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا، چنانچہ اس معرکہ میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔ یہ ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔

اولاد : حسبِ ذیل اولاد چھوڑی۔ عمارہ، عمرو، عمرۃ۔

فضل وکمال : احادیث مرویہ کی تعداد ۳۸ ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ، عمارہ بن عثمان، ابن حنیف، عمرو بن میمون اودی، ابراہیم بن سعدؓ ابی وقاص، ابوعبداللہ جدلی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عطاء بن یسار، راویان حدیث کے زمرہ میں ہیں۔

جوش ایمان اور حُب رسول بیاض اسلام کے چمکتے ہوئے حروف ہیں۔ جوش ایمان کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک بدّو سے گھوڑا خرید ااور دام طے کر کے چلے آئے۔ لوگوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے خریداری کے لئے اس کی قیمت بڑھا کر دی۔ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کو دی کہ لینا ہو تو لو، ورنہ میں دوسرے سے سودا کر چکا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم تو میرے ہاتھ فروخت کر چکے ہو۔ بولا واللہ میں نے نہیں بیچا اور اگر بیچا ہو تو کوئی گواہ لاؤ۔ مسلمان اس گفتگو کو سن کر جمع ہو گئے اور کہا رسول اللہ ﷺ سچ کہتے ہیں۔ حضرت خزیمہ ؓ بھی پہنچ گئے اور کہا میں گواہ ہوں۔ تم نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ اس جرأت پر خود آنحضرت ﷺ کو حیرت ہوئی۔ فرمایا "بم تشھد"؟ تم کس طرح گواہی دیتے ہو۔ عرض کی بتصدیقا تک یا رسول اللہ ! آپ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے اسی روز سے خزیمہ کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر کر دی[1] اور ذوالشہادتین ان کا لقب پڑ گیا۔

صحیح بخاری میں بھی ضمناً اس واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نے مصاحف نقل کئے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت جس کو ہم آنحضرت ﷺ سے سُنتے تھے، نہیں پائی۔ یہ آیت خزیمہ ؓ انصاری کے پاس تھی۔ جن کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کے برابر کی تھی۔ وہ آیت یہ ہے:

"من المومنین رجال صدقوا ما عاھد وا اللہ علیہ"[2]

اوس وخزرج میں جب باہم مفاخرت ہوئی تو اوسیوں نے حضرت خزیمہ ؓ کا نام بھی فخر کے طور پر پیش کیا تھا[3]۔

ان کے فخر وفضیلت کے لئے یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی جبینِ مبارک کا بوسہ لے رہا ہوں۔ اس کو انہوں نے آپ ﷺ سے بیان کیا، تو فرمایا کہ آپ اپنے خواب کی تصدیق کر سکتے ہو۔ چنانچہ حضرت خزیمہ ؓ نے اُٹھ کر پیشانی اطہر کا بوسہ لیا[4]۔

بعض روایتوں میں ہے کہ سجدہ کرتے دیکھا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اپنی جبینِ مقدس سے ان کی پیشانی مس کی[5]۔ اس طرح اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۵۔ ص ۲۱۵۔ ۲۱۶　[2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۷۰۵　[3] اصابہ جلد ۲۔ ص ۱۱۱
[4] مسند جلد ۵ ۲۱۴　[5] ایضاً۔ ص ۲۱۵

حضرت خوات ؓ بن جبیر

نام ونسب :

خوات نام ہے۔ابوعبداللہ وابوصالح کنیت،قبیلۂ اوس سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : خوات بن جبیر بن نعمان بن امیہ بن امرء القیس (برک) بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔بدر میں شریک تھے۔صفراء پہنچ کر پیر میں پتھر لگا۔آنحضرت ﷺ نے مدینہ واپس کیا اور مجاہدین کے ساتھ غنیمت میں حصہ لگایا۔احد اور باقی غزوات میں شرکت کی۔

جناب امیر ؓ کی خانہ جنگیوں میں سے صفین میں شریک تھے۔

وفات : ۴۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال ہوا۔اس وقت ۷۴ سال کا سن تھا۔

حُلیہ : حُلیہ یہ تھا : قدمیانہ۔منہدی کا خضاب لگاتے تھے۔آنکھیں جاتی رہی تھیں۔

اولاد : ایک بیٹا یادگار چھوڑا۔صالح نام تھا۔

فضل وکمال : عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بسر بن سعد،صالح وغیرہ نے ان سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔امام بخاری نے ان کا یہ حکیمانہ مقولہ نقل کیا ہے :

"نوم اول النهار خرق واوسطه خلق و آخره حمق"

"دن کے پہلے حصہ میں سونا بے تمیزی، درمیانی حصہ میں مناسب اور آخری حصہ میں بے وقوفی ہے"۔

نہایت شجاع وبہادر تھے۔آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا سوار بنایا تھا[1]۔

زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ کے ساتھ حج کو جارہے تھے۔حضرت ابوعبیدہ ؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف بھی ساتھ تھے۔لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ۔حضرت عمر فاروق ؓ نے کہا،نہیں اپنے شعر سنائیں۔چنانچہ تمام رات گاتے رہے۔سپیدۂ نمودار ہوا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا،خوات بس کرو،اب صبح ہوگئی[2]۔

---

[1] اسد الغابہ جلد۲۔ص۱۲۶ [2] اصابہ جلد۲۔ص۱۴۳

حضرت خلاد بن سوید رضؓ

نام ونسب :

خلاد نام ہے۔قبیلۂ خزرج سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارث بن امراء القیس بن مالک اغر بن کعب بن الخزرج بن الحارث ابن الخزرج الاکبر۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ سے قبل مسلمان ہوئے اور بیعت کی۔

غزوات اور شہادت :

بدر، احد، خندق میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب تھے۔قریظہ کی جنگ میں غزوہ کی نیت سے نکلے۔ایک قلعہ کے نیچے کھڑے تھے، بتانہ نام ایک یہودی عورت نے دیکھ لیا اور اس زور سے پتھر مارا کہ سر پھٹ گیا۔اسی کے صدمہ سے انتقال ہوگیا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔لڑائی ختم ہونے کے بعد جب قبیلۂ قریظہ اسیر ہوکر سامنے آیا آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو ڈھونڈ کر قتل کروادیا۔اس واقعہ میں عورتیں قتل سے محفوظ رہی تھیں۔

اولاد : دولڑکے چھوڑے اور دونوں صحابی تھے۔ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ابراہیم، سائب[1]۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ۔ص ۱۲۱ واصابہ جلد ۲ ۔ص ۱۴۰

"د"

حضرت رافع بن مالک رضؓ بن عجلان

نام ونسب :

رافع نام ہے۔ ابو رفاعہ کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے : رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک ابن غضب بن جشم بن خزرج۔

اسلام : انصار مدینہ میں اگرچہ خوش نصیبوں کی ایک جماعت ہے۔ جس کا شمار ۷۰ تک ہے۔ لیکن ان میں بھی الاقدم فالاقدم کے لحاظ سے ترتیب اور اختلاف مدارج ہے۔ انصار میں بنونجار اور قبیلۂ خزرج سبقت ایمانی میں سب سے پیش پیش تھا۔ لیکن اس کا یہ تمام تقدس یہ تمام شرف اور یہ تمام فضیلت صرف دو ہستیوں کے شرف و عظمت پر منحصر ہے اور یہ دونوں بزرگ حضرت معاذ بن عفراء رضؓ اور حضرت رافع بن مالک رضؓ ہیں۔

قبیلۂ خزرج کے ۶ آدمی جن میں یہ دونوں آدمی بھی تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ اُن کی قیام گاہ تشریف لائے اور اسلام کی تبلیغ کی تو سب سے پہلے اس دعوت کو انہی دونوں نے لبیک کہا۔

یہ اسد الغابہ کی روایت ہے۔ طبقات میں ہے کہ صرف دو شخص گئے تھے۔ ان کو آنحضرت ﷺ کی خبر ملی تو خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا شرف حاصل کیا۔

ان دونوں بزرگوں میں بھی جیسا کہ سعد بن عبد الحمید کا قول ہے، حضرت رافع رضؓ نے پہلے بیعت کی تھی۔

اسلام قبول کر کے پلٹے تو مدینہ میں نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں :

"فلما فدمر المدينه ذكر و القومهم الاسلام و دعوهم اليه نفشا فيهم فلم تبق دار من دور الانصار الاو فيها ذكر من رسول الله صلى الله عليه و سلّم"

''یعنی جب یہ لوگ مدینہ آئے اور اپنی قوم میں اسلام کا چرچا کیا تو اس کی دعوت دی تو اسلام تمام انصار میں پھیل گیا۔ اب کوئی گھر نہ تھا، جہاں رسول اللہ کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو''

دوسرے سال حضرت رافع ۱۲ آدمیوں کے ساتھ اور تیسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مکہ گئے اور اس اخیر بیعت میں بنوزریق کے نقیب منتخب ہوئے۔

صحیح بخاری میں رافعؓ کے کے عقبہ میں شریک ہونے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے:

'' مایسرنی انی شهدت بدر بالعقبة '' [1]

''یعنی مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہؓ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا''۔

غزوات : حضرت رافعؓ کی اسلامی زندگی کے دوران میں صرف دو لڑائیاں پیش آئیں، بدر اور احد۔ بدر میں ان کی شرکت مشکوک ہے۔ ابن اسحاقؒ نے ان کو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا اور موسیٰ بن عقبہ نے امام ابن شہاب زہری سے نقل کیا کہ وہ شریک تھے۔ اس باب میں بہترین حکم خود ان کا قول ہوسکتا ہے۔ ابھی بخاری کی جو عبارت اوپر گزری ہے کہ ''مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا''۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریک بدر نہ تھے۔

شہادت : شوال ۳ھ میں غزوۂ احد میں شہادت پائی۔

خدماتِ مذہبی : اشاعتِ اسلام کے علاوہ اور بھی متعدد مذہبی خدمتیں انجام دیں۔ سورۂ یوسف مدینہ میں سب سے پیشتر انہی نے پہنچائی۔ مسجد بنی زریق میں مدینہ کی تمام مسجدوں سے قبل قرآن مجید پڑھا گیا۔ اس کے پڑھنے والے یہی بزرگ تھے۔ بیعت سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ پر مکہ میں جس قدر قرآن نازل ہوا تھا، لکھ کر ساتھ لیتے آئے تھے اور اپنی قوم کو جمع کر کے سنایا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب سورۂ طٰہٰ نازل ہوئی، تو لکھ کر مدینہ لائے۔ غرض یہ عظیم الشان کارنامے انصار کے اس جلیل المنزلت بزرگ کے تھے۔ جس نے دولتِ ایمان کے لازوال خزانے کو سب سے پہلے اپنی آغوش میں جگہ دی۔

'' فنصر الله عبد انصر الاسلام بنفسه وماله ودمه ''۔

---

[1] بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۹

حضرت رفاعہؓ بن رافع زرقی

نام ونسب :

رفاعہ نام ہے۔ ابو معاذ کنیت۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : رفاعہ بن رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن غضب بن جشم بن خزرج۔ والدہ کا نام اُم مالک بنت ابی بن سلول تھا۔ بنو حبلی سے تھیں اور عبداللہ بن ابی راس المنافقین کی ہمشیرہ تھیں۔

اسلام : حضرت رفاعہؓ کے پدر بزرگوار حضرت رافعؓ قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے۔ بیعتِ عقبہ سے دو سال پیشتر ۵، ۶ آدمیوں کے ہمراہ مکہ جا کر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی۔ ماں بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان کا اخیافی بھائی عبداللہ بن ابی مرجع کفر و نفاق تھا۔ لیکن بہن دودمانِ صداقت وراستی کا سراج منیر بنی ہوئی تھیں۔ حضرت رفاعہؓ اسی مبارک خاندان میں پلے تھے۔ عقبہ ثانیہ میں اپنے باپ کے ساتھ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہو کر مدینہ واپس ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر کی شمولیت صحیح بخاری سے ثابت ہے[1]۔ غزوۂ احد، خندق، بیعت الرضوان اور تمام اہم واقعات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔

دیگر حالات : جنگ جمل اور صفین میں جناب امیر کرم اللہ وجہہ کے ہم کاب تھے۔ جنگِ جمل میں حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی باہمی شرکت نے معاملہ کو نازک تر بنا دیا تھا۔ اُم الفضل بنت حارث (حضرت عباسؓ کی بیوی) کا مکہ سے خط پہنچا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بصرہ گئے ہیں۔ تو حضرت علیؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ ان سے تعجب ہے۔ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا تو ہم اہلِ بیعت نبوت ہونے کی وجہ سے خلافت کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق سمجھتے تھے۔

ہماری قوم کے لوگوں نے دوسروں کو خلیفہ بنایا۔ ہم فتنہ و فساد کے خوف سے چُپ ہو رہے اور صبر کیا۔

خُدا کا شکر ہے کہ اس کا نتیجہ نہایت اچھا رہا ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے عثمانؓ پر خروج کر کے ان کو قتل کیا اور مجھ سے بلا جبر و اکراہ بیعت کی۔ جس میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی شریک تھے۔ ابھی ایک مہینہ نہیں گزرا کہ ان کے بصرہ لشکر لے جانے کی خبر پہنچ رہی ہے۔ اے خدا! تو اس فتنہ و فساد کو دیکھ۔

---

[1] کتاب مذکور۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۹

رفاعہ بن رافع ؓ اس تقریر کو سن کر بولے یا امیر المومنین! جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو ہم اپنے مرتبہ ونصرت دین کے لحاظ سے اپنے کو خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں جانتے تھے آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے تعلقات اور سبقت ایمانی اور ہجرت جیسی فضیلتیں بیان کر کے ہم سے اس حق کو منوایا۔

ہم نے یہ خیال کر کے کہ حق پر عمل ہو رہا ہے، کتاب وسنت قائم ہیں۔ آپ لوگوں کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا اور خلافت قریش کے سپرد کر دی اور ہمیں یہی کرنا چاہئے تھا۔ اب آپ کی بیعت کے بعد کچھ لوگ مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ جن سے یقیناً آپ افضل اور ہماری نگاہ میں پسندیدہ تر ہیں۔ اب فرمائیے! آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہم لوگ صرف حکم کے منتظر ہیں۔

حضرت رفاعہ ؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حجاج بن غریہ انصاری نے بڑھ کر کہا، یا امیر المومنین! اس کا ابھی فیصلہ کر لیجئے۔ میں اس راہ میں جان تک دینے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے بعد انصار کو مخاطب کر کے کہا کہ جس طرح پہلے رسول اللہ ﷺ کی مدد کر چکے ہو، اب امیر المومنین کی مدد کرو۔ یہ اخیر اس پہلے سے بالکل مشابہ ہے۔ اگرچہ پہلا اشرف وافضل تھا۔

جناب امیر ؓ ان تقریروں کے بعد ایک لشکر لے کر عراق روانہ ہو گئے۔ رفاعہ ؓ بھی ہم رکاب ہوئے۔

۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔ یہ امیر معاویہ ؓ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا۔

اولاد: دو لڑکے چھوڑے۔ معاذ اور عبید۔

فضل وکمال: حضرت رفاعہ ؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیحین میں چند احادیث ہیں، جن میں سے ۳ میں امام بخاری ؒ منفرد ہیں۔

حضرت رفاعہ ؓ نے آنحضرت ﷺ کے ماسوا حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور عبادہ بن صامت ؓ سے حدیث سنی تھی۔ راویوں میں یحییٰ ابن خالد برادر زادہ علی بن یحییٰ معاذ اور عبید (بیٹے) ہیں۔

حضرت رافعؓ بن خدیج

نام ونسب :

رافع نام ہے۔ابوعبداللہ کنیت ،قبیلۂ اوس سے ہیں۔سلسلۂ نسب یہ ہے : رافع ابن خدیج بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک ابن اوس۔والدہ کا نام حلیمہ بنت عروہ بن مسعود بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بیاضہ ہے۔

قبیلۂ اوس میں عبدالاشہل اور حارثہ دو برابر طاقتیں تھیں۔ان میں جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا۔اسد بن حضیر کے دادا سماک بن رافع کوانہی لوگوں نے ایک معرکہ میں قتل کیا تھا اور ان کے خاندان کوشہر بدر کردیا تھا۔حضیر بن سماک نے بنو حارثہ کا محاصرہ کرکے اپنے باپ کا انتقام لیا اور ان کوشکست دے کر خیبر میں جلاوطن کردیا۔بنو حارثہ ایک سال تک خیبر میں سکونت پذیر رہے۔اس کے بعد حضیر کورحم آیا اور مدینہ میں بودو باش کرنے کی اجازت دی۔

حضرت رافعؓ کے آباواجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے۔باپ اور چچا کے بعد یہ مسند حضرت رافعؓ کے حصہ میں آئی اور وہ تمام عمر اس پر متمکن رہے۔

اسلام : ہجرت کے وقت صغیر السن تھے۔تاہم اسلام کا نغمہ دل میں گھر کر چکا تھا۔اس کے علاوہ ان کے دو چچا ظہیر اور مظہر بھی شرف اسلام حاصل کر چکے تھے۔

غزوات : غزوۂ بدر میں ۱۴ سال کا سن تھا۔آنحضرت ﷺ کے سامنے لڑائی میں شریک ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے۔آپ ﷺ نے کمسن خیال کر کے واپس کیا۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے انصار کے لڑکے ہر سال پیش ہوتے تھے[1]۔چنانچہ دوسرے سال رافع بھی پیش ہوئے۔اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔اس لئے شرکت کی اجازت مل گئی تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

ایک اور صحابی سمرہ بن جندبؓ بھی لڑکوں کی جماعت میں تھے۔ان کو آنحضرت ﷺ نے صغرسنی کی وجہ سے شامل نہیں فرمایا تھا۔بولے کہ آپ نے رافع کو اجازت دیدی اور مجھ کو چھوڑ دیا، حالانکہ میں کشتی میں ان کو پچھاڑ دوں گا۔آنحضرت ﷺ نے مقابلہ کرایا۔سمرہ دیکھنے میں چھوٹے تھے،لیکن طاقتور تھے۔رافع کو پچھاڑ دیا۔اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بھی اجازت دیدی[2]۔

---

[1] اسد الغابہ۔جلد ۲۔ص ۳۵۴ [2] ایضاً

ہم نے یہ روایت طبری سے لی ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ لیکن ان میں رافع کے نام کی تصریح نہیں[1]۔

اس غزوہ میں ان کے سینہ پر ایک تیر لگا جو ہڈیوں کو توڑ کر اندر گھس گیا۔ لوگوں نے کھینچا تو نوک اندر رہ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری نسبت قیامت میں شہادت دوں گا۔

غزوۂ خندق اور اکثر معرکوں میں شامل رہے۔ معرکہ صفین میں جناب امیرؓ کے ساتھ تھے۔

وفات : تیر کی نوک جو اندر رہ گئی تھی، ایک عرصہ بعد زخم پیدا کر دیا اور اسی صدمہ سے جان بحق تسلیم ہوئے۔ نہلاتے ہوئے عصر کا وقت آ گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ مغرب سے پیشتر نماز جنازہ پڑھ لینی چاہئے۔ جنازہ کفنا کر باہر لایا گیا اور اس پر سُرخ چادر ڈالی گئی[2]۔ حضرت ابن عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ کے ساتھ آدمیوں کی بڑی کثرت تھی۔ عورتیں بین کرتی اور چیختی ہوئی نکلیں تو ابن عمرؓ نے کہا خدا کے لئے ان کے حال پر رحم کرو یہ پیر مرد عذاب الٰہی برداشت نہ کر سکیں گے۔

وفات کے وقت ۸۶ برس کا سن تھا۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے تاریخ اوسط میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال کیا۔ باقی مورخین کی رائے ہے کہ ۷۴ھ ابتداء تھی اور عبدالملک بن مروان سریر خلافت پر تھا۔ ترکہ میں حسب ذیل چیزیں چھوڑیں :

لونڈی، غلام، اُونٹ، زمین[3]۔

حُلیہ : مفصل حالات معلوم نہیں۔ اتنا علم ہے کہ مونچھ باریک رکھتے تھے اور زرد خضاب لگاتے تھے۔

اہل وعیال : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ عبداللہ، رفاعہ، عبدالرحمٰن، عبیداللہ، سہل، عبید۔ ان میں اوّل الذکر اپنی مسجد کے امام تھے۔ عبید اُم ولد سے تولد ہوئے تھے۔ باقی لڑکے دو بیویوں سے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ لبنیٰ بنت قرۃ بن علقمہ بن علاثہ، اسماء بنت زیاد بن طرفہ بن معاذ بن حارث بن مالک بن نمر بن قاسط بن ربیعہ۔ ان لوگوں کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت پذیر تھی۔

فضل وکمال : حدیث کی کتابوں میں ان کے سلسلہ سے ۷۸ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں صحابہ اور تابعین اور تابعین دونوں گروہ کے لوگ شامل ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں :

ابن عمرؓ، محمود بن لبیدؓ، سائب بن یزیدؓ، اسید بن ظہیرؓ، مجاہدؒ، عطارؒ، شعبی، عبایہ بن رفاعہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، سعید بن مسیّب، نافع بن جبیر ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوالنجاشی، سلیمان ابن یسار، عیسیٰ، عثمان بن سہل، ہریر بن عبدالرحمٰن، یحییٰ بن اسحاق، ثابت بن انس بن ظہیر،

---

[1] طبری جلد ۳۔ ص ۱۳۹۲ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۴۱ [3] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۴۱

حنظلہ بن قیس، نافع، واسع بن حبان، محمد بن یحییٰ بن حبان، عبید اللہ بن عمرو بن عثمان۔

اخلاق: امر بالمعروف اور اطاعتِ رسول، معدنِ اخلاق کے تابناک جواہر پارے ہیں۔

ایک مرتبہ نعمان انصاری کے غلام نے چھوہارے کا ایک چھوٹا سا درخت کسی کے باغ سے اُکھیڑ دیا۔ مروان کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے چوری کا جرم عائد کر کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیا، تو رافعؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ پھل میں قطع ید نہیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی زمین کرایہ پر اُٹھاتے تھے اور آنحضرت ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت تک اسی پر ان کا عمل رہا بعد میں خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور رافعؓ کے پاس اس کی حدیث ہے۔ چنانچہ نافعؓ کو لے کر حضرت رافعؓ کے پاس گئے اور حدیث سُنی۔ اس کے بعد کرایہ لینا چھوڑ دیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ مسند میں ہے کہ خود رافعؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی تھی[2]۔

حضرت مروان نے ایک مرتبہ خطبہ دیا۔ جس میں کہا کہ مکہ حرم ہے۔ رافعؓ موجود تھے، پکار کر کہا اگر مکہ حرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے اور اس کو رسول اللہ نے حرم قرار دیا ہے، میرے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے۔ اگر چاہو تو دکھا سکتا ہوں۔ مروان نے جواب دیا، ہاں وہ حدیث میں نے سُنی ہے[3]۔

اطاعت رسول کے لئے واقعات ذیل کافی ہیں۔

ایک مرتبہ ان کے چچا ظہیرؓ نے آ کر بیان کیا کہ آج آنحضرت ﷺ نے ایک چیز کی ممانعت فرمائی ہے۔ حالانکہ ہم لوگوں کو اس سے کچھ آسانی تھی۔ رافعؓ نے جواب دیا، عم محترم جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حق ہے[4]۔

ایک روز بیوی سے ہم بستر تھے۔ عین اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے آواز دی، فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کر کے باہر نکل آئے[5]۔

---

[1]، [2] صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۵ و مسند جلد ۳۔ ص ۴۶۳ [3] مسند۔ جلد ۴۔ ص ۱۴۱ [4] مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۶۱۶
[5] مسند۔ جلد ۴۔ ص ۱۴۳

حضرت رویفع بن ثابتؓ

نام ونسب :

رویفع نام ہے۔ قبیلۂ خزرج نجار سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : رویفع بن ثابت بن سکن بن عدی بن حارثہ۔

غزوۂ حنین میں شریک تھے[1]۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مصر کی سکونت اختیار کی اور وہاں ایک مکان بنالیا۔

صدارت طرابلس :

۴۶ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو طرابلس کا حاکم بنا کر مغرب بھیجا۔ برقہ صدر مقام تھا۔ اسی میں قیام پذیر ہوئے[2]۔

ایک سال بعد ۴۷ھ حضرت مسلمہ بن مخلدؓ والی مصر طرابلس نے افریقہ (تونس والجزائر و مراکش) پر فوج کشی کی۔ رویفع کو اس مہم پر مامور کیا۔ انہوں نے بہت سی فتوحات کیں اور موجودہ جغرافیہ کی رُو سے حدود تیونس کے اندر پہنچ کر قابس کے قریب جربہ نام، ایک مقام فتح کیا اور تقریر کی۔ جس میں لونڈیاں، مال غنیمت، سواری اور دیگر ضروری باتوں کے متعلق ہدایت تھی[3]۔ اسی سال کے اندر سالماً وغانماً دارالحکومت میں واپس آئے[4]۔

حضرت مسلمہؓ نے خراج کا محکمہ انکے سپرد کرنا چاہا، لیکن انہوں نے اس بناء پر انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ فرما چکے تھے کہ حاکم خراج جنت میں داخل نہ ہوگا[5]۔

تقریباً ۱۰ برس تک اپنا فرض منصبی انجام دیتے رہے۔

وفات : ۵۶ھ میں پیغام اجل پہنچا، برقہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[6]۔

فضل وکمال :

ان کے سلسلۂ سے ۸ روایتیں مروی ہیں۔ بیان حدیث میں محتاط تھے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں ایک حدیث بیان کی تو فرمایا :

---

۱ مسند ابن حنبل۔ جلد۴۔ ص ۱۰۸ ۲ استیعاب۔ جلد۱۔ ص ۱۴۱ ۳ مسند۔ جلد۴۔ ص ۱۰۸
۴ استیعاب۔ جلد۱۔ ص ۱۸۱ ۵ مسند۔ جلد۴۔ ص ۱۰۹ ۶ اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص ۱۹۱

"ایھا الناس ! انی لا اقول فیکم الاما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول"

"لوگو ! تم کو میں وہ باتیں سُناتا ہوں، جن کو آنحضرت ﷺ نے ہم کو سُنایا تھا"۔

راویوں میں حنش صفانے وفاء بن شریح، شیم بن بتیاں، شیبان قتابی، ابوالخیر مرثد، بشیر بن عبید اللہ حضرمی، ابومرزوق وغیرہ تھے۔ جوان کے ساتھ برقہ اور جنگ افریقیہ میں شریک رہے تھے۔

اخلاق : صحبت رسول ﷺ کا اثر ہر جگہ نمایاں رہتا تھا۔ غزوۂ مغرب میں متعدد مقامات پر خطبے دینے کا اتفاق ہوا۔ ان میں کتاب وسُنت کی تمام لوگوں کو دعوت دی۔

اوامر ونواہی کے امتثال واجتناب کا خاص اہتمام رہتا تھا کہ حاکم اسلام کے لئے یہ سب ضروری فریضہ ہے۔ اجتناب عن المنہیات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محض تہدیدی حدیث کی بدولت صاحب خراج کی خدمت قبول نہ فرمائی۔

"ز"

حضرت زید بن ارقمؓ

نام ونسب :

زید نام ہے۔ابوعمر کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : زید بن ارقم ابن زید بن قیس بن نعمان بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

والد نے صغر سنی میں ہی انتقال کیا تھا۔حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جو بڑے رُتبہ کے صحابی تھے اوران کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے۔اپنی عاطفت میں لیا اوران کی پرورش وپرداخت کی۔

اسلام : ابن رواحہؓ عقبہ میں بیعت کر چکے تھے۔زید کے ایمان لانے کا وہی سبب بنے۔

غزوات اور دیگر حالات :

احد میں صغیر السن تھے۔اس لئے آنحضرت ﷺ نے غزوہ کے قصد سے باز رکھا۔خندق کے معرکہ میں شریک ہوئے اور پھر تمام غزوات میں شرکت کی۔صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ۱۹ غزوے کئے،جن میں سے ۱۷ میں شریک تھے[1]۔

غزوۂ موتہ میں اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے۔انہوں نے چند اشعار کہے،جن میں شہادت کی تمنا کی۔دونوں ایک ہی اُونٹ پر سوار تھے،زید نے اشعار سن کر رونا شروع کیا۔ابن رواحہؓ نے درہ اُٹھایا کہ تمہارا کیا حرج ہے؟ مجھے شہادت نصیب ہوگی۔

خلفائے راشدین میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے دوستانہ مراسم تھے۔جنگ صفین میں جناب امیرؓ کی حمایت میں شریک ہوئے۔

کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی اور بنو کندہ کے محلّہ میں مکان بنایا تھا[2]۔

وفات : ۶۸ ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا۔یہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا دور امارت تھا۔

فضل وکمال :

حضرت زید اپنے زمانہ میں مرجع علم وفضل تھے۔لوگ دور دور سے استفادہ کے لئے آتے تھے۔ایک شخص اقصائے قسطاس سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا[3]۔

---

[1] کتاب مذکور۔جلد۴۔ص۵۶۳ [2] طبقات ابن سعد۔جلد۶۔ص۱۰ [3] مسند۔جلد۴۔ص۳۷۲

جہاں کہیں جاتے شائقین حدیث آپ کی جانب رجوع کرتے۔ایک مرتبہ بصرہ یا مکہ گئے تو حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ فلاں حدیث جس کو آپ نے روایت کیا تھا،اس کے سُننے کا پھر مشتاق ہوں[1]۔

ایک مرتبہ عطیہ عونی نے آکر کہا کہ آپ نے میرے داماد سے فلاں حدیث بیان کی تھی، میں اس ارادہ سے حاضر ہوا کہ خود آکر آپ سے سنوں۔انہوں نے حدیث بیان کی تو عطیہ بولے یہ بھی فقرہ تھا۔ فرمایا:

"انما انا اخبرک کما سمعت"[2]

"بھائی میں نے جو کچھ سنا تھا تم سے بیان کر دیا"۔

حدیثوں کے علاوہ جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے سنی تھیں اور یاد تھیں، وہ لوگوں کو بتلاتے تھے۔ایک مرتبہ کہا:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا ھن ونحن نعلمکموھن"[3]

"یعنی آنحضرت ﷺ ہم کو سکھاتے تھے ہم تم کو سکھلاتے ہیں"۔

لیکن آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں:

"کنا اذا اجئناہ قلنا حدثنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اناقد کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید"[4]

"یعنی ہم حدیث کی درخواست کرتے تو جواب ملتا، میں بوڑھا ہوگیا اور بھول گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنا بڑا کام ہے"۔

ایک مرتبہ چند آدمی سماع کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔پہلے ان کی تعریف وتوصیف کی کہ اللہ نے آپ کو بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے۔آپ نے آنحضرت ﷺ کا جمال با کمال دیکھا، حدیث سُنی،غزوات میں شریک ہوئے،نمازیں پڑھیں۔اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہوسکتا ہے۔ فرمایا برادر زادے! میں بوڑھا ہوگیا ہوں،وہ زمانہ گزر چکا،بہت سی باتیں خواب وخیال ہوگئیں۔ حدیثوں کا بڑا سرمایہ نسیان وسہو کی نذر ہوگیا۔اس لئے جو حدیث خود بیان کردوں وہ سُن لیا کرو۔باقی روایت کی تکلیف دینا تو یہ مناسب نہیں[5]۔

---

۱ ایضاً۔ص ۳۶۷ ۲ ایضاً۔ص ۳۹۸ ۳ ایضاً۔ ۳۷۱ ۴۔مسند۔جلد ۴۔ص ۳۷۰ ۵ ایضاً۔ص ۳۶۶

اس لئے روایتوں کی کل تعداد (۹۰) ہے۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ سے حدیثیں سُنیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت انسؓ بن مالک (کتاب سے روایت کرتے تھے)، عبداللہ بن عباسؓ، ابوالطفیلؓ، ابوعثمان مہندی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبد خیر ہمدانی، طاؤس، نضر بن انسؓ، ابوشیبانی، ابوالمنہال، عبدالرحمن بن مطعم، ابواسحاق سبیعی، محمد بن کعب، ابوحمزہ طلحہ، ابن یزید، عبداللہ بن حارث بصری، قاسم بن عوف، یزید بن جان زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق وعادات :

اسلامی روحانی تربیت کا اثر زندگی مظہر کے تمام شعبوں سے نمایاں ہے۔ سورۂ منافقین کی بعض آیات ان کے جوش ملّی کی شاہد ہیں۔

ایک غزوہ میں جونہایت عسرت وتنگی کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ اپنے چچا کے ساتھ تھے۔ عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقین اپنی جماعت سے کہہ رہا تھا کہ مہاجرین کی مدد بالکل بند کردو تو وہ تنگ آکر خود بخود مدینہ سے واپس چلے جائیں گے اور یہ کہ میں یہاں سے چل کر ذلیل لوگوں کوشہر بدر کردوں گا۔ ان کونہایت ناگوار گذرا۔ گوکہ ابن ابی ان کا ہم قبیلہ اور رئیس خزرج تھا۔ مگر انھوں نے اپنے چچا سے شکایت کی ان کی غیرت ایمانی نے واقعہ کورسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔ آپ ﷺ نے زید اور ابن ابی کو بلاکر دریافت کیا۔ وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا اور قسم کھائی کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔ ابن ارقم جھوٹ بولتے ہیں۔ اس پر تمام انصار ابن ارقم کوملامت کرنے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بیان کیا۔ ان کے چچا بھی انصار کے ہم نوا ہو گئے کہ مفت میں رسول ﷺ کوناراض کرلیا۔

حضرت زیدؓ کوسخت افسوس ہوا۔ گھر میں جاکر بیٹھ رہے۔ اسی حالت میں نیند آگئی۔ ابھی بیدار نہ ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر سورۂ منافقین کی آیتیں نازل ہوئیں۔ جن میں ان کی تصدیق اور منافقین کا سارا حال مذکور تھا۔ آپ ﷺ نے آدمی بھیجا کہ زید کوبلالاؤ۔

خدمت میں پہنچے تو آیتیں سُنا کر ارشاد ہوا کہ :

"**ان اللہ صدقک یازید**"[1] "اے زید خدانے تمہاری تصدیق فرمائی"۔

امر بالمعروف فرائض میں داخل تھا۔ مسجد قبا میں کچھ لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ادھر سے گزرے تو فرمایا کہ شاید ان کومعلوم نہیں کہ اوابین کا اس سے بہتر ایک وقت ہے اور وہ جب ہے کہ گرمی کی شدت سے تلوے جلنے لگیں[2]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۴۔ ص ۲۷۔ ۷۲۸

[2] مسند۔ ص ۳۶۷

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے جناب امیرؓ کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کئے تو انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ مُردوں کو بُرا کہنے سے منع کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کا انتقال ہو چکا، اب ان کو بُرا کیوں کہتے ہو[1]۔

سنت نبوی ﷺ کے متبع تھے۔ جنازہ پر عموماً چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ۵ کہیں۔ ایک شخص نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ سہو تو نہیں ہو گیا۔ فرمایا یہ بھی آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔ اس کو میں کیونکر چھوڑ دیتا[2]۔

بارگاہ نبوی میں تقرب حاصل تھا۔ جب کبھی یہ بیمار پڑتے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔

ایک مرتبہ آنکھ میں درد اُٹھا۔ آپ ﷺ عیادت کو تشریف لائے، صحت یابی کے بعد پوچھا کیوں ابن ارقم! اگر یہ رہ جاتا تو کیا کرتے؟ عرض کی صبر کرتا اور اجر کا امیدوار رہتا۔ فرمایا اگر ایسا کرتے تو خدا کے سامنے بے گناہ جاتے[3]۔

مصیبت میں لوگوں کی ہمدردی و غمگساری کرتے تھے۔

حرہ کے واقعہ میں حضرت انسؓ کا ایک لڑکا اور بعض اعزہ مارے گئے تو ان کو تعزیت کا ایک خط لکھا کہ میں تم کو خدا کی ایک بشارت سُناتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ خدایا! ان کی اولاد، اولاد در اولاد، ان کی عورتیں اور ان کی تمام اولاد کی مغفرت فرما[4]۔

معاصرین کے کمال کا اعتراف نہایت کشادہ دلی سے کرتے تھے اور سوال کرنے والوں کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوالمنہال بیع صرف کے متعلق ان سے مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ انہوں نے کہا، براءؓ سے پوچھو۔ وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ عالم ہیں۔ جب وہ حضرت براءؓ بن عازب کے پاس گئے تو انہوں نے مسئلہ بتا کر کہا کہ اس کی تصدیق زیدؓ سے کرالینا۔ وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ جاننے والے ہیں[5]۔

امراء اور حکام سے ملتے رہتے تھے۔

عہد نبوت میں تجارت پر بسر اوقات تھی۔

---

۱ مسند۔ ص ۳۶۹ ۲ ایضاً ۳ ایضاً۔ ۳۶۸۔ ۳۷۱ ۴ ایضاً۔ ۳۷۵ ۵ ایضاً۔ ۳۰۷

حضرت زیدؓ بن ثابت

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

زید نام ہے۔ابو سعید، ابو خارجہ، ابو عبدالرحمٰن کنیت۔ مقری، فرضی کاتب الوحی، جرالامت القاب ہیں۔قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھا، جو حضرت انس بن مالکؓ کے خاندان سے تھیں۔

انصار میں اسلام سے پہلے جو لڑائیاں ہوئی تھیں، ان میں یوم بعاث سب سے زیادہ مشہور ہے۔حضرت زیدؓ کے والد اسی لڑائی میں قتل ہوئے۔یہ واقعہ ہجرت سے ۵ سال قبل ہے۔اس وقت ان کی عمر کل ۶ برس کی تھی۔

حضرت زیدؓ والدہ کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔۱۱ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی۔

اسلام : اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا۔حضرت مصعب بن عمیرؓ مبلغ اسلام، توحید و رسالت کا وعظ کہہ رہے تھے۔حضرت زیدؓ نے اسی صغر سنی میں اسلام قبول کیا۔کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعث فخر ومباہات ہوسکتا ہے تو حضرت زیدؓ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا اور ابتداء ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک رہا۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت زیدؓ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔اس بنا پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔لوگ ان کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے اور ۱۷ سورتیں پڑھ چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سن کر بہت خوش ہوئے۔زیدؓ نے قرآن پاک سنایا تو آپ ﷺ کو بڑا تعجب ہوا۔

ابھی حضرت زیدؓ کا سن ۱۳ سال کا تھا کہ غزوۂ بدر پیش آیا۔انصار ومہاجرین کا مجمع جب میدان جنگ کو روانہ ہوا تو ۱۳ برس کے اس بچہ نے بھی لڑائی کا عزم بالجزم کیا اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیش ہوئے۔آپ ﷺ نے ان کی کم سنی پر نظر فرما کر واپس کر دیا۔غزوۂ

احد کی شرکت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ غزوۂ خندق جو ۵ھ میں واقع ہوا تھا، حضرت زید ؓ کا پہلا غزوہ تھا۔ اس وقت ان کا سن ۱۶ سال کا تھا اور وہ شرکت جہاد کی عمر کے مطابق ہو چکے تھے۔

غزوۂ خندق میں وہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ معرکہ کارزار میں موجود تھے اور خندق کھودنے والی جماعت میں شامل تھے اور مٹی نکال کر باہر لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا، کیسا اچھا لڑکا ہے؟ اتفاق سے ان کو نیند آ گئی۔ عمارہ ابن حزم ؓ نے دیکھا تو مذاق سے اُن کے ہتھیار اُتار لئے۔ زید ؓ کو خبر نہ ہوئی۔ آنحضرت ﷺ پاس تھے، مزاحاً فرمایا! "یا ابا رقاد" یعنی اے نیند کے باپ اُٹھ اور لوگوں کو منع فرمایا کہ اس قسم کا مذاق نہ کیا کریں۔

غزوۂ تبوک میں ان کے قبیلہ مالک بن نجار کا علم عمارہ بن حزم ؓ کے ہاتھ میں تھا۔ بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان سے لے کر زید ؓ کو عطا فرمایا۔ عمارہ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) مجھ سے کون سی خطا ہوئی۔ فرمایا، کچھ نہیں، مجھے قرآن کا لحاظ مدنظر ہے۔ زید تم سے زیادہ قرآن پڑھ چکے ہیں۔

جنگ یمامہ میں جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی، حضرت زید ؓ شامل تھے۔ اس میں ان کو ایک تیر لگا۔ لیکن جسم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔

اعمال عظیمہ : حضرت زید ؓ بن ارقم کی عظیم الشان زندگی، اعمال صالحہ کا ایک مجموعہ ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

قرآن مجید اسلام کا اصل الاصول ہے۔ اس کے جمع کرنے کا فخر جس مقدس انسان کو حاصل ہوا، وہ حضرت زید بن ثابت ؓ انصاری کاتب الوحی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک قرآن مجید ہڈی، کھال، کھجور کی شاخ اور مسلمانوں کے دلوں میں محفوظ تھا۔ صحابہ ؓ میں بہت بزرگ تھے، جن کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ حضرت زید ؓ بھی انہی حفاظ میں تھے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب کا ایک گروہ مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب سے مل گیا، جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس پر فوج کشی کی اور مسیلمہ شکست کھا کر مارا گیا۔ لیکن اس غزوہ میں ۷۰ حفاظ نے جام شہادت پیا۔ اس بنا پر حضرت عمر فاروق ؓ کو قرآن جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا کہ اگر حفاظ کی شہادت کی یہی حالت رہی تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس لئے قرآن مجید کو جمع کر لیجئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منظور کیا اور حضرت زیدؓ کو بلا کر کہا کہ تم عقل منداور جوان آدمی ہو، تمہاری طرف سے سب کو اطمینان ہے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں وحی لکھی تھی، اس لئے تم ہی اس کام کو انجام دو۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ کام مجھ پر ایک پہاڑ سے بھی زیادہ گراں تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کرنا چاہتے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، یہ سچ ہے۔ لیکن کار خیر میں کیا مضائقہ ہے؟ حضرت زیدؓ کو پھر بھی اس کام کا انجام دینے میں تامل ہوا، لیکن جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا تو وہ آمادہ ہو گئے[1]۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کام کے لئے ان کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت مامور کی، جن کی تعداد ۷ تک بیان کی جاتی ہے۔ ان میں حضرت ابی بن کعبؓ اور سعید بن عاصؓ بھی تھے۔ حضرت زیدؓ نے قرآن مجید کو جو کھجور کی شاخوں اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا ہوا تھا، جمع کیا۔ حفاظ سے قرآن سُنا۔ اس کے ماسوا، وہ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کر چکے تھے[2]۔

آیات کی صحت کے لئے بعض بعض موقعوں پر مباحثہ کی بھی نوبت آجاتی تھی۔ ایک مقام پر پہنچ کر زیدؓ نے کہا کہ اس کے بعد یہ آیت (آیت رجم) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا[3]۔

غرض اس کدو کاوش کے ساتھ حضرت زیدؓ نے یہ اہم کام انجام دیا اور پورا قرآن لکھ لیا گیا۔ مگر ایک آیت کے متعلق ثبوت نہ ملتا تھا، (ثبوت کا یہ طریقہ تھا کہ دو آدمی گواہی دیتے تھے[4]۔ وہ آیت ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی شہادت دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی[4]۔ اس لئے حضرت زیدؓ نے گواہی کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کے ماسوا حضرت زیدؓ کو وہ آیت خود بھی معلوم تھی۔

قرآن مجید کا یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پاس رکھا۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اُم المومنینؓ کے مکان میں موجود رہا[5]۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۸ و بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۴۵ [2] بخاری جلد ۲۔ ص ۷۴۸ باب القراء و مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۵ اصل الفاظ یہ ہیں: بینا نحن عن رسول اللہ ﷺ نولف القرآن من الرقاع۔ [3] مسند جلد ۵۔ ۱۸۳
[4] فتح الباری جلد ۹۔ ص ۱۲ [4] بخاری ص ۷۴۶ باب جمع القرآن [5] بخاری باب جمع القرآن۔ ص ۷۴۶

عہد عثمانی میں جب اختلاف قرأت رونما ہوا، تو حضرت حذیفہؓ بن یمان نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ اسلام میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف پیدا ہو، آپ اس کا جلد تدارک کیجئے۔ انہوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت زیدؓ کا لکھا ہوا مصحف حضرت حفصہؓ سے طلب کیا اور چار بزرگوں کو جن میں ایک زیدؓ بھی تھے کتابت قرآن پر مامور کیا۔ ان بزرگوں نے مصحف صدیقی کی پانچ نقلیں لیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو ممالک اسلامیہ میں بھجوا دیا اور مصحف صدیقی کو حضرت حفصہؓ کے پاس باحتیاط واپس کیا[1]۔

آنحضرت ﷺ امی نے وحی لکھنے کا کام مختلف صحابۂ کرام کے متعلق کیا تھا۔ متعدد صحابہ اس شرف سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا نام نامی نہایت ممتاز تھا۔

حضرت زیدؓ قلم دوات، کاغذ، چوڑی ہڈی یا پتلے پتلے پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ جب وحی آتی، آپ بولتے جاتے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ جہاں کہیں تحریر کے متعلق کوئی خاص ہدایت دینا ہوتی تو آپ فرمادیتے اور زیدؓ اس کی تعمیل کرتے۔ چنانچہ ایک آیت میں **غیر اولی الضرر** کے بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو اس ہڈی کے شگاف کے پاس لکھا[2]۔ (ہڈی ایک جگہ سے شق تھی)۔

اصلاح امّت : رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے ساتھ ہی انصار میں خلافت کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام انصار جمع تھے اور رئیس انصار سعد بن عبادہ مجلس کے صدر نشین تھے۔ انہی کے انتخاب پر لوگوں کی تقریریں ہو رہی تھیں۔ انصار کی بڑی جماعت ان کی تائید میں تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ بھی جلسہ میں موجود تھے۔ مگر رجحان عام کے خلاف آواز بلند کرنا اس وقت کوئی آسان کام نہ تھا، اس لئے خاموش تھے۔

اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ سقیفہ میں پہنچے اور مہاجرین کی طرف سے حضرت عمرؓ نے خلافت کی بحث شروع کی تو سب سے پہلے جس انصاری نے ان کی تائید کی وہ حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ انصار کی تقریر ختم ہونے کے بعد انہوں نے ایک مختصر مگر پُر معنی تقریر کی جس کا ایک فقرہ یہ تھا :

"**ان رسول اللہ ﷺ کان من المهاجرين وانما الامام يكون من المهاجرين ونحن انصاره كما كنا انصار رسول اللہ ﷺ**"[3]۔

---

[1] ایضاً [2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۹۱ [3] ایضاً۔ ص ۱۸۶

"یعنی رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے۔ اس لئے امام کا بھی مہاجرین میں سے انتخاب ہونا چاہئے اور ہم اس کے انصار رہیں گے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے انصار تھے"۔

ان کی یہ صدا ان کی قوم کے خلاف تھی، تاہم کوئی اس کو دبا نہ سکتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر تحسین کی اور کہا "خدا تم کو جزائے خیر دے، اگر اس کے علاوہ کوئی بات پیش کی جاتی تو غالباً ہم لوگ ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے"۔[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انصار سے کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سلاطین و والیانِ ملک کے خطوط وقتاً فوقتاً موصول ہوتے تھے، جو اکثر سریانی میں ہوتے تھے۔ مدینہ میں سریانی جاننے والے صرف یہودی تھے۔ جن کو اسلام سے شدید بغض و عناد تھا۔ اس بنا پر مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ خود مسلمان اس زبان کو سیکھیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نہایت ذکی اور فطین تھے ۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں جن کو میں کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے سوا مجھے یہود پر اطمینان بھی نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم عبرانی سیکھ لو۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ۱۵ دن میں عبرانی اور سریانی میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ خطوط پڑھ لیتے اور جواب لکھ دیتے تھے۔[1]

ان کی اسی ذہانت اور علم کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے ان کو کتابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا۔ جس پر وہ آنحضرت ﷺ کی وفات تک فائز رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ان کا یہ منصب بحال رہا۔ لیکن اب کام کی کثرت ہو گئی تھی۔ اس لئے معیقیب دوسی ان کے مددگار مقرر کئے گئے۔

قضاء: حکومت اسلامیہ کا ایک جلیل القدر منصب قضاء ہے، جو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں قائم ہوا۔[2] آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک اس محکمہ کا مستقل وجود نہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیاد قائم کی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا طبقات ابن سعد اور اخبار القضاۃ میں ہے:

---

[1] ایضاً۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۶　[2] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قضاء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے درمیانی عہد میں محکمہ قضاء کو وجود کا لباس پہنا دیا تھا۔ چنانچہ یزید بن اخت النمر کو محکمۂ قضاء کے چند چھوٹے چھوٹے کام سپرد کئے تھے (۷۵) کنز العمال (بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳) اس کے ماسوا بعض روایتوں کے بموجب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی قضاء کا روبار سونپا گیا تھا۔ کنز بحوالہ جامع عبدالرزاق۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۵

"ان عمر استعمل زیدًا علی القضاء و فرض له رزقا"۔

"یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے زیدؓ کو قاضی بنایا اور ان کی تنخواہ مقرر کی"۔

اس وقت تک قاضی کے لئے عدالت کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت زیدؓ کا گھر دار القضاء کا کام دیتا تھا۔ مکان فرش سے آراستہ تھا۔ اس کے صدر میں حضرت زیدؓ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے تھے۔ دار الخلافت اور تمام قرب و جوار کے مقدمات حضرت زیدؓ کے پاس آتے تھے۔ یہاں تک کہ خود خلیفۂ وقت (حضرت عمرؓ) پر بھی یہاں دعویٰ داخل کئے جاتے تھے اور اس کا فیصلہ بھی یہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع ہوئی حضرت زیدؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے جیسا کہ آج بھی امراء و روساء کو کرسی دینے کا دستور ہے، حضرت عمرؓ کے لئے اپنی جگہ خالی کردی۔ لیکن مساوات کا جو اصول اسلام نے قائم کیا تھا۔ صحابہؓ اس پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے۔ خصوصاً حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت عام کر دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ نے زیدؓ سے فرمایا کہ یہ آپ کی پہلی ناانصافی ہے، مجھ کو اپنے فریق کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ چنانچہ دونوں بزرگ عدالت کے سامنے بیٹھے، مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت ابیؓ مدعی تھے اور حضرت عمرؓ کو انکار تھا۔ شرعاً منکر پر قسم واجب ہوتی ہے، لیکن حضرت زیدؓ نے خلافت کے ادب و احترام کی بناء پر مدعی سے درخواست کی کہ اگرچہ یہ قاعدہ نہیں، تاہم آپ امیر المومنین کو قسم سے معاف کر دیجئے۔

حضرت عمرؓ نے کہا اس رعایت کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ میں عمر اور ایک عام مسلمان آپ کے نزدیک برابر ہونے چاہئیں[1]۔

بیت المال کی افسری:

ممالک اسلامیہ میں اگرچہ بہت سے مقامی بیت المال قائم تھے، لیکن سب سے بڑا خزانہ دار الخلافہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا۔ حضرت زیدؓ اس کے افسر تھے۔ ۳۱ھ میں حضرت عثمانؓ نے یہ عہدہ ان کو تفویض فرمایا تھا۔ بیت المال کے عملہ میں زیدؓ کا ایک غلام وہیب بھی تھا۔ وہ نہایت ہوشیار تھا اور بیت المال کے کاموں میں مدد دیتا تھا۔ ایک دن وہ بیت المال میں گنگنا رہا تھا کہ حضرت عثمانؓ آ گئے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ زیدؓ نے کہا میرا مملوک ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اس کا ہم پر حق ہے۔

---

[1] کنز العمال۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۴ بحوالہ بخاری و مسلم

کیونکہ یہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے۔ (بیت المال کے کام کی طرف اشارہ تھا) چنانچہ دو ہزار اس کا وظیفہ مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ لیکن حضرت زیدؓ کے مزاج میں عصبیت تھی۔ وہ حر و عبد کو ایک نگاہ سے دیکھ نہ سکتے تھے۔ حضرت عثمانؓ سے کہا دو ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار مقرر کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اس کا وظیفہ ایک ہزار مقرر کر دیا۔

مجلس شوریٰ کی رکنیت :

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں انصار و مہاجرین کے ممتاز اصحاب کی جو مجلس شوریٰ تھی، حضرت زیدؓ بھی اس کے ایک رکن تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسی جماعت کو باضابطہ کونسل قرار دیا تھا۔ حضرت زیدؓ اس کے بھی ممبر تھے[1]۔

امارت مدینہ منورہ :

حضرت زیدؓ میں علمی و دینی کمالات کے ساتھ انتظامی قابلیت بھی تھی اور ان پر اتنا اعتماد تھا کہ حضرت عمرؓ نے جب مدینہ سے سفر کیا تو اپنا جانشین انہی کو مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی طرزِ عمل رہا۔ وہ جب حج کو مکہ روانہ ہوتے تو حضرت زیدؓ کو کاروبارِ خلافت سپرد کر جاتے تھے۔

خلافت فاروقی میں حضرت زیدؓ کو تین مرتبہ حضرت عمرؓ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہوا۔

۱۶ھ اور ۱۷ھ میں دو مرتبہ حضرت عمرؓ کے حج کے موقع پر، تیسری مرتبہ ان کے شام کے سفر کے زمانہ میں۔ شام پہنچ کر حضرت زیدؓ کو آپ نے جب خط لکھا تو اس میں حضرت زیدؓ کا نام پہلے تحریر کیا۔ یعنی الیٰ زید بن ثابت من عمر بن الخطاب ہر دفعہ حضرت زیدؓ نے خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دیا۔ حضرت عمرؓ ان کے انتظام سے بہت خوش ہوتے اور واپس آ کر ان کو کچھ جاگیر دیدیتے تھے۔

تقسیم مال غنیمت :

ایمان کے ۷۰ سے اُوپر شعبے اور شاخیں ہیں۔ امانت ایمان کا ایک ضروری جزو ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"لا ایمان لمن لا امانۃ لہ"

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان بھی نہیں"۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۱۱۰

آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں جو مالِ غنیمت آتا تھا، اکثر آپ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ اس سے کام کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں یرموک کا واقعہ نہایت اہم اور مشہور ہے۔ اس میں مالِ غنیمت کی تقسیم حضرت زید ؓ کے سپرد تھی۔ اس کے ماسوا حضرت عمر ؓ نے جب صحابہ ؓ کے وظائف مقرر کئے تو انصار کے وظائف کی تقسیم بھی انہی کے سپرد کی۔ انہوں نے عوالی سے تقسیم شروع کی۔ اس کے بعد عبد الاشہل کا نمبر رکھا۔ اس کے بعد اوس کے محلّہ کا۔ پھر قبائل خزرج کا۔ اور سب سے اخیر میں اپنا حصہ لیا[1]۔

سیاسی خدمت : حضرت زید بن ثابت ؓ بارگاہ خلافت کے مقرّبین خاص میں تھے۔ حضرت عمر ؓ کے احباب میں ان کا ممتاز درجہ تھا۔ حضرت عثمان ؓ کے بھی وہ خاص معتمد تھے۔ خلافت عثمانی میں جب آتش فتنۂ فساد مشتعل ہوئی تو وہ خلیفۂ وقت کے طرف دار تھے اور اس شورش وانقلاب کے زمانہ میں انہوں نے ایک دن انصار کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی جس کا ایک بلیغ فقرہ یہ تھا :

"یا معشر الانصار کونوا انصار اللہ مر تین"

"یعنی اے انصار خدا کے دو مرتبہ انصار بنو"

بد قسمتی سے بعض صحابۂ کرام حضرت عثمان ؓ سے بدظن تھے۔ ان میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم عثمان ؓ کی مدد پر صرف اس وجہ سے لوگوں کو آمادہ کرتے ہو کہ انہوں نے تم کو بہت سے غلام دیئے ہیں۔ حضرت ابو ایوب ؓ بھی بہت با اثر بزرگ تھے، اس لئے حضرت زید ؓ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

خانگی حالات اور اہل وعیال :

حضرت زید ؓ کی خانگی زندگی نہایت پُر لطف تھی۔ ان کی بیوی کا نام جمیلہ اور کنیت اُم سعد اور اُم العلا تھی۔ سعد بن ربیع انصاری ؓ مشہور صحابی کی بیٹی تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔

حضرت زید ؓ کی اولاد میں خارجہ جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہائے سبعہ میں تھے جمیلہ کے بطن ہی سے تھے۔

حضرت زید کے دوسرے بیٹے اور پوتے بھی اپنے زمانہ میں مشہور اور علم حدیث میں مرجع انعام رہے تھے، ان کا مختصر شجرہ یہ ہے :

---

[1] کتاب الخراج ابی یوسف۔ ص ۲۶

حضرت زید بن ثابتؓ

زید، خارجہ، یحییٰ، سلیمان، عمارہ، سعد، اسماعیل، اسمٰعیل، سلیط، عبدالرحمٰن، عبداللہ

خارجہ ← سلیمان
سلیمان ← سعید
سعد ← قیس
اسمٰعیل ← یعقوب ← اسمٰعیل ← زکریا

حضرت زیدؓ کے آزاد کردہ غلام جن کو موالی کہا جاتا ہے، بہت سے تھے۔ لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں، ثابت بن عبید[1]، وہیب[2]

وفات: پچپن، چھپن سال کا سن مبارک تھا کہ پیام اجل آ گیا اور ۴۵ھ میں وفات پائی۔ اس وقت تخت حکومت پر امیر معاویہؓ متمکن تھے اور مروان بن حکم مدینہ کا امیر تھا، وہ حضرت زیدؓ سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ چنانچہ اسی نے نماز پڑھائی، تمام لوگ سخت غمگین تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے موت کی خبر سن کر کہا کہ آج حبر الامتہ اُٹھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سعید بن مسیّبؒ بھی جنازہ میں شریک تھے۔ قبر میں لاش اُتاری گئی تو حضرت ابن عباسؓ نے نہایت حسرت سے کہا، دیکھو علم اس طرح جاتا ہے۔ آج علم کا بڑا حصہ دفن ہو گیا۔ حسان بن ثابتؓ نے مرثیہ میں یہ شعر لکھا:

فمن للقوانی بعد حسان وابنه ‌ ‌ ‌ ومن للمعالی بعد زید بن ثابت

حسان اور اس کے بیٹے کے بعد ‌ ‌ ‌ اور زید بن ثابتؓ کے بعد معنی فہمی کا خاتمہ ہے

علم و فضل: قرأت، فرائض قضا اور فتویٰ میں وہ نہایت ممتاز تھے۔ قرآن مجید میں علماء کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ راسخین فی العلم ہوں۔ حضرت زید بن ثابتؓ راسخ فی العلم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے، حضرت زیدؓ کو راسخین فی العلم شمار کرتے تھے۔

قرأت: اسلام نے جن علوم و فنون کی بنیاد قائم کی ان میں قرأت ایک ممتاز علم ہے۔ حضرت زیدؓ کو اس فن میں جس قدر دخل تھا، اس کا اعتراف صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ہر فرد کو تھا۔ امام شعبیؒ جو علامتہ التابعین تھے کہا کرتے تھے کہ زیدؓ فرائض کی طرح قرأت میں بھی تمام صحابہؓ سے فوقیت لے گئے ہیں۔

قرآن مجید کے ساتھ حضرت زیدؓ کو جو شغف تھا اس کا ظہور ان کے قبول اسلام کے وقت ہو چکا تھا۔ صرف ۱۱ برس کے سن میں وہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے۔ باقی زندگی کتابت وحی میں گذاری تھی۔ مبلغ وحی پر قرآن کا جتنا حصہ اُترتا، ان کو معلوم ہو جاتا تھا اور وہ اس کو یاد کر لیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ان کو پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا۔

اس بناء پر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن پاک لکھوایا تو اس خدمت کے لئے حضرت زیدؓ ہی کو منتخب فرمایا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب اس کی نقلیں کرائیں تو اس میں حضرت زیدؓ کی شرکت بھی ضروری سمجھی۔

حضرت عمر فاروقؓ ابی بن کعب کے مقابلہ میں جو قاریوں کے سردار تھے، حضرت زیدؓ کی قرأت کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت زیدؓ کا سلسلۂ قرأت دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور چونکہ قرأت قریش کے مطابق پڑھتے تھے، اس لئے لوگوں کا رجحان انہی کی قرأت کی طرف تھا۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کی زندگی تک اگرچہ وہ مرجع انام نہ ہو سکے لیکن ان کی وفات کے بعد تمام عالم اسلام ان ہی کی طرف رجوع کرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں حضرت زیدؓ کی ذات اقدس تمام اکناف واطراف کی قبلۂ حاجات بنی ہوئی تھی۔

حضرت زیدؓ سے جو قرآت قائم ہوئی تھی، ۱۴۰۰ سو برس گذرنے پر بھی باقی ہے۔ ابن عباسؓ، ابوعبدالرحمن سلمی، ابوالعالیہ ریاحی، ابوجعفر، یہ سب ان کے شاگرد تھے اور آج تک رُوئے زمین کی ۴۰ کروڑ مسلم آبادی معنوی طور سے ان کے آشانہ پر زانوئے تلمذی تہ کرتی ہے۔

حدیث : قرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے۔ حضرت زیدؓ اگرچہ اور بزرگوں کی طرح کثیر الروایہ نہ تھے، تاہم فن حدیث میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ درایت سے کام لیتے تھے۔ حضرت رافع بن خدیجؓ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھیت کرایہ پر اُٹھانے کی ممانعت کی ہے۔ زید ابن ثابتؓ نے سنا تو کہا، خدا رافع کی مغفرت کرے۔ مجھ کو ان سے زیادہ روایت کی حقیقت معلوم ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ اُٹھانا چاہئے[1]۔ رافع نے صرف اخیر کا ٹکڑا سُن لیا۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت زبیرؓ کی اولاد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے یہاں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ ان لوگوں نے انہیں سنت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔

---

[1] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۲

حضرت زید ؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، خدا عائشہ ؓ کی مغفرت کرے، ہم کو ان سے زیادہ حدیث کا علم ہے۔ عصر کے بعد نماز پڑھنے کا سبب یہ تھا کہ دو پہر کے وقت رسول اللہ ﷺ سے ملنے کچھ اعراب آ گئے تھے۔ وہ سوال کرتے تھے، آپ ﷺ جواب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ظہر پڑھی اور صرف فرض پڑھ کر مسائل بتانے کو ان کے پاس بیٹھ گئے۔ جب عصر کا وقت آیا تو ان سے فارغ ہوئے اور مکان جا کر یاد آیا کہ ظہر کے فرض کے بعد سنت نہیں پڑھی تھی، اس لئے ان کو عصر کے بعد تمام کیا۔ خدا عائشہ ؓ کی مغفرت کرے، مجھے ان سے زیادہ معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے[1]۔

جو احادیث صحیح ہوتیں، اگر ان کی نسبت کوئی سوال کرتا تو تصدیق فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ نے مروان کے سامنے فضیلت صحابہ پر حدیث پڑھی۔ مروان نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ حضرت زید ؓ اور رافع بن خدیج ؓ مروان کے برابر تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو سعید ؓ نے کہا تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔ مروان کو بُرا معلوم ہوا۔ ان کو مارنے کے لئے دُرّہ اُٹھایا، دونوں بزرگوں نے ابو سعید ؓ کی تصدیق کی[2]۔

حضرت زید ؓ کی زیادہ روایات آنحضرت ﷺ سے ہیں۔ آپ کے حضرت ابو بکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت عثمان غنی ؓ سے بھی روایت کی ہے۔

ان کے رواۃ حدیث اور تلامذہ کا بڑا گروہ ہے، جن میں مخصوص حضرات کے نامِ نامی یہ ہیں: حضرت انس ؓ بن مالک، حضرت ابو ہریرہ ؓ، حضرت ابو سعید خدری ؓ، حضرت سہل بن حنیف ؓ، حضرت ابن عمر ؓ، حضرت سہل بن سعد ؓ، حضرت عبداللہ بن یزید خطمی۔ (یہ لوگ صحابہ ہیں)۔ سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد بن ابی بکر ؓ، ابان بن عثمان ؓ، خارجہ بن زید (حضرت زید ؓ کے بیٹے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے)۔ سہل بن ابی حثمہ، ابو عمرو، مروان بن حکم، عبید بن سباق، عطاء بن یسار، بسر بن سعید، حجر مدری، طاؤس، عروہ، سلمان بن زید، ثابت بن عبید، اُم سعد ؓ (زوجہ تھیں)۔

حضرت زید ؓ کی احادیث مرویہ کی تعداد قلیل ہے، یعنی صرف ۹۲۔ جن میں ۵ متفق علیہ ہیں اور یہ روایت میں سخت احتیاط کا سبب ہے۔ ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ آپ سے ہزاروں حدیثیں سنی ہوں گی۔ سینکڑوں قسم کے واقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوگا۔ اس قلت روایت کا سبب ایک حدیث نبوی تھی جو حضرت زید ؓ جیسے ثقہ راویان حدیث کو روایت کے وقت محتاط کر دیتی تھی۔

---

[1] ایضاً۔ ۱۸۵ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۵

فرائض : اگرچہ فقہ میں حضرت زید ؓ کو یہ کمال حاصل تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں وہ منصب افتاء پر سرفراز تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کے عہد میں بھی وہ دارالخلافت کے مفتی رہے، لیکن فقہ کے تمام ابواب فرائض کا باب حضرت زید ؓ کا خاص فن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے : " افرض امتی زید بن ثابت " یعنی میری اُمت کے سب سے بڑے فرائض دان زید بن ثابت ؓ ہیں ۔ حامل نبوت ﷺ کی زبان کا یہ فقرہ حضرت زید ؓ کی فرائض دانی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

حضرت زید ؓ کے عالم فرائض ہونے کا تمام صحابہ ؓ کو اعتراف تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے خطبۂ جابیہ میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے حضرت زید ؓ کا نام اس حیثیت سے پیش کیا تھا کہ

'' من کان یرید ان یسال من الفرائض فلیات زید ابن ثابت ''

''یعنی جس کو فرائض کے سوالات کرنا ہوں، زید بن ثابت کے پاس جائے''۔

ان کے کمالات کے اعتراف حضرت عمر فاروق ؓ کو حضرت زید ؓ کی علمی قابلیت کا اس درجہ پاس تھا کہ مدینہ سے باہر ان کو کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ مختلف مقاموں میں بڑے بڑے عہدے خالی ہوتے ، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی اور ان کے لئے لوگوں کے نام پیش کئے جاتے تو حضرت عمر فاروق ؓ ان میں سے کسی کا انتخاب فرمادیتے۔ مگر جب زید ؓ کا نام پیش ہوتا تو حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے کہ زید ؓ میری نظروں سے گر نہیں گئے۔ لیکن کیا کروں؟ شہر والے ان کے محتاج ہیں، کیونکہ جو چیز ان کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں[1]۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کہا کرتے تھے کہ زید ؓ خلافت فاروقی کے عالم اور حبر تھے۔ تمام لوگوں کو حضرت عمر ؓ نے شہروں اور ملکوں میں پھیلا دیا تھا اور فتویٰ یا رائے دینے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن حضرت زید ؓ مدینہ میں بیٹھ کر اہل مدینہ اور تمام آنے جانے والوں کو فتویٰ دیتے تھے[2]۔

سعید بن مسیب ؒ مجتہد ہونے کے باوجود فتویٰ اور فیصلوں میں حضرت زید ؓ کے پیرو تھے۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آجاتا اور لوگ دوسرے صحابہ ؓ کے اجتہادات بیان کرتے تو سعد ان سے پوچھتے کہ زید ؓ نے کیا کہا ہے؟ زید بن ثابت ؓ فیصلوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور جن مسائل کے متعلق حدیث وارد نہیں ہے اس کے بتاتے وقت سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے۔ ان کا کوئی قول ہو تو پیش کرو[3]۔

---

[1] طبقات، جلد ۲۔ قسم ثانی۔ ص ۱۱۶ [2] طبقات جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۱۱۷ [3] ایضاً ص ۱۱۶

امام مالکؒ جو اپنے زمانہ میں دار الہجرۃ مدینہ کے امام تھے اور آج بھی فقہ و حدیث میں لاکھوں آدمیوں کے لئے امام مطلق ہیں، کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ کے امام تھے اور امام شافعیؒ نے فرائض کے تمام مسائل میں حضرت زیدؓ کی تقلید کی ہے۔

علم فرائض کی تدوین :

فرائض کا فن نہایت مشکل ہے۔ قرآن مجید میں اگر چہ مجملاً فرائض کے تمام مہمات مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں، لیکن تفصیل رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال و صحابہؓ کے قضایا اور فتاویٰ سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں میراث وصیت کے متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ نہایت مختصر ہے۔ میراث زوج، میراث زوجہ، اولاد ذکور، اولاد اناث، ماں، باپ، بھائی، بہن، کلالہ اور دیگر چند قسم کے ورثا کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے حصول کی مقدار کا تعین کر کے کہہ دیا گیا کہ جو شخص خدا کی ان حدود سے متجاوز ہوگا اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے فیصلوں میں اس اجمال کی تفصیل بتائی ہے۔ آپ ﷺ کے بعد زید ابن ثابتؓ نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ آگے چل کے اس پر کتابیں لکھی گئیں اور فرائض ایک مستقل فن بن گیا۔

حضرت زیدؓ سے فرائض میں جلیل القدر صحابہؓ فتویٰ پوچھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کا فضل و کمال تمام صحابہؓ کو تسلیم تھا، حضرت زیدؓ سے استفسار کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے ایک غلام نے وفات پائی تو ابن عمرؓ نے پوچھا کہ متروکہ میں عمر کی لڑکیاں بھی حصہ پائیں گی؟ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرے نزدیک تو نہ دینا چاہئے، لیکن تم چاہو تو دے سکتے ہو۔ ابن عمرؓ نے اس پر یہاں تک عمل کیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے جتنے غلام مرے کسی کے مال میں لڑکیوں کا حصہ نہیں لگایا[1]۔

اہلِ یمامہ کے قتل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زیدؓ کے فتویٰ کے مطابق فیصلہ کیا تھا، یعنی جو لوگ زندہ بچ گئے تھے اُن کو مُردوں کا وارث ٹھہرایا تھا، یہ نہیں کیا کہ مُردوں کو باہم وارث بنادیتے[2]۔ طاعون عمواس میں جب خاندان کے خاندان صاف ہو گئے، اس وقت حضرت عمر فاروقؓ نے بھی حضرت زیدؓ کی اسی رائے پر فیصلہ کیا تھا[3]۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہؓ میں حبر اور بحر کہلاتے تھے، حضرت زیدؓ کے جوابات سے تسکین پاتے تھے۔

---

[1] المدونۃ الکبریٰ امام مالک۔ جلد ۳۔ ص [2] کنز العمال، جلد ۶۔ ص ۶ [3] ایضاً۔ ص ۷

ایک روز اپنے شاگرد عکرمہ ؓ کو بھیجا کہ زید سے پوچھو کہ ایک شخص مر گیا ہے اور زوجہ اور والدین چھوڑے ہیں، ان میں ورثہ کیونکر تقسیم ہوگا۔ حضرت زیدؓ نے کہا، بیوی کو نصف، باقی نصف میں ماں کو ثلث اور باپ کو بقیہ۔ ابن عباس ؓ کا خیال اس کے خلاف تھا۔ وہ ماں کو کل مال میں سے ثلث دلاتے تھے۔ چنانچہ کہلا بھیجا، یہ قرآن میں ہے یا آپ کی رائے ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا میری ذاتی رائے ہے یعنی استنباط ہے میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دے سکتا[1]۔

دور دراز ممالک سے فتوی آتے تھے اور حضرت زید ؓ ان کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ایک خط کے ذریعہ سے دادا کے متعلق استفتاء کیا تھا، حضرت زیدؓ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لعبد اللہ معاویۃ امیر المومنین من زید بن ثابتؓ انی رأیت من نحو قسم امیر المومنین عمر بین الجد و الاخوۃ واحدۃ قسم لھا الثلث فان کانتا اختین مع الجد قسم لھا الشطر و للجد الشطر ، فان کان للجد اخوات فانہ یقسیم للجد الثلث ، فان کانوا اکثر من ذالک فانی لم ارہ حسبت ینقص الجد من الثلث شیاء . ثم ماخلص للاخوۃ من میراث اخیھم بعد الجدّ فان بنی الاب و الام ھم اولیٰ بعضھم من بعض بما فرض اللہ لھم دون نبی العلۃ فلذالک حسبت نحوا من الذی کان امیر المومنین عمر یقسم بین الجد و الاخوۃ من الاب ولم یکن یورث الاخوۃ من الا مالذی لیس من الاب مع الجد مع الجد شیاء ثم حسبت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کان یقسم بین الجد و الاخوۃ نحو الذی کتبت بہ الیک فی ھذا الصحیفۃ .[2]

حضرت زیدؓ نے فرائض کے مسائل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ترتیب دیئے[3] اور متعدد مسائل کا استنباط کیا۔ قرآن مجید نے وراثت کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ حضرت زید ؓ کی فہم و عقل نے نئے نئے خیالات پیدا کئے، جو علم الفرائض کا جزو بن گئے۔ میراث موالی،

---

[1] ایضاً ص ۱۱۱ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵ [3] اصل عبارت یہ ہے : فلما وضع زید بن ثابت الفرائض (کنز العمال)۔ جلد ۶۔ ص ۱۵

میراث ولد الابن، میراث ولد ملاعنہ، میراث الولد من ابیہ وامہ، میراث الجد من لا میراث لہ، مانعین وراثت اور اس قبیل کے دوسرے مسائل حضرت زیدؓ کی فکر رسا اور دماغ نکتہ سنج کی پیدا کردہ ہیں۔

حضرت زیدؓ نے دادا کی میراث کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا صحابہؓ میں اس کے بہت سے مخالف موجود تھے، لیکن صحت اور اتفاق عام کا دامن حضرت زیدؓ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

دادا کی میراث، علم فرائض کا نہایت معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور خود حضرت زیدؓ نے اس کی نسبت مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں[1]۔ مگر جس رائے پر وہ اخیر وقت تک قائم تھے، حضرت فاروقِ اعظمؓ اور حضرت عثمانِ غنیؓ نے بھی اسی کو قابل عمل تصور کیا۔

اسلام میں دادا کا حصہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے لیا۔ ان کا ایک پوتا فوت ہوا تو کل جائداد کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے۔ لوگوں نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ کے گھر پہنچے۔ اس وقت وہ کنگھی کررہے تھے اور کنیز بال درست کرتی جاتی تھی۔ پوچھا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا لیا ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ وحی نہ تھی کہ جس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا، ایک مسئلہ کے متعلق مشورہ کرنے آیا ہوں۔ اگر تمہاری رائے میرے موافق ہوگی تو عمل کروں گا ورنہ تم پر کوئی الزام نہیں۔ حضرت زیدؓ نے ایسی صورت میں رائے دینے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ آزردہ چلے گئے۔

ایک روز پھر گئے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میں اس کو لکھ کر پیش کروں گا۔ چنانچہ اس کو شجرہ کی شکل میں مرتب کر کے دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا اور کہا کہ زید بن ثابتؓ نے یہ لکھ کر میرے پاس بھیجا ہے، میں اس کو نافذ کرتا ہوں[2]۔

اگرچہ حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی تدوین کی۔ اس کے مختلف جزئیات کا استخراج کیا، متعدد نئے مسائل پیدا کئے، لیکن ان کے لئے ان میں سب سے اہم اور اشرف مسئلہ عول کی ایجاد ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عول کے موجد حضرت عباسؓ ہیں، جو روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔ اوّل تو اس واقعہ کی کوئی سند نہیں، اور ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ سند صحیح سے مروی ہے۔ یعنی عبدالرحمٰن ابی زناد نے خارجہ سے روایت کیا ہے، جو خود حضرت زیدؓ سے روایت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت عباسؓ کو فرائض اور حساب میں دخل نہ تھا۔ اس لئے اس قسم کی ایجاد ان کی طرف منسوب کرنا بداہۃً عقل کے خلاف ہے۔

---

۱ بخاری۔ جلد۲۔ ص ۹۹۸ ۲ کنز العمال۔ جلد۶۔ ص ۱۶

حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی جو کچھ خدمت کی وہ مذکورہ بالا واقعات سے واضح ہوگئی اور حامل نبوت کا یہ ارشاد کہ ''میری اُمت کے سب سے بڑے فرائض داں زید ہیں''۔ حرف بحرف پورا اُترتا ہے۔ حضرت زیدؓ کی اس غیر معمولی ذہانت وذکاوت، جودت وفکر اور دماغ ودل پر اس دور کے علماء کو تعجب ہوتا تھا۔

فقہ : فرائض کی طرح وہ فقہ میں بھی مجتہدین صحابہؓ میں تھے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں فتویٰ دیتے تھے[1]۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان، حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافتوں میں بھی وہ مدینہ منورہ کے مفتی اعظم تھے۔ فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے طبقہ میں شمار تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جس قدر فتویٰ دیئے ان کی تعداد نہایت کثیر ہے۔ اگر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں[2]۔

حضرت زیدؓ کی فقہ انہی کے زمانہ میں قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ حضرت سعید ابن میسّبؓ کہا کرتے تھے کہ زید بن ثابت کا کوئی قول ایسا نہیں، جس پر لوگوں نے بالاجماع عمل نہ کیا ہو، صحابہؓ میں سینکڑوں ایسے تھے جن کے قول پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ لیکن حضرت زیدؓ کے فتووں پر ان کی زندگی ہی میں مشرق ومغرب عمل پیرا تھے[3]۔

لوگوں کا خیال ہے کہ علم فقہ کی شہرت ووسعت کا باعث صحابۂ کرامؓ میں چار بزرگوں کی ذات تھی۔ زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ۔ چنانچہ انہی کے تلامذہ سے آفاق عالم میں دین کی اشاعت ہوئی۔ لیکن مدینہ منورہ جو اسلام کا سر چشمہ اصلی اور نبوت کا دار القرار تھا۔ حضرت زیدؓ کے اصحاب کی بدولت علوم فنون کا مرکز بنا تھا۔

فقہائے صحابہؓ کی دو مجلسیں تھیں۔ ایک کے رئیس حضرت عمر فاروقؓ تھے اور دوسری کے حضرت علیؓ۔ حضرت زیدؓ حضرت عمرؓ کی مجلس میں شریک تھے۔ یہاں مسائل علمیہ پر بحث ہوتی تھی اور اہم اور مشکل مسائل طے کئے جاتے تھے[4]۔

یوں تو حضرت زیدؓ کا فیض ہر وقت جاری رہتا تھا۔ تاہم اس کے لئے ایک وقت بھی مخصوص تھا۔ مسجد نبوی میں جو زیارت گاہ عام تھی اور حضرت زیدؓ کے مکان سے ملحق تھی فتویٰ دینے کے لئے بیٹھتے تھے[5]۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۱۰ [2] اعلام الموقعین جلد ۲۔ قسم ۲، ابن قیم جوزی ص ۳
[3] طبقات ابن سعد ص ۱۱۶ [5] ایضاً

حضرت زیدؓ کے مسائل، فقہ کے اکثر ابواب پر حاوی تھے۔ان کی تفصیل کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔یہاں نمونہ کے طور پر ہم چند مسائل پر اکتفا کرتے ہیں :

کتاب الصلوٰۃ :

فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے[1]۔

ایک شخص نے پوچھا کہ ظہر وعصر میں قرأت ہے؟ فرمایا، ہاں۔رسول اللہ ﷺ دیر تک قیام فرماتے تھے اور آپ کے لب ہلتے رہتے تھے[2]۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا چاہئے۔سوال کا تعلق امام سے ہے، جماعت سے نہیں۔

سائل کا منشاء یہ تھا کہ ظہر وعصر میں کچھ پڑھا جاتا ہے؟ حضرت زیدؓ نے اسی کا جواب دیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جماعت میں امام کا پڑھنا، تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے۔صحیح بخاری میں حباب بن ارتؓ، زید بن ثابتؓ، ابوقتادہؓ، سعد بن ابی وقاص سے جو روایتیں مذکور ہیں کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

کتاب الذبائح :

ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر دانت مارا۔لوگوں نے اس کو فوراً ذبح کر دیا۔آنحضرت ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی[3]۔(ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا گلا کاٹ دیا جائے۔قرآن مجید میں ہے "الا ما ذکیتم" چنانچہ جب یہ شرط (ذبح) پائی گئی، آنحضرت ﷺ نے اس کا کھانا حلال کر دیا)۔

کتاب الہبہ :

ایک شخص نے اپنا مکان اپنی زندگی تک کسی کو رہنے کے لئے دیا، تو اس کی وفات پر اس کی اولاد مالک سمجھی جائے گی۔حضرت زیدؓ کی روایت میں اسی کا بیان ہے کہ "العمری للوارث"[4]۔

عمریٰ کی اجازت کے ساتھ رقبیٰ کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔رقبیٰ کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اپنی کوئی چیز دوسرے آدمی کو اس شرط پر دے کہ اگر میں پہلے فوت ہوں تو تم مالک ہو اور تم پہلے فوت ہو تو میری ملکیت پھر عود کر آئے گی۔چونکہ ہبہ کے لئے تملیک ضروری ہے اور یہاں وہ شرط فاسد کے ساتھ وابستہ ہے۔اس بناء پر یہ ہبہ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔۸۶ [2] ایضاً۔ [3] مسند جلد ۵۔ص ۱۸۴ [4] ایضاً۔۱۸۲

کتاب المزارعہ :

نصف، ثلث اور ربع منافع پر کسی سے زراعت کرانا منع ہے[1]۔

جب تک باغ میں پھل اچھی طرح نہ آئے ہوں یا درخت پر رطب چھوہارے ہوں، ان کو اٹکل سے بیچنے کی ممانعت ہے[2]۔ (مدینہ میں اسلام سے قبل پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کردیا جاتا تھا اور نقصان ہونے کی صورت میں فریقین میں جھگڑے تک کی نوبت آجاتی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو اس کو منع کردیا۔ البتہ عربہ والوں کو جو مسکین تھے اور صرف صدقات کے چھوہاروں پر ان کی گذراوقات تھی، ناپ کر فروخت کرنے کی اجازت دیدی تھی)۔

ان مسائل کے بعد علوم شرعیہ کا حصہ ہم ختم کرتے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے دنیا کے دوسرے علوم میں جو ترقی کی تھی، اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

فارسی، رُومی، عبرانی، سریانی، قبطی، حبشی زبانیں :

حضرت زیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھیں تھیں۔ ذہانت کا یہ حال تھا کہ پندرہ روز کی کوشش میں بلا تکلف خط لکھنے لگے تھے۔ بعد میں اس کو اور ترقی دی، یہاں تک کہ توراۃ وانجیل کی زبانوں کے عالم بن گئے۔ یہ عام روایت ہے۔ لیکن مسعودی نے یہاں تک لکھا ہے کہ ان کو فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں، جن کو انہوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے سیکھا تھا[3]۔

حساب : عرب میں حساب کا مطلق رواج نہ تھا۔ اس لئے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں خراج کا حساب رومی یا ایرانی کرتے تھے۔ عربوں کو ہزار سے اُوپر گنتی بھی معلوم نہ تھی۔ عربی میں ہزار سے اُوپر کے عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے۔

لیکن حضرت زیدؓ کو حساب میں اس قدر دخل تھا کہ فرائض کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اس کے ذریعہ حل کرلیتے تھے۔ اس کے ماسوا مال کی تقسیم کرسکتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ حنین میں جو ۸ھ میں ہوا تھا اور جس میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمی شریک تھے، انہی کی مردم شماری اور لگائے ہوئے حصوں کے بموجب آنحضرت ﷺ نے مال تقسیم فرمایا تھا۔ انہوں نے پہلے لوگوں کی تعداد معلوم کی، پھر مال غنیمت کو اس عدد پر پھیلا دیا۔ چند سرداروں کو مستثنیٰ کرکے بڑی رقمیں دی گئی تھیں۔ فی کس ۴، اُونٹ اور

---

[1] مسند۔ ۱۸۷ [2] ایضاً۔ ص ۱۹۲ [3] کتاب التنبیہ والاشرف۔ ص ۲۸۳

چالیس بکری حصہ میں پڑیں۔ سواروں کو اس کا تگنا، یعنی ۱۲، اُونٹ اور ۱۲۰ بکریاں عطا کی گئیں[1]۔ جنگ یرموک کا مال غنیمت بھی جب مدینہ آیا حضرت زیدؓ ہی نے تقسیم کیا تھا۔

خط و کتابت : عرب میں اسلام سے قبل تحریر کا رواج کم تھا۔ قدیم روایتیں قوتِ حافظہ کی بناء پر مشہور ہوئی تھیں۔ حضرت زیدؓ لکھنا جانتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے۔ فرامین۔ عہد نامے اور خطوط کے سوا نقشے عمدہ بناتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں عرب کا مشہور قحط عام الرمادہ رونما ہوا تو اس کے انتظام کے لئے عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو فرمان لکھا کہ وہ مصر سے غلّہ روانہ کریں۔ عمروؓ نے ۲۵ جہاز غلّہ سے بھرے ہوئے دارالخلافت روانہ کئے۔ حضرت عمرؓ کو جہازوں کی آمد کا سخت انتظار تھا۔ خود چند صحابہؓ کو لے کر جن میں حضرت زیدؓ بھی تھے "جار" نامی ایک بندرگاہ پر جو مدینہ سے قریب واقع تھی، تشریف لے گئے۔

غلّہ آیا تو جار میں دو گودام بنوا کر اس میں غلّہ بھروادیا اور زید بن ثابتؓ کو ہدایت کی کہ ایک نقشہ قحط زدوں کا تیار کریں، جس میں ان کا نام اور غلّہ کی مقدار لکھی ہو۔ اس حکم پر حضرت زیدؓ نے رجسٹر بنا کر ہر شخص کو کاغذ کی چکیں تقسیم کیں، جن کے نیچے حضرت عمرؓ کی مہر ثبت تھی۔ اسلام میں چک اور اس میں مہر لگانے کا یہ پہلا واقعہ تھا، جو حضرت زیدؓ کی بدولت وقوع پذیر ہوا۔

اخلاق و عادات : اسلام کی غرض اصلی مکارم اخلاق کی تقسیم و تکمیل ہے۔ حضرت زیدؓ کا اخلاق جن محاسن وفضائل کو مجموعہ تھا۔ اس کے نمایاں اجزاء حبِ رسول، اتباع رسول، امر بالمعروف، نصح امرا اور حمیت ملّی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی بنا پر حضرت زیدؓ دربار نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔ صبح کو بستر سے اُٹھ کر سیدھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آجاتے۔ بعض وقت اتنا سویرا ہوتا کہ سحری آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھاتے۔ آپ ﷺ ان کو اپنے حجرہ شریف میں بلا لیتے تھے[2]۔

ایک روز آنحضرت ﷺ کے پاس گئے، تو آپ سحری میں چھوہارے نوش فرما رہے تھے۔ ان سے شرکت کے لئے ارشار ہوا، انہوں نے کہا میں روزہ کا ارادہ کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ غرض حضرت زیدؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سحری کھائی۔ تھوڑی دیر بعد جب نماز کا وقت آیا تو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسجد گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ قسم اوّل بخاری۔ ص ۱۱۰ [2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۱۸۲

حضرت زیدؓ اکثر رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ جاتے تھے[1] آپ غایت بے تکلفی کی بناء پر اُن کی ران پر اپنا زانوئے مبارک رکھ دیتے۔ایک روز اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ زانوئے مقدس اتنا گراں ہو گیا کہ میرے لئے اس کا تحمل دشوار ہو گیا۔معلوم ہوتا تھا کہ میری ران چور چور ہو جائے گی لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ زبان سے اُف تک نہ کی اور خاموش بیٹھے رہے[2]۔

ارشاد نبوی کی تعمیل کا یہ حال تھا کہ ایک بار وہ امیر معاویہؓ کے پاس شام گئے اور ایک حدیث روایت کرنے کی نوبت آئی۔امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے کہا کہ اس کو لکھ لو۔حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قلم بند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے،یہ کہہ کر اس کو مٹا دیا[3]۔

امرا کے مقابلہ میں بھی سنت نبوی کی تبلیغ سے غافل نہ رہتے تھے۔مروان بن حکم اموی مدینہ کا امیر تھا۔وہ مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتا تھا۔حضرت زیدؓ نے فرمایا،ایسا کیوں کرتے ہو۔آنحضرت ﷺ تو طویل سورتیں پڑھا کرتے تھے[4]۔

صحابہؓ اور تابعین سے بھی اگر ناواقفیت کی بنا پر خلاف سنت کوئی فعل سرزد ہو جاتا تو زیدؓ کو تنبیہ فرماتے تھے۔ایک مرتبہ شرحبیل بن سعدؓ نے بازار میں ایک چڑیا پکڑی تھی۔حضرت زیدؓ نے دیکھ لیا،پاس جا کر ایک تھپڑ مارا اور چڑیا چھین کر اڑا دی اور کہا کہ "او اپنی جان کے دشمن تجھ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے[5]۔

انہی شرحبیل کو ایک مرتبہ باغ میں جال لگاتے دیکھا،تو زور سے چلائے کہ یہاں شکار کھیلنے کی ممانعت ہے[6]۔

شام سے ایک شخص زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ لایا۔بہت سے تاجروں نے معاملہ کیا۔عبداللہ بن عمرؓ نے بھی بات چیت کی اور اس سے خرید لیا۔مال ابھی وہیں رکھا تھا کہ دوسرا خریدار پیدا ہو گیا۔اس نے ابن عمرؓ سے کہا کہ اتنا نفع دیتا ہوں،مجھ سے سودا کر لیجئے۔بات کے پختہ کرنے کے لئے ابن عمرؓ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارنا چاہتے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا۔دیکھا تو زید بن ثابتؓ تھے۔ابن عمرؓ سے کہا،ابھی نہ بیچو۔پہلے مال یہاں سے اُٹھوا لو۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے[7]۔

---

[1] مسند۔ص ۱۹۰ [2] ایضاً۔۱۸۴ [3] ایضاً۔۱۵۲ [4] بخاری جلد ۱۔ص ۱۰۵ باب القرأت فی المغرب
[5] مسند جلد ۵۔ص ۱۸۱۔۱۹۲ [6] ایضاً۔۱۹۰ [7] ایضاً۔ص ۱۹۱

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت جناب زیدؓ مروان کے محل سے نکلے، شاگردوں نے دیکھ لیا۔ خیال ہوا کہ اس وقت کسی وجہ سے گئے ہوں گے۔ بڑھ کر پوچھا، حضرت زیدؓ نے کہا کہ اس وقت اس نے چند حدیثیں پوچھی تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تین خصلتوں سے مسلمان کے قلب کو کبھی انکار نہ ہوگا۔ ۱۔ خدا کے لئے عمل کرنا۔ ۲۔ ولاۃ الامر کو نصیحت کرنا۔ ۳۔ جماعت کے ساتھ رہنا۔

حضرت زیدؓ اگرچہ غیر مسلم اقوام سے نفرت نہ کرتے تھے، تاہم ان میں حمیتِ ملّی اور قومی پورے جوش کے ساتھ موجود تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری کہ بڑے رُتبے کے صحابی تھے۔ بیت المقدس گئے اور عمارت مقدس کے اندر جانا چاہا[1] ایک نبطی سے کہا، میرا گھوڑا پکڑلو، اس نے انکار کیا۔ حضرت عبادہؓ نے اس کو ڈانٹا اور خوب مارا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ عبادہؓ نے جواب دیا کہ میں نے اس سے گھوڑا پکڑنے کے لئے کہا تھا، اس نے انکار کیا۔ میرا مزاج تیز ہے، اس کو مار بیٹھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تم سے قصاص لیا جائے گا۔ زید بن ثابتؓ موجود تھے۔ ان سے ایک صحابی کی ذلّت نہ دیکھی گئی۔ حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ ایک غلام کے بدلے اپنے بھائی کو ماریں گے۔ ان کے کہنے پر حضرت عمرؓ نے جرمانہ پر اکتفا کیا اور حضرت عبادہؓ کو دیت دینا پڑی[2]۔

اسی طرح جب حضرت عمر فاروقؓ شام میں تھے تو خبر ملی کہ ایک مسلمان نے ایک ذمّی کو قتل کردیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسلمان کو قتل کردیا جائے۔ حضرت زیدؓ نے بڑی مشکل سے سمجھا کر قتل کی بجائے دیت پر راضی کیا[3]۔

حضرت زیدؓ کی یہ عصبیت کچھ ذمیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ مسلمانوں کے ساتھ بھی بعض صورتوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اُن کے غلام کا وظیفہ ۲ ہزار مقرر کیا تھا انہوں نے کہا غلام اور آزاد میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اور حضرت عثمانؓ کو ایک ہزار پر راضی کیا۔

طبعاً خاموش وسکوت کو پسند کرتے تھے۔ مجلس میں بیٹھتے تو مجسمۂ تسکین و وقار معلوم ہوتے تھے۔

خلفاء سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے اصحاب صحبت میں تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ سے اتنے وسیع تعلقات تھے کہ عثمانی کہلاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ان کو نہایت

---

۱ مسند۔ ۱۸۳ ۲ کنز العمال۔ جلد ۷۔ ص ۳۰۳ ۳ ایضاً۔ ص ۳۰۴

محبوب رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ کو بھی محبوب رکھتے تھے، اور ان کی فضیلت کے قائل تھے۔ امیر معاویہؓ سے بھی مراسم تھے۔ شام جانا ہوا تو ان کے مکان پر تشریف لے گئے[1]۔ اور جب مروان بن حکم مدینہ کا امیر ہو کر آیا تو اس سے بھی ربط ضبط رہا[2]۔

مروان اپنی سیاست میں شہرۂ آفاق ہے۔ حضرت زیدؓ سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن وہ موقع پر سیاست سے باز نہ آیا تھا۔ زید بن ثابتؓ کو بلا کر ایک دن کچھ پولیٹیکل سوالات کئے۔ حضرت زیدؓ جواب دے رہے تھے کہ یکا یک نظر پڑی کہ پردے کے پیچھے کچھ لوگ لکھ رہے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے فوراً! کہا کہ میرا عذر قبول کیجئے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ میری ذاتی رائے تھی۔

حضرت زیدؓ اگر چہ نہایت منکسر المزاج تھے، لیکن چونکہ بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ اس لئے کبھی کبھی زبان سے حرف ادعا بھی نکل جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت رافع بن خدیج نے ایک حدیث میں غلطی کی، تو حضرت زیدؓ نے کہا کہ خدا ان کی مغفرت کرے۔ مجھ کو ان سے زیادہ حدیث معلوم ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ان کے علم ووقار کی بناء پر صحابہؓ اور علماء سے لے کر امراء و حکام تک ان کی عزت وتعظیم کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ زید بن ثابتؓ کی اس قدر تکریم کرتے تھے کہ ایک مرتبہ وہ گھوڑے پر سوار ہونے کو چلے تو ابن عباسؓ نے رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ نے کہا، آپ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، ایسا نہ کیجئے! ابن عباسؓ نے کہا کیا خوب؟ علماء اور اکابر کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے۔

مروان بن حکم اموی جو حضرت ابوسعید حذریؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو کوڑے سے مارنے اُٹھا تھا۔ حضرت زیدؓ کی اتنی عظمت کرتا تھا کہ ان کو اپنے برابر تخت پر جگہ دیتا تھا[3]۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۱۸۲ [2] ایضاً۔ ص ۱۸۷ [3] ایضاً

حضرت زیاد بن لبیدؓ

نام ونسب :

زیاد نام ہے۔ ابوعبداللہ کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :
زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔

اسلام : بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔ جب مدینہ یں مہاجرین کی آمد شروع ہوئی تو انصار کی ایک جماعت کہ چار آدمیوں سے مرکب تھی۔ مکہ پہنچی، جس میں ایک حضرت زیادؓ تھے۔ وہاں سے بہت سے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ اس بناء پر یہ لوگ انصاری بھی تھے اور مہاجر بھی[1]۔

غزوات : بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شریک تھے۔

۹ھ میں آنحضرتﷺ نے یمن کا حاکم بنایا۔ یہ ملک ۵ حصوں پر تقسیم تھا[2]۔

حضرت زیادؓ حضرموت کے عامل تھے۔ صدقات کا محکمہ بھی ان کے زیر ریاست تھا[3]۔

آنحضرتﷺ کی وفات کے بعد جب اہل یمن مرتد ہوگئے اور زکوٰۃ بند کردی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زیادؓ کو اس بارے میں لکھا۔ انہوں نے شاہان کندہ پر شبخون مار کر فتح حاصل کی۔ اشعث بن قیس کا محاصرہ کر کے شکست دی، اور اس کو دارالخلافت روانہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :

"و کان له بلاء حسن فی قتال اهل الردّة"[4]

"یعنی انہوں نے مرتدین کی جنگ میں بڑی جانبازی دکھائی"۔

خلافت صدیقی[5] اور فاروقی میں بھی اسی خدمت پر ممتاز رہے[6]۔ اس فرض سے سبکدوشی کے بعد کوفہ کی سکونت اختیار کی۔ بعض کا خیال ہے کہ شام میں قیام کیا تھا۔

وفات : ۴۱ھ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا پہلا سال تھا۔ زیادؓ فقہائے صحابہؓ میں تھے[7]۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اب علم کے اُٹھنے کا وقت آپہنچا۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ا۔ قسم ا۔ ص ۱۵۲ [2] استیعاب جلد ا۔ ص ۲۴۶ حالات معاذ بن جبل [3] یعقوبی جلد ۲۔ ص ۸۱
[4] تہذیب التہذیب جلد ۳۔ ص ۳۸۳ [5] طبری جلد ص ۱۲۳۶ [6] یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۸۶
[7] تہذیب التہذیب جلد ۳۔ ص ۳۸۳

حضرت زیادؓ نے عرض کی، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔اب تو علم لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔
ارشاد ہوا:

"ثکلتک امک یا زیاد ! ان کنت لا راک من افقه رجل بالمدینة اولیس الیهود والنصاریٰ یقرؤن التوراة والانجیل ولاینتفعون بشئ"

"یعنی اے زیاد تیری ماں تجھ کو روئے ! میں تجھ کو نہایت سمجھ دار شخص خیال کرتا تھا، کیا دیکھتے نہیں کہ یہود ونصاریٰ تورات وانجیل پڑھتے ہیں، لیکن ان سے نفع نہیں اُٹھاتے"۔

حضرت عبادہؓ نے اس حدیث کو سنا تو فرمایا، سچ ہے۔سب سے پہلے خشوع اُٹھ رہا ہے[1]۔

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں۔حلقہ روایت میں عوف بن مالک، جبیر بن نفیر، سالم بن ابی الجعدان کی مسند فضل وکمال کے حاشیہ نشین ہیں۔

---

[1] اصابہ جلد ۳۔ص ۲۰

حضرت زید بن دثنہؓ

نام ونسب :

نامِ نامی حضرت زیدؓ ہے۔ قبیلۂ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :
زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زریق ، بن عبد حارثہ بن مالک ابن غضب بن جشم بن خزرج۔

بدر اور احد میں شریک تھے۔ غزوۂ احد کے بعد قبیلۂ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ چند صحابہؓ جو قرآن اور فقہ کی تعلیم دے سکیں، ہمارے یہاں بھیجئے۔ ان اطراف میں اسلام پھیل رہا ہے۔ ان کی درخواست پر آنحضرت ﷺ نے خبیبؓ اور زیدؓ بعض اور لوگوں کو روانہ فرمایا۔ راستہ میں بیر معونہ پر معرکہ پیش آیا۔ حضرت خبیبؓ اور زیدؓ مشرکین کے ہاتھوں اسیر ہوگئے۔ وہ لوگ ان بزرگوں کو ہاتھ باندھ کر مکہ لائے اور صفوان بن امیہ کے ہاتھ فروخت کیا۔ صفوان نہایت خوش تھا کہ اپنے باپ کے عوض ان کو قتل کروں گا۔

شہادت : رائے ومشورہ کے بعد تنعیم مقتل قرار پایا۔ صفوان نے اپنے غلام کا جس کا نام نسطاس تھا، حکم دیا کہ ان کو تنعیم لے چلو۔ قتل گاہ پہنچے تو عجیب آزمائش کا وقت تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا، زید تمہیں خدا کی قسم سچ سچ بتانا، اگر تمہارے بجائے محمد (ﷺ) ہوں اور ہم ان کی گردن ماریں اور تم اپنے گھر محفوظ رہو تو تم اس بات کو پسند کرتے ہو۔

حضرت زیدؓ نے فرمایا "واللہ مجھے یہ بھی منظور نہیں کہ محمد ﷺ کے کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان اس فقرہ کو سن کر دنگ رہ گیا اور اسی عالم میں زبان سے نکلا کہ محمد کے اصحاب ان سے جس قدر محبت کرتے ہیں دنیا میں کسی کے دوست ایسے گرویدہ نہیں۔ اس کے بعد ان کو قتل کردیا گیا۔ یہ ۳ ھ کا افسوسناک واقعہ ہے۔

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)

اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر انصار

حصہ پنجم

جس میں بہ ترتیب حروف تہجی مستند حوالوں سے ۶۴ انصار کرام وحلفائے انصارؓ کے سوانح وحالات اوراُن کے سوانح وحالات اوراُن کے فضائل وکمالات کی تفصیل مذکور ہے

تحریر وترتیب

جناب مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم

سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ

دارالاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 2213768

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"س"

حضرت سعدؓ بن ربیع

نام ونسب :

سعد نام، قبیلہ خزرج سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

اسلام : عقبۂ اولیٰ میں مسلمان ہوئے اور عقبۂ ثانیہ میں شرکت کی[1]، دوسری بیعت میں اپنے قبیلہ کے نقیب بنائے گئے، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ بھی اس قبیلہ کے نقیب تھے[2]۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے، برادری قائم ہوئی، حضرت سعدؓ نے اپنے مہاجر بھائی کے ساتھ جو غیر معمولی جوش وخروش اور خلوص ظاہر کیا اس کی نظیر تاریخِ عالم کے کسی باب میں نہیں مل سکتی۔ تمام انصار نے مال ومتاع وجائداد اور زمین آدھی آدھی مہاجرین کو دے دی تھی۔ لیکن حضرت سعدؓ نے ان چیزوں کے علاوہ اپنی ایک بیوی بھی پیش کی، حضرت عبدالرحمٰنؓ اگرچہ اس وقت مفلوک الحال تھے تاہم دل کے غنی تھے بولے "خدا تمہارے بال بچوں اور مال و دولت میں برکت دے، مجھے اس کی ضرورت نہیں، تم مجھ کو بازار دکھلا دو"۔[3]

وفات : غزوۂ بدر کی شرکت سے تذکرے خاموش ہیں۔ غزوہ اُحد میں شریک تھے اور اسی میں نہایت جانبازی سے لڑکر شہادت حاصل کی۔ جسم پر نیزہ کے بارہ زخم تھے۔ موطا میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی سعد بن ربیع کی خبر لاتا۔ ایک شخص نے کہا میں جاتا ہوں۔

زرقانی میں ہے کہ انہوں نے جاکر لاشوں کا گشت لگایا اور ان کا نام لے کر آواز دی، شہرِ خموشاں میں ہر طرف سناٹا تھا کوئی جواب نہ آیا۔ لیکن جب یہ آواز دی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تو ایک ضعیف آواز کان میں پہنچی کہ میں مُردوں میں ہوں۔ یہ حضرت سعدؓ کا اخیر وقت تھا، دم توڑ رہے تھے، زبان قابو میں نہ تھی۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۷ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۷۷ و ۲۷۸ واصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۷۷

تاہم ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے میرا سلام کہنا اور انصار سے کہنا کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ قتل ہوئے اور تم میں سے ایک بھی زندہ بچ گیا تو خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے!۔ کیونکہ تم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ پر فدا ہونے کی بیعت کی تھی۔ یہ شخص جس کا نام بعض روایتوں میں ابی بن کعبؓ آیا ہے۔ وہیں کھڑے رہے اور حضرت سعدؓ کی رُوحِ مبارک جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت ابیؓ نے وصیت کے یہ آخری کلمات آنحضرت ﷺ کو پہنچائے تو فرمایا ''خدا ان پر رحم کرے، زندگی اور موت دونوں میں خدا اور رسول کی بہی خواہی مدِ نظر رہی [۱]۔

دفن کے وقت دو دو آدمی ایک قبر میں رکھے گئے تھے، خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر جو حضرت سعدؓ کے چچا ہوتے تھے، ان کے ساتھ دفن کئے گئے کہ جس طرح دنیا میں ساتھ دیا تھا قبر میں بھی ساتھ دیں [۲]۔

اہل وعیال : دو لڑکیاں چھوڑیں، ایک کا نام امّ سعید تھا، آنحضرت ﷺ نے جائیداد میں دو ثلث ان کو عطا فرمائے۔ قرآنِ مجید کی آیت میراث

"فان کن نساًء فوق اثنتین فلھن ثلثاماترک "

''اگر دو عورتوں سے زیادہ ہوں تو دو ثلث ان کا حصہ ہوگا''۔

اسی موقع پر نازل ہوئی اور اسی تقسیم سے یہ معلوم ہوا کہ دو عورتوں کا بھی وہی حصہ ہے، جو تین یا چار کا ہے [۳]۔ دو بیویاں تھیں جن میں ایک کا نام عمرہ بنت حزم تھا [۴]۔

فضل وکمال :

آنحضرت ﷺ سے حدیث سننے کے علاوہ لکھنا جانتے تھے اور چونکہ رئیس کے بیٹے تھے تعلیم کا خاص اہتمام ہوا تھا۔ کتابت اسی زمانہ میں سیکھی تھی [۵]۔

اخلاق : جوشِ ایمان اور حُبِ رسول ﷺ، عقبہ اور اُحد کے کارناموں سے ظاہر ہوتی ہے، غزوۂ اُحد میں جو وصیت کی وہ اس کا بالکل بین ثبوت ہے۔

---

[۱] اسد الغابہ ص ۲۷۸ [۲] صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۵۶۰ [۳] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۲۷۸
[۴] اصابہ جلد ۲۔ ص ۷۷ [۵] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۲۷۷

مشرکینِ مکہ کی تیاریوں کی خبر جب آنحضرت ﷺ کے پاس اُحد میں آئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے سعدؓ کو آگاہ کیا تھا [۱]۔

انہی باتوں کی وجہ سے حضرت سعدؓ کا اثر تمام صحابہ پر تھا۔ ان کی صاحبزادی امّ سعید حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئیں تو انہوں نے اپنا کپڑا بچھا دیا، حضرت عمرؓ نے کہا ''یہ کون ہیں؟'' فرمایا ''یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو مجھ سے اور تم سے بہتر تھا''۔ پوچھا ''یا خلیفۂ رسول اللہ (ﷺ)! وہ کیوں؟'' ارشاد ہوا کہ ''اس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جنت کا راستہ لیا، اور ہم تم یہیں باقی رہ گئے [۲]''۔

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ ص ۲۵ [۲] اصابہ۔ ص ۷۷

حضرت سہلؓ بن سعد

نام ونسب :

سہل نام، ابوالعباس، ابو مالک، ابو یحیٰ کنیت سلسلہ نسب یہ ہے، سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ حارثہ بن عمرو بن خزرج بن سعدہ بن کعب بن خزرج اکبر،

ہجرت نبوی سے ۵ سال قبل پیدا ہوئے، باپ نے حزن نام رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو بدل کر سہل کر دیا۔

اسلام : ہجرت سے پیشتر حضرت سہلؓ کے والد سعد بن مالک نے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا، بیٹے نے اسی باپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔

غزوات اور دیگر حالات :

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوریِ مدینہ کے وقت ان کا سن ۵ سال کا تھا، دو برس کے بعد غزوۂ بدر پیش آیا، اس وقت یہ ہفت سالہ تھے، لڑائی سے قبل ان کے والد نے انتقال کیا اور حضرت سہلؓ کو یتیم چھوڑ گئے، آنحضرت ﷺ نے لڑائی ختم ہونے کے بعد اور مجاہدین کی طرح ان کے باپ کا بھی حصہ لگایا، کیونکہ وہ جنگ کا عزم کر چکے تھے۔

غزوۂ احد میں وہ اور لڑکوں کی طرح شہر کی حفاظت کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ کو جب چشم زخم پہنچا اور دھویا گیا، اس وقت آپ کے پاس آ گئے تھے[1]۔

۵ھ میں غزوۂ خندق ہوا، باایں ہمہ صغر سنی جوش کا یہ عالم تھا کہ خندق کھودتے اور مٹی اٹھا اٹھا کے کندھے پر لے جاتے تھے[2]۔

غزواتِ مابعد میں بھی میدانِ جنگ کے قابل نہ ہو سکے، ۱۵ برس کا سن ہوا اور تیغ زنی کے قابل ہوئے تو خود سرورِ عالم ﷺ نے سفر آخرت اختیار فرمایا[3]۔ یہ ۱۱ھ کا واقعہ ہے۔

۷۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کا دست سیاست دراز ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا کہ "تم نے حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی؟ جواب دیا کی تھی" بولا "جھوٹ کہتے ہو" اس کے بعد حکم دیا کہ ان کی

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۳۳۷ [2] ایضاً۔ ص ۳۳۸ [3] مسند ابی مبارک ص ۱۱۶

گردن پر مہر لگادی جائے۔ یہ عتاب ان بزرگوں کے ذلیل کرنے اور اثر زائل کرنے کے لئے کیا گیا تھا، حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ بھی اسی جرم میں ماخوذ تھے۔

وفات : سن مبارک ۹۶ سال تک پہنچ چکا تھا، آنحضرت ﷺ کے جمال با کمال کے دیکھنے والوں سے مدینہ خالی تھا، دیگر صوبے بھی صحابہؓ کے سایہ سے عموماً محروم ہو چکے تھے، وہ خود فرمایا کرتے تھے، کہ ''مرجاؤں گا کوئی قال رسول اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا۔'' آخر ۹۱ھ میں بزم قدس نبوی کی یہ ٹمٹماتی ہوئی شمع بھی بجھ گئی۔

فضل وکمال : حضرت سہلؓ مشاہیر صحابہؓ میں ہیں اکابر صحابہؓ کے فوت ہونے کے بعد ان کی ذات مرجع انام بن گئی تھی لوگ نہایت ذوق وشوق سے حدیث سننے آتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اگر چہ صغیر السن تھے، تاہم آپ سے حدیث سنی تھی، بعد میں حضرت ابی بن کعبؓ، عاصم بن عدیؓ، عمرو بن عبسہؓ سے اس فن کی تکمیل کی، مروان سے بھی چند روایتیں لیں، اگر چہ وہ صحابی نہ تھا، راویانِ حدیث اور تلامذۂ خاص کی ایک جماعت تھی جن میں بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعید بن مسیّب، ابوحازم بن دینار زہری، ابوسہیل صبحی، عباسؓ بن سہل (لڑکے تھے) وفاء بن شریح حضرمی، یحیٰ بن میمون حضری عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب، عمرو بن جابر حضرمی۔ روایات کی تعداد ۱۸۸ ہے جن میں سے ۲۸ متفق علیہ ہیں۔

اخلاق : حُب رسول ﷺ کے نشہ میں چور تھے، آنحضرت ﷺ ایک ستون کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے ایک روز منبر کا خیال ظاہر فرمایا، حضرت سہلؓ اٹھے اور جنگل سے منبر کے لئے لکڑی کاٹ کر لائے[1]۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو بیر بضاعہ سے پانی پلایا تھا[2]۔

حق گوئی خاص شعار تھی، آل مروان میں سے ایک شخص مدینہ کا امیر ہو کر آیا حضرت سہلؓ کو بلا کر کہا کہ علیؓ کو برا کہو، انہوں نے انکار کیا تو کہا کہ اچھا اتنا ہی کہدو کہ ''خدا (نعوذ باللہ) ابوتراب پر لعنت کرے''۔ حضرت سہلؓ نے جواب دیا کہ یہ علیؓ کا محبوب ترین نام تھا اور آپ ﷺ اس نام پر بہت خوش ہوتے تھے، اس کے بعد ابوتراب کی وجہ تسمیہ بتلائی تو اس کو بھی خاموش ہونا پڑا[3]۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۳۳۷ [2] ایضاً ص ۳۳۸ [3] صحیح مسلم جلد ۱۔ ص ۳۲۶

حضرت سہلؓ بن حُنیف

نام ونسب :

سہل نام ، ابوسعد کنیت ، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سہل بن حنیف بن واہب بن عکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن جشم بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : ہجرت سے قبل مشرف باسلام ہوئے۔

غزوات وعام حالات :

ابن سعد کی روایت کے مطابق جناب امیر علیہ السلام سے مواخاۃ ہوئی[1]۔ تمام غزوات میں شریک تھے، غزوۂ احد میں جب آنحضرت ﷺ چند صحابہ کے ساتھ میدان میں رہ گئے تھے، یہ بھی ثابت قدم رہے، اسی دن موت پر بیعت کی بھی، رسول اللہ ﷺ کی طرف جو تیر آتے یہ ان کا جواب دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ لوگوں سے فرماتے کہ ان کو تیر دو، یہ سہل ہیں حضرت عمرؓ تفاول کے طور پر کہتے کہ سہل ہے حزن نہیں[2]۔

خلافت راشدہ میں سے جناب امیرؓ کے عہد مبارک میں مدینہ کے امیر تھے کوفہ سے امیر المومنین کا فرمان پہنچا کہ یہاں آجاؤ، چنانچہ مدینہ سے کوفہ چلے گئے۔

جنگ جمل کے بعد بصرہ کے والی بنائے گئے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شرکت کی[3]۔ اور لڑائی کے بعد کوفہ واپس چلے آئے۔

اسی زمانہ میں فارس کے امیر بنائے گئے اہل فارس نے سرتابی کر کے خارج البلد کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ان کی بجائے زیاد بن ابیہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

وفات : ۳۸ھ میں بمقام کوفہ انتقال فرمایا حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی چھ تکبیریں کہیں اور فرمایا کہ یہ اصحاب بدر میں تھے۔

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے، ابوامامہ اسعد اور عبداللہ اول الذکر آنحضرت ﷺ کے عہد مقدس میں پیدا ہوئے۔

---

[1] اصابہ جلد۳۔ ص ۱۳۹۔ تہذیب التہذیب۔ جلد۴۔ ص ۲۵۱۔ [2] اصابہ ۱۳۹۔ [3] صحیح بخاری جلد۲۔ ص ۶۰۲

حلیہ : نہایت خوبصورت اور پاکیزہ منظر تھے۔ بدن نہایت سڈول تھا، ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے وہاں نہر جارہی تھی نہانے کے لئے گئے، کسی انصاری نے جسم دیکھ کر کہا کیسا بدن پایا ہے؟ میں نے ایسا بدن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت سہل ؓ کو غش آگیا۔ اٹھا کر لائے گئے، بخار چڑھا تھا، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا معاملہ ہے لوگوں نے قصہ بیان کیا فرمایا ''تعجب ہے لوگ اپنے بھائی کا جسم پامال دیکھتے ہیں اور برکت کی دعا نہیں کرتے اس لئے نظر لگتی ہے۔

فضل وکمال :

راویان حدیث میں ہیں، آنحضرت ﷺ اور حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت کرتے ہیں ان سے متعدد تابعین نے روایت کی ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

ابووائل، عبید بن سباق، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سیر بن عمرو، رباب (عثمان بن حکم بن عباد بن حنیف کی دادی تھیں)[1]۔

اخلاق وعادات :

اختلاف سے دور رہتے تھے، صفین سے واپس آئے تو ابووائل نے کہا کہ کچھ خبر بیان کیجئے فرمایا کیا بتاؤں؟ سخت مشکل ہے ایک سوراخ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے[2]۔

نہایت شجاع اور جری تھے، لیکن لوگوں میں اس کے خلاف چرچا تھا، فرمایا یہ ان کی رائے کا قصور ہے، میں بزدل نہیں ہم نے جس کام کے لئے تلوار اٹھائی اس کو ہمیشہ آسان کرلیا۔ یوم ابی جندل (حدیبیہ) میں لڑنا اگر رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف نہ ہوتا تو میں اس دن بھی آمادۂ پیکار ہوجاتا[3]۔

---

[1] ازطبقات۔ جلد ۶۔ ص ۸۔ وتہذیب التہذیب۔ جلد ۴ واصابہ جلد ۳۔ حالات سہل

[2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۰۲ [3] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۰۲

حضرت سعدؓ بن معاذ

نام ونسب :

سعد نام ہے۔ ابوعمرو کنیت، سید الاوس لقب، قبیلہ عبدالاشہل سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:
سعد بن معاذ بن نعمان بن امراء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن بنت (عمرو) بن مالک بن اوس۔ والدہ کا نام کبشہ بنت رافع تھا۔ جو حضرت ابوسعیدؓ خدری کی چچازاد بہن تھیں۔ قبیلہ اشہل، میں شریف ترین قبیلہ تھا، سیادت عامہ اس میں وراثۃً چلی آتی تھی، چنانچہ حضرت سعدؓ کے تمام مورث اپنے اپنے زمانہ میں تاجِ سیادت زیب سر کئے تھے۔

والد نے ایام جاہلیت ہی میں وفات پائی، والدہ موجود تھیں ہجرت سے پیشتر ایمان لائیں اور حضرت سعدؓ کے انتقال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں۔

اسلام : اگرچہ عقبہ اولیٰ میں یثرب کی سرزمین پر خورشید اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا لیکن حقیقی ضیا گستری حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ذات سے وابستہ تھی، چنانچہ جب وہ داعیِ اسلام بن کر مدینہ پہنچے تو جو کان اس صدا سے نا آشنا تھے ان کو بھی چاروناچار اس کے سننے کے لئے تیار ہونا پڑا۔

سعد بن معاذ ابھی حالت کفر میں تھے۔ ان کو مصعب کی کامیابی پر سخت حیرت اور اپنی قوم کی بے وقوفی پر انتہا درجہ کا حزن وملال تھا[1]۔

لیکن تابہ کے؟ آخر ایک دن ان پر بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کا اثر پڑ گیا۔ اسعد ابن زرارہؓ نے جن کے مکان میں حضرت مصعبؓ فروکش تھے ان سے کہا تھا کہ سعد بن معاذ مسلمان ہو جائیں گے تو دو آدمی بھی کافر نہ رہ سکیں گے اس لئے آپ کو ان کے مسلمان کرنے کی فکر کرنی چاہئے، سعد بن معاذؓ حضرت مصعبؓ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، آپ بیٹھ کر سن لیجئے، ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے سعد نے منظور کیا تو حضرت مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں جن کو سن کو سعد بن معاذؓ کلمۂ شہادت پکار اٹھے اور مسلمان ہو گئے۔

قبیلہ عبدالاشہل میں یہ خبر فوراً پھیل گئی۔ سعدؓ گھر گئے تو خاندان والوں نے کہا کہ اب وہ چہرہ نہیں! حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر پوچھا میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں؟ سب نے کہا سردار اور

---

[1] خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ۔ ص ۹۲

اہل فضیلت، فرمایا "تم جب تک مسلمان نہ ہوگے میں تم سے بات چیت نہ کروں گا"۔ حضرت سعدؓ کو اپنی قوم میں جو عزت حاصل تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ شام ہونے سے قبل تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اور مدینہ کے درودیوار تکبیر کے نعروں سے گونج اُٹھے۔

اشاعتِ اسلام میں یہ حضرت سعدؓ کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے صحابہ میں کوئی شخص اس فخر میں ان کا حریف نہیں، آنحضرت ﷺ نے اسی بناء پر فرمایا ہے "خیر دور الانصار بنو النجار ثم بنو عبد الاشہل" یعنی انصار کے بہترین گھرانے بنونجار کے ہیں اور ان کے بعد عبدالاشہل کا درجہ ہے، حضرت سعدؓ اور ان کے قبیلہ کا اسلام عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کے درمیان کا واقعہ ہے۔

مسلمان ہو کر حضرت سعدؓ نے حضرت مصعبؓ کو اسعد بنؓ زرارہ کے مکان سے اپنے ہاں منتقل کر لیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

کچھ دنوں بعد عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے اور امیہ بن خلف کے مکان پر کہ مکہ کا مشہور رئیس اور ان کا دوست تھا، قیام کیا (امیہ مدینہ آتا تھا تو ان کے ہاں ٹھہرا کرتا تھا) اور کہا کہ جس وقت حرم خالی ہو مجھے خبر کرنا چنانچہ دوپہر کے قریب اس کے ساتھ طواف کے لئے نکلے۔ راستہ میں ابوجہل سے ملاقات ہوئی پوچھا یہ کون ہیں؟ امیہ نے کہا "سعد" ابوجہل نے کہا تعجب ہے کہ تم صابیوں (بے دین، آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ مراد ہیں) کو پناہ دے کر اور اُن کے انصار بن کر مکہ میں نہایت اطمینان سے پھر رہے ہو، اگر تم ان کے ساتھ نہ ہوتے تو تمہارا گھر پہنچنا دشوار ہو جاتا" حضرت سعدؓ نے غضب آلود لہجہ میں جواب دیا۔ تم مجھے روکو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے؟ میں تمہارا مدینہ کا راستہ روک لوں گا"۔ امیہ نے کہا "سعد ابوالحکم (ابوجہل) مکہ کا سردار ہے، اس کے سامنے آواز پست کرو"۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا، چلو ہٹو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ مسلمان تم کو قتل کریں گے، بولا کیا مکہ میں آکر ماریں گے؟ جواب دیا اس کی خبر نہیں[1]۔

اس پیشن گوئی کے پورا ہونے کا وقت غزوۂ بدر تھا، کفار قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نہایت ساز و سامان سے تیاریاں کی تھیں، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا حضرت سعدؓ نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپ پر ایمان لائے رسالت کی تصدیق کی، اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں حق اور درست ہے سمع اور طاعت پر آپ سے بیعت کی، پس

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۳۔

جوارادہ ہو کیجئے۔اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا آپ سمندر میں کودنے کو کہیں تو ہم حاضر ہیں ہمارا ایک آدمی بھی گھر میں نہ بیٹھے گا ہم کو لڑائی سے بالکل خوف نہیں اور انشاءاللہ میدان میں ہم صادق القول ثابت ہونگے، خدا ہماری طرف سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرے[1]۔

آنحضرت ﷺ اس تقریر سے خوش ہوئے فوجوں کی ترتیب کا وقت آیا تو قبیلۂ اوس کا جھنڈا آنحضرت ﷺ نے ان کے حوالے کیا۔ غزوۂ احد میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے آستانہ پر پہرہ دیا تھا۔

کفار سے مقابلہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے، عبداللہ بن ابی ابن سلول، کا بھی یہی خیال تھا، لیکن بعض نوجوان جن کو شوق شہادت دامن گیر تھا، باہر نکل کر لڑنے پر مصر تھے، چونکہ کثرت رائے انہی کو حاصل تھی اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے انہی کی تائید کی اور زرہ پہننے کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "تم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو باہر چلنے کے لئے مجبور کیا ہے، حالانکہ آپ پر آسمان سے وحی آتی ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ اپنی رائے واپس لے لو اور معاملہ کو بالکل آنحضرت ﷺ پر چھوڑ دو"۔

آنحضرت ﷺ تلوار، ڈھال اور زرہ لگا کر نکلے تو تمام لوگوں کو ندامت ہوئی، عرض کیا کہ ہم کو حضور ﷺ کی مخالفت منظور نہیں، جو حکم ہو ہم بجالانے پر آمادہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ "اب کیا ہوتا ہے؟ نبی جب ہتھیار باندھ لیتا ہے تو جنگ کا فیصلہ کر کے اُتارتا ہے"[2]۔

غرض کوہ اُحد کے دامن میں لڑائی شروع ہوئی، اسلامی لشکر پہلے فتح یاب تھا، لیکن پھر تابِ مقاومت نہ لا کر پیچھے ہٹا اس وقت آنحضرت ﷺ سب سے زیادہ ثابت قدم تھے اور آپ کے ساتھ دو اصحاب دادِ شجاعت دے رہے تھے، انہی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے[3]۔ اس غزوہ میں ان کے بھائی عمرو شہید ہو گئے[4]۔

غزوۂ خندق میں جو ۵ھ میں ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے انصار سے مدینہ کے تہائی پھل عیینہ بن حصن بن سید کو دینے کا مشورہ کیا تھا، اس مشورہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ بھی شریک تھے[5]۔ لڑائی کا وقت آیا تو زرہ پہنے اور ہاتھ میں حربہ لئے میدان کو روانہ ہوئے۔ بنو حارثہ کے قلعہ میں ان کی ماں موجود تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں، شعر پڑھتے ہوئے گذرے تو ماں نے کہا بیٹا تم پیچھے رہ گئے، جلدی جاؤ۔

---

[1] زرقانی جلد ا۔ص ۴۷۹ [2] طبقات ابن سعد جلد ۲۔ قسم ا۔ص ۲۶ [3] زرقانی جلد ۲۔ص ۴۰
[4] طبقات جلد ۲۔ قسم ا۔ص ۳۰ [5] طبقات سعد جلد ا۔ قسم ا۔ص ۵۲

جس ہاتھ میں حربہ تھا وہ باہر نکلا ہوا تھا حضرت عائشہؓ نے کہا "سعد کی ماں! دیکھو زرہ بہت چھوٹی ہے، میدان میں پہنچے تو حبان بن عبد مناف نے کہا کہ عرقہ کا بیٹا تھا، ہاتھ پر ایک تیر مارا جس سے ہفت اندام کٹ گئی[1] اور نہایت جوش میں کہا لو، میں عرقہ کا بیٹا ہوں آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا "خدا اس کا چہرہ دوزخ میں عرق آلود کرے"۔

اس کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں ایک خیمہ لگایا اور رفیدہ اسلمیہ کو ان کی خدمت پر مامور کیا۔ حضرت سعدؓ اسی خیمہ میں رہتے تھے اور حضرت ﷺ روزانہ ان کی عیادت کو تشریف لاتے تھے۔ چونکہ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے، خدا سے دعا کی کہ قریش کی لڑائیاں باقی ہوں تو مجھے زندہ رکھ، ان سے مجھے لڑنے کی بڑی تمنا ہے کیونکہ انہوں نے تیرے رسول کو اذیت دی، تکذیب کی اور مکہ سے نکال دیا اور اگر لڑائی بند ہونے کا وقت آ گیا ہے تو اس زخم سے مجھے شہادت دے اور بنی قریظہ کے معاملہ میں میری آنکھیں ٹھنڈی کر، اس دعا کا دوسرا ٹکڑا مقبول ہوا[2]۔ چنانچہ جب بنو قریظہ کو آنحضرت ﷺ نے جلا وطن کرنا چاہا تو چونکہ وہ قبیلۂ اوس کے حلیف تھے کہلا بھیجا کہ ہم سعد کا حکم مانیں گے، آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد کو اطلاع کی، وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے، مسجد کے قریب پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے انصار سے کہا کہ "اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اُٹھو"۔

پھر سعدؓ سے فرمایا کہ "یہ لوگ تمہارے حکم کے منتظر ہیں"۔ عرض کی "تو میں حکم دیتا ہوں کہ جو لوگ لڑنے والے ہیں قتل کئے جائیں گے، اولاد غلام بنائی جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے"۔ آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ سن کر کہا کہ "تم نے آسمانی حکم کی پیروی کی"، چنانچہ اس کے بموجب اپنے سامنے ۴۰۰ آدمی قتل کرائے۔

وفات: اس واقعہ کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے، آنحضرت ﷺ نے خود زخم کو داغا جس سے خون رک گیا، لیکن اس کے عوض ہاتھ پھول گیا تھا، ایک دن زخم پھٹا اور اس زور سے خون جاری ہوا کہ مسجد سے گذر کر بنی غفار کے خیمہ تک پہنچا، لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی پوچھا کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ سعدؓ کا زخم پھٹ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو گھبرا اٹھے اور کپڑا گھسیٹتے ہوئے مسجد میں آئے دیکھا تو حضرت سعدؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ نعش کو اپنی آغوش میں لے کر بیٹھے، خون برابر بہہ رہا تھا۔ لوگ آ کر جمع ہونا شروع ہوئے، حضرت ابوبکرؓ آئے اور نعش کو دیکھ کر ایک چیخ ماری کہ ہائے ان کی کمر ٹوٹ گئی،

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۹۱ و دیگر کتب رجال [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۹۱

آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ایسا نہ کہو"۔ حضرت عمرؓ نے رو کر کہا " انا للہ و انا الیہ راجعون "، خیمہ میں کہرام پڑا تھا۔ دُکھیا ماں رو رہی تھی۔

ویل ام سعداسعدا   براعة نجدا

ویل ام سعدا سعدا   صرامة وجدا

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور رونے والیاں جھوٹ بولتی ہیں لیکن یہ سچ کہتی ہیں۔ جنازہ روانہ ہوا تو خود آنحضرت ﷺ ساتھ ساتھ تھے، فرمایا کہ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے شریک ہیں، لاش بالکل ہلکی ہو گئی تھی، منافقین نے مضحکہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ان کا جنازہ فرشتے اٹھائے ہوئے تھے"[1]۔ دفن کر کے واپس ہوئے تو سرورِ کائنات ﷺ نہایت مغموم تھے، ریش مبارک ہاتھ میں تھی اور اس پر مسلسل آنسو گر رہے تھے۔

حضرت سعدؓ کی وفات تاریخِ اسلام کا غیر معمولی واقعہ ہے انہوں نے اسلامؐ کی جو خدمات انجام دی تھیں جو مذہبی جوش ان میں موجود تھا۔ اس کی بدولت وہ انصار میں صدیقِ اکبر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس دشمن خدا (ابن ابی) نے مجھے سخت تکلیف دی ہے تم میں کوئی اس کا تدارک کر سکتا ہے"؟ تو سب سے پہلے انہوں نے اٹھ کر کہا تھا کہ "قبیلۂ اوس کا آدمی ہو تو مجھ کو بتایئے میں ابھی گردن مارنے کا حکم دیتا ہوں"

اس وقت اسی محبّ صادق اور عاشقِ جاں نثار نے وفات پائی تھی۔ اس واقعہ کی اہمیت اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ فرشتے جنازہ میں موجود تھے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ان کی موت سے عرشِ مجید جنبش میں آ گیا ہے"[2]۔

ایک انصاری فخریہ کہتا ہے۔

وما اهتز عرش الله من موت هالک   سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

کسی مرنے والے کی موت پر خدا کا عرش نہیں ہلا   مگر سعد ابی عمرو کی موت پر

حلیہ : حلیہ یہ تھا کہ قد دراز، بدن دوہرا[3]۔

اولاد : دو بیٹے تھے، عمرو اور عبداللہ، دونوں صحابی تھے۔ اور بیعت رضوان میں شریک تھے۔

فضل وکمال : جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت سعدؓ کا انتقال اوائلِ اسلام میں ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے انہوں نے ۵ برس فائدہ اُٹھایا۔ اس عرصہ میں بہت سی حدیثیں سنی ہوں گی، لیکن

---

[1] جامع ترمذی ص ۶۳۳ [2] صحیح بخاری جلد ا۔ ص ۵۳۶ [3] ترمذی ص ۲۹۵

چونکہ روایات کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے بعد قائم ہوا، اس لئے ان کی روایتیں اشاعت نہ پاسکیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت مذکور ہے جس میں ان کے عمر کا ذکر آیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے اُحد میں قتل ہونے کا تذکرہ ہے۔

مناقب واخلاق :

اخلاقی حیثیت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے درجہ کے انسان تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑھ کر عبدالاشہل کے تین آدمی تھے، سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عبادہ رضی اللہ عنہ بن بشر''۔ وہ خود کہتے ہیں کہ یوں تو میں ایک معمولی آدمی ہوں لیکن تین چیزوں میں جس رتبہ تک پہنچنا چاہئے، پہنچ چکا ہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث سنتا ہوں اس کے منجانب اللہ ہونے کا یقین رکھتا ہوں، دوسرے نماز میں کسی طرف خیال نہیں کرتا، تیسرے جنازہ کے ساتھ رہتا ہوں تو منکر نکیر کے سوال کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ خصلتیں پیغمبروں میں ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے اعمال پر جو اعتماد تھا وہ اس حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جس مردہ کو قبر کے دبانے کا ذکر آیا ہے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ اگر قبر کی تنگی سے کوئی نجات پاسکتا تو سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نجات پاتے[1]۔

ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ کے پاس حریرہ کا جبہ بھیجا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو چھوتے اور اس کی نرمی پر تعجب کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم کو اس کی نرمی پر تعجب ہے، حالانکہ جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے بھی زیادہ نرم ہیں[2]۔

---

[1] اخرجہ احمد والبیہقی عن عائشہ رضی اللہ عنہا [2] صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۵۳۶

حضرت سعد بن عبادہؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

سعد نام، ابو ثابت وابو قیس کنیت، سید الخزرج لقب، قبیلۂ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن عبادہ بن ولیم بن حارثہ ابن حزام بن خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔ والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود تھا اور صحابیہ تھیں، ۵ھ میں فوت ہوئیں۔

حضرت سعدؓ کے دادا ولیم، قبیلۂ خزرج کے سردار اعظم تھے اور مدینہ کے مشہور مخیر تھے۔ خاندان ساعدہ کی عظمت وجلالت کا سکہ انہی نے بٹھایا، مذہباً بت پرست تھے اور منات کی پوجا کرتے تھے، جو مکہ میں مقام مثلل پر نصب تھا ہر سال دس اونٹ اس کو نذر چڑھاتے تھے۔ حضرت سعدؓ کے والد عبادہ، باپ کے خلف الرشید تھے اسی شان سے اپنی زندگی بسر کی اور اپنے بیٹے کے لئے مسند امارت ریاست چھوڑ گئے۔

تعلیم وتربیت :

عرب کے قاعدہ کے مطابق تیر اندازی اور تیراکی سکھائی گئی، اگرچہ انصار میں ایک آدمی بھی لکھنا نہیں جانتا تھا[1] لیکن حضرت سعدؓ کی تعلیم میں جو اہتمام ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جاہلیت میں ہی نہایت عمدہ عربی لکھ لیتے تھے[2]۔

ان تینوں چیزوں میں اس درجہ کمال بہم پہنچایا کہ استاد ہو گئے اسی بناء پر لوگوں نے "کامل" کا لقب دیا۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور ان کا شمار بلند پایہ صحابہ میں کیا گیا، چنانچہ بخاری میں ہے "وکان ذاقدم فی الاسلام" یعنی بڑے پایہ کے مسلمان تھے[3]۔

بیعت عقبہ جس شان سے ہوئی، انصار کے جس قدر آدمی اس میں شامل ہوئے جن اہم شرائط پر بیعت کا انعقاد ہوا یہ کام اگرچہ خفیہ اور نہایت خفیہ تھا لیکن پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، قریش کو ہر وقت آنحضرت ﷺ کی فکر لاحق رہتی تھی، چنانچہ جس وقت آپ رات کے وقت مکہ سے باہر انصار سے

---

[1] طبقات ابن سعد۔ مغازی آنحضرت ﷺ۔ ص ۱۴ [2] تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۴۷۵ [3] صحیح بخاری

بیعت لے رہے تھے جبل ابوقبیس پر کوئی شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ "دیکھنا ! سعد مسلمان ہوئے تو محمد (ﷺ) بالکل نڈر ہو جائے گا"۔

قریش کے کان میں اگرچہ یہ آواز پہنچ گئی، تاہم ان کا خیال اُدھر منتقل نہ ہوا۔ وہ قضاعہ اور تمیم کے سعد نامی اشخاص کو سمجھے، اس وجہ سے بیعت میں مزاحمت نہ کی [1]۔

دوسری رات کو پھر اسی پہاڑ سے چند شعر سنے گئے، جن میں صاف صاف ان کا نام ونشان موجود تھا۔ قریش کو سخت حیرت ہوئی اور تحقیق واقعہ کے لئے انصار کے فرودگاہ میں آئے عبداللہ ابن ابی بن سلول سے کہ قبیلۂ خزرج کا رئیس تھا گفتگو ہوئی۔

اس نے اس واقعہ سے بالکل لاعلمی ظاہر کی۔ یہ لوگ چلے گئے تو مسلمانوں نے یا نج کا راستہ لیا۔ قریش نے ہر طرف ناکہ بندی کرادی تھی۔ سعدؓ بن عبادہ اتفاق سے ہاتھ لگ گئے، کافروں نے ان کو پکڑ کر ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور بال کھینچ کھینچ کر زدوکوب کرتے ہوئے مکہ لائے۔ مکہ میں مطعم بن عدی نہایت شریف انسان تھا ابتدائے اسلام میں اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی خدمت کی تھی، اس نے حارث بن امیہ بن عبدالشمس کو ساتھ لیا اور ان کو پہچان کر قریش کے پنجۂ ظلم وستم سے نجات دلائی [2]۔

اِدھر انصار میں بڑی کھلبلی پڑی تھی مجلسِ شوریٰ قائم ہوئی جس میں طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں کیوں نہ پڑ جائیں مگر مکہ واپس چل کر سعد کا پتہ لگانا چاہئے۔ ان کا یہ ارادہ ابھی قوت سے فعل میں نہ آیا تھا کہ سعد آتے ہوئے نظر آئے اور وہ ان کو لے کر سیدھے مدینہ روانہ ہو گئے [3]۔

غزوات اور عام حالات :

چند مہینوں کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت یثرب کا ہر گلی کوچہ، شادمانی اور مسرت کا تماشا گاہ تھا، دارابی ایوبؓ میں پہنچتے ہی تحفوں اور ہدیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت سعدؓ کے مکان سے ایک بڑا پیالہ ثرید اور عُراق سے بھرا پہنچا [4]۔

ہجرت سے کچھ مہینوں کے بعد اسلام کی تحریک نشوونما پانے لگی، صفر ۲ھ میں آنحضرت ﷺ ابواء ایک بستی میں جو مکہ کی طرف واقع تھی، قریش کی فکر میں تشریف لے گئے اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، حضرت سعدؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑ گئے [5]۔

---

[1] استیعاب۔ جلد۲۔ ص ۵۶۳ [2] طبقات ابن سعد۔ جلد۱۔ ق ا۔ ص ۱۵۰ [3] طبقات ابن سعد۔ جلد۱۔ قسم اول۔ ص ۱۵۰ [4] طبقات ابن سعد۔ جلد۱۔ قسم اول۔ ص ۱۶۱ [5] ایضاً۔ مغازی آنحضرت ﷺ۔ ص ۲

اسی سنہ میں بدر کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت سعدؓ کی شرکت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بخاری اور مسلم ان کی شرکت ثابت کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات کو انکار ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے اور مسلم کے الفاظ سے اپنے دعویٰ پر نہایت لطیف استشہاد کیا ہے[1]۔

ابن سعد نے طبقات میں ان کا ذکر اس جماعت کے طبقہ اولیٰ میں کیا ہے، جو بدر میں شریک نہ تھی اور اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ سعدؓ نے غزوہ کا سامان کیا تھا لیکن کتے نے کاٹ کھایا اور وہ اپنے ارادے سے باز آئے، آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا کہ افسوس ان کو شرکت کی بڑی حرص تھی[2]، تاہم مالِ غنیمت میں حصہ لگایا اور اصحابِ بدر میں شامل کیا[3]۔

غزوۂ بدر عہدِ نبوت کے غزوات میں سب سے پہلا مشہور غزوہ ہے، آنحضرت ﷺ کو اب تک اگرچہ چار غزوے اور چار سرایا پیش آچکے تھے لیکن انصار کی ان میں سے ایک میں بھی شرکت نہ تھی اس کا سبب جیسا کہ ظاہر ہے، یہ تھا کہ انصار کی طرف سے بیعت میں صرف اس قدر وعدہ کیا گیا تھا کہ جو مدینہ پر چڑھ کر آئے گا۔ اس کو وہ روکیں گے مدینہ کے باہر جو معرکے ہوں ان کا اس میں کوئی تذکرہ نہ تھا۔

اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے اس مہم اعظم کا ارادہ کیا تو انصار کو شریک کرنے کے لئے رائے و مشورہ ضروری سمجھا۔ ایک مجمع میں جنگ کا مسئلہ پیش ہوا، حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر رائے دی۔ پھر حضرت عمرؓ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے التفات نہ کیا، حضرت سعدؓ سمجھ گئے، اٹھ کر کہا کہ شاید ہم لوگ سردار ہیں؟ تو اے رسول (ﷺ)! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آپ سمندر کا حکم دیں تو اسے پامال کر ڈالیں اور خشکی کا حکم ہو تو برک غماد (یمن کے ایک موضع کا نام ہے) تک اُونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں[4]۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور تیاری کا حکم دے دیا۔

تذکرہ نویسوں نے اسی روایت سے شرکت بدر پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس میں مذکور ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مشورہ کیا[5]، اور یہ بالکل مطابق واقعہ ہے لیکن اس کے بعد کا واقعہ وہ ہے جس کو ابنِ سعد روایت کرتے ہیں۔ اس بنا پر طبقات کی روایت صحیح مسلم کے منافی نہیں، بلکہ اس کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توضیح ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۲۴ [2] اصابہ جلد ۳۔ ص ۸۰ [3] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۲۲۴
[4] صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۸۴ [5] اصل الفاظ یہ ہیں۔ ان رسول اللہ شاور حین بلغه اقبال ابی سفیان۔ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۸۴

بدر کے بعد غزوہ اُحد واقع ہوا مشرکین اس سرو سامان سے آئے تھے کہ مدینہ والوں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ شہر میں تمام رات، جمعہ کی شب کو پہرہ رہا، اس موقع پر حضرت سعدؓ چند اکابر انصار کے ساتھ مسجدِ نبوی ﷺ میں ہتھیار لگائے۔ رسول اللہ ﷺ کے مکان کی حفاظت کر رہے تھے[1]۔

جمعہ کے دن شوال کی ۶ تاریخ کو لڑائی کی تیاریاں ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے نیزے منگا کر تین پھریرے لگائے اور خزرج کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد کیا یہ انتظامات مکمل ہوئے تو آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ اوس خزرج کے سردار زرہیں پہنے اور جھنڈے لئے آگے آگے دوڑ رہے تھے[2]، بیچ میں آنحضرت ﷺ اور دائیں بائیں مہاجرین و انصار کا لشکر تھا کوکبِ نبوت اس شان سے نمایاں ہوا تو چشمِ کفر خیرہ ہو گئی اور منافقین کے دل دہل اُٹھے۔

سنیچر کے دن اُحد کے دامن میں معرکۂ قتال برپا ہوا لڑائی اس شدت کی تھی کہ مسلمانوں کے پیر اُکھڑ گئے تھے لیکن میدان میں رسول اللہ ﷺ سب کے آگے تھے، مہاجرین اور انصار میں صرف ۱۴ آدمی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت سعدؓ کو بھی بعض لوگوں نے انہی میں[3] شامل کیا ہے، غزوہ مریسیع (مصطلق) میں جو ۵ھ میں ہوا تھا، ان کو یہ اعزاز عطا ہوا کہ اوس خزرج دونوں جماعتوں کا علم ان کو تفویض کیا[4]۔

غزوۂ خندق میں جو اسی سنہ میں ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو بلا کر مشورہ کیا کہ ''عیینہ بن حصن کو میں مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث اس شرط پر دینا چاہتا ہوں کہ قریش کو چھوڑ کر واپس جائے، وہ نصف مانگتا ہے اب تمہاری کیا رائے ہے''؟ انہوں نے کہا ''یارسول اللہ (ﷺ)! اگر یہ وحی ہے تو انکار کی مجال نہیں ورنہ اس کی بات کا جواب تو صرف تلوار ہے، خدا کی قسم! ہم اس کو پھل کی بجائے تلوار کا پھل دیں گے''، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''وحی نہیں، اور وحی آتی تو تم سے پوچھنے کی کیا حاجت تھی''، عرض کیا ''تو پھر تلوار ہے، ہم نے جاہلیت میں بھی ایسی ذلت کبھی گوارا نہیں کی اور اب تو آپ کی وجہ سے اللہ نے ہم کو ہدایت دی، معزز اور مکرم کیا پھر دبنے کی کیا وجہ ہے''؟ آنحضرت ﷺ اس گفتگو سے بہت مسرور ہوئے اور دونوں کے لئے دعائے خیر فرمائی[5]۔

خندق کے معرکہ میں بھی انصار کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا[6]۔

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی۔ ص ۲۶ [2] ایضاً ص ۲۷ [3] زرقانی جلد ۲۔ ص ۴۰
[4] طبقات حصہ مغازی۔ ص ۴۵ [5] استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۶۳ [6] طبقات۔ حصہ مغازی۔ ص ۴۸

۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے غابہ پر حملہ کیا اور سعد کو ۳۰۰ آدمیوں کا افسر مقرر کر کے، مدینہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ گئے[1]۔

وہاں امداد کی ضرورت ہوئی، مدینہ میں خبر پہنچی تو حضرت سعدؓ نے ۱۰ اونٹ اور چھو ہاروں کے بہت سے گھٹے روانہ کئے، جو رسول اللہ ﷺ کو ذی قرد میں مل گئے[2]۔ ۶ھ میں غزوۂ حدیبیہ اور بیعت رضوان پیش آئی وہ دونوں میں موجود تھے۔ غزوۂ خیبر (۷ھ) میں اسلامی لشکر میں تین جھنڈے تھے، جن میں سے ایک حضرت سعدؓ کے پاس تھا[3]۔

فتح مکہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رایت[4] (جھنڈا) حضرت سعدؓ کے پاس تھا، فوج اسلام کا ایک ایک راستہ شہر میں جارہا تھا اور ابوسفیان، حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انصار جن کے آگے آگے حضرت سعدؓ تھے اس شان سے گذرے کہ ابوسفیان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں[5]، پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں، ان پر سعد بن عبادہؓ افسر ہیں اور جھنڈا ابھی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ قریب پہنچے تو ابوسفیان کو پکارا دیکھنا! آج کیسی سخت لڑائی ہوگی، آج کعبہ حلال ہو جائے گا، ابوسفیان کا دل اپنی سابق حرکتوں کے سبب سے یونہیں تھوڑا تھوڑا تھا، حضرت عباسؓ سے کہا آج تو خوب لڑائی ہوگی۔ حضرت سعدؓ کے بعد خود رسول اللہ ﷺ کا دستہ سامنے سے گذرا تو ابوسفیان نے پکارا، ''یارسول اللہ (ﷺ)! اپنی قوم پر رحم کیجئے، آپ کو خدا نے رحم اور نیکوکار بنایا ہے، سعد مجھ کو دھمکا گئے ہیں کہ ملحمۂ عظمٰی آج ہی ہے، آج قریش کا خاتمہ ہو جائے گا''۔ ابوسفیان کی آواز پر کئی آوازیں اٹھیں، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے کہا ''ہمیں خوف ہے کہ حضرت سعدؓ کا جوشِ انتقام تازہ نہ ہو جائے''۔ ضرار بن خطاب فہری نے چند شعر کہے تھے، ایک شخص کو کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا اور ان کو پڑھ کر فریاد کر:

''یا نبی الھدی الیک لجاحی قریش ولات حین لجا حین ضاقت علیھم سعة الارض وعاداھم الہ السماء ان سعدا یرید قاصمة الظھر باھل الحجون والبطحاء''۔

''یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کے دامن میں قریش نے اس وقت پناہ لی ہے جبکہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں جب کہ ان پر فراخی کے باوجود زمین تنگ ہے اور آسمان کا خدا ان کا دشمن ہو گیا۔ سعد اہلِ مکہ کی پیٹھ توڑنا چاہتا ہے''۔

---

[1] طبقات۔ص ۵۸ [2] ایضاً۔ص ۵۸ [3] طبقات۔حصہ مغازی۔ص ۷۷
[4] فتح الباری جلد ۸۔ص ۷۔ طبقات۔ص ۹۸۔ واستیعاب جلد ۲۔ص ۵۶۳ [5] صحیح بخاری۔جلد ۲۔ص ۶۱۳

اسی طرح کے اور بہت سے شعر تھے آنحضرت ﷺ نے اشعار سنے تو دریائے رحمت موجزن ہوگیا۔ ارشاد ہوا کہ "سعد نے جھوٹ کہا آج کعبہ کی عظمت دوبالا ہوگی، آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا"۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بھیجا کہ سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دو، حضرت سعدؓ نے انکار کیا اور کہا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنا عمامہ بھیجا۔ تو انہوں نے بیٹے کے ہاتھ میں جھنڈا دیدیا، لیکن جو خطرہ رسول اللہ ﷺ کو سعدؓ سے تھا ان کو اپنے بیٹے سے ہوا درخواست کی کہ قیس کے سوا کسی اور شخص کے سپرد کیجئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیرؓ بن عوام کے سپرد کیا، صحیح بخاری میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا علم حضرت زبیرؓ کے پاس تھا اس کا یہی مطلب ہے[1]۔

فتح مکہ کے بعد حُنین کا معرکہ ہوا اس میں قبیلۂ خزرج کا علم حضرت سعدؓ کے پاس تھا[2]۔ ان غزوات کے علاوہ بھی جو غزوات یا مشاہد عہدِ نبوی ﷺ میں پیش آئے۔ ان میں حضرت سعدؓ کی نمایاں شرکت رہی، میدانِ جنگ میں انصار کے وہی علمبردار ہوتے تھے۔

سقیفۂ بنی ساعدہ :

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا، مدینہ کا علاقہ انصار کی قدیم ملکیت تھا۔ اس کے ماسوا آغازِ اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی مدد انصار نے کی تھی، جس زمانہ میں کہ اسلام بے خانماں تھا، رسول اللہ ﷺ تمام قبائل عرب پر اپنے کو پیش کرتے تھے کہ مجھ کو مکہ سے اپنے وطن لے چلو لیکن قریش کے دبدبۂ رعب کی وجہ سے کوئی حامی نہیں بھرتا تھا۔ انصار کے ایک مختصر قافلہ نے جو صرف ۷۰ اشخاص پر مشتمل تھا، "عرب وعجم" کی جنگ پر آنحضرت ﷺ سے مکہ آکر بیعت کی اور آپ کو اپنے وطن مدینہ میں مدعو کیا۔

عہدِ نبوت میں جو غزوات پیش آئے، ان میں تعداد، جاں بازی، فدائیت سب سے زیادہ انہی لوگوں سے ظاہر ہوئی۔ حضرت قتادہؓ فرمایا کرتے تھے کہ قبائل عرب میں کوئی قبیلہ انصار سے زیادہ شہداء نہ لا سکے گا۔ میں نے حضرت انسؓ سے سنا کہ اُحد میں ۷۰، بیر معونہ میں ۷۰ اور یمامہ میں ۷۰ انصاری شہید ہوئے تھے[3]۔

ان باتوں کے ساتھ قرآنِ مجید اور حدیث میں ان کے فضائل ومناقب کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس بناء پر انصار کے دل میں خلافت کا خیال پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد۲۔ ص ۶۱۳ و فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۷۔ واستیعاب جلد۲۔ ص ۵۶۳، ۵۶۴ سے یہ واقعات لے گئے ہیں۔
[2] طبقات ابن سعد۔ حصہ مغازی ص ۱۰۸ [3] صحیح بخاری جلد۲۔ ص ۵۸۴

انصار میں دو بزرگ تمام قوم کے پیشوا اور سردار تسلیم کئے جاتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ۔ حضرت سعدؓ بن معاذ آنحضرت ﷺ کے عہد میں انتقال کر چکے تھے صرف حضرت سعدؓ بن عبادہ باقی تھے۔ جن کا اوس وخزرج میں وجاہت وامارت کے لحاظ سے کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو انصار کا دارالندوہ اور حضرت سعد بن عبادہؓ کی ملکیت تھا لوگ جمع ہوئے سعدؓ بیمار تھے۔ لوگ ان کو بلوا لائے وہ کپڑا اوڑھے ہوئے مسند پر آ کر بیٹھ گئے اور تکیہ سے ٹیک لگا لی اور اپنے اعزہ سے کہا کہ میری آواز دور تک نہ پہنچے گی جو میں کہوں اس کو با آواز بلند لوگوں تک پہنچاؤ۔ تقریر کا ماحاصل یہ تھا کہ انصار کو جو شرف اور سبقت فی الدین حاصل ہے، عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں، آنحضرت ﷺ ۱۰ برس سے زیادہ اپنی قوم میں رہے۔ لیکن ان کی کسی نے نہ سنی جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ تعداد میں بہت کم تھے ان میں نہ تو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی طاقت تھی نہ دین کے بلند کرنے کی قوت، وہ تو خود اپنی حفاظت سے عاجز تھے۔

خدا نے جب تم کو فضیلت دینا چاہی تو یہ سامان بہم پہنچایا کہ تم ایمان لائے، رسول اور اصحاب کو پناہ دی، اپنے سے رسول اللہ ﷺ کو عزیز سمجھا ان کے اعداء سے جہاد کیا یہاں تک کہ تمام عرب طوعاً وکرھاً خلافتِ الٰہی میں شامل ہو گیا اور بعید وقریب سب نے گردنیں ڈال دیں، پس یہ تمام مفتوحہ علاقہ تمہاری تلوار کا مرہونِ منت ہے، رسول اللہ ﷺ زندگی بھر تم سے خوش رہے اور وفات کے وقت بھی خوش گئے اس بنا پر تم سے زیادہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔

تقریر ختم ہوئی تو تمام مجمع نے یک زبان ہو کر کہا کہ رائے نہایت معقول اور صائب ہے ہمارے نزدیک اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ کوئی موزوں نہیں، ہم آپ ہی کو خلیفہ بنائیں گے۔

اس کے بعد آپس میں گفتگو شروع ہوئی کہ مہاجرین کے دعوائے خلافت کا کیا جواب ہوگا۔ بعضوں نے کہا یہ کہ دو امیر ہوں، ایک ہمارا اور ایک ان کا۔ سعد کے کان میں آواز پڑی تو بولے کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

اِدھر حضرت عمرؓ کو خبر پہنچ گئی تھی وہ حضرت ابوبکرؓ کو لے کر آ پہنچے، حضرت عمرؓ کی مشتعل طبیعت نے تمام مجمع میں آگ لگا دی انصار کے خطباء بار بار تقریر کرتے تھے حضرت عمرؓ اور ان میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اخیر میں تلواریں کھنچ گئیں، حضرت ابوبکرؓ نے رنگ بدلتا دیکھ کر حضرت عمرؓ کو روکا اور خود نہایت معرکۃ الآرا خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت بیان کی تو

تمام انصار پکار اُٹھے کہ " نعوذ باللہ ان نتقدم ابا بکر "[۱] یعنی "ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھیں"۔

تمام مجمع بیعت کے لئے اٹھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ دیکھنا! سعد کچل نہ جائیں، حضرت عمرؓ نے کہا اس کو خدا کچلے، سعد اپنی ناکامی پر پہلے سے متاسف تھے سخت برہم ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ مجھے یہاں سے لے چلو[۲]۔

حضرت ابوبکرؓ نے کچھ دنوں بالکل تعرض نہ کیا، بعد میں آدمی کو بھیجا کہ یہاں آ کر بیعت کریں۔ انہوں نے بیعت سے قطعاً انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان سے ضرور بیعت لیجئے۔ بشیر بن سعد انصاریؓ بیٹھے تھے بولے کہ اب وہ انکار کر چکے ہیں کسی طرح بیعت نہ کریں گے، مجبور کیجئے گا تو کشت وخون کی نوبت آئے گی۔ وہ اُٹھیں گے تو ان کا گھر اور کنبہ بھی حمایت کرے گا، جس سے ممکن ہے کہ تمام خزرج اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس لئے ایک سوتے فتنے کو جگانا مناسب نہیں ہے۔ میرے خیال میں ان کو یوں ہی چھوڑ دیجئے۔ ایک آدمی ہیں کیا کریں گے؟

اس رائے کو سب نے پسند کیا، حضرت سعدؓ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت تک مدینہ میں مقیم رہے بعد میں ترکِ وطن کر کے شام کی سکونت اختیار کی اور دمشق کے قریب حوازن کا علاقہ نہایت سرسبز تھا اسی کو اپنے رہنے کے لئے پسند کیا۔

وفات : ۱۵ھ میں وفات پائی۔ کسی نے مار کر غسل خانہ میں ڈال دیا تھا گھر کے لوگوں نے دیکھا تو بالکل جان نہ تھی تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ قاتل کی بہت تلاش ہوئی لیکن کچھ پتہ نہ چلا، ایک غیر معلوم سمت سے آواز آئی۔

" قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ رمیناہ بسہم فلم یخط فوادہ"

"ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ایک تیر مارا جو خالی نہیں گیا"۔

چونکہ قاتل نہیں ملا، اور آواز سنی گئی بعضوں کا خیال ہو کہ کسی جن نے قتل کیا ہے۔

اولاد : تین اولادیں چھوڑیں۔ قیس (بہت بڑے صحابی ہیں)، سعید، اسحاق۔ بیوی کا نام فکیہہ تھا صحابیہ تھیں اور چچازاد بہن ہوتی تھیں[۳]۔

مکان اور جائیداد : جائیداد بہت تھی جب مدینہ چھوڑا تو بیٹوں پر تقسیم کر دی ایک لڑکا پیٹ میں تھا جس کا حضرت سعدؓ نے حصہ نہیں لگایا تھا جب پیدا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے قیسؓ سے کہا کہ

---

[۱] مسند جلد ۱۔ ص ۲۱ [۲] بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۱۰ و طبری۔ ص ۱۸۴۳ واقعات ۱۱ھ

[۳] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۸

اپنے باپ کی تقسیم فسخ کر دو۔ کیونکہ ان کے فوت ہونے کے بعد لڑکا پیدا ہوا ہے۔ قیس نے کہا باپ نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا اس کو بدستور قائم رکھوں گا۔ میرا حصہ موجود ہے اس کو وہ لے سکتا ہے[1]۔

حضرت سعدؓ کا مکان بازار مدینہ کی انتہا پر واقع تھا اور جرار سعد کہلاتا تھا۔ ایک مسجد اور چند قلعے بھی تھے۔ ایک مکان بنو حارث میں بھی ان کی ملکیت تھا[2]۔

فضل و کمال : حدیث کے ساتھ غیر معمولی اعتنا کیا۔ صحابہؓ کے زمانہ میں کتابت اگرچہ عام ہوگئی تھی۔ اور قرآن مجید لکھا جا چکا تھا۔ تاہم حدیث لکھنے کا رواج نہ تھا حضرت سعدؓ نے حدیث لکھی تھی۔ مسند ابن حنبل میں ہے۔

"عن اسمٰعیل بن عمرو بن قیس بن سعد ابن عبادہ عن ابیہ انھم وجدوا فی کتب اوفی کتاب سعد بن عبادہ"[3]۔

"یعنی انہوں نے حضرت سعدؓ کی کتابوں یا کتاب میں پایا ہے"۔

حدیث لکھنے کے ساتھ اس کی تعلیم کے ذریعہ سے اشاعت بھی کی۔ چنانچہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امامہ بن سہل، سعید بن مسیبؒ وغیرہ ان سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

اخلاق و عادات :

حضرت سعدؓ کے مرقع اخلاق میں جود و سخا کے خال و خط نہایت نمایاں ہیں۔ اسماء الرجال کے مصنف جب ان کا تذکرہ کرتے ہیں تو لکھتے ہیں، وکان کثیر الصدقات جدا۔

حضرت سعدؓ مشہور فیاض آدمی تھے اور تمام عرب میں یہ بات صرف انہی کو حاصل تھی کہ ان کی چار پشتیں جود و سخا میں نام آور ہوئیں۔ ان کے دادا ولیم، باپ (عبادہ) خود، بیٹا (قیس) اپنے زمانہ کے مشہور مخیر تھے۔

ولیم کے زمانہ میں خوانِ کرم اس قدر وسیع تھا کہ معمولاً قلعہ پر سے ایک شخص پکارتا کہ جس کو گوشت اور روغن اور اچھا کھانا مطلوب ہو ہمارے ہاں قیام کرے۔ اس سخاوت عام نے آل ساعدہ کو مدینہ کا حاتم بنا رکھا تھا۔ ولیم کے بعد حضرت سعدؓ تک یہی رسم قائم رہی اور ان کے بعد قیس نے اس کو اسی طرح باقی رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ حضرت سعدؓ کے مکان کی طرف سے گذرے، قلعہ نظر آیا تو نافع سے کہا دیکھو یہ سعد کے دادا کا قلعہ ہے، جن کے سخاوت وجود کی تمام مدینہ میں دھوم تھی۔

---

[1] استیعاب۔ ص ۵۳۹ [2] خلاصۃ الوفاء۔ ص ۷۷ [3] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۵

حضرت سعدؓ کی فیاضی افسانہ بزم وانجمن ہے۔ بہت سے قصے مشہور ہیں، ہم چند صحیح واقعات اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حضرت سعدؓ کے ہاں سے برابر کھانا آتا تھا۔ اصابہ میں ہے، "کانت جفنة سعد تدور مع النبی فی بیوت ازواجه"۔

صحابہؓ میں اصحابِ صفہ کی ایک جماعت تھی، جو دور دراز ملکوں سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھی، یہاں اس کا منشا صرف تحصیلِ علم اور تکمیلِ مذہب ہوتا تھا، رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو ذی مقدرت صحابہ کے متعلق کر دیتے تھے، چنانچہ اور لوگ ایک دو آدمی اپنے ہاں لے جاتے تھے لیکن حضرت سعدؓ ۸۰ آدمیوں کو برابر شام کے کھانے میں مدعو کرتے تھے۔

فطری سخاوت ہر جگہ نمایاں ہوتی تھی ماں نے انتقال کیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے کہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، مگر کیا صورت ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی پلواؤ، سقایہ آلِ سعد جو مدینہ میں ہے اس صدقہ کا نتیجہ ہے[1]۔

حمیت قومی انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ قضیۂ افک میں آنحضرت ﷺ نے منبر پر فرمایا کہ "ابن ابی نے میرے گھر والوں (حضرت عائشہؓ) کو تہمت لگائی، جس سے مجھے سخت تکلیف پہنچی کوئی ہے جو اس کا تدارک کرنے پر آمادہ ہو"؟ سعد بن معاذؓ اوس کے سردار تھے۔ بولے کہ "میں حاضر ہوں جو حکم ہو بجالاؤں، اگر قبیلہ اوس کا آدمی ہے تو ابھی گردن ماردی جائے اور خزرج کا ہے تو جو فرمایئے، بجالانے کو تیار ہوں"۔ (خزرج اور اوس میں دیرینہ عداوت تھی، جاہلیت میں بڑے معرکے کی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ اسلام نے صلح کرائی تاہم دلوں میں کدورت باقی تھی۔ اس بنا پر حضرت سعدؓ بن معاذ کی یہ درخواست کہ خزرج کے معاملہ میں ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں، یہ معنی رکھتی تھی کہ اس پر غلبہ پانے کی ایک صورت نکل آئے جو یقیناً خزرج کے لئے ناقابلِ برداشت تھی)۔ سعدؓ بن عبادہ سردار خزرج نے اٹھ کر کہا کہ "تم جھوٹ کہتے ہو تم خزرج کو کبھی قتل نہیں کر سکتے، اور نہ اس پر قادر ہو۔ اگر تمہارے خاندان (اشہل) کا معاملہ ہوتا تو زبان سے ایسی بات نہ نکالتے"۔ اسید بن حضیرؓ نے جو حضرت سعد بن معاذؓ کے ابن عم تھے، جواب دیا کہ "تم یہ کیا کہتے ہو، رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو ہم ضرور ماریں گے تم منافق ہو اور منافق کی طرف سے لڑ رہے ہو"، اتنا کہنا تھا کہ دونوں قبیلے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے، آنحضرت ﷺ منبر پر تھے آہستہ آہستہ دھیما کیا، یہاں تک کہ حمیت کا غلغلہ پست ہو گیا[2]۔

---

[1] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۲۸۵ [2] صحیح بخاری ص ۳۳۰۔ جلد ۷ پر فتح الباری ۳۲۱۔ جلد ۸

حبّ رسول کا یہ حال تھا کہ اپنے قبیلے کی پوشیدہ باتیں جو رسول اللہ ﷺ سے متعلق ہوتیں پہنچا دیتے تھے، غزوۂ ہوازن میں آنحضرت ﷺ نے قریش اور سردارانِ قریش کو غنیمت کی بڑی بڑی رقمیں دی تھیں اور انصار کو کچھ نہ دیا تھا۔ بعض نو جوانوں کو اس ترجیح پر رنج ہوا، اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہم قوموں کو دیتے ہیں اور ہم کو محروم کرتے ہیں حالانکہ قریش کا خون ہماری تلواروں سے اب تک ٹپک رہا ہے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے جا کر رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا کہ یہ خیالات ہیں، فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ عرض کیا گو میں انصاری ہوں لیکن یہ خیال نہیں، ارشاد ہوا کہ جاؤ اور لوگوں کو فلاں خیمہ میں جمع کرو اعلان ہوا تو مہاجرین اور انصار دونوں آئے، حضرت سعدؓ نے مہاجرین کو چھانٹ دیا، آنحضرت ﷺ نے آ کے خطبہ دیا جس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ ''کیا تم لوگ راضی نہیں کہ تمام لوگ مال و دولت لے کر جائیں اور تم خود مجھ کو اپنے ہاں لے لو، تمام لوگ رو پڑے اور باتفاق کہا کہ آپ کے مقابلہ میں ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے[1]۔

غزوۂ اُحد میں تمام مدینہ خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ لوگ شہر میں پہرہ دے رہے تھے۔ اس وقت حضرت سعدؓ نے اپنا مکان چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان کا پہرہ دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو ان سے جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ ان کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے ایک مرتبہ ان کے لئے دعا کی فرمایا، ''اللھم اجعل صلوٰتک ورحمتک علی آل سعدؓ بن عبادہ''۔

ایک مرتبہ فرمایا ''خدا انصار کو جزائے خیر دے، خصوصاً عبداللہ بن عمرو بن حرام اور سعدؓ بن عبادہ کو''۔

صدقات کے افسروں کی ضرورت ہوئی تو ان کو بھی منتخب کیا لیکن جب امارت کی ذمہ داریوں سے واقف ہوئے تو عرض کیا کہ میں اس خدمت سے معذور ہوں آنحضرت ﷺ نے عذر قبول فرمایا[2]۔

ایک مرتبہ بیمار پڑے تو آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو لے کر عیادت کے لئے تشریف لائے درد سے بے ہوش تھے کسی نے کہہ دیا کہ ختم ہو گئے۔ بعض بولے ابھی دم باقی ہے۔ اتنا سننا تھا کہ آنحضرت ﷺ رو پڑے اور ساتھ ہی تمام مجلس میں ماتم پڑ گیا[3]۔

نرمی طبع اور امن پسندی ذیل کے واقع سے معلوم ہو سکتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۲۰۔ و مسند۔ جلد ۳۔ ص ۷۶ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۲۸۵

[3] صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۷۴

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں ابن ابی بیٹھا تھا اس نے آنحضرت ﷺ سے سخت کلامی کی، صحابہ ؓ کو طیش آ گیا اور فریقین لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے سب کو اس ارادہ سے باز رکھا اور حضرت سعد ؓ کے مکان پر چلے آئے۔ فرمایا "سعد! تم نے کچھ سنا آج ابو حباب (ابن ابی) نے مجھے ایسا کہا"۔ عرض کی "یا رسول اللہ (ﷺ) اس کا قصور معاف کیجئے، بات یہ ہے کہ اسلام سے قبل لوگوں کا خیال تھا کہ اس کو مدینہ کا بادشاہ بنائیں لیکن جب اللہ نے آپ ﷺ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا تو وہ خیال بدل گیا یہ اسی غم و غصہ کا بخار ہے"۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر معاف کر دیا[1]۔

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۹۲۵

حضرت سعدؓ بن خیثمہ

نام ونسب :

سعد نام، ابوخیثمہ کنیت، خیر لقب۔ سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امراء القیس بن مالک بن اوس۔

والد بزرگوار جن کا نام خیثمہ تھا، صحابی تھے۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔

اسلام : عقبہ میں شریک تھے۔ بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے۔

غزوات اور عام حالات :

آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اولاً قبیلہ عمرو بن عوف میں قیام کیا اور حضرت کلثومؓ بن الہدم کے گھر پر ٹھہرے، اس دوران میں ملاقات کے لئے حضرت سعدؓ کا مکان تجویز فرمایا۔ آنحضرت ﷺ مہاجرین وانصار سے انہی کے مکان میں ملتے تھے، اسی بناء پر بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ سعد بن خیثمہؓ کے ہاں آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا، حضرت سعدؓ کا گھر "منزل العزاب" (العراب) کے نام سے مشہور تھا۔

غزوہ بدر میں شرکت کا قصد کیا، تو عجیب واقعہ پیش آیا، باپ نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی کو گھر رہنا چاہئے اس بنا پر تم یہیں رہو، میں جہاد پر جاتا ہوں، بیٹے نے جواب دیا کہ اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو آپ کو ترجیح دیتا میں خود جاؤں گا اور امید ہے کہ اللہ شہادت عطا فرمائے گا۔

شہادت : تاہم شفقت پدری نے مجبور کیا اور حضرت خیثمہؓ نے قرعہ ڈالا جس دماغ میں شہادت کا خیال موجزن تھا قرعۂ فال اسی کے نام نکلا مجبور ہو کر اجازت دی چنانچہ حضرت سعدؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بدر پہنچے اور طیمہ بن عدی ایک مشرک کے ہاتھ مارے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد : ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عبداللہ تھا، اگرچہ نہایت کم عمر تھے، تاہم عقبہ اور بدر میں باپ کے ساتھ شریک تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سعدؓ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت سعدؓ بن زید اشہلی

نام ونسب :

سعد نام ہے۔ قبیلہ اوس کے خاندان اشہل سے ہیں۔سلسلۂ نسب یہ ہے : سعد بن زید ابن مالک بن عبد بن کعب بن عبدالاشہل ۔

واقدی کے قول کے مطابق عقبہ میں شریک تھے، جمہور نے بدر کی شرکت پر اتفاق کیا ہے، عیینہ بن حصن نے مدینہ کے اُونٹوں پر لوٹ ڈالی اور حضرت حسانؓ نے کہا۔

هل سرا ولا واللقيطة اننا سلم غداة فوارس المقداد

تو حضرت سعدؓ نہایت برہم ہوئے کہ میرے ہوتے ہوئے فوارس مقداد کا کیوں ذکر کیا، حضرت سعدؓ اس زمانہ میں رئیسِ قبیلہ تھے۔ حضرت حسانؓ نے معذرت کی کہ قافیہ سے مجبوری تھی [1]۔

غزوۂ قریظہ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو قیدیوں کے ہمراہ نجد بھیجا، انہوں نے ان کے معاوضہ میں کھجور اور ہتھیار خریدے اور مدینہ لے کر آئے۔ رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو انصار کے بت "مناۃ" کے توڑنے کے لئے جو مکہ میں مشلل نام ایک مقام پر نصب تھا، بیس سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ پجاری نے پوچھا "کیا ارادہ ہے"؟ بولے "ہدمِ مناۃ کہاتم جانو"! حضرت سعدؓ نے بت گرایا تو ایک برہنہ اور سیاہ فام عورت چھاتی پیٹتی اور شور مچاتی ہوئی نکلی۔ حضرت سعدؓ نے یہ ہیئت کذائی دیکھ کر اس کو قتل کردیا، پجاری نہایت خائف تھا۔عورت کی آواز سن کر بولا، "**مناۃ! دونک بعض غضباتک**" [2]، خزانہ میں کچھ نہیں تھا، تلاشی لے کر چلے آئے واپسی کے وقت رمضان کی اخیر تاریخیں تھیں۔

وفات : وفات کا سنہ اور تاریخ بالکل نامعلوم ہے۔

---

[1] اصابہ جلد ۳۔ ص ۷۸ [2] طبقات ابن سعد۔ جلد ۳۔ قسم ۱۔ ص ۱۰۶

حضرت سلمہ بن سلامہ رضؓ

نام ونسب :

سلمہ نام، ابوعوف کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے، سلمہ بن سلامہ ابن وقش بن زعورا بن عبدالاشہل اماں کا نام سلمٰی بنت سلمہ بن خالد بن عدی تھا اور قبیلہ بنی حارثہ سے تھیں۔

اسلام : آنحضرت ﷺ کی نبوت کی خبر مدینہ پہنچی تو سلمہ نے فوراً لبیک کہا اور عقبۂ اولیٰ کی بیعت میں شریک ہوئے۔ دوسرے سال عقبۂ ثانیہ میں بھی شرکت کی۔

غزوات : بدر اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

غزوۂ مریسیع میں عبداللہ ابن ابی نے آنحضرت ﷺ اور مہاجرین کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سلمہ کو بھیجئے کہ اس کا سر کاٹ لائیں[1]۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کو یمامہ کا والی بنایا تھا۔

وفات : ۴۵ھ میں بمقام مدینہ وفات پائی اسوقت ۷۴ برس کا سن تھا۔

فضل وکمال :

حدیث میں ان کے سلسلہ سے چند روایتیں ہیں محمود بن لبید اور جستر ۃ راویوں میں ہیں۔

حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، "توضؤ امما مست النار"۔یعنی "جس چیز کو آگ نے متغیر کردیا ہو اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے"۔حضرت سلمہؓ کا بھی یہی مذہب تھا۔

ایک مرتبہ محمود بن جبیرہؓ کے ساتھ ولیمہ میں گئے تو کھانا کھا کر وضو کیا لوگوں نے کہا "آپ تو باوضو تھے"، فرمایا "ہاں لیکن آنحضرت ﷺ کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا تھا اور آپ ﷺ نے بھی یہی کیا تھا"[2]۔

---

[1] اصابہ۔جلد۳۔ص۱۱۶ [2] اسد الغابہ۔جلد۲۔ص۳۳۷

حضرت سہل ؓ بن حنظلیہ

نام ونسب :

سہل نام، قبیلۂ اوس سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے، سہل بن ربیع بن عمرو ابن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

حنظلیہ کے متعلق اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ سہل کی ماں تھیں لیکن ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ عمرو بن عدی (سہل کے دادا) کی والدہ تھیں۔ نام ام ایاس بنت ابان ابن دارم تھا اور قبیلۂ تمیم سے تھیں، اسی بناء پر عمرو کی تمام اولاد ابن حنظلیہ ؓ کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت سہل ؓ غالباً ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوۂ اُحد اور مابعد کے تمام غزوات میں شرکت کی اور بیعتِ رضوان میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ عہدِ نبوت کے بعد شام چلے گئے اور دمشق کی سکونت اختیار کی۔

وفات : اور وہیں حضرت امیر معاویہ ؓ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔

اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی، امام بخاری نے لکھا ہے۔ " کان عقیما "! یعنی ''وہ لاولد تھے'' اکثر فرماتے تھے، " لا یکون لی سقط فی الاسلام احب الی مماطلعت علیه الشمس " یعنی ''اولاد نہیں ہے نہ سہی، اسلام میں کاش ایک حمل ہی ساقط ہو جاتا''۔

حلیہ : مفصّل حلیہ معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ ڈاڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے۔

فضل وکمال :

صاحبِ استیعاب اور صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں۔ "کان فاضلا عالماً" یعنی ''وہ عالم اور فاضل تھے''۔

اس سے بڑھ کر شرف کیا ہوسکتا ہے کہ خود صحابہ ؓ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے ایک مرتبہ حضرت ابو درداء ؓ کی طرف سے گذرے انہوں نے حدیث کی خواہش کی، حضرت سہل ؓ نے ایک حدیث بیان کی[1]، اسی طرح حضرت امیر معاویہ ؓ کے معائنہ کو گھوڑے پیش ہوئے تو انہوں نے ان سے حدیث دریافت کی[2]، جس میں گھوڑوں کی پرورش پرداخت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۴ [2] ایضاً

اتفاقات کے علاوہ بھی روایتِ حدیث کا سلسلہ برابر جاری تھا، حضرت امیر معاویہؓ کے غلام قاسم جمعہ کے دن جامع دمشق میں آئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ حدیثیں بیان کر رہے ہیں بڑھ کر پوچھا کون شخص ہیں؟ جواب ملا سہل بن حنظلیہؓ صحابی[1]۔

راویانِ حدیث کے زمرہ میں متعدد حضرات ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں۔ ابو کبشہ سلولی قاسم بن عبدالرحمان، یزید بن ابی مریم شامی۔

اخلاق : وقت کو نہایت عزیز سمجھتے ہوئے لوگوں سے تعلقات رکھتے اور عبادت میں عموماً مصروف رہتے تھے۔ جب تک مسجد میں رہتے نماز پڑھتے، اٹھتے تو تسبیح و تحلیل میں ہوتے اور اسی حالت میں کاشانہ اطہر کا رخ کرتے تھے۔

[1] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۸

حضرت سائب ؓ بن خلاد

نام ونسب :

سائب نام، ابوسہلہ کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے، سائب ابن خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب ابن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

ماں کا نام لیلیٰ بنت عبادہ تھا اور قبیلہ ساعدہ سے تھیں۔

غزوات :

حضرت ابوعبیدہ کے خیال میں بدر میں شریک تھے لیکن ابونعیم کا انکار ہے۔ امیر معاویہ ؓ کے زمانہ خلافت میں یمن کے حاکم تھے۔

وفات :

اےھ میں وفات ہوئی۔

اولاد :

خلاد نامی ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال :

ان کی سند سے ۵ حدیثیں مروی ہیں۔ بعض صحاح میں بھی ہیں۔ راویوں میں خلاد، صالح بن خیوان، عطاء بن یسار، محمد بن کعب قرظی، عبدالرحمان بن ابی صعصعہ عبدالملک، ابن ابی بکر بن عبدالرحمان وغیرہ ہیں۔

"ش"

حضرت شداد بن اوسؓ

نام ونسب :

شداد نام، ابو یعلیٰ و ابوعبد الرحمان کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ مشہور شاعر کے بھتیجے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ شداد بن اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

اوس بن ثابت کہ شداد کے پدر گرامی تھے۔ عقبۂ ثانیہ اور بدر کی شرکت کا فخر حاصل کر چکے تھے۔ غزوۂ اُحد میں شہادت پائی۔ والدہ کا نام صریمہ تھا اور بنو نجار کے خاندان عدی سے تھیں۔

اسلام : باپ، چچا اور تقریباً تمام خاندان مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ شدادؓ بھی انہی لوگوں کے ساتھ ایمان لائے۔

غزوات اور عام حالات :

چونکہ کمسن تھے غزوات میں شاذ و نادر حصہ لیا، امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں شریک تھے، لیکن یہ صحیح نہیں۔ عہدِ نبوت کے بعد شام میں سکونت اختیار کی، فلسطین، بیت المقدس اور حمص میں قیام پذیر رہے۔

وفات : ۵۸ھ میں بعمر ۷۵ سال انتقال فرمایا اور بیت المقدس میں دفن ہوئے۔

اولاد : حسبِ ذیل اولاد چھوڑی۔ یعلیٰ ، محمد۔

فضل وکمال :

فضلاء صحابہ میں تھے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت کہ اساطینِ امت میں تھے اور صحابہؓ کے عہد میں علوم وفنون کا مرجع تھے۔ فرمایا کرتے تھے، لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض عالم ہوتے ہیں لیکن غصہ ور اور مغلوب، الغضب، بعض حلیم اور بردبار ہوتے ہیں لیکن جاہل اور علوم وفنون سے بے بہرہ حضرت شدادؓ ان چند لوگوں میں ہیں جو علم وحلم کے مجمع البحرین تھے[1]۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۷

مسجدِ جابیہ میں ابن غنم، حضرت ابودرداؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ ٹہل ٹہل کر باتیں کر رہے تھے۔ حضرت شداد بھی آ پہنچے اور کہا "لوگو! مجھ کو تم سے جو کچھ ڈر ہے، یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت پیروی نفس اور شرک میں مبتلا ہو جائے گی"۔

اخیر کا فقرہ چونکہ تعجب انگیز تھا، حضرت ابودرداؓ اور حضرت عبادہؓ نے اعتراض کیا اور اس کی سند میں ایک حدیث پیش کی کہ "شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی پرستش سے بالکل ناامید ہو چکا ہے۔ پھر ہمارے مشرک ہونے کے کیا معنی"؟ حضرت شدادؓ نے فرمایا، ایک شخص نماز، روزہ، زکوٰۃ، ریاءً ادا کرتا ہے، آپ لوگ اس کو کیا سمجھتے ہیں"۔ سب نے جواب دیا "مشرک"۔ فرمایا "میں نے اس کے متعلق خود آنحضرت ﷺ سے حدیث سنی ہے کہ "ان چیزوں کو ریاءً بجالانے والا مشرک ہوتا ہے"۔

حضرت عوف بن مالکؓ بھی ساتھ تھے، بولے کہ "جتنا عمل خالص ہوگا، اس کے قبول ہونے کی امید ہے، باقی جس میں شرک کی آمیزش ہے، وہ مردود ہوگا اس بنا پر ہم کو اپنے عمل پر اعتماد کرنا چاہئے"، حضرت شدادؓ نے جواب دیا کہ حدیثِ قدسی میں لکھا ہے کہ "مشرک کا تمام عمل اس کے معبود کو دیا جائے گا، خدا اس کا محتاج نہیں"[2]۔ (یہ قرآنِ مجید کے بالکل مطابق ہے، ارشادِ ربانی ہے۔ "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ" (الخ)

حدیث میں فہم و بصیرت حاصل تھی اور اصول روایت اور نقد سے کام لیتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کے زہد و قناعت اور ترکِ دنیا کی حدیثوں نے تمام شام میں کھلبلی ڈال دی تھی ان کے متعلق رائے دیتے ہیں۔

"کان ابو ذر یسمع الحدیث من رسول اللہ فیہ الشدۃ ثم یخرج الیٰ قومہ یسلم لعلہ یشدد علیھم ثم ان رسول اللہ یرخص فیہ بعد فلم یسمعہ ابو ذر فیتعلق ابو ذر بالامر الشدید"[3]۔

"وہ آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث جس میں شدت اور سختی ہوتی تھی، سنتے تھے پھر اپنی قوم میں جا کر اس کی اشاعت کرتے تھے۔ بعد کو آنحضرت ﷺ اس سخت حکم میں رخصت عطا فرما دیتے تھے لیکن ابوذرؓ کو خبر تک نہ ہوئی اس بنا پر وہ اپنی اس شدت پر قائم رہے"۔

حضرت شدادؓ کے سلسلہ سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد ۵۰ ہے، انہوں نے اکثر آنحضرت ﷺ سے اور کچھ کعب احبار سے حدیثیں سنی تھیں۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۷ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۲۶ [3] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۲۵

ان سے روایت کرنے والوں میں بہت سے اہل شام ہیں۔ منتخب حضرات کے نام یہ ہیں۔
محمودؓ بن لبید، یعلیٰ، ابوالاشعث صفانی، ضمرۃ بن حبیب، ابوادریس خولانی، محمود بن ربیع، عبدالرحمان بن غنم، بشیر بن کعب، جبیر بن نضیر، ابواسماء رجبی، حسان بن عطیہ، عبادہ بن نسی حنظلی۔

اخلاق: اخلاق وعادات یہ تھے کہ نہایت عابد اور پرہیز گار تھے، خدا سے ہر وقت خوف کھاتے تھے، بسا اوقات رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹتے پھر اٹھ بیٹھتے اور تمام رات نماز پڑھتے کبھی کبھی منہ سے نکلتا،

"اللهم ان النار قد حالت بيني وبين النوم"

"خدایا آتش جہنم میرے اور نیند کے درمیان حائل ہوگئی ہے"۔

حضرت اسد بن وداعہ کا یہ فقرہ بھی اس مقام پر قابل لحاظ ہے، کہتے ہیں۔

"كان شداد بن اوس اذا اخذ مضجعه من الليل كان كالحبة على المقلى"[1]۔

"شدادؓ جب رات کو لیٹتے تو خوف سے اس قدر بے چین اور متاثر ہوتے جیسے بھاڑ میں چنا"۔

نہایت حلیم اور کم سخن تھے، تاہم جب گفتگو کرتے تو دل آویز اور شیریں ہوتی، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ شداد دو خصلتوں میں ہم سے بڑھ گئے،

ببيان اذا نطق وبكظم اذا غضب

"بولنے کے وقت وضاحت بیان میں اور غصہ کے وقت علم، عفو اور درگذر میں"۔

حفظ لسان اور کم سخنی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ سفر میں تھے غلام سے کہا، چھری لاؤ، اس سے کھیلیں! ایک شخص نے ٹوکا تو فرمایا۔

"ماتكلمت بكلمة مذاسلمت وانا اخطمها وازمها الا كلمتي هذه فلا تحفظوها عنى"

"جب سے مسلمان ہوا، میرے منہ میں لگام رہی، آج یہ کلمہ منہ سے نکل گیا، تو تم اس کو بھول جاؤ"۔

مسلمانوں کے انقلاب اور تغیر کو نہایت سختی سے محسوس کرتے تھے ایک مرتبہ رونے لگے تو وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا[2] کہ مجھے اپنی امت کے خواہش نفس اور شرک میں مبتلا ہونے کا خوف ہے، میں نے عرض کیا آپ کی امت مشرک ہو جائے گی؟ فرمایا ہاں لیکن اس طرح کہ سورج، چاند، بت، پتھر کو نہ پوجے گی، البتہ ریاء اور مخفی خواہشوں کا غلبہ ہوگا، صبح کو آدمی روزہ دار

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۸ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۲۳

اُٹھے گا لیکن جب خواہش تقاضا کرے گی تو وہ روزہ بے خوف وخطر توڑ دے گا[۱]۔

مریضوں کی عیادت کرتے تھے، ابواشعث صفانی شام کے قریب مسجد دمشق میں تھے کہ حضرت شدادؓ اور صنابحی سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا ایک بھائی بیمار ہے، اس کی عیادت کو جاتے ہیں، یہ بھی ساتھ ہو گئے، اندر جا کر مریض سے پوچھا کیا حال ہے، بولا اچھا ہوں، حضرت شدادؓ نے کہا، ابشر بکفارات السیئات وحط الخطایا، یعنی میں تم کو مرض کے کفارۂ گناہ ہونے کی بشارت سناتا ہوں، حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص خدا کے ابتلا میں اس کی حمد کرے اور راضی برضا ہے تو وہ اس طرح پاک وصاف اٹھتا ہے، جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا[۲]۔

بارگاہ رسالت میں خصوصیت اور حب رسول اللہ ﷺ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ فتح مکہ کے دوران میں آنحضرت ﷺ ایک روز بقیع تشریف لے گئے، تو حضرت شدادؓ ہمراہ تھے اور آپ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے[۳]۔

ایک مرتبہ خدمت اقدس میں حاضر تھے چہرہ پر اداسی چھائی ہوئی تھی ارشاد ہوا کیا ہے؟ بولے یا رسول اللہ! مجھ پر دنیا تنگ ہے، فرمایا تم پر تنگ نہ ہوگی، شام اور بیت المقدس فتح ہوگا اور وہاں تم اور تمہاری اولاد امام ہوگی، یہ پیشن گوئی حرف بحرف پوری اتری وہ اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں اقامت گزیں ہوئے اور تمام شام کے علم وفضل میں مرجع بن گئے۔

۱۔ مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۱۲۴ ۲۔ ایضاً جلد ۴۔ ص ۱۲۳ ۳۔ ایضاً جلد ۴۔ ص ۱۲۴

"ع"

حضرت عبادہؓ بن صامت

نام ونسب :

عبادہ نام، ابوالولید کنیت قبیلۂ خزرج کے خاندان سالم سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے : عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم (قوقل) بن سالم ابن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، والدہ کا نام قرۃ العین تھا، جو عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان کی بیٹی تھیں، قرۃ العین کے جگر گوشہ کا نام اپنے نانا کے نام پر رکھا گیا۔

بنو سالم کے مکانات مدینہ کے غربی سنگستان کے کنارہ قباء سے متصل واقع تھے، یہاں ان کے کئی قلعے بھی تھے، جو اطم قوافل کے نام سے مشہور ہیں، اس بنا پر حضرت عبادہؓ کا مکان مدینہ سے باہر تھا۔

اسلام : ابھی عنفوانِ شباب تھا، کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی جن خوش نصیب لوگوں نے اس کی پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، حضرت عبادہؓ انہی میں سے ہیں، انصار کے وفد ۳ سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے، وہ سب میں شامل تھے پہلا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا، وہ اس میں داخل تھے اور چھ شخصوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ارباب علم کی ایک جماعت کا یہی خیال[1] ہے اگر چہ کثرت رائے ان کے اسلام کو دوسری بیعت تک موقوف سمجھتی ہے، جس میں بارہ آدمیوں[2] نے مذہب اسلام قبول کیا تھا، تیسری بیعت تک جس میں ۷۲ اشخاص شامل تھے حضرت عبادہؓ کی اس میں بھی شرکت تھی۔ (مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۶)

اخیر بیعت میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو خاندان قوافل کا نقیب تجویز فرمایا۔

غزوات ودیگر حالات :

حضرت عبادہؓ کی زندگی ابتدا ہی سے ولولہ انگیز ہے، مکہ سے مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہیں والدہ کو مشرف باسلام کیا[3]۔ کعب بن عجرہ ایک دوست تھے اور ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے ان کے گھر میں

---

[1] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۱۷۲، اور زرقانی جلد ۱۔ ص ۳۶۱ [2] مسند احمد جلد ۵۔ ص ۳۲۳ و بخاری جلد ۱۔ ص ۵۵۰

[3] زرقانی جلد ۱۔ ص ۲۶۱

ایک بڑا سا بت رکھا تھا۔ حضرت عبادہؓ کو فکر تھی کہ کسی صورت سے یہ گھر بھی شرک سے پاک ہو، موقع پا کر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، کعب کو ہدایت غیبی ہوئی اور وہ جمعیت اسلام میں آ ملے[1]۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر انصار و مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت ابو مرثد غنویؓ کو ان کا بھائی تجویز فرمایا۔ حضرت ابو مرثدؓ نہایت قدیم الاسلام صحابی اور حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے اس بناء پر ان کا تعلق خود خاندانِ رسالت سے تھے۔

۲ھ میں غزوۂ بدر واقع ہوا، حضرت عبادہؓ نے اس میں شرکت کی اسی سنہ میں بنو قینقاع عبداللہ بن ابی کے اشارے سے رسول اللہ ﷺ سے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ دربارِ نبوت ﷺ سے جلاوطنی کا فرمان صادر ہوا۔ حضرت عبادہؓ نے حلف کا دیرینہ تعلق ان لوگوں سے قطع کر دیا تھا۔ اخراج البلد کا کام بھی انہی کے متعلق ہوا[2]۔ قرآن کی یہ آیت "**یاایھا الذین آمنوا لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ**" اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

مشاہد عہدِ نبوت میں بیعت الرضوان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ اس بیعت میں بھی شریک تھے[3]۔ خلافتِ صدیقی میں شام کی بعض لڑائیوں میں شریک تھے، خلافتِ فاروقی میں مصر کے فتح ہونے میں دیر ہوئی تو عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ کو مزید کمک کے لئے خط لکھا، حضرت عمرؓ نے ۴ ہزار فوج روانہ کی جس میں ایک ہزار فوج کے حضرت عبادہ افسر تھے، اور جواب میں لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے[4]۔ یہ کمک مصر پہنچی تو عمرو بن عاصؓ نے تمام فوج کو یکجا کر کے ایک پُر اثر تقریر کی اور حضرت عبادہؓ کو بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجئے، خود سر سے امامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا عَلم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں خدا کی شان کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

ملکی خدمات : خدماتِ ملکی کے سلسلہ میں تین چیزیں قابلِ ذکر ہیں۔ صدقات کی افسری، فلسطین کی قضاءت اور حمص کی امارت۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اخیر عہد میں صدقہ کے عمال تمام اضلاع عرب میں روانہ کئے تھے۔ حضرت عبادہؓ کو بھی کسی مقام کا عامل بنایا تھا۔ وصیت کے طور پر فرمایا کہ خدا سے ڈرنا ایسا نہ ہو کہ

---

[1] نزھۃ الابرار فی الاسامی و مناقب الاخیار قلمی ورق۔ ص ۱۶۳

[2] طبقات ص ۳۰۔ قسم اول۔ جز ۲، حصہ مغازی [3] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۱۹

[4] کنز العمال۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۱۔ بحوالہ ابن عبدالحکم

قیامت کے دن چوپائے تک فریادی ہوکر آئیں، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کا خواہشمند نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں فلسطین کا قاضی بنایا تھا، اس زمانہ میں یہ صوبہ حضرت امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں تھا کسی بات پر دونوں میں اختلاف ہوگیا جس میں حضرت امیر معاویہؓ نے سخت کلامی کی تو انہوں نے کہا کہ آئندہ تم جہاں ہوگے میں نہ رہوں گا، ناراض ہوکر فلسطین سے مدینہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا کیوں؟ انہوں نے سارا قصہ دہرایا، فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر جایئے، دنیا آپ ہی جیسے لوگوں سے قائم ہے جہاں آپ لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب کردے گا۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ کو ایک خط لکھا کہ عبادہؓ کو تمہاری ماتحتی سے الگ کرتا ہوں۔ قضات فلسطین کا یہ پہلا عہد تھا جو حضرت عبادہؓ کو تفویض ہوا۔ اسی زمانہ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے جو شام کے امیر تھے ان کو حمص کا نائب بنایا، حمص کے زمانۂ قیام میں انہوں نے لاذقیہ فتح کیا اور اس میں ایک خاص فوجی ایجاد کی یعنی بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جن میں ایک شخص مع اپنے گھوڑے کے چھپ سکتا تھا یہ طریقہ آج بھی یورپ میں رائج ہے۔ (بلاذری فتوح البلدان۔ ص ۱۳۹)

وفات : حضرت عبادہؓ تا دمِ مرگ شام میں سکونت پذیر رہے۔ ۳۴ھ میں پیغامِ اجل آیا اس وقت ان کا سن ۷۲ سال کا تھا۔ وفات سے پہلے بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے تھے شدادؓ بن اوس کچھ آدمیوں کے ساتھ ان کے مکان پر آئے پوچھا کیسا مزاج ہے، فرمایا خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔

وفات کے قریب بیٹا آیا اور درخواست کی کہ وصیت کیجئے، فرمایا مجھے اٹھا کے بٹھاؤ اس کے بعد کہا بیٹا! تقدیر پر یقین رکھنا، ورنہ ایمان کی خیر نہیں[1]۔

اسی حالت میں صنابحی پہنچے، دیکھا تو استاد جاں بلب تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بیتاب ہوکر زار و قطار رونے لگے۔ استاد شفیق نے رونے سے منع کیا اور کہا کہ ہر طرح سے راضی ہوں، شفاعت کی ضرورت ہوگی تو شفاعت کروں گا، شہادت کے لئے چاہو گے تو شہادت دوں گا۔ غرض حتی الوسع تم کو نفع پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جتنی حدیثیں ضروری تھیں تم لوگوں تک پہنچا چکا، البتہ ایک حدیث باقی تھی، اس کو اب بیان کئے دیتا ہوں[2]، حدیث بیان کر چکے تو روح جسم کو وداع کہہ کر جوارِ رحمت میں پرواز کرگئی، یہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۳۱۷ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۳۱۸

مدفن کے متعلق اختلاف ہے، ابن سعد نے رملہ لکھا ہے، دوسری روایتوں میں بیت المقدس کا نام آیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی قبر وہاں اب تک مشہور ہے۔ امام بخاری نے فلسطین کو مدفن قرار دیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ فلسطین ایک صوبہ تھا جس کے رملہ اور بیت المقدس اضلاع تھے۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا۔ قد دراز (۱۰ ابالش طول تھا)، بدن دوہرا، رنگ ملیح، نہایت جمیل تھے۔

اولاد : اولاد کے نام یہ ہیں۔ ولید، عبداللہ، داؤد۔ ان میں سے ولید کے دو بیٹے، عبادہ اور یحییٰ اور موخر الذکر کے لڑے اسحاق، حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں۔

فضل وکمال :

حضرت عبادہ ؓ فضلائے صحابہ میں تھے۔ قرأت ان کا خاص فن تھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اسلام کا پہلا مدرسۂ قرأت جو عہدِ نبوی ﷺ میں اصحابِ صفہ کیلئے قائم ہوا تھا انہی کے زیرِ ریاست تھا اہلِ صفہ جو صحابۂ کبار تھے ان سے تعلیم پاتے تھے۔ یہاں قرآن کے ساتھ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ قرأت اور کتابت سیکھ کر یہاں سے نکلے تھے[1]۔

بعض تلامذہ کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام بھی استاد کے متعلق ہوتا تھا اس قسم کے بہت سے لوگ آتے تھے۔ ایک شخص کی نسبت مذکور ہے کہ ان کے گھر میں رہتا تھا اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا تھا، مکان جانے کا قصد کیا تھا تو ایک عمدہ کمان استاد کی نذر کی، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا، آپ ﷺ نے اس کے قبول کرنے سے منع فرمایا[2]۔

عہدِ نبوی ﷺ کے بعد جب شام کے مسلمانوں کو تعلیمِ قرآن کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر ؓ نے ان کو شام روانہ کیا۔ وہ پہلے حمص گئے لیکن کچھ زمانہ کے بعد فلسطین کو اپنا مستقر بنایا۔ حدیث میں حضرت عبادہ ؓ بعض اولیات کے موجد ہوئے۔ صحابہ ؓ کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ تک سلسلۂ حدیث پہچانے کا یہ طرز تھا کہ صحابی کہتا تھا کہ میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا، لیکن بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنھوں نے الفاظ روایت میں وہ مدارج قائم کئے جو بعد میں روایتِ حدیث کا جزء قرار پاگئے، حضرت عبادہ ؓ نے بھی ان الفاظ میں ایک اضافہ کیا ایک شخص سے حدیث بیان کی تو فرمایا :

"قال رسول اللہ ﷺ من فی الیٰ فی لا اقول حدثنی فلان ولا فلان"

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے میرے دردو فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے فلاں فلاں لوگوں نے حدیث بیان کی"[3]۔

---

۱ مسند جلد ۵۔ ص ۳۱۵ ۲ مسند جلد ۵۔ ص ۳۲۴ ۳ ایضاً جلد ۵۔ ص ۳۲۲

اسی طرح ایک مجمع میں خطبہ دیا اور حضرت امیر معاویہؓ نے ایک حدیث سے انکار ظاہر کیا تو فرمایا :

" اشھدانی سمعت رسو ل اللہ ﷺ "

''میں گواہ ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا''۔

اشاعتِ حدیث کا خاص اہتمام تھا۔ مجامع وعظ، مجالسِ علم، نج کی صحبتیں ہر جگہ اس کا چرچا رہتا تھا۔ کبھی گرجے میں جاتے تو وہاں بھی رسول اللہ کا کلام مسلمانوں اور عیسائیوں کے گوش گزار کرتے تھے[1]۔

مرویات کی تعداد ۱۸۱ تک پہنچتی ہے جس کے روایت کرنے والے اکابر صحابہ اور نبلاء تابعین ہیں چنانچہ وابستگانِ نبوت میں حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت ابوامامؓ، حضرت سلمہؓ بن محیق محمود، بنؓ ربیع، حضرت مقدام بنؓ معدیکرب، حضرت رفاعہؓ بن رافع، حضرت اوسؓ بن عبداللہ ثقفی، شرحبیل، بنؓ حسنہ اور تابعین باحسان میں عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحی، حطان بن عبداللہ رقاشی، ابوالاشعث صفانی، جبیر بن نضیر جنادہ بن ابی میہ، اسود ثعلبہ، عبداللہ بن محیریز ربیعہ بن ناجد، عطا بن یسار، قبیصہ بن ذویب، نافع بن محمد بن ربیع یعلی بن شداد بن اوس، ابومسلم خولانی، ابوادریس خولانی اس مخزن علم سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

فقہ میں کمال علمی مسلم تھا اور تمام صحابہؓ اس کا اعتراف کرتے تھے، شام کے مسلمانوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اس کام کے لئے انہی کا انتخاب کیا،

حضرت امیر معاویہؓ نے طاعون عمواس کا خطبہ میں ذکر کیا، تو کہا مجھ سے اور عبادہؓ سے اس مسئلہ میں گفتگو ہو چکی ہے، لیکن بات وہی ٹھیک تھی، جو انہوں نے کہی تھی۔ تم لوگ ان سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حضرت جنادہ حضرت عبادہؓ سے ملاقات کو گئے تو بیان کرتے ہیں کہ

''و کان قد تفقه فی دین اللہ'' یعنی ''وہ دین الٰہی میں فقیہ تھے''۔

اخلاق عادات :

امراء کے مقابلہ میں حق گوئی حضرت عبادہؓ کے تاجِ فضیلت کا طرہ رہی ہے وہ نہایت ہوش سے اس فرض کو ادا کرتے تھے، شام گئے اور وہاں بیع وشراء میں شرعی خرابیاں دیکھیں تو ایک خطبہ دیا جس سے تمام مجمع میں ہلچل پڑ گئی، حضرت امیر معاویہؓ بھی موجود تھے، بولے کہ عبادہؓ سے آنحضرت ﷺ

---

[1] الیضاً جلد ۵۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰

سے یہ نہیں فرمایا تھا، اب ان کے طیش کو کون روک سکتا تھا، فرمایا کہ مجھے معاویہ کے ساتھ رہنے کی بالکل پرواہ نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا[1]۔

یہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا واقعہ تھا لیکن عہد عثمانی میں حضرت امیر معاویہؓ نے دربار خلافت میں شکایت لکھی کہ عبادہ نے تمام شام کو بگاڑ رکھا ہے، یا تو ان کو مدینہ بلایئے یا میں شام چھوڑ دوں گا، امیر المومنین نے جواب میں لکھا کہ ان کو یہاں روانہ کردو، مدینہ پہنچ کر سیدھے حضرت عثمانؓ کے کاشانہ میں پہنچے جہاں صرف ایک شخص تھا جو مہاجر اور تابعی تھا لیکن باہر بہت سے لوگ جمع تھے، اندر جاکر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے حضرت عثمانؓ کی نظر اٹھی تو حضرت عبادہؓ سامنے تھے، پوچھا کیا معاملہ ہے پیکر حق اب بھی راست گوئی کا وہی جذبہ رکھتا تھا کھڑے ہوکر مجمع سے مخاطب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء منکر کو معروف اور معروف کو منکر سے بدل دیں گے، لیکن معصیت میں طاعت جائز نہیں، تم لوگ بدی میں ہرگز آلودہ نہ ہونا[2]۔

حضرت ابوہریرہؓ نے کسی بات میں دخل دیا تو فرمایا کہ جب ہم نے آنحضرت سے بیعت لی تھی تو تم اس وقت موجود نہ تھے (پھر تم ناحق بیچ میں پڑتے ہو) ہم نے آنحضرت ﷺ سے ان شرائط پر بیعت کی تھی کہ چستی اور کاہلی میں آپ کا کیا کہنا مانیں گے فراغی اور تنگی میں مالی امداد دیں گے، اچھی باتیں پہنچائیں گے، بری باتوں سے روکیں گے سچ کہنے میں کسی سے نہ دبیں گے، آنحضرت ﷺ یثرب تشریف لائیں گے تو مدد کریں گے اور جان و مال اور اولاد کی طرح آپ کی نگہبانی کریں گے ان سب باتوں کا صلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا، پس ہم کو ان باتوں پر پورے طور سے عمل کرنا چاہئے اور جو نہ کرے وہ اپنا آپ ذمہ دار ہے[3]۔

اس فرض امر معروف کو وہ راستہ چلتے بھی ادا کرتے تھے، ایک دفعہ کسی سمت جارہے تھے (عبداللہ بن عباد زرقی کو دیکھا کہ چڑیا پکڑ رہے ہیں چڑیاں ہاتھ سے چھین کر اڑادی اور کہا بیٹا یہ حرم میں داخل ہے یہاں شکار جائز نہیں[4]۔

حب رسول کا یہ عالم تھا کہ بیعت کرنے کے بعد ۲ مرتبہ مکہ جاکر رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کوئی غزوہ اور واقعہ ایسا نہ تھا جس کی شرکت کا شرف انہیں حاصل نہ ہوا ہو انہی وجوہ سے آنحضرت ﷺ کو ان سے خاص محبت تھی، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑے تو خود سردار دو عالم ﷺ عیادت کو آئے انصار کے کچھ لوگ ہمرکاب تھے فرمایا جانتے ہو شہید کون ہے؟ لوگ خاموش

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۳۱۹۔ [2] مسند جلد ۵ ص ۳۱۹۔ [3] ایضاً ص ۳۲۵۔ [4] مسند جلد ۵۔ ص ۳۱۷

رہے۔ حضرت عبادہؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا مجھے تکیہ سے لگا کر بٹھاؤ بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیا کہ جو مسلمان ہو ہجرت کرے اور معرکے میں قتل ہو، آپ نے فرمایا نہیں اس صورت میں تو شہیدوں کی تعداد بہت کم ہوگی قتل ہونا ہیضہ میں مرنا، غرق آب ہونا اور عورت کا زچگی میں مر جانا، یہ سب شہادت میں داخل ہے [1]۔

رسول اللہ ﷺ علیل ہوئے تو صبح وشام دیکھنے جاتے تھے، آپ نے اسی حالت میں ان کو ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ مجھ کو جبرئیلؑ نے تلقین کی تھی [2]۔

[1] مسند جلد ۷ ۳۱ [2] ایضاً ص ۳۲۳

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابومحمد کنیت شاعر رسول اللہ ﷺ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو بن امراء القیس الاکبر بن مالک الاغرابن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر، والدہ کا نام کبشہ بنت واقد ابن عمرو بن اطنابہ تھا، اور خاندان حارث بن خزرج سے تھیں جو حضرت عبداللہؓ کا پدر اعلیٰ تھا۔

حضرت عبداللہؓ بڑے رتبہ کے شخص تھے ان کے تذکرے میں ہے :

"کان عظیم القدر فی الجاهلیت والاسلام"

یعنی "وہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں کبیر المنزلت ہے"۔

اسلام : لیلۃ العقبہ میں مشرف بہ اسلام ہوے اور بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے،

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت مقدادؓ بن اسود کندی سے رشتۂ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک تھے، اور غزوہ ختم ہونے کے بعد اہل مدینہ کو فتح کی بشارت انہیں نے سنائی تھی، غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ ان کے رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے :

اللھم لولا انت ما اھتدینا   ولا تصدقنا ولا صلینا

خداوندا! اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے   اور نہ زکوٰۃ دیتے اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا   وثبت الاقدام ان لاقینا

تو تو ہم پر اپنی تسکین نازل فرما   اور معرکہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ

ان الاولیٰ قد بغوا علینا[1]   اذا ارادو افتنۃ ابینا

جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے   جب وہ فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم اس کا انکار کرینگے

حدیبیہ اور بیعت رضوان میں بھی موجود تھے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ۵۸۹

اسیر بن زارم یہودی ابورافع کے بعد خیبر کا حاکم بنایا گیا تھا، اور اسلام کی عداوت میں اس کا پورا جانشین تھا، چنانچہ اس نے غطفان میں دورہ کر کے تمام قبائل کو آمادہ کیا آنحضرت ﷺ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو رمضان ۶ ھ میں عبداللہ بن رضی اللہ عنہ رواحہ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ فرمایا، عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور سے اسیر کے تمام حالات معلوم کیے اور آنحضرت ﷺ کو آکر خبر کردی، آپ ﷺ نے اس کے قتل کے لئے حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ رواحہ کو مقرر فرمایا اور ۳۰ آدمی ان کی ماتحتی میں دیئے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اسیر سے ملے تو کہا کہ ہم کو امان دو، تم سے ایک بات کہنے آئے ہیں بولا کہو، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تمہارے پاس بھیجا ہے اور آپ کا ارادہ ہے کہ تم کو خیبر کا رئیس بنادیں، لیکن اس کے لئے خود تمہارا مدینہ چلنا ضروری ہے، وہ باتوں میں آگیا اور ۳۰ یہودیوں کو لے کر ان کے ساتھ ہولیا، راستہ میں انہوں نے ہر یہودی پر ایک مسلمان کو متعین کیا، اسیر کو کچھ شک ہوا اور اس نے پلٹنے کا ارادہ ظاہر کیا، مسلمان نے دھوکہ بازی کے جرم میں سب کی گردنیں اڑادیں اور یہ اٹھتا ہوا طوفان وہیں دب کر رہ گیا[1]۔

خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو وہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله خلوا فکل الخیر مع رسوله
ان کے راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ تمام بھلائیوں انہی کے ساتھ ہیں

نحن ضربنا کم علی تاویله کما ضربنا کم علی تنزیله
ہم نے تم کو قرآن کی تاویل اور تنزیل پر مارا ہے جس سے سر دھڑ سے الگ ہو گئے ہیں

ضربا یزیل الهام عن مقیله ویذهل الخلیل عن خلیله یارب انی مومن بقیله
اور دوست دوستی بھول گئے ہیں خدایا میں آنحضرت ﷺ کے اقوال پر ایمان رکھتا ہوں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہنہ! خدا کے حرم اور رسول اللہ ﷺ کے روبرو شعر پڑھتے ہو، آنحضرت ﷺ بولے عمر! میں سن رہا ہوں خدا کی قسم ان کا کلام کفار پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے، اس کے بعد ان سے فرمایا کہ تم کہو، لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ، نصر عبدہٗ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہٗ، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو کہا تم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آواز ملا کر اس کو ادا کیا، جس سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں[2]۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ۶۶ [2] طبقات ابن سعد و کتب رجال۔ ص ۸۸

غزوہ موتہ اور شہادت :

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ موتہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے بصری کے رئیس کے پاس ایک نامہ بھیجا تھا، راستہ میں موتہ ایک مقام ہے وہاں ایک غسانی نے نامہ بر (سفیر) کو قتل کر دیا، سفیر کا قتل اعلان جنگ کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس بناء پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تین ہزار آدمی زید بنؓ حارثہ کی زیر امارت موتہ روانہ کئے اور یہ فرمایا کہ زید قتل ہو جائیں تو جعفرؓ امیر لشکر ہیں اور ان کے بعد ابن رواحہؓ سردار ہیں اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو جس کو مسلمان مناسب سمجھیں امیر بنالیں۔

لشکر تیار ہوا تو ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ نے خود مشایعت کی رخصت کے وقت اہل مدینہ نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا آپ لوگوں کو صحیح سالم اور کامیاب واپس لائے، حضرت ابن رواحہؓ کی یہ آخری ملاقات تھی رونے لگے لوگوں نے کہا رونے کی کیا بات ہے؟ کہا مجھے دنیا کی محبت نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "ان منکم الاواردھا، کان علی ربک حتماً مقضیا"۔ (یعنی ہر شخص کو جہنم میں جانا ہے) اس بنا پر یہ فکر ہے کہ میں جہنم میں داخل ہو کر نکل بھی سکوں گا؟ سب نے تسکین دی اور کہا کہ خدا آپ سے پھر ملا دے گا، اس وقت حضرت ابن رواحہؓ نے فرمایا۔

لکننی اسئل الرحمن مغفرۃ وضربۃ ذات فرغ تقذف الزبدا

لیکن میں خدا سے مغفرت اور ایک وار کا طالب ہوں جو کاری لگے

او طعنۃ بیدی حران بحھزۃ بحربۃ تنقذ الاحشاء والکبدا

یا ایک نیزہ جو جگر تک چبھ جائے

حتی یقولو اذا مرو اعلی جدثی یا ارشد اللہ من غاز وقد رشدا

یہاں تک کہ قبر پر گزرنے والے پکار اٹھیں کہ کیسا اچھا غازی تھا

اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے ملنے آئے، آپ نے الوداع کہا ادھر مدینہ سے مسلمان روانہ ہوئے ادھر دشمن کو خبر ہوگئی، اس نے ہرقل کو خبر کر کے ۲ لاکھ آدمی جمع کر لئے مسلمانوں نے شام پہنچ کر معان میں دو رات قیام کیا اور یہ رائے قرار پائی کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دینی چاہئے عبداللہ بن رواحہؓ نے نہایت دلیری سے کہا کہ کچھ پرواہ نہیں ہم کو لڑنا چاہئے، چنانچہ معان سے چل کر موتہ میں پڑاؤ ڈالا اور یہاں مشرکین سے مقابلہ ہوگیا، مسلمان صرف ۳ ہزار تھے اور مشرکین کی طرف آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا میدان کارزار گرم ہوا، پہلے زید بنؓ حارثہ نے گھوڑے سے اتر کر آتش جنگ مشتعل کی اور

نہایت جانبازی سے مارے گئے پھر جعفر نے علم اُٹھایا اور نہایت بہادری سے شہادت حاصل کی اس کے بعد عبداللہ بن رواحہؓ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے۔

یانفس ان لم تقتلی تموتی ان تسلمی الیوم فلن تفوتی
اے نفس اگر قتل نہ ہوا تو بھی مرے گا اگر آج باقی ہے تو آئندہ فوت ہوگا

او تبتلی فطال ما عوفت
یا عافیت کی درازی میں تیری آزمائش ہوگی

ھذہ حیاض الموت فقدخلت وما تمنیت فقد اعطیت
اس لئے موت کے حوض خالی ہو رہے ہیں اور جو تیری تمنا تھی مل رہی ہے

پھر کہا اے نفس! بیوی بچے اور مکان کا خیال فضول ہے، وہ سب آزاد ہیں، مکان اللہ اور رسول کا ہے دل کو سمجھا کر جھنڈا اٹھایا اور حسبِ ذیل رجز پڑھتے ہوئے میدان میں آئے۔

یا نفس مالک تکرھین الجنة
اقسم باللہ لتنزلنه
اے نفس جنت میں جانے سے کراہیت کیوں ہے
خدا کی قسم تو ضرور اس میں داخل ہوگا
طائعة او لتکرھنه
فطالما قد کنت مطمئنه
خواہ برضا و رغبت خواہ جبر سے
تو نہایت مطمئن تھا، حالانکہ
ھل انت الا نطفة فی شنه
قدا جلب الناس و شدوا الرنه
تو مُشک کا صاف پانی ہے (جو لوگوں کی پیاس بجھانے کیلئے ہے)
اب لوگ پیاسے ہیں اور چیخ چیخ کر فریاد کر رہے ہیں

نیزہ لیکر حملہ کیا اسی اثنا میں ایک کافر نے اس زور سے نیزہ مارا کہ دونوں لشکروں کے درمیان بچھڑ گئے، خون چہرہ پر ملا اور پکارے ''مسلمانو! اپنے بھائی کے گوشت کو بچاؤ''۔ یہ سن کر تمام مسلمان ان کو گھیرے میں لے کر مشرکین پر ٹوٹ پڑے اور روحِ مطہر ملاءِ اعلیٰ کو پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیه راجعون۔

شہادت سے قبل موتہ میں ایک شب یہ اشعار پڑھ رہے تھے :

اذا اونتنی وحملت رحلی　مسیرة اربع بعد الحاء
فشانک فانعمی وخلاک ذم　ولا ارجع الیٰ اهلی ورائی
وجاء المومنون و خلفو نی　بارض الشام مشهور الشراء
وردک کل ذی نسب قریب　الی الرحمن منقطع الاخاء
هنالک لا ابالی طلع بعل　ولا نخل اسفلها رواء

حضرت زید بن ارقم نے سنا تو انہوں نے درہ اٹھایا اور کہا اس میں تمہارا کیا نقصان؟ خدا مجھ کو شہادت نصیب کرے گا، تو تم آرام سے گھر جانا۔

آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے دم دم کی خبریں مل رہی تھیں اور آپ مجمع کے سامنے بیان کر رہے تھے، حضرت جعفرؓ کی خبر بیان کر کے خاموش ہو گئے انصار آپ کی خاموشی سے سمجھ گئے کہ شاید حضرت ابن رواحہؓ شہید ہوئے، تھوڑی دیر سکوت کے بعد با دیدۂ پرنم فرمایا کہ ابن رواحہؓ نے شہادت پائی، انصار اس خبر کے کب متحمل ہو سکتے تھے، تاہم آہ وزاری اور نالۂ وفریاد کے بجائے صرف حقیقی حزن وملال پر اکتفا کیا گیا کہ یہ بھی اس شہید ملت کی ایک وصیت تھی۔

ایک مرتبہ بے ہوش ہو گئے تھے، بہن نے جن کا نام عمرہ تھا نوحہ کیا کہ ہائے میرا پہاڑ ہائے ایسا، ہائے ویسا افاقہ ہوا تو فرمایا کہ جو کچھ تم کہہ رہی تھیں مجھ سے اس کی تصدیق کرائی جاتی تھی کہ کیا تم ویسے تھے؟ اس بنا پر وفات کے وقت سب نے صبر کیا، صحیح بخاری میں ہے، **فلما مات لم تبک علیه**، یعنی جب انہوں نے شہادت پائی تو نوحہ اور بین نہیں کیا گیا[1]۔

اولاد : جیسا کہ اوپر گذر چکا، موتہ روانہ ہوتے وقت بیوی بچے موجود تھے، لیکن صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں **فقتل ولم یعقب** یعنی ان سے نسل نہیں چلی[2]۔

ان کی بیوی کے متعلق استیعاب میں عجیب قصہ منقول ہے انہوں نے ایک خاص بات پر ان سے کہا کہ تم اگر پاک ہو تو قرآن پڑھو اس وقت ابن رواحہؓ کو عجیب چال سوجھی اور بروقت چند اشعار پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور عرش پانی کے اُوپر تھا اور عرش پر جہاں کا پروردگار اور اس عرش کو خدا کے مضبوط فرشتے اُٹھاتے ہیں''۔

---

[1] دیکھو صحیح بخاری ص ۶۱۱، ۶۱۲۔ واسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹۔ وطبقات ابن سعد ص۔ ۹۲، ۹۳
[2] اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۹

چونکہ وہ قرآن نہیں پڑھی تھیں سمجھیں کہ آیتیں پڑھ رہے ہیں بولیں کہ خدا سچا ہے اور میری نظر نے غلطی کی تھی میں نے ناحق تم کو تہمت لگائی زن وشوئی کے تعلقات بھی کیسے عجیب ہوتے ہیں، لونڈی سے ہم بستری کرنے پر بیوی کے غیظ وغضب سے بچنے کا حضرت عبداللہؓ نے یہ طرز اختیار کیا[۱]۔

فضل وکمال : اس عنوان میں دو چیزیں قابل ذکر ہیں، کتابت اور شاعری۔

آنحضرت ﷺ کے کاتب تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ لکھنا کب سیکھا تھا؟ شاعری میں مشہور تھے، اور دربارِ رسالت ﷺ کے شاعر تھے کفر پر مشرکین کو عار دلانا ان کا موضوع تھا صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

''دربار نبوی ﷺ کے شعراء حسان بن ثابتؓ، کعب بنؓ مالک اور عبداللہ ابن رواحہؓ تھے، تو حضرت کعب بن مالکؓ کافروں کو لڑائی سے ڈراتے تھے، اور حسانؓ حسب نسب پر چوٹ کرتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ان کو کفر کا عار دلایا کرتے تھے''[۲]۔

یعنی آنحضرت ﷺ کے تین شاعر تھے، حضرت حسانؓ، حضرت کعبؓ، حضرت ابن رواحہؓ، اول الذکر نسب پر طعن کرتے تھے دوسرے لڑائی سے دھمکاتے اور تیسرے کفر پر غیرت دلاتے تھے۔ شعر فی البدیہہ کہہ سکتے تھے، ایک روز مسجد نبوی کی طرف نکلے، آنحضرت ﷺ صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ تشریف فرماتھے، ان کو بلایا اور فرمایا مشرکین پر کچھ کہو انہوں نے اس مجمع میں کچھ اشعار کہے۔

آنحضرت ﷺ نے سنا تو مسکرائے اور فرمایا خدا تم کو ثابت قدم رکھے[۳]۔

حدیث میں چند روایتیں ہیں جو حضرت ابن عباسؓ حضرت اسامہ بنؓ زید حضرت انس بن مالکؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے مروی ہیں، خود آنحضرت ﷺ اور حضرت بلالؓ سے روایتیں ہیں۔

اخلاق وعادات :

نہایت زاہد، عابد، اور مرتاض تھے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، کہ ''خدا عبداللہ بن رواحہؓ پر رحم کرے وہ انہی مجلسوں کو پسند کرتے تھے جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں''۔ یعنی خدا کی رحمت ہو ابن رواحہؓ پر وہ ایسی مجلسیں پسند کرتا ہے، جس پر فرشتے بھی فخر کرتے ہیں[۴]۔

---

[۱] استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۲ [۲] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۴۸۔ حالات حضرت کعب بن مالکؓ
[۳] استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۲ [۴] اصابہ جلد ۴۔ ص ۶۶

حضرت ابودرداؓ کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جس میں ان رواحہؓ کو یاد نہ کرتا ہوں وہ مجھ سے ملتے تو کہتے کہ آؤ تھوڑی دیر کے لئے مسلمان بن جائیں پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے یہ ایمان کی مجلس تھی[۱]۔

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ جب گھر سے نکلتے دو رکعت نماز پڑھتے اور واپس آتے اس وقت بھی ایسا ہی کرتے تھے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایک سفر میں اتنی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی تمازت سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں روزہ کون رکھ سکتا ہے؟ لیکن آنحضرت ﷺ اور حضرت ابن رواحہؓ اس حالت میں بھی صائم تھے[۲]۔

جہاد کا نہایت شوق تھا بدر سے لے کر موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا تھا، اسماء الرجال کے مصنفین اس ذوق وشوق کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں۔ یعنی عبداللہؓ غزوہ میں سب سے پیشتر جاتے اور سب سے پیچھے واپس ہوتے تھے[۳]۔ احکامِ رسول ﷺ کی اطاعت پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔

آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت ابن رواحہؓ پہنچے تو یہ ارشاد زبان پر تھا کہ ''اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ''۔ مسجد کے باہر تھے اسی مقام پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تو کسی نے یہ خبر پہنچادی۔ فرمایا: ''خدا اور رسول کی اطاعت میں خدا ان کی حرص اور زیادہ کرے''۔

آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی اور آپ کو بھی ان سے انس تھا۔ بیمار پڑے اور ایک دن بے ہوش ہو گئے تو سرورِ عالم ﷺ عیادت کو تشریف لائے اور فرمایا ''خدایا! اگر ان کی موت آئی ہو تو آسانی کر ورنہ شفا عطا فرما''[۴]۔

آنحضرت ﷺ کی نعت میں شعر کہا کرتے تھے اور یہ بھی حبّ رسول ﷺ کا کرشمہ تھا ایک شعر بہت ہی اچھا کہا ہے اور وہ یہ ہے[۵]۔

''اگر آپ میں کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوں، جب بھی آپ کی صورت خبر (رسالت) دینے کے لئے کافی تھی''۔

۱۔ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۱۵۷ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۲۶۱ ۳۔ اصابہ جلد ۴۔ ص ۶۶

۴۔ اصابہ جلد ۴۔ ص ۲۶۶ ۵۔ ایضاً ص ۶۷

جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن ابی کی مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت ﷺ اِدھر سے گذرے تو سواری کی گرد اڑ کر اہلِ مجلس پر پڑی۔ ابن ابی نے کہا کہ گرد نہ اڑاؤ۔ آپ ﷺ وہیں اتر پڑے اور توحید پر ایک مختصر تقریر کی۔ ابن ابی اب تک مشرک تھا، بولا "یہ بات تو ٹھیک نہیں جو کچھ آپ ﷺ کہتے ہیں اگر حق ہے تو یہاں آ کر ہم کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جو آپ کے پاس جائے اس کو خوشی سے ایمان کی دعوت دے سکتے ہیں"۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو جوش آ گیا، بولے "یارسول اللہ (ﷺ!) آپ ضرور فرمائیں، ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں"۔[1]

[1] بخاری جلد ۲۔ص ۶۵۶

حضرت عاصمؓ بن ثابت بن ابی اقلح

نام ونسب :

عاصم نام، ابوسلمان کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ عاصم ابن ثابت بن قیس ابی الاقلح بن عصمۃ بن نعمان بن مالک بن لمۃ بن ضبیعہ بن زید بن مالک ابن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : ہجرت سے قبل اسلام لائے۔

غزوات : بدر میں شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا "کیونکر لڑو گے"؟ تیر وکمان لے کر اٹھے اور کہا کہ "جب ۲۰۰ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا تو تیر ماروں گا، اس سے قریب ہوں گے تو نیزہ اور نزدیک تر ہوں گے تو تلوار کا وار کروں گا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لڑائی کا یہی قاعدہ ہے تم لوگ اسی طرح لڑنا"[۱]۔

اس غزوہ میں انہوں نے عقبہ بن معیط کو قتل کیا، جو قریش میں نہایت ذی رتبہ سمجھا جاتا تھا[۲]، غزوۂ اُحد میں مسافع بن طلحہ اور حارث بن طلحہ کو تیر مار کر قتل کیا اور کہا لو میں ابن ابی اقلح ہوں[۳]، ابوعزہ جمحی گرفتار ہو کر آیا تو آنحضرت ﷺ نے حیلہ وفریب کی پاداش میں ان کے حوالے کیا، انہوں نے اس کی گردن اڑادی[۴]۔

صفر ۳ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کی ماتحتی میں دس آدمی دے کر جاسوسی کے لئے روانہ کیا، عسفان اور مکہ کے درمیان ہدہ ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو بنولحیان کو خبر ہوگئی اس نے سو تیر انداز بھیجے کہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ صحابہؓ کے پاس مدینہ کے خرمے تھے ان کی گھٹلیاں راستہ میں پڑی تھیں، تیر اندازوں نے کہا یہ ضرور یثرب کے چھوہارے ہیں عاصمؓ کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے ان لوگوں نے آکر محاصرہ کر لیا اور کہا کہ نیچے اتر آؤ تو جان بخشی کی جائے گی۔ عاصمؓ نے کہا مسلمانو! میں کسی کافر کے ذمہ نہ رہوں گا۔ پھر فرمایا "خدایا! رسول اللہ ﷺ کو ہماری خبر کر دے"۔

۱؎ اصابہ جلد۴۔ ص۳ ۲؎ اسد الغابہ جلد۳۔ ص۷۳ ۳؎ ایضاً وطبقات ابن سعد۔ ص۲۸ ۴؎ طبقات۔ ص۳۰

شہادت : کفار نے یہ دیکھ کر تیر برسانا شروع کئے جس سے حضرت عاصمؓ نے سات آدمیوں کے ساتھ شہادت پائی [1]۔

قریش کو ان کے قتل ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو نہایت خوش ہوئے کہ عقبہ بن ابی معیط کا قاتل دنیا سے اٹھ گیا۔ آدمی بھیجے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ لا کر دکھائیں، مصنف استیعاب کا بیان ہے کہ ان کے جسم کو جلا کر قریش آتشِ انتقام کو سرد کرنا چاہتے تھے [2]۔

عقبہ کے ساتھ طلحہ کے دو بیٹوں کو بھی انہوں نے قتل کیا تھا ان کی ماں نے جس کا نام سلافہ تھا منت مانی تھی کہ حضرت عاصمؓ کا سر ملے گا تو کھوپڑی میں شراب پیوں گی! قریش کو تجارت کا موقع ملا کہ اس کے ہاتھ عاصمؓ کا سر فروخت کریں [3]۔

عاصمؓ نے خدا سے دعا کی تھی کہ ''مجھے کوئی مشرک نہ چھوئے اور نہ میں ان سے کسی کو مس کروں گا''۔ یہ لوگ وہاں پہنچے تو کثرت سے شہد کی مکھیاں دیکھیں، لاش کے اٹھانے میں کامیابی نہ ہوئی تو مشورہ کیا کہ رات کو جب مکھیاں نہ ہوں گی اس وقت سر کاٹیں گے۔ اتفاق یہ کہ خوب بارش ہوئی اور اس نے سیلاب کی شکل اختیار کر لی اور حضرت عاصمؓ کا جسدِ اطہر اسی میں بہہ گیا [4]۔

اولاد : لڑکے کا نام محمد تھا، عرب کا مشہور شاعر احوص انہی کا بیٹا تھا۔

اخلاق : جوشِ ایمان، حبِ رسول ﷺ، پاکبازی اور بہادری کے عظیم الشان اوصاف حضرت عاصمؓ کی سیرت کے جلی عنوانات ہیں، ان تمام باتوں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۶۸، ۵۸۵ [2] کتاب مذکور جلد ۲۔ ص ۵۱۳ [3] اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۴
[4] ایضاً ص ۷۳، ۷۴

حضرت عبداللہ ؓ بن عمرو بن حرام

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابو جابر کنیت، بنی سلمہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبداللہ ابن عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج۔

قبیلۂ سلمہ میں نہایت ممتاز شخص تھے۔ بعثتِ نبوی ﷺ کے تیرہویں سال ایامِ حج میں اہلِ مدینہ کا ایک قافلہ جو تعداد میں ۵۰۰ آدمیوں پر مشتمل تھا، مکہ چلا عبداللہ ؓ بھی اس میں شامل تھے اور اوس وخزرج کے وہ افراد جنھوں نے حضرت مصعب بن عمیر ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور خفیہ مسلمان تھے وہ بھی ساتھ تھے۔ کسی نے حضرت عبداللہ ؓ سے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کریں گے، آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں نہایت معزز آدمی ہیں بہتر ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دیجئے، اور قدیم مذہب کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ جیسا ذی رتبہ شخص جہنم کا ایندھن بنے۔ حضرت عبداللہ پر ان باتوں کو خاص اثر پڑا اور صدقِ دل سے اسلام لانے پر آمادہ ہو گئے۔

اسلام : انہی ایام میں بیعتِ عقبہ ہوئی۔ حضرت عبداللہ ؓ بھی شریک ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا فخر حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ان کو بنوسلمہ کا نقیب بنایا۔

غزوات : غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اور غزوۂ اُحد میں جو ۳ھ میں ہوا تھا شرفِ شرکت کے ساتھ شہادت کے لازوال فخر سے بھی بہرہ اندوز ہوئے۔

وفات : غزوہ کا وقت آیا تو ایک رات حضرت جابر ؓ کو بلایا اور کہا بیٹا! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا، میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ عزیز تم ہو، تم کو میں ...... گھر پر چھوڑتا ہوں اپنی بہنوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور میرے اوپر جو کچھ قرض ہے اس کو ادا کر دینا[1]۔

دن کو معرکۂ کارزار گرم ہوا، اور حضرت عبداللہ ؓ نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ صحابہ میں سب سے پہلے وہی شہید ہوئے[2]۔ اسامہ بن اعور بن عبید نے قتل کیا[3] اور پھر مشرکین نے نعشِ مبارک کا مثلہ کیا، لاش کپڑا ڈال کر لائی گئی اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دی گئی۔ حضرت جابر ؓ کپڑا ہٹا کر منہ کھولتے اور زار وقطار روتے تھے۔ خاندانِ سلمہ کے بہت سے آدمی جمع تھے

---

۱ صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۸۰ ۲ ایضاً ۳ اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۳۳

اور جابر ؓ کو منع کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کپڑا اٹھوا دیا، بہن نے جو پاس کھڑی تھیں ایک چیخ ماری پوچھا کس کی آواز ہے؟ لوگوں نے کہا عبداللہ ؓ کی بہن کی[1]۔

دفن کرنے کو لے چلے تو بہن نے جس کا نام فاطمہ تھا، رونا شروع کیا، آنحضرت نے فرمایا "تم روؤ یا نہ روؤ جب تک جنازہ رکھا رہا فرشتے پروں سے سایہ کئے تھے"[2]۔ قبر میں دو آدمی ساتھ دفن کئے گئے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ میرے باپ اور چچا کو ایک چادر میں کفن دیا گیا[3]۔ لیکن دوسری کتابوں میں عمرو بن جموع کا نام مذکور ہے، جو حضرت عبداللہ ؓ[4] کے بھائی نہیں بلکہ بہنوئی تھے۔

۶ مہینے کے بعد حضرت جابر ؓ نے ان کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا۔ کان کے سوا تمام جسم سالم تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی دفن ہوئے ہیں[5]۔

اس واقعہ کے ۴۶ برس کے بعد ایک سیلاب آیا جس نے قبر کھول دی۔ لاش بجنسہٖ باقی تھی۔ یہ روایت موطا میں مذکور ہے۔

اولاد : حضرت جابر ؓ کے علاوہ نو لڑکیاں چھوڑیں جن میں ۶ نہایت خورد[6] سال تھیں۔

قرض : قرض بہت زیادہ تھا۔ صحیح بخاری میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرت جابر ؓ نے ادا کیا اس کی تفصیل ہم حضرت جابر ؓ کے حالات میں لکھ آئے ہیں۔

فضائل : مکارم ومحاسن کے لحاظ سے حضرت عبداللہ ؓ جلیل القدر صحابہ ؓ میں داخل ہیں۔ بنوسلمہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے انہوں نے جو کوشش اور سرگرمی ظاہر کی اور پھر خدا کی راہ میں جس طرح اپنے کو قربان کیا اس کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ کو تھا۔

سنن نسائی میں ہے :

"جزی اللہ الانصار عنا خیر الاسیما آل عمرو بن حرام وسعد بن عبادہ"۔

یعنی "خدا تمام انصار کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، خصوصاً عبداللہ اور سعد بن عبادہ ؓ کو"۔

جامع ترمذی میں روایت آئی ہے کہ واقعۂ اُحد کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر ؓ کو زار و خستہ دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے"؟ عرض کی "باپ قتل ہوئے اور بہت سے بچے چھوڑ گئے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۷۲ [2] مسلم جلد ۲۔ ص ۲۴۷۔ وصحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۶۶ [3] بخاری جلد ۱۔ ص ۱۷۹
[4] اسد الغابہ جلد ۳۔ ۲۳۲ [5] بخاری جلد ۱۔ ص ۱۸۰ [6] ایضاً جلد ۱۔ ص ۱۸۰

انہی کی فکر دامن گیر ہے''۔فرمایا''ایک خوشخبری سنو،خدا کسی سے بے پردہ گفتگو نہیں کرتا،لیکن تمہارے باپ سے بالمشافہ گفتگو کی اور فرمایا جو مانگو دیا جائے گا۔انہوں نے کہا میری تمنا ہے کہ ایک مرتبہ دنیا میں جا کر پھر شہید ہوں،ارشاد ہوا کہ یہ کہاں ہوسکتا ہے؟ جو دنیا سے آتا ہے وہ واپس نہیں جاسکتا،عرض کی تو میری نسبت کچھ وحی بھیج دیجئے،اس وقت آنحضرت پر یہ آیت نازل ہوئی :

''ولا تحسبن الذّین قتِلوافی سبیل الله امواتاً بل احیاء'' الخ
یعنی ''جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں''۔

حضرت عبداللہؓ کے لئے اس سے زیادہ کیا چیز قابلِ فخر ہوسکتی ہے کہ ان کی وفات کو ۱۳۰۰ سال کی مدت گذر چکی ہے،تاہم ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہے گا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

حضرت عبداللہ ؓ بن عبداللہ بن ابی

نام ونسب :

عبداللہ نام ہےاور قبیلہ حبلی سے ہیں۔ جو خزرج کا نہایت معزز خاندان تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم ابن غنم بن عوف بن خزرج۔

حبلی سالم کا لقب ہے، جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کا پیٹ بہت بڑا تھا۔

مالک نے کہ حضرت عبداللہ ؓ کا پر دادا تھا۔ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت سلول نامی سے شادی کی تھی۔ اس سے ابی پیدا ہوا، جو عبداللہ ابو حباب کا باپ ہے۔

عبداللہ ابو حباب (جو ابن ابی ابن سلول کے نام سے مشہور ہے، قبیلہ خزرج کے ممتاز ترین افراد میں تھا، اس کے اثر اور زور وقوت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ کا تخت وتاج اسی کے سپرد کرنے کی تجویز تھی، اوس وخزرج دیرینہ عداوتوں کے سبب سے باہم سخت مختلف تھے، تاہم اس کے تخت نشین کرنے پر سب کا اتفاق تھا، حضرت عبداللہ ؓ اسی عبداللہ کے فرزندار جمند ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ابن ابی عقلمند دوراندیش اور صاحب تدبیر ہونے کے باوجود شرف ایمان سے محروم رہا، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور خلافت الٰہی کی بنیاد قائم کی، تو رشک ومنافست کا عجیب منظر درپیش تھا، ابن ابی اور اس کے چند ہم خیال اسلام کی اس ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جوں جوں رسول اللہ ﷺ کا اقتدار بڑھتا تھا، یہ گروہ اس کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کرتا تھا۔

آخر مسلمانوں کے غلبہ اور زور کی وجہ سے ابن ابی کو سر اطاعت خم کرنا پڑا اور اپنی جماعت کے ساتھ منافقانہ مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہوگیا اور منافقین کا سرغنہ بنا۔

اسلام : لیکن ابن ابی کا اثر ان کے بیٹے پر بالکل نہیں پڑا وہ ہجرت سے قبل مسلمان ہو چکے تھے۔

غزوات : غزوہ بدر میں شریک ہوئے، اُحد میں آگے کے دو دانت جنہیں ثنیہ کہا جاتا ہے ٹوٹ گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم سونے کا دانت بنوالو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ناک اڑ گئی تھی تو سونے کی بنوائی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں مصنف اسد الغابہ نے اس کی تصریح کردی ہے۔

غزوہ تبوک میں کہ ۹ھ میں ہوا ایک انصاری اور مہاجر کے جھگڑے میں ابن ابی نے کہا تھا، "لئن رجعنا الیٰ المدینة لیخرجن الاعز منها الاذل"۔ یعنی "مدینہ پہنچ کر بلند پایہ لوگ، ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے"، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اٹھ کر کہا، "اگر اجازت ہو تو اس منافق کا سر اڑا دوں"[۱]۔ آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی۔

حضرت عبداللہؓ آئے اور کہا کہ میرے باپ نے آپ کو ذلیل کہا، خدا کی قسم وہ خود ذلیل ہے۔ اس کے بعد کہا کہ اگرچہ تمام خزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا کوئی مطیع نہیں، تاہم اگر آپ انہیں قتل کرانا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے، میں قتل کئے دیتا ہوں، لیکن اگر کسی دوسرے مسلمان نے ان کو قتل کیا تو اپنے باپ کے قاتل کو میں دیکھ نہیں سکتا، لامحالہ اس کو قتل کرونگا اور ایک مسلمان کے مارنے سے جہنم کا مستوجب ہوں گا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میرا قتل کرانے کا بالکل ارادہ نہیں، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کراتے ہیں[۲]۔

حضرت عبداللہؓ آنحضرت ﷺ سے گفتگو کر کے سڑک پر آ کر کھڑے ہو گئے، ابن ابی نکلا تو اونٹ سے اتر پڑے اور کہا "تم اقرار کرو کہ میں ذلیل اور محمد ﷺ عزیز ہیں ورنہ میں آگے نہ بڑھنے دوں گا"۔ پیچھے آنحضرت ﷺ تشریف لا رہے تھے، باپ بیٹے کی گفتگو سن کر فرمایا ان کو چھوڑ دو، خدا کی قسم یہ جب تک ہم میں موجود ہیں ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے[۳]۔

غزوۂ تبوک کے بعد ابن ابی نے وفات پائی، حضرت عبداللہؓ آئے اور عرض کی کہ اپنی قمیص اتار دیجئے میں اس میں ان کو کفن دوں گا، اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے دو کرتے زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت عبداللہؓ نے نیچے کا کرتہ پسند کیا کہ آنحضرت ﷺ کا پسینہ اسی میں جذب ہوتا تھا۔ ارشاد ہوا کہ جنازہ تیار ہو تو مجھے خبر کرنا میں نماز پڑھاؤں گا۔

قبر میں اتارے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر قمیص پہنایا، اور لعاب دہن ملا اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ اس پر نماز پڑھیں گے، حالانکہ فلاں روز اس نے یہ الفاظ کہے تھے"۔ آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا "جاؤ اپنی جگہ پر کھڑے رہو"، جب زیادہ اصرار کیا تو ارشاد ہوا کہ "خدا نے مجھے اختیار دیا ہے اگر ۷۰ مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں اس کی مغفرت ہو جائے تو میں اس کیلئے تیار ہوں"۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۷۲۸ [۲] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۹۷ [۳] طبقات ابن سعد۔ ص ۴۶۹

نماز سے فارغ ہوئے تو تھوڑی دیر میں چند آیتیں نازل ہوئیں جن میں ایک یہ تھی:

"ولا تصل علی احد منھم مات ابدا"

یعنی "ان لوگوں کے جنازہ کی ہرگز نماز نہ پڑھو"۔ وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی تائید کی تو ان کو اپنی جسارت پر نہایت تعجب ہوا[1]۔

وفات: حضرت عبداللہؓ نے جنگِ یمامہ میں شہادت پائی۔ یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

فضل وکمال:

فضلائے صحابہؓ میں تھے۔ حضرت عائشہؓ ان سے حدیث روایت کرتی ہیں، لکھنا جانتے تھے اور کبھی کبھی وحی بھی لکھتے تھے[2]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۹، ۸۰، ۸۶ [2] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۹۶

حضرت عتبان بن مالکؓ

نام ونسب :

عتبان نام، قبیلۂ سالم سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عتبان بن مالک بن عمرو ابن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

قبا کے قریب مکان تھا اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔

اسلام : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات اور دیگر حالات :

صاحبِ طبقات کے قول کے مطابق حضرت عمرؓ سے اخوت تھی۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے[1]۔ جب نابینا ہو گئے تو باقی غزوات میں شرکت نہ کر سکے۔

مسجد بنی سالم کے امام تھے۔ مسجد اور مکان کے درمیان ایک وادی پڑتی تھی بارش ہوتی تو تمام پانی وہاں جمع ہو جاتا تھا، نظر کمزور تھی پانی میں سے ہو کر مسجد تک جانا نہایت دشوار تھا۔ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ ایسی حالت میں گھر میں نماز پڑھتا ہوں آپ کسی روز میرے ہاں تشریف لا کر نماز پڑھ دیں تو اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنالوں، فرمایا بہتر ہے میں آؤں گا۔ دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تشریف لائے اور اجازت لے کر اندر داخل ہوئے پوچھا تم کہاں نماز پڑھنا چاہتے ہو، انہوں نے وہ مقام جہاں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے بتا دیا، آنحضرت ﷺ نے وہیں دو رکعتیں ادا کیں، اس کے بعد تھوڑی دیر توقف فرمایا اور گوشت تناول فرما کر واپس تشریف لے گئے[2]۔

نابینا ہونے پر آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اب مکان میں نماز پڑھ سکتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ چونکہ اذان سنتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی[3]۔

منصب امامت پر آخری عمر تک فائز رہے، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوا تھا۔ محمود بن ربیع اس غزوہ سے واپس ہو کر مدینہ آئے تو ملاقات ہوئی ان کا بیان ہے کہ اس وقت بہت بوڑھے ہو گئے تھے، نابینا تھے اور اپنی مسجد کی امامت کرتے تھے[4]۔

وفات : اسی زمانہ میں اس سرائے فانی سے رحلت فرمائی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۵۷۲ [2] ایضاً جلد۱۔ص ۱۵۸ [3] مسند ابن حنبل جلد۴۔ص ۴۳ [4] صحیح بخاری جلد۱۔ص ۱۵۸

فضل وکمال :

صحیحین، مسند ابن حنبل اور مسند ابوداؤد طیالسی میں ان کی حدیثیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرآن اور حدیث سننے کے لئے خاص اہتمام کیا تھا۔ قبا میں رہنے کی وجہ سے مدینہ ۲۔۳ میل دور جاتا ہے اور اس بناء حضرت عمرؓ تک پہنچاتے تھے دوسرے دن حضرت عمرؓ آتے اور واپس جا کر ان کو تمام واقعات بتاتے تھے۔

ان کے مکان کا قصہ جو تمام حدیثوں میں مذکور ہے۔ حضرت انسؓ اس کو ''کنوز حدیث'' میں شمار کرتے تھے اور اپنے بیٹے ابوبکرؓ کو اس کے یاد رکھنے کی تاکید کرتے تھے[1]۔

راویانِ حدیث میں حضرت انس بن مالکؓ، محمود بن ربیع، ابوبکر بن انسؓ، حصین محمد سالمیؓ ہیں۔

اخلاق : تقدس اور حبّ رسول ﷺ مصحفِ اخلاق کے آیات بینات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی قوم کی امامت کرنا کوئی معمولی واقعہ نہیں، معاذؓ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ جیسے اساطین امت مسجدوں کی امامت پر سرفراز ہوتے تھے۔ حضرت عتبانؓ کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ عہدِ نبوت میں ان کو امامت کا لازوال فخر حاصل تھا۔

حبّ رسول ﷺ میں یہ واقعہ کس درجہ حیرت انگیز ہے کہ نابینا اور معذور ہونے کے باوجود صرف فرمانِ نبوت ﷺ کی وجہ سے مسجد میں جا کر پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے ...... اور نابینا ہو کر جماعت کے پابند تھے۔

---

[1] ایضاً۔ جلد ا۔ ص ۱۹

حضرت عبادؓ بن بشر

نام ونسب :

عباد نام، ابوبشر، ابورافع کنیت، قبیلۂ عبدالاشہل سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عباد بن بشر بن وقش بن زغبہ بن زعوراٗ بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج ابن عمرو (بنت) بن مالک بن اوس۔

اسلام : مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

غزوات وحالات :

حضرت ابوحذیفہ ؓ بن عتبہ سے برادری ہوئی ، بدر میں شریک تھے۔ غزوۂ اُحد اور تمام غزوات ومشاہد میں نمایاں حصہ لیا۔

کعب بن اشرف کے قتل میں محمد بن مسلمہ کے ساتھ شریک تھے اور بھی چند اشخاص تھے جن میں بعض کے نام یہ ہیں، ابوعبس بن جبر، ابونائلہ سلکان بن سلامہ، حارث ابن اوس، ابن معاذ اس واقعہ میں چونکہ غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی تھی اور اسلام کے ایک بڑے دشمن کا خاتمہ ہوا تھا اس لئے فرطِ مسرت میں چند اشعار کہے ہیں، جن کو صاحبِ استیعاب نے نقل کیا ہے [1]۔

اصل واقعہ ہم محمد بن مسلمہ کے حالات میں آئندہ دیکھیں گے ان اشعار سے اس کی کسی قدر تفصیل معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عبادؓ بن بشر نے اس کو دو مرتبہ آواز دی اور کہا زرار ہن رکھنے آئے ہیں، وہ جلدی سے باہر آیا محمد بن مسلمہ نے گردن پکڑ کر تلوار کا وار کیا اور ابوعبس نے مار کر کونہ میں ڈال دیا اس جماعت کی کل تعداد ۵ تھی۔

۸ھ میں خندق کا معرکہ پیش آیا، اس میں وہ آنحضرت ﷺ کے خیمہ کا چند انصار کے ساتھ ہر رات پہرہ دیتے تھے [2]۔

حُدیبیہ میں ۶ھ میں قریش نے آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر سن کر خالد بن ولیدؓ کو ۲۰۰ سواروں کے ساتھ آگے بھیجا تھا۔ اس موقع پر عباد بن بشرؓ ۲۰ سواروں کے ساتھ خالد کے سامنے پڑے تھے [3]۔

---

[1] استیعاب جلد۲۔ ص ۴۲۶ [2] طبقات ابن سعد۔ ص ۴۸ [3] ایضاً۔ ص ۶۹

غزوۂ طائف کے بعد محرم ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ نے سلیم اور مزینہ میں صدقات کا عامل بنا کر بھیجا[1]۔

اسی سنہ میں بنی مصطلق میں بھی عامل صدقات ہو کر گئے اور دس روز رہ کر واپس آئے۔ یہاں صدقات وصول کرنے کے علاوہ اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے، یعنی قرآن پڑھاتے تھے اور احکامِ شریعت کی تعلیم دیتے تھے، یہ تمام کام انہوں نے نہایت خوبی سے انجام دیئے۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

"فلم یعد ماامرہ رسول اللہ ولم یضیع حقا"[2]

یعنی "آنحضرت ﷺ نے جو کچھ حکم دیا تھا اس سے سر مو تجاوز نہیں کیا اور کسی حق کو ضائع نہیں کیا"۔

غزوۂ تبوک میں جو ۹ ھ میں ہوا رات کو تمام لشکر کے گرد گشت لگاتے تھے۔ پہرہ دینے والوں کی ایک خاص تعداد تھی اور یہ ان پر افسر بنائے گئے تھے[3]۔

وفات: جنگِ یمامہ میں جو ۱۱ ھ میں ہوئی، نہایت بہادری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس وقت ۴۵ برس کا سن تھا۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال:

حضرت عبادہؓ اکابرِ صحابہؓ میں تھے۔ اس بناپر ان کی حدیثوں کا ہمارے پاس بڑا مجموعہ ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے خلاف ان سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں ایک ابوداؤد میں مندرج ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اشاعتِ حدیث کا وقت نہیں آیا تھا۔ صحابہؓ کثرت سے ہر جگہ موجود تھے جو خود آغوشِ نبوت ﷺ کے پروردہ تھے اس بناء پر بیان روایت اور ترویج حدیث کی ضرورت ہی مفقود تھی۔

اس کے ماسوا آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تمام عرب میدانِ جنگ بن گیا تھا، ہر طرف فتنہ اٹھ رہے تھے مدعیان نبوت کی الگ سازشیں تھیں۔ ایسے وقت میں ظاہر ہے کہ خامۂ وقرطاس کی جگہ تیغ وعلم زیادہ ضروری تھے۔ ان فرائض کے بعد جب کبھی سکون واطمینان نصیب ہوتا، دوسرا فرض بھی ادا کرتے تھے۔ چنانچہ بنو مصطلق میں ۱۰ روز رہ کر قرآن مجید پڑھایا اور شریعت کے تمام ضروری مسائل تلقین کئے۔

---

[1] طبقات ص ۱۱۵ [2] ایضاً ص ۱۱۶ [3] ایضاً ص ۱۲۰

اخلاق : جوشِ ایمان کا نظارہ، غزوات میں معلوم ہوتا تھا، جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی حفاظت میں رات بھر پہرہ دینا اور پھر دن کو شریکِ جہاد ہونا وہ لازوال سعادت ہے جو بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

یہ شب بیداری میدانِ جنگ تک محدود نہ تھی یوں بھی عبادتِ الٰہی میں رات کا بہت سا وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ ؓ کے مکان میں آنحضرت ﷺ تہجد پڑھنے اُٹھے اور حضرت عباد ؓ کی آواز سنی تو فرمایا ''خدا ان کی مغفرت کرے''۔ امام بخاری نے تاریخ میں اور ابو یعلی نے مسند میں حضرت عائشہ ؓ نے نقل کیا ہے کہ ''انصار میں تین شخص سب سے بہتر تھے۔ حضرت سعد ؓ بن معاذ [1]۔ حضرت اسید بن حضیر ؓ۔ حضرت عباد ؓ بن بشر''۔

[1] فتح الباری جلد ۷۔ ص ۹۴

حضرت عبداللہ ؓ بن عتیک

نام ونسب :

عبداللہ نام، خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن عتیک بن قیس بن اسود ابن مری بن کعب بن غنم بن سلمہ۔

ہجرت : ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے۔

غزوات : غزوۂ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے، اُحد اور باقی غزوات میں شریک تھے۔

رمضان ۶ ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو چار آدمیوں پر امیر بنا کر ابورافع کے قتل کرنے کے لئے خیبر بھیجا تھا۔ ابورافع نے آنحضرت ﷺ کے خلاف غطفان وغیرہ کو بھڑکا کر بڑا جتھا اکھٹا کر لیا تھا۔ یہ لوگ شام کے قریب قلعہ کے پاس پہنچے، عبداللہ ؓ نے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جاکر دیکھتا ہوں۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر چادر اوڑھ لی اور حاجت مندوں کی طرح دبک کر بیٹھ گئے۔ دربان نے کہا میں دروازہ بند کرتا ہوں اندر آنا ہو تو آجاؤ۔ اندر جاکر اصطبل نظر آیا اسی میں چھپ رہے۔ ارباب قلعہ کچھ رات تک ابورافع سے باتیں کرتے رہے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں میں جاجا کر سو رہے۔

سناٹا ہوا تو حضرت عبداللہ ؓ نے دربان کو غافل پا کر پھاٹک کھولا اور ابورافع کی طرف چلے وہ بالا خانہ کی طرف رہتا تھا اور بیچ میں بہت سے دروازے پڑتے تھے۔ یہ جس دروازے سے جاتے اس کو اندر سے بند کر لیتے تاکہ شور ہونے پر کوئی ابورافع تک نہ پہنچ سکے۔ ان مراحل کے طے کرنے کے بعد ابورافع کا بالا خانہ نظر آیا۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اندھیرے کمرے میں سو رہا تھا۔ انہوں نے پکارا ابورافع! بولا کون؟ جس طرف سے آواز آئی تھی بڑھ کر اسی سمت تلوار ماری لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

وہ چلایا یہ فوراً باہر نکل آئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر اندر گئے اور آواز بدل کر کہا ابورافع کیا ہوا۔ بولا، ابھی ایک شخص نے تلوار ماری، انہوں نے دوسرا وار کیا۔ لیکن وہ بھی خالی گیا۔ اس مرتبہ اس کے شور سے تمام گھر جاگ اُٹھا۔ انہوں نے باہر نکل کر پھر آواز بدلی اور ایک فریاد رس کی طرح اندر جا کر کہا،

میں آ گیا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا انہوں نے دیکھ لیا اور اس کے پیٹ میں اس زور سے تلوار کونچی کی گوشت کو چیرتی ہوئی ہڈیوں تک جا پہنچی۔ اس کا فیصلہ کر کے جلد سے باہر بھاگے۔ عورت نے آواز دی کہ لینا جانے نہ پائے۔ چاندنی رات تھی اور آنکھوں سے کم نظر آتا تھا۔ زینہ کے پاس پہنچ کر پیر پھسلا اور لڑھکتے ہوئے نیچے آ رہے۔ پیر میں زیادہ چوٹ لگی تھی تاہم اُٹھ کر عمامہ سے پنڈلی باندھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کوڑے کے ڈھیر میں چھپ رہے۔

اِدھر تمام قلعہ میں ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ ہر طرف روشنی کی گئی اور حارث ۳ ہزار آدمی لے کر ڈھونڈنے کے لئے نکلا لیکن ناکام واپس آ گیا۔ حضرت عبداللہ ؓ نے ساتھیوں سے کہا کہ اب تم جا کر رسول اللہ ﷺ کو بشارت سناؤ میں اپنے کانوں سے اس کے مرنے کی خبر سن کر آتا ہوں۔

صبح کے وقت ایک شخص نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر با آواز بلند پکارا کہ ابورافع تاجر اہلِ حجاز کا انتقال ہو گیا۔ عبداللہ ؓ یہ سن کر نکلے اور بڑھ کر ساتھیوں سے جا ملے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری سنائی، آپ نے ان کا پیر دستِ مبارک سے مَس فرمایا اور وہ بالکل اچھے ہو گئے[1]۔

حضرت عبداللہ ؓ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ابن انیس، ابوقتادہ، اسود بن خزاعی، مسعود بن سنان[2]۔

۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی ؓ کو ۱۵۰ انصار پر افسر مقرر کر کے بنو طے کا بُت توڑنے کے لئے بھیجا تھا اس میں جو کچھ پرانا اسباب اور گائیں ہاتھ لگی تھیں ان کے نگران حضرت عبداللہ ؓ تھے[3]۔

وفات: جنگِ یمامہ ۱۲ھ میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت کا دور تھا۔

اولاد: ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا۔ مسند میں ان کی ایک حدیث موجود ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۷، ۵۷۸ و طبقات ابن سعد۔ ص ۶۶ [2] طبقات ص ۶۶ [3] ایضاً ص ۱۱۸

حضرت عباس رضؓ بن عبادہ بن نضلہ

نام ونسب :

عباس نام، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے۔ عباس بن عبادۃ ابن نضلہ بن مالک بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف ابن خزرج۔

اسلام : بیعتِ عقبہ میں شریک تھے انصار بیعت کے لئے مجتمع ہوئے تو انہوں نے کہا بھائیو جانتے ہو! تم رسول اللہ ﷺ سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلانِ جنگ ہے اس میں تم کو بہت سے خطروں کا سامنا ہوگا۔ ذی اثر لوگ مارے جائیں گے، مال تلف ہوگا، پس اگر ان مشکلات کا مقابلہ کرسکو تو بسم اللہ بیعت کرلو ورنہ بیکار دین ودنیا کی ندامت سر پر لینے سے کیا فائدہ۔

انصار نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) بیعت کر کے اگر ہم وعدہ وفا کریں گے تو کیا اجر ملے گا؟ ارشاد ہوا کہ جنت ! سب نے کہا تو پھر ہاتھ پھیلایئے، بیعت ختم ہوئی تو حضرت عباس ابن عبادہؓ نے کہا آپ ﷺ پسند فرمائیں تو ہم یہیں میدان کارزار گرم کردیں، فرمایا ابھی اس کی اجازت نہیں۔

حضرت عباسؓ بیعت کر کے مکہ میں مقیم ہوگئے لیکن جب ہجرت کا حکم ہوا تو مہاجرین مکہ کے ہمراہ مدینہ آئے اس بناء پر وہ مہاجری انصاری ہیں۔ مصنف اصابہ کے نزدیک وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان یعنی اصحابِ صفہ میں داخل تھے۔

غزوات ودیگر حالات :

مدینہ آکر حضرت عثمانؓ بن مظعون سے کہ اکابر مہاجرین میں سے تھے، رشتۂ اخوت قائم ہوا۔ بدر میں شریک نہ تھے۔

وفات : غزدۂ اُحد میں شریک ہوئے اور لڑ کر شہادت پائی۔

اخلاق : جوشِ ایمان اور حبِ رسول ﷺ کا نظارہ بیعتِ عقبہ میں بخوبی ہو چکا ہے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن زید

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، صاحب الاذان لقب، قبیلۂ خزرج سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبدربہ بن ثعلبہ بن زید بن حارث ابن خزرج۔

ان کے والد جن کا نام زید بن ثعلبہ تھا، صحابی تھے۔

اسلام : بیعتِ عقبہ میں شامل تھے۔

غزوات اور دیگر حالات :

۱ھ میں تعمیرِ مسجدِ نبوی ﷺ کے بعد آنحضرت ﷺ نے نماز کے طریقۂ اعلان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائے دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر علم بلند کر دیا جائے، کسی نے تجویز پیش کی کہ ناقوس بجایا جائے لیکن اس میں نصاریٰ کی مشابہت تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ تاہم اس وقت اسی پر اتفاق ہوا اور آپ نے اجازت دے دی۔

رات کو حضرت عبداللہؓ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ناقوس لئے کھڑا ہے۔ پوچھا بیچو گے؟ بولا کیا کرو گے؟ کہا نماز کے وقت بجائیں گے، اس نے کہا اس سے بہتر ترکیب بتاتا ہوں اور اذان بتائی۔ صبح اُٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور اس بشارت غیبی کا ذکر کیا۔ فرمایا، یہ خواب بالکل سچا ہے تم اُٹھ کر بلال کو بتاؤ، وہ اذان پکاریں۔

حضرت بلالؓ نے اذان دی تو حضرت عمرؓ گھر سے چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ خدا کی قسم میں نے بھی خواب میں یہی الفاظ سنے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دو مسلمانوں کے اس حسنِ اتفاق پر خدا کا شکر ادا کیا۔

(جامع ترمذی۔ ص ۲۷ ، و مسند جلد ۱۔ ص ۴۳)

اذان کے بعد جماعت کھڑی ہوئی۔ بلالؓ اقامت کہنا چاہتے تھے کہ حضرت عبداللہؓ نے کہا اقامت میں کہوں گا[1]۔

---

[1] مسند جلد ۴۔ ص ۴۲

اذان کے لئے حضرت بلال ؓ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت عبداللہ ؓ سے زیادہ بلند آواز تھے، چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ ؓ سے فرمایا کہ تم بلال ؓ کو اذان کے وہ الفاظ بتاؤ تو اس کے ساتھ یہ بھی کہا:

"فانہ اندی وامد صوتا منک" یعنی "وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں"۔

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان جو درحقیقت نماز کا دیباچہ اور اسلام کا شعار اعظم ہے، حضرت عبداللہ ؓ کی رائے سے قائم ہوئی، ہاتف غیب کا رویاء حق، آنحضرت ﷺ کا اس کو صحیح سمجھنا اور پھر مسلمانوں میں بالا جماع اس پر عملدرآمد ہونا یہ وہ فضیلت وشرف ہے جس سے حضرت عبداللہ ؓ قابلِ رشک ٹھہرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمر ؓ نے آنحضرت ﷺ کو یہ مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس میں اذان کے الفاظ کا ذکر تک نہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے اپنے خواب کو بیس دن تک چھپایا، جب حضرت بلال ؓ نے اذان دی تو اس وقت آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔ ارشاد ہوا تم نے پہلے خبر کیوں نہ دی؟ عرض کی عبداللہ ؓ سبقت کر چکے تھے، اس لئے مجھے شرم معلوم ہوئی [1]۔

یہ روایت قطع نظر اس کے کہ حضرت عمر ؓ کی فطرت کے بالکل مخالف ہے، فحوائے حدیث کے بھی موافق نہیں، اذان کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں اس میں قدر مشترک یہ ہیکہ آنحضرت نے دن کو جلسہ میں مشورہ کیا اور اسی میں ایک بات طے پا گئی۔ حضرت عبداللہ ؓ بن زید کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقوس بجنا طے پا گیا تھا کہ رات کو انہوں نے خواب دیکھا اور فجر کے وقت اذان پکاری گئی اس بناء پر حضرت عبدا للہ ؓ بن زید کی حدیث حضرت ابن عمر ؓ کی حدیث مندرجۂ بخاری کی گویا تفسیر وتشریح ہے۔ امام بخاری کو بھی یہ حدیث معلوم تھی لیکن چونکہ ان کی شرائط کے لحاظ سے کم مرتبہ تھی اس لئے انہوں نے صحیح میں درج نہ کی [2]۔

حقیقت یہ ہے کہ ان روایات سے کسی کے تقدم وتاخر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے عمداً اس بحث سے گریز کیا ہے۔ ورنہ طبرانی کی روایت کے مطابق تو حضرت ابوبکر ؓ نے بھی اذان کا خواب دیکھا تھا۔ امام غزالی نے وسیط میں لکھا ہے، دس شخصوں سے زیادہ اس میں شریک تھے، جبلی نے شرح تنبیہ میں ۱۴ اشخاص کی تعین کی ہے۔ مغلطائی نے بالکل صحیح لکھا کہ یہ تمام روایتیں

---

[1] فتح الباری جلد ۲۔ ص ۶۶ [2] فتح الباری جلد ۲۔ ص ۶۳

ناقابلِ استناد ہیں، صرف حضرت عبداللہؓ بن زید اور بعض طرق سے حضرت عمرؓ کا قصہ پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے[۱]، لیکن ان دونوں صاحبوں میں بھی حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت متعدد طرق سے ثابت ہے اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے ان سے اس قصہ کو نقل کیا ہے[۲]۔

تمام روایتوں سے ثابت ہوگیا کہ اذان کا خواب جس کسی نے بھی پہلے دیکھا ہو لیکن وہ اور اس کی تعبیر جس ذاتِ گرامی سے منسوب ہوئی وہ حضرت عبداللہؓ بن زید بن عبدربہ ہیں اور اسی وجہ سے وہ ''صاحبِ اذان'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اس عظیم الشان فخر سے مفتخر ہونے کے بعد سعادت ابدی کی اور بہت سی راہوں سے بھی بہرہ یاب ہوئے، چنانچہ ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا، انہوں نے اس میں شرکت کا شرف حاصل کیا، اس کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

غزوۂ مکہ کی شاندار فتح میں بنو حارث بن خزرج کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا[۳]۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے بکریاں تقسیم فرمائیں تو یہ پاس ہی کھڑے تھے ان کو کچھ نہ دیا، لیکن قسمت میں ایک لازوال دولت لکھی تھی، آپ نے بال بنوائے تھے، کچھ ان کو عنایت کئے باقی اور لوگوں میں تقسیم ہوئے، یہ بال جو مہندی سے رنگے ہوئے تھے، ان کے خاندان میں تبرکاً محفوظ رہے[۴]۔

وفات : ۳۲ھ میں بعمر ۶۴ سال انتقال فرمایا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احد میں شہید ہوئے تھے، اور ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ عبداللہؓ کی صاحبزادی جب حضرت عمرؓ کے ہاں گئیں تو کہا کہ میرے باپ بدر میں شریک تھے اور احد میں شہید ہوئے، حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر جو مانگنا ہو مانگو، انہوں نے کچھ مانگا اور کامیاب واپس آئیں[۵]۔

یہ حلیہ کی روایت ہے، لیکن مسند اور تمام کتب رجال میں اس کے خلاف روایتیں ہیں، اس لئے یہ کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے، اس کے ماسوا یہ خیال حاکم کا ہے اور انہوں نے مستدرک میں خود اس کے خلاف رائے ظاہر کی ہے۔

اولاد : ایک صاحبزادی تھیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا، ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا آنحضرت ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے۔

۱؎ ایضاً ۲؎ ایضاً جلد ۲۔ ص ۶۶ ۳؎ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۶۸ ۴؎ مسند جلد ۴۔ ص ۴۲
۵؎ اصابہ جلد ۴۔ ص ۴۷

فضل وکمال :

امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ان سے صرف ایک حدیث اذان کے متعلق مروی ہے امام ترمذی بھی اس کی تائید کرتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر کو ۶، ۷ حدیثیں ملی تھیں، جن کو انہوں نے علیحدہ ایک جزء میں جمع کر دیا ہے[1]۔

ان کے راویانِ حدیث کے زمرہ میں حسب ذیل نام ہیں، محمد، عبداللہ بن محمد، سعید بن مسیّب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔

اخلاق : عسرت وتنگی میں خدا کی راہ میں ایثار نفس، اخلاق کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، حضرت عبداللہؓ کے پاس بہت قلیل جائیداد تھی، جس سے وہ اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے تھے،، لیکن انہوں نے کل کی کل صدقہ کردی ان کے باپ نے آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ان کو بلا کر فرمایا کہ خدا نے تمہارا صدقہ قبول کیا۔ لیکن اب باپ کی میراث کے نام سے تم کو واپس دیتا ہے۔ تم اس کو قبول کرلو[2]۔

[1] تہذیب جلد ۵۔ ص ۲۲۴	[2] اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۲۳۳

حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم

نام ونسب :

عبداللہ نام ہے۔ابو محمد کنیت،قبیلۂ خزرج سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے : عبداللہ بن زید، بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن ابن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ماں کا نام اُم عمارہ تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔مشہد بیعت رضوان میں موجود تھے[1]۔جنگ یمامہ میں نہایت نمایاں حصہ لیا۔مسیلمۂ کذاب مدعی نبوت نے ان کے بھائی حبیب ابن زید کو قتل کرادیا تھا۔حضرت عبداللہ وقت کے منتظر تھے۔جنگ یمامہ میں خوش قسمتی سے موقع مل گیا۔حضرت وحشیؓ نے مسیلمہ کو تیر مارا،پھر حضرت عبداللہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا اور قتل کردیا[2]۔

وفات : ۶۳ھ میں خود قتل ہوئے۔یزید بن معاویہ کی خلافت سے تمام مدینہ بیزار تھا۔اس بنا پر اس کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ انصاری سے بیعت کی۔یزید نے ایک لشکر بھیجا۔حضرت ابن حنظلہؓ نے تمام شہر سے جہاد پر بیعت لینا شروع کی۔حضرت عبداللہؓ کو خبر ہوئی،تو پوچھا بیعت کی شرط کیا ہے؟ جواب ملا موت! بولے کہ میں رسول ﷺ کے بعد کسی سے اس شرط پر بیعت نہیں کرسکتا[3]۔

لیکن چونکہ یہ حق و باطل کا معرکہ تھا۔اپنے دو بیٹوں کے ساتھ میدان میں پہنچے اور وہیں شہادت حاصل کی۔یہ ماہ ذی الحجہ کی اخیر تاریخوں کا واقعہ ہے۔

اس وقت بقول واقدی وہ ۷۰ برس کے تھے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں غزوہ احد میں ان کی شرکت مسند میں بالتصریح مذکور ہے[4]۔اور اسماء الرجال کے تمام مصنفین کا بھی اس پر اتفاق ہے، بلکہ بعض نے تو بدر کی شرکت بھی تسلیم کی ہے غزوہ کی شرکت کے لئے ۱۵ سال کی عمر شرط ہے،اس بنا پر وہ احد میں کم از کم پندرہ برس کے ضرور تھے اور اس لئے وفات کے وقت ان کی عمر ۷۵ سال ٹھہرتی ہے۔

اولاد : دو لڑکے تھے،خلاد اور علی،حرہ میں قتل ہوئے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۵۹۹ [2] اسد الغابہ جلد ۳۔ص ۱۶۸ [3] بخاری جلد ۲۔ص ۵۹۹
[4] مسند جلد ۴۔ص ۴۱۔

فضل وکمال :

چند حدیثیں روایت کیں، راویوں کے نام یہ ہیں، عباد بن تمیم (بھتیجے تھے) سعید بن مسیّب، یحییٰ بن عمارہ، واسع بن حیان، عبادہ بن حبیب، ابوسفیان مولیٰ ابن ابی احمد۔

اخلاق : حب رسول کا منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، وہ پانی لائے اور آپ نے وضو کیا[1]، آپ نے جس طرح وضو کیا تھا انہوں نے یاد کرلیا، چنانچہ ایک زمانہ کے بعد جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی کیفیت پوچھی تو خود اسی طرح وضو کر کے بتلایا[2]۔

---

[1] مسند جلد ۴۔ص ۴۰۔ [2] ایضاً جلد ۴۔ص ۳۸۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن یزید خطمی

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبداللہ ابن یزید بن زید بن حصن بن عمرو بن حارث بن خطمہ بن خثم بن مالک بن اوس۔

والد جن کا نام یزید تھا، صحابیت کے شرف سے ممتاز تھے، احد اور مابعد کے غزوات میں شریک ہوئے اور فتح مکہ کے قبل وفات پائی۔

اسلام : عبداللہؓ اپنے والد کے ساتھ ایمان لائے۔

غزوات : بیعت رضوان میں شرکت کی، اس وقت ۱۷ برس کا سن تھا، بعد میں جو غزوات ہوئے ان میں بالالتزام حصہ لیا۔

جسر ابی عبید کے واقعہ میں جو شعبان ۱۳ھ میں تھا شکست کی خبر مدینہ لے کر یہی گئے تھے[1]۔

جناب امیرؓ کے عہد خلافت میں جو معرکے ہوئے سب میں ان کے ساتھ شریک رہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد میں کچھ دنوں مکہ معظمہ کے امیر تھے لیکن چونکہ مکہ خود حضرت عبداللہؓ کا مستقر خلافت تھا، اس لئے نائب کی ضرورت نہ تھی، اس بنا پر وہ اس عہدہ سے سبکدوش کر دیئے گئے اور وہیں ٹھہر گئے[2]۔

یزید کی وفات کے ۳ ماہ بعد ۶۵ھ میں حضرت ابن زبیرؓ نے ان کو کوفہ کا امیر بنایا اس زمانہ میں شعبی ان کے کاتب (میر منشی) تھے۔ اس کے بعد کوفہ کی سکونت اختیار کی اور مکان بنوایا۔

وفات : اسی عہد میں وفات پائی۔

اولاد : ایک لڑکا مسمی بہ موسیٰ اور ایک لڑکی (عدی بن ثابت کی ماں) یادگار چھوڑی۔

فضل وکمال :

فضلائے صحابہؓ میں تھے[3]، اور امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں فقہ وفتاویٰ میں مرجع عام بن گئے تھے[4]۔

---

[1] اصابہ جلد ۴۔ ص ۱۴۳۔ [2] ایضاً۔ [3] اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۲۷۴ [4] یعقوبی جلد ۲۔ ۴۸۶

باایں ہمہ فضل وکمال ان کے سلسلہ سے صرف ۲۷ روایتیں ہیں، جن میں بعض جناب رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں، اور بعض حضرت ابوایوب انصاریؓ، ابن مسعودؓ، قیسؓ بن سعد، ابن عبادہؓ، حذیفہؓ بن الیمان، زید بن ثابتؓ، براء بن عازب اور حضرت عمرؓ کی کتاب سے روایت کی تھیں۔

راویانِ حدیث کے سلسلہ میں حسب ذیل حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے، موسیٰ (بیٹے تھے) عدی بن ثابت (نواسے تھے) محارب بن وثار، شعبی، ابواسحاق سبیعی، محمد بن کعب قرظی ابن سیرین، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، ابوجعفر فراء۔

اخلاق: مصنف اصابہ لکھتے ہیں۔ "کان من اکثر الناس صلاۃ و کان لایصوم الایوم عاشوراء"[۱] نمازوں کی کثرت میں اپنے اقران سے عموماً ممتاز تھے البتہ روزہ (رمضان کے علاوہ) صرف عاشوراء کے دن رکھتے تھے۔

---

[۱] اصابہ جلد ۲-۱ص ۳۸۲ ، حرف عین

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن شبل

نام ونسب :

عبدالرحمٰن نام ہے۔قبیلۂ اوس سے ہیں۔عبدالرحمٰن بن شبل بن عمرو بن زید بن نجدہ ابن مالک بن اوذان بن عمرو بن عوف بن عبدعوف بن مالک بن اوس۔

جاہلیت میں مالک بن لوذان کی اولاد بنوصماء کہلاتی تھی۔صماءقبیلہ مزینہ کی ایک عورت کا نام تھا جو مالک کی بیوی تھی۔آنحضرت نے مکروہ سمجھ کر بنوسمیعہ نام رکھا۔

عام حالات :

انصار کے نقیبوں[1] میں ان کا بھی شمار تھا (غالباً بیعتِ عقبہ کے نقیب مراد نہیں)۔عہدِ نبوت کے بعد شام کی سکونت اختیار کی اور حمص میں قیام کیا۔

وفات : امیر معاویہ ؓ کے عہدِ حکومت میں فوت ہوئے۔

اولاد : حسبِ روایت ابن سعد ۳ بیٹے اور ایک بیٹی یادگار چھوڑی۔ان کے نام یہ ہیں، عزیر، مسعود، موسیٰ، جمیلہ۔

فضل وکمال :

علمائے صحابہ میں تھے[2]۔امیر معاویہ ؓ نے ان کے پاس خط لکھا کہ آپ نے جو حدیثیں سنی ہوں لوگوں کو اس سے آگاہ کردیجئے۔حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے مجمع کرکے چند حدیثیں بیان کیں[3]۔

بعض روایتوں میں ہے :

"بعث معاویۃ الیٰ عبد الرحمن بن شبل انک من فقھاء اصحابہ رسول اللہ وقد مائھم فقم فی الناس وعظھم"۔

"امیر معاویہ ؓ نے کہلا بھیجا کہ آپ فقہاء اور قدماء صحابہ میں سے ہیں، اس لئے لازم ہے کہ وعظ کہا کریں"۔

---

[1] صابہ جلد۴۔ص۱۶۳۔ [2] خلاصہ تہذیب۔ [3] مسند جلد۳۔ص۴۴۴۔

امیر معاویہ ؓ سے ملے تو انہوں نے کہا کہ جب آپ میرے ہاں آئیں تو کوئی حدیث روایت کریں۔ استقصاء سے ۱۴ حدیثیں دستیاب ہوئیں لیکن مشہور صرف تین ہیں۔ یہ حدیثیں ادب المفرد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں مذکور ہیں۔

راویانِ حدیث کے نام یہ ہیں۔ تمیم بن محمود، ابوراشد حرانی، یزید بن خمیر، ابو سلام اسود۔

حضرت عثمانؓ بن حنیف

نام ونسب :

عثمان نام، ابوعمر وکنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے عثمان ابن حنیف بن واہب بن العکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن حنش بن عوف ابن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام : اپنے برادر اکبر حضرت سہل بن حنیفؓ کے ساتھ مسلمان ہوئے۔

غزوات : احد اور مابعد کے غزوات میں شرکت کی امام ترمذی کے نزدیک بدر میں بھی شریک تھے، لیکن یہ رائے جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

دیگر حالات :

عراق اور کوفہ فتح ہو گئے تو ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ نے خراج کے نظم ونسق کی طرف توجہ کی ان کا یہ عام اصول تھا کہ ہر ملک کا انتظام وہاں کے قدیم رسم ورواج کے موافق کسی قدر اصلاح کے ساتھ بحال رکھتے، لیکن عراق میں اس وقت جو مالگذاری کا طریقہ رائج تھا، اس میں قدیم دستور کے خلاف مختلف تبدیلیاں ہو چکی تھیں، اس بناء پر حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لئے عراق کی پیمائش کا فیصلہ کیا۔

چونکہ اس کام کے لئے دیانت وامانت کے علاوہ پیمائش اور حساب کا جاننا نہایت ضروری تھا اور اس زمانہ میں عرب عموماً ان چیزوں سے نا آشنا تھے، اس لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب میں سخت دقت پیش آئی۔ مجلس شوریٰ قائم کر کے اس کے سامنے انتخاب کا مسئلہ پیش کیا تمام صحابہؓ نے عثمانؓ بن حنیف کے لئے بالاتفاق رائے دی اور کہا کہ اس سے بھی زیادہ اہم کام انجام دینے کی قابلیت رکھتے ہیں[1]۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے اجماع سے عثمانؓ بن حنیف کو بندوبست کی تولیت کے لئے نامزد فرمایا۔

چلتے وقت پیمانہ بنا کر دیا[2]۔ حضرت عثمانؓ نے اسی کے بموجب پیمائش کی اس موقع پر جو احتیاط ان کی جانب سے وقوع میں آئی اس کو قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں اس طرح بیان کرتے ہیں[3] :

"کان عثمان عالما بالخراج فمسحها مساحة الدیباج"۔

"عثمان کو خراج میں پوری واقفیت تھی اس بناء پر زمین کو اس اہتمام کے ساتھ پیمائش کیا جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے"۔

---

[1] استیعاب جلد ۲۔ ص ۴۹۵۔ [2] یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔ [3] کتاب مذکور۔ ص ۲۲،۲۱۔

یہ کام کئی مہینے تک جاری رہا، پہاڑ، صحرا، اور دریا کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ۶۰ لاکھ جریب ٹھہری[1]۔ پہاڑ وغیرہ کی پیمائش کو خود حضرت عمرؓ نے منع کر دیا تھا[2]۔

بندوبست ختم ہوا تو کوفہ کے صاحب الخراج (کلکٹر) مقرر ہوئے، مصنف استیعاب لکھتے ہیں[3]۔

ولاه عمر مساحة الارضين وجباتيها وضرب الخراج والجزية على اهلها.

''حضرت عمرؓ نے ان کو زمین کی پیمائش مالگذاری کی وصولی اور خراج کی وجزیہ کی تشخیص پر مامور کیا تھا''۔

اس عہدہ پر مامور ہونے کے بعد انہوں نے مالگذاری کی تشخیص کی اور حسب ذیل شرح پر لگان مقرر کی[4]۔

انگور	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	۸ " "
نیشکر	"	۶ " "
گیہوں	"	۴ " "
جو	"	۲ " "

جزیہ کی شرح ذیل تھی:

امراء سے	۴۸ درہم سال
متوسطین سے	۲۴ " "
غرباء سے	۱۲ " "

عورتیں اور بچے جزیہ سے مستثنیٰ تھے[5]۔

جزیہ کے وصول کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ذمیوں کے روساء جن کو دہقان کہتے تھے ان کو لے کر عدالت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت عثمانؓ ان سے روپے لیتے اور مہر لگاتے، چنانچہ ۵ لاکھ ذمیوں کے مہریں لگائیں، اس کے بعد ان کو سرداروں کے سپرد کیا اور انگوٹھیاں توڑ ڈالی گئیں[6]۔

بندوبست جس اہتمام اور خوبی سے ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے ہی سال خراج کی مقدار ۸ کروڑ سے ۱۰ کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی[7] اس کے بعد برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔

---

۱ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔ ۲ استیعاب جلد ۲۔ ص ۹۴۵۔ ۳ کتاب الخراج۔ ص ۲۰۔ ۴ کتاب الخراج۔ ص ۲۰، ۲۱ و یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔ ۵ ایضاً۔ ص ۲۳۔ ۶ ایضاً۔ ص ۷۳۔ ۷ یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴

خاص کوفہ جو خود ان کا دارالامارۃ تھا، اس کی آمدنی میں حیرت انگیز ترقی ہوئی چنانچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے ایک سال قبل کا خراج ایک کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ (استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۴۹۶)

تشخیص میں جس قدر نرمی اور آسانی کی گئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ۳۔۴ سال قبل عثمانؓ اور حذیفہؓ مدینہ آئے تو انہوں نے فرمایا "شاید تم نے زمین پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے" اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے جو جواب دیا یہ تھا[1]۔

"لقد ترکت النصف و لو الشئت لاخذته"۔

"میں نے آدھا چھوڑ دیا ہے آپ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے"۔

بااین ہمہ جب خراج روانہ ہوتا تو کوفہ اور بصرہ کے دس دس آدمی مدینہ جاتے اور حضرت عمرؓ کے سامنے شرعی قسم کھا کر کہتے کہ اس میں کسی مسلمان یا ذمی سے ایک حبہ بھی جبراً وصول نہیں کیا گیا ہے[2]۔

حضرت عثمانؓ نے جس قابلیت سے خراج اور جزیہ کی تشخیص کی تھی اس کا مقتضایہ تھا کہ سلطنت کے دوسرے صوبوں میں بھی اس کو نافذ کیا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حاکم بصرہ کو حکم بھیجا کہ تم بصرہ میں کوفہ کے مطابق خراج مقرر کرو[3]۔

کوفہ کی آمدنی وہاں کے خزانہ میں جمع رہتی تھی دارالخلافہ کو ۲ کروڑ سے ۳ کروڑ تک بھیجا جاتا تھا[4]۔

ملک کی اس کثیر آمدنی میں سے حضرت عثمانؓ کو جو کچھ ملتا تھا وہ قابل ذکر ہے ابن واضح کاتب عباسی لکھتے ہیں[5]۔

"واجری علی عثمان بن حنیف خمسة درهم فی کل یوم و جرابا من دقیق"

"عثمان کو ۵ درہم یومیہ اور ایک تھیلی آٹا ملتا تھا"۔

قاضی ابویوسف صاحب نے گوشت کے متعلق بھی تصریح کی ہے یعنی ایک بکری کے تین حصے ہوتے تھے، ایک حصہ والی کو، ایک قاضی کو، اور ایک عثمانؓ کو ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے فرمایا تھا کہ "میں اور تم اس مال سے اس قدر لے سکتے ہیں جتنا ایک یتیم کا کفیل یتیم کی جائداد سے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو غنی ہو ایثار کرے اور جو محتاج ہو وہ مناسب رقم لے، کیونکہ جو زمین ایک بکری روزانہ دے گی، خدا کی قسم بہت جلد تباہ ہو جائے گی[6]۔

---

[1] کتاب الخراج۔ ص ۲۱۔ [2] ایضاً۔ ص ۶۵۔ [3] یعقوبی جلد ۲۔ ص ۱۷۴، ۱۷۵۔ [4] ایضاً۔ ۱۷۵۔
[5] ایضاً۔ ص ۱۷۴۔ [6] کتاب الخراج۔ ص ۲۰

خلافت فاروقی کے بعد خلافت عثمانی میں مدینہ آئے[1]، اور حضرت علیؓ کے عہد مبارک میں بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے، ابھی چند ماہ گذرے تھے، کہ حجاز سے ایک طوفان اٹھا جس نے بصرہ کے قصر امن وامان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خروج کے لئے اسی مقام کوتاکا تھا، یہاں پہلے سے ان بزرگوں کا اثر قائم تھا، اس بناء پر حضرت عثمانؓ بن حنیف کو رفع شور وشر اور قیام امن میں طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں۔ یہ سیلاب بصرہ پہنچا تو امن وسکون کی دیواریں ہل گئیں، لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو خبر کی۔ انہوں نے دو آدمیوں کو اس لشکر کے سرگروہوں کے پاس روانہ کیا، لیکن جواب نہایت مایوس کن ملا، حضرت عثمانؓ نے سن کر کہا،" اناللہ وانا الیہ راجعون دارتہ حی لا سلام ورب الکعبة":

افسوس! مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی لوگوں سے مشورہ کر کے مدافعت کے لئے تیار ہوئے، حجازی گروہ شہر کے قریب پہنچا تو حکومت کی فوج مزاحم ہوئی جس میں لڑائی تک نوبت پہنچی، اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی پُر اثر آواز نے افواجِ حکومت پر سحر وافسوں کا کام کیا اور دو فرقے پیدا ہو گئے، جن میں سے ایک ٹوٹ کر حجازیوں سے جاملا نتیجہ یہ ہوا کہ افواجِ حکومت نے شکست کھائی اور ایک صلح نامہ مرتب کیا گیا جو بجنسہٖ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا ما اصطلح عليه طلحة و الزبير و من معهمامن المومنين و المسلمين وعثمان بن حنيف و من معه من المؤمنين و المسلمين ان عثمان يقيم حيث ادركه الصلح على مافي يده وان طلحة و الزبير يقيمان حيث ادركهما الصلح على ما في ايديهما حتى يرجع امين الفريقين كعب بن سور من المدينة ولايضار واحد من الفريقين الاخرفي مسجدو لا سوق ولا طريق ولا فرضة بينهم عيبة مفتوحة حتى يرجع كعب بالخير فان رجع بان القوم اكرهو طلحة و الزبير فالا مرار هماوان شاء عثمان خرج حتى يلحق بطيتة وان شاء دخل معهما وان رجع بانهمالم يكرهافالامرامر عثمان فان شاء طلحة و الزبير اقاما على طاعة على وان شاء اخرجا حتى يلحقا بطيتهما و المومنون اعوان الفالح منهما .

---

[1] مسند جلد ۴۔ ص ۱۳۸۔

صلح نامہ کے بموجب کعب بن سوراز دی مدینہ گئے اور جمعہ کے دن مسجد نبوی میں مجمع عام سے سوال کیا کہ کیا طلحہ ؓ وزبیر ؓ نے جبراً بیعت کی! تمام مجمع خاموش تھا، لیکن اسامہ ابن زید ؓ بول اٹھے کہ خدا کی قسم انہوں نے جبراً بیعت کی! اس پر مجمع کے کچھ لوگ اسامہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے ان کی طرف بڑھے، حضرت ایوب ؓ، محمد بن مسلمہ ؓ اور دیگرا کابر صحابہ ؓ نے حضرت اسامہ ؓ کو خطرہ میں دیکھ کر بیک زبان کہا ہاں انہوں نے جبراً بیعت کی اسامہ ؓ کو چھوڑ دو، اس آواز پر مجمع منتشر ہو گیا، اور حضرت اسامہ ؓ کی جان بچ گئی، کعب کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا۔ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

حضرت علی ؓ نے عثمان ؓ بن حنیف کو ایک خط لکھا کہ طلحہ ؓ اور زبیر ؓ کو اگر مجبور بھی کیا گیا تو عام مسلمانوں کے اتفاق اور اجماع پر نہ کہ تفریق و اختلاف پر اس لئے وہ بیعت توڑتے ہیں تو مجھے کیا جواب دیں گے اور اگر اس کے سوا کوئی اور ارادہ ہے تو ان کو اور ہم کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ یہ خط اگرچہ سرتاپا حق وصداقت تھا تاہم مخالف کے مفید مطلب تھا کعب نے بصرہ پہنچ کر سارا حال بیان کیا تو صلح نامہ کالعدم ہو گیا۔ اور حضرت طلحہ ؓ وزبیر ؓ کی طرف سے شہر خالی کرنے کا مطالبہ پیش ہوا، حضرت عثمان ؓ نے جواب دیا کہ اب بحث دوسری پیدا ہو گئی، چونکہ امنگ و جوش کا فیصلہ دلیل و بحث کے بجائے تیغ و خنجر کی زبان کرتی ہے۔

حضرت طلحہ ؓ وزبیر ؓ نے رات کے وقت اپنی جماعت کے آدمیوں کو جامع مسجد بھیجا، عشاء کا وقت تھا، اندھیری رات اور سردی کا موسم حضرت عثمان ؓ کے برامد ہونے میں دیر ہو گئی، ان لوگوں نے اپنی جماعت کے ایک شخص عتاب بن اسید کو امام بنا کر آگے بڑھا دیا، چونکہ امامت اس زمانہ میں لازمۂ حکومت تھی، اور بڑی اہمیت رکھتی تھی، اس لئے زط اور سیابچہ نے جو شہر کے انتظام کے لے مقرر تھے، عتاب کو امامت سے روکا جس میں تلوار تک نوبت پہنچی۔

ان لوگوں نے سپاہیوں کو ایک طرف مصروف کر کے قصر امارت کا رخ کیا چونکہ نماز عشا بہت دیر میں پڑھی جاتی تھی۔ اس لئے پہرہ دار جو تعداد میں ۴۰ تھے سو گئے۔ یہ لوگ موقع پا کر اندر گھسے، اور حضرت عثمان ؓ کو پکڑ کر حضرت طلحہ ؓ وزبیر ؓ کے سامنے لائے، انہوں نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا، حکم ہوا اس کو قتل کر دو، لیکن اس سے انصار کے برہم ہونے کا خوف تھا۔ اس لئے قتل کی بجائے قید کرنے کی تجویز ٹھہری۔ چنانچہ اسی مقام پر پیروں سے روندے گئے۔ ۴۰ کوڑے پڑے، اور ڈاڑھی، سر، ابرو، اور پلکوں کے بال انتہائی بے رحمی سے نوچ لئے گئے۔

اللہ اکبر! یہ کیسا عجیب نظارہ تھا، حاکم عراق، خلافت عظمیٰ کا دست وبازو، عہد فاروقی کا ایک مدبر اور معزز افسر اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسند نبوت کا ایک حاشیہ نشین کس بے رحمی سے ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔ جو شخص کل تک جاہ وجلال خیل وسپاہ اور تیغ وسناں کا مالک تھا، آج اس کی بے کسی کا یہ عالم ہے کہ اس کے لئے خود اپنا سر بھی وبال جان ہو گیا ہے۔ لیکن یہ ابتلا، یہ صبر اور تحمل بے کار نہیں جا سکتا تھا، حکیم بن جبلہ کو خبر ہوئی تو صبح کے وقت عبدالقیس اور بکر بن وائل کو لے کر ابن زبیرؓ کے پاس پہنچا اور چند شرطیں پیش کیں، جن میں ایک عثمانؓ کی قید سے سبکدوشی بھی تھی۔

حضرت ابن زبیرؓ نے صاف انکار کیا اور ابن جبلہ کے ساتھیوں اور ابن زبیرؓ کی جماعت میں کشت وخون کا بازار گرم ہو گیا، جس میں ابن جبلہ مع کثیر رفقا کے کام آیا۔ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کو خبر پہنچی، انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ کا قید قید کاٹ دیا، اور وہ ربذہ روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ مدینہ سے کوچ کر کے یہیں مقیم تھے عثمانؓ سامنے آئے تو لوگوں سے فرمایا، دیکھو میں نے ان کو بوڑھا بھیجا تھا، اب جوان واپس آئے ہیں'' عثمانؓ نے کہا، امیر المومنین، آپ نے مجھے ڈاڑھی مونچھوں کے ساتھ بھیجا تھا، لیکن آج آپ کے سامنے ایک بے ریش وبروت امرد کی صورت میں ہوں فرمایا اصبت اجرا و خیرا تم کو اس کا اجر ملے گا[1]۔

اس کے بعد غزوہ جمل پیش آیا اور بصرہ فتح ہو کر عبداللہ بنؓ عباس والی مقرر ہوئے، حضرت عثمانؓ نے کوفہ کو جس کو دار الخلافت ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا، اقامت اختیار کی۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد : عبدالرحمان نامی ایک لڑکا یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال :

حضرت عثمانؓ عرب میں غیر معمولی قابلیت کے انسان تھے، حساب دانی اور مساحت کا کام جس خوبی سے انہوں نے انجام دیا، اس کو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں حساب کتاب کے علاوہ حدیث وفقہ کی واقفیت اور مسائل پر عبور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو بصرہ کا والی مقرر کیا تھا، افسوس ہے کہ ان کی عدالت عالیہ کا کوئی فیصلہ ہمارے پیش نظر نہیں، ورنہ اس سے قوت فیصلہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا۔

---

[1] ان تمام واقعات کیلئے دیکھو طبری کبیر جلد ۶۔ ص ۳۱۱۷، ۲۳، ۲۴ و اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۳۷۱

چند احادیث بھی روایت کیں۔ ابو امامہ بن سہل بن حنیف (برادر زادہ)، ہانی بن معاویہ صدفی، عمارہ بن خزیمہ بن ثابت، عبید اللہ بن عبداللہ، بن عتبہ، نوفل بن مساحق ان کے سلسلہ روایت میں داخل ہیں۔

اخلاق :

دیانت، حق پرستی، صبر و شکر، اظہار حق ان کے صحیفہ اخلاق کے نمایاں ابواب ہیں، جس کا مفصل تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، یہاں اس کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔

حضرت عمارہؓ بن حزم

نام ونسب :

عمارہ نام، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عمارہ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک بن نجار۔ والدہ کا نام خالدہ تھا اور انس بن سنان بن وہب ابن لوذان کی بیٹی تھیں۔

اسلام : لیلۃ العقبہ میں ۷۰ انصار کے ساتھ بیعت کی۔

غزوات اور دیگر حالات :

حضرت محرز بن لضلہ سے اخوت ہوئی۔ بدر، اُحد، خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ میں بنو مالک بن نجار کا علم انہی کے پاس تھا۔

وفات : مرتدین کے جہاد میں حضرت خالدؓ کے ہمراہ تھے۔ مسیلمہ کذاب کی جنگ میں جسے یومِ یمامہ کہتے ہیں، شہادت حاصل کی۔

اولاد : مالک نام ایک لڑکا چھوڑا، جس پر نسل منقطع ہوگئی۔

فضل وکمال :

حضرت زیاد بن نعیم نے ان سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جھاڑ پھونک کا منتر جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ذرا مجھ کو تو سناؤ، چونکہ شرک کے الفاظ سے خالی تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ان کے خاندان میں عرصہ تک وہ منتر منتقل ہوتا رہا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

حضرت عمرو رضؓ بن جموح

نام ونسب :

عمرو نام، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عمرو ابن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

بنو سلمہ کے رئیس تھے اس کے علاوہ مذہبی عزت بھی حاصل تھی یعنی بُت خانے کے متولی تھے۔ لکڑی کا ایک بُت بنا کر گھر میں رکھ لیا تھا جس کا نام مناف تھا وہ اس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں سرزمینِ مکہ سے اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو مدینہ کے چھ لوگ اس کو لبیک کہنے کے لئے مکہ پہنچے اور عقبۂ ثانیہ میں مسلمان ہو کر واپس آئے اس جماعت میں عمروؓ کے ایک لڑکے معاذ بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مکہ سے واپس آئے تو شہرِ یثرب کا ہر ہر گوشہ تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ بنو سلمہ کے چند نو جوانوں نے جو مسلمان ہو چکے تھے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ کسی صورت سے عمروؓ کو بھی مسلمان بنایا جائے۔ ان کے بیٹے نے اس میں خاص کوشش کی، چنانچہ کچھ دنوں تک ان کا یہ مشغلہ رہا کہ شب کو معاذ بن جبلؓ وغیرہ کو ہمراہ لے کر مکان آتے اور گھر والوں کو سوتا پا کر بُت کو اٹھا لاتے اور باہر کسی گڑھے میں پھینک دیتے تھے، صبح کو اٹھ کر عمرو سخت برہم ہوتے اور اپنے خدا کو اٹھا کر اندر لے جاتے، نہلاتے اور خوشبو مَل کر پھر وہیں رکھ دیتے۔ آخر عاجز آ کر ایک دن بُت کی گردن میں تلوار لٹکائی اور کہا کہ مجھے تو پتہ نہیں ورنہ ان لوگوں کی خود خبر لیتا اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کرو یہ تلوار موجود ہے ان لڑکوں کو اب ایک اور چال سوجھی رات کو آ کر بُت اٹھایا گردن سے تلوار علیحدہ کی اور اس میں ایک مرے ہوئے کتے کو باندھ کر کنویں پر لٹکا دیا۔ عمروؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو بجائے اس کے کہ اپنے معبود کی توہین پر غصہ ہوتے راہِ راست پر آ گئے، چشمِ ہدایت روشن ہو گئی اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔

قدیم جہالت بُت کا قصہ اور دفعتہً اسلام کی توفیق ان واقعات کو انہوں نے خود نظم کر دیا ہے فرماتے ہیں :

قاللہ لو کنت الھا لم تکن	انت و کلب وسط ئبر فی قرن
ان لمصرعک الھا یستدن	الان فلنشناک عن سوء الغبن
فالحمد للہ العلی ذی المنن	الواھب الرزق ودیان الدین
ھو اللذی انقذنی من قبل ان	اکون فی ظلمۃ قبر مرتھن

یہ اشعار بھی اسی تقریب سے ہیں۔

اتوب الی اللہ سبحانہ   واستغفر اللہ من نارہٖ

وانثی علیہ بالائہ   باعلان قلبی واسرارہٖ

غزوات : غزوۂ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ شریک نہ تھے چونکہ پیر میں چوٹ آگئی تھی اور لنگڑا کر چلتے تھے اس لئے جب غزوہ کے لئے جانا چاہا تو لڑکوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے منع کیا کہ ایسی صورت میں جہاد فرض نہیں۔

غزوۂ اُحد میں بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ بولے کہ تم لوگوں نے مجھ کو بدر جانے سے روکا اب پھر روک رہے ہو، آنحضرت ﷺ نے بلا کر سمجھایا کہ تم معذور ہو اس لئے سرے سے مکلّف ہی نہیں لیکن وہاں شہادت کا سودا سوار تھا، عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ لڑکے مجھ کو آپ کے ساتھ چلنے سے روک رہے ہیں لیکن خدا کی قسم مجھے یہ امید ہے کہ میں اسی لنگڑے پیر سے جنت میں گھسیٹتا ہوا پہنچوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر زیادہ زور دینا پسند نہیں کیا اور لڑکوں کو سمجھایا کہ اب اصرار نہ کرو، شاید ان کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہو۔

شہادت : حضرت عمروؓ نے ہتھیار لے کر میدانِ جنگ کا رخ کیا اور کہا الٰہی مجھے شہادت نصیب کر! اور اب زندہ گھر واپس نہ لا، دعا نہایت خلوص سے کی تھی، مقبول ہوئی۔ لڑائی کی شدت کے وقت جب مسلمان منتشر ہونے لگے، حضرت عمروؓ نے اپنے بیٹے خلاد کو لے کر مشرکین پر حملہ کیا اور اس قدر پامردی سے لڑے کہ دونوں باپ بیٹوں نے شہادت پائی اور حضرت عمروؓ اپنے لنگڑے پیر کے ساتھ جنت میں لنگڑاتے ہوئے پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنحضرت ﷺ ان کی طرف سے گذرے تو دیکھا کہ شہید پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا خدا اپنے بعض بندوں کی قسم پوری کرتا ہے..... عمروؓ بھی انہی میں ہیں۔ اور میں ان کو جنت میں اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس کے بدلے ان کو وہاں صحیح و سالم پیر دیا گیا ہے۔ حضرت عمروؓ کی بیوی کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو ایک اونٹ لے کر آئیں اور اپنے شوہر اور بھائی عبداللہ بن عمروؓ (حضرت جابرؓ کے والد ماجد) کو اس پر لاد کر گھر لے گئیں لیکن بعد میں اُحد کا دامن گنج شہیداں قرار پایا۔ اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے لاش منگوا کر یہیں تمام شہداء کے ساتھ دفن کی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمروؓ اور عمروؓ بن جموح ایک قبر میں دفن کیے گئے۔

اولاد : چار لڑکے تھے اور چاروں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک تھے دو کے نام معلوم ہیں اور وہ یہ ہیں، معاذ (عقبہ ثانیہ میں شریک تھے) خلاد اُحد میں شہید ہوئے۔

بیوی کا نام ہند بنت عمرو تھا۔ بنو سلمہ کے سردار عبداللہ بن عمرو بن حرام کی بہن اور حضرت جابرؓ صحابی مشہور کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حلیہ : گورا رنگ، گھونگھر والے بال، پیر میں لنگ تھا۔

اخلاق : جودوسخا عرب کی ایک قدیم میراث ہے حضرت عمروؓ میں جس درجہ تک یہ صفت موجود تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی کی وجہ سے ان کو بنو سلمہ کا سردار بنایا تھا۔ چنانچہ خاندانِ سلمہ کے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا جد بن قیس ایک بخیل شخص ہمارا سردار ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا بخل سے بدتر کوئی چیز نہیں اس لئے تمہارا سردار عمرو بن جموح کو بناتا ہوں۔ اس واقعہ کو انصار کا شاعر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

وقال رسول اللہ والحق قولہ — لمن قال منامن تسمون سیدا

فقالو الہ جد بن قیس علی التی — بنخلہ فیھا وان کان اسودا

فتی ماتخطی خطوۃ الدنیاء — ولا مدفی یوم الیٰ سؤاۃ یدا

فسوّدعمرو بن الجموع لجودہ — وحق لعمرو بالندی ان یسوّدا

اذاجاءہ السئول اذھب مالہ — وقال خذوہ انہ مائد غدا

آنحضرت ﷺ جب نکاح کرتے تو عمروؓ دعوتِ ولیمہ کرتے تھے[1]۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھذہ السبحینہ المرضاۃ۔

---

[1] اصابہ جلد ۴۔ ص ۲۹۱

حضرت عمروؓ بن حزم

نام ونسب :

عمرو نام۔ابوالضحاک کنیت، خاندن نجار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے :

عمرو بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد مناف بن غنم بن مالک بن نجار۔حضرت عمارہؓ بن حزم جو بیعتِ عقبہ میں شریک تھے ان کے برادر علاتی ہیں۔ان کی ماں خاندان ساعدہ سے تھیں۔

اسلام : ابتدائے اسلام اور ہجرتؐ کے زمانہ تک کم سن تھے اس بناء پر زمانۂ اسلام کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی، غالباً اپنے گھر والوں کے ساتھ مسلمان ہوئے ہوں گے۔

غزوات : کم عمری کی وجہ سے بدر اور احد میں شرکت کے قابل نہ تھے جب غزوۂ خندق واقع ہوا تو پانزدہ سالہ تھے اس لئے غزوہ میں شریک ہوئے اس کے بعد اور بھی غزوات میں شرکت کی۔

۱۰ھ میں آنحضرت نے خالد بن ولید کو نجران بھیجا تھا، وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے تو حضرت عمروؓ کو حاکم بنا کر روانہ فرمایا اور ایک یادداشت لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض سنن، صدقات، دیات اور بہت سے احکام درج تھے۔ چنانچہ کاروبارِ حکومت کے ساتھ ساتھ محکمۂ مذہبی بھی انہی کی زیرِ نگرانی تھا یعنی تعلیم اور تبلیغ کا مذہبی فرض بھی انجام دیتے تھے۔ صاحبِ استیعاب لکھتے ہیں:

"استعمله رسول الله ﷺ علی نجران لیفقهم فی الدین ویعلم القرآن ویاخذ صدقاتهم"۔

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے ان کو فقہ، قرآن کی تعلیم اور صدقات کی تحصیل پر مامور فرمایا تھا"۔

اس وقت ان کا سن عام روایت کے لحاظ سے ۱۷ سال کا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ غزوہ خندق ۵ھ میں واقع ہوا، اور اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے۔اس بناء پر ۱۰ھ میں ان کا سن کسی حال میں ۲۰ سال سے کم نہیں ہوسکتا۔

مدینہ سے روانگی کے وقت بیوی کو جن کا نام عمرہ تھا ہمراہ لے گئے تھے، چنانچہ نجران پہنچ کر اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام انہوں نے محمد اور ابوسلیمان کنیت رکھی، لیکن پھر آنحضرت ﷺ کو

مطلع کیا، تو آنحضرت ﷺ نے لکھا کہ محمد نام اور ابو عبد الملک کنیت رکھو[1]۔ آنحضرت ﷺ کے بعد غالباً مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

وفات : اور یہیں ۵۱ھ میں وفات پائی، مؤرخین نے سنہ وفات میں سخت اختلاف کیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ سنہ پچاس کے بعد انتقال کیا۔

اہل وعیال :

دو بیویاں تھیں۔ پہلی کا نام عمرہ تھا اور عبداللہ بن حارث غسانی کی بیٹی تھیں جو قبلہ ساعدہ کے حلیف تھے[2]۔ دوسری کا نام سودہ بنت حارثہ تھا[3]۔ اور یہ ان کے اخیر وقت تک زندہ تھیں۔

اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں، محمد البتہ مشہور ہیں، جو عہد نبوت میں پیدا ہوئے، حضرت عمرؓ وغیرہ سے حدیث سنی، ۶۳ھ یوم حرہ میں لشکر شام سے مقابلہ ہوا۔ اور اسی میں شہادت حاصل کی، اس موقع پر قبیلہ خزرج کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا، قاضی ابو بکر فقیہہ جو روایت واجتہاد دونوں کے مالک تھے، انہی کے بیٹے ہیں۔

فضل وکمال :

علمی قابلیت، اصابت رائے، قوت فیصلہ، احکام شریعت پر عبور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو نجران کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ۲۰ سال کی عمر میں حکومت کے ایک عہدہ جلیلہ کی انجام دہی اور پھر قرآن وفقہ کی تعلیم ان کی غیر معمولی قابلیت کا بین ثبوت ہے۔

احادیث نبوی ﷺ بھی ان سے روایت کی گئی ہیں۔ جن میں وہ کتاب بھی ہے جو آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھوا کر دی تھی، اس کو ابو داؤد، نسائی، ابن حبان دارمی اور دیگر محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔

راویان حدیث کے زمرہ میں ان کی بیوی اور بیٹے کے علاوہ پوتے ابوبکر، اور نضر بن عبداللہ سلمی اور زیاد بن نعیم حضرمی بھی داخل ہیں۔

اخلاق : حضرت عمروؓ کے معدن اخلاق میں حق گوئی سب سے نمایاں جوہر ہے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا! اس بناء پر جب جنگ صفین میں وہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہید ہوئے تو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو یہ حدیث یاد دلائی۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۵۔ ص ۵۰۔ [2] ایضاً [3] تہذیب التہذیب جلد ۸۔ ص ۲۰

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے پاس گئے تو کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ بادشاہ سے رعیت کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا۔

امیر معاویہؓ نے جب یزید کی خلافت کے لئے تمام ملک سے بیعت لی تو انہوں نے امیر معاویہؓ سے نہایت سخت گفتگو کی۔

حضرت عمیرؓ بن سعد

نام ونسب :

عمیر نام۔ نسیج وحدہ لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے :

عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان ابن قیس بن عمرو بن عوف۔

باپ نے جن کا نام سعد بن عبید تھا۔ حضرت عمیرؓ کی صغرسنی میں انتقال کیا، ماں نے جلاس بن سوید سے نکاح کرلیا۔ عمیرؓ بھی اپنی ماں کے ساتھ جلاس کی زیر تربیت رہے۔ جلاس نے نہایت ناز ونعمت کے ساتھ حقیقی اولاد کی طرح پرورش کی۔

سعد بن عبید کے نام سے مورخین نے دھوکا کھایا حضرت ابوزیدؓ جو انصار کے اُن چار قاریوں میں جن کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، ان کا نام بھی سعد ابن عبید تھا، اس بنا پر لوگوں نے حضرت عمرؓ کو ان کا فرزند تصور کرلیا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے زمانہ اور سنین وفات کے فرق کے علاوہ صاف بات یہ ہے کہ عمیرؓ کے والد قبیلہ اوس سے تھے اور حضرت ابوزیدؓ جیسا کہ حضرت انسؓ نے تصریح کی ہے، ان کے رشتہ کے چچا ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ قبیلۂ خزرج سے تھے، اس لئے حضرت ابوزیدؓ قبیلہ اوس سے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اسلام : جلاس مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ بھی غالباً اسی زمانہ میں اسلام لائے۔

غزوات : اگر چہ کم سن تھے، تاہم جلاس کے ہمراہ جہاد میں جاتے تھے، غزوۂ تبوک کی ہمراہی کا واضح طور پر ذکر آیا ہے۔ لیکن باایں ہمہ وہ کسی غزوہ میں شرکت کا شرف نہ حاصل کر سکے اور درحقیقت وہ کم عمری کی وجہ سے اس قابل بھی نہ تھے۔

فتوحات شام میں البتہ حصہ لیا اور حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے ایک لشکر کا افسر بنایا کچھ دنوں کے بعد حمص کے حاکم مقرر ہوئے اور حضرت عمرؓ کی وفات تک اسی منصب پر سرفراز رہے۔

وفات : حمص میں انہوں نے مستقل اقامت اختیار کرلی تھی، چنانچہ ابن سعد کے خیال کے مطابق حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں یہیں فوت بھی ہوئے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی۔ عبدالرحمٰن، محمد۔

فضل وکمال :

صحابہؓ میں فضل وکمال کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے، ''کاش! مجھ کو عمیرؓ جیسے چند آدمی مل جاتے تو امور خلافت میں بڑی مدد ملتی''۔ حضرت عمرؓ ان کی قابلیت پر تعجب کرتے تھے، نسیج وحدہ (یکتا ویگانہ) کا لقب اسی حیرت انگیز لیاقت کی وجہ سے دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ عمیرؓ سے بہتر شام میں ایک شخص بھی نہ تھا۔

سلسلۂ روایت میں ان سے چند حدیثیں مروی ہیں، جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں :

ابوطلحہ خولانی، راشد بن سعد، حبیب بن عبید، ابوادریس خولانی، زبیر بن سالم وغیرہ۔

اخلاق : اخلاقی حیثیت سے حضرت عمیرؓ نہایت بلند پایہ تھے، زہد وتقویٰ میں ان کا مثل بمشکل مل سکتا تھا، جوش ایمان اور حب رسول کی دولت صغر سنی ہی سے ملی تھی، چنانچہ غزوۂ تبوک میں جبکہ نہایت خورد سال تھے اور جہاد میں محض تماشائی کی حیثیت رکھتے تھے جلاس نے ایک موقع پر کہا کہ ''اگر محمد ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں''۔ تو عمیرؓ نے بلا کسی خیال کے فوراً جواب دیا کہ ''وہ ضرور سچے ہیں اور تم یقیناً گدھوں سے بدتر ہو''۔ جلاس کو سخت ناگوار گذرا اور انہوں نے عہد کرلیا کہ اب عمیرؓ کی کفالت سے قطع تعلق کرلیں گے۔

حضرت عمیرؓ نے جلاس کو جواب دے کر آنحضرت ﷺ کو بھی خبر کردی کہ اس کے چھپانے میں حبط اعمال اور قرآن نازل ہونے کا خوف تھا، آنحضرت ﷺ نے عمیرؓ اور جلاس کو بلا کر واقعہ پوچھا، جلاس نے قطعی انکار کیا، لیکن وحی والہام کی دسترس سے کب کوئی چیز باہر رہ سکتی تھی، چنانچہ حضرت عمیرؓ کی اس سے تائید ہوئی، آنحضرت ﷺ نے سر اٹھا کر یہ آیت پڑھی :

''يَحْلِفُوْنَ بِاللهِ مَاقَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ''

یعنی ''وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ منہ سے نکالا تھا''۔

اور جب : ''فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرً'' لَّهُمْ'' یعنی ''اگر وہ توبہ کرلیں تو بہتر ہے''۔

پر پہنچے تو جلاس نے بے ساختہ کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں اس کے بعد جلاس حقیقی طور پر مسلمان ہوگئے، اور پھر کوئی ناگوار طرز عمل اختیار نہیں کیا، توبہ قبول ہونے کی خوشی میں حضرت عمیرؓ کی کفالت کرنے کی جو قسم کھائی تھی توڑ دی اور پھر ہمیشہ ان کی کفالت کرتے رہے۔

آیت اُترنے پر آنحضرت ﷺ نے عمیرؓ کا کان پکڑا اور فرمایا لڑکے! تیرے کان نے ٹھیک سنا تھا۔

حضرت عویم بن ساعدہؓ

نام ونسب :

عویم نام۔ابوعبدالرحمٰن کنیت،قبیلۂ اوس سے ہیں،نسب نامہ یہ ہے :

عویم ابن ساعدہ بن عائش بن قیس بن نعمان بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف ابن مالک بن اوس۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔

غزوات اور عام حالات :

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے مواخاۃ ہوئی، بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں نمایاں حصہ لیا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ جب ہم لوگ انصار کے اجتماع عام کی خبر سن کر سقیفۂ بنی ساعدہ کی طرف چلے تو راستہ میں انصار کے دو صالح شخصوں سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے انصار کے اتفاق رائے کا تذکرہ کیا اور پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ جواب ملا سقیفہ کا، بولے کہ :

"لاعلیکم الاتقربو اھم اقضو امرکم" یعنی "وہاں جا کر کیا کرو گے؟ تم اپنا کام کرو"۔

حضرت عمرؓ نے کہا ہم ضرور جائیں گے[1]۔

یہ دونوں بزرگ جیسا کہ دوسری روایتوں میں تصریح ہے حضرت عویمؓ اور حضرت معن بن عدیؓ تھے[2]۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو انصار کی خلافت منظور نہ تھی،اسی وجہ سے وہ مجمع کو چھوڑ کر کسی اور طرف جا رہے تھے۔

وفات : خلافت فاروقی میں ۶۵۔۶۶ برس کے سن میں انتقال فرمایا،حضرت عمرؓ جنازہ کے ساتھ تھے،فرمایا "دنیا میں اس وقت ایک شخص بھی ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا،رسول اللہ ﷺ نے جب کوئی نشان کھڑا کیا،عویمؓ ہمیشہ اس کے سایہ میں رہے"۔

---

[1] صحیح بخاری جلد۲۔ص ۱۰۰۹ و ۱۰۱۰۔ [2] فتح الباری جلد۱۲۔ص ۱۳۳۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، عتبہ، عبیدۃ۔

فضل وکمال :

ایک حدیث روایت کی جو شرحبیل بن سعد اور سلام بن عتبہ کے ذریعہ سے مروی ہے۔

اخلاق : صفائی و پاکیزگی، طہارت و نظافت کا سخت اہتمام رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے استنجا میں پانی استعمال کیا۔ ان کو دیکھ کر اور مسلمان بھی اس پر عمل کرنے لگے۔ قرآن مجید نے اس کو بنظر استحسان دیکھا، چنانچہ مسجد قبا کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

"فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین"

"اس میں چند لوگ طہارت کو سخت دوست رکھتے ہیں اور اللہ بھی ایسے پاک رہنے والوں کو محبت رکھتا ہے"۔

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ طہارت کی وہ کیا صورت ہے جس کی وجہ سے خدا نے تم لوگوں کی مدح فرمائی؟ جواب ملا :

"نغتسل من الجنابة و نستنجی بالماء"

"ہم جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں"۔

ارشاد ہوا کہ یہ طرز عمل نہایت پسندیدہ ہے تم کو اس کا پابند ہونا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں جن لوگوں کی تعریف کی ہے وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا "انہی میں ایک نیک مرد عویمؓ بھی ہے"[1]۔

بعض روایتوں میں ہے۔

"نعم العبد من عباد الله الرجل الصالح"

یعنی "عویم، خدا کا نیک بندہ اور جنتی شخص ہے"۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۲۔ ص ۱۴۳۔

"ف"

حضرت فضالہ بن عبیدؓ

نام ونسب :

فضالہ نام۔ ابو محمد کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے :

فضالہ بن عبید بن نافذ بن قیس ابن صہیب بن جمی بن کلفتہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس، والدہ کا نام عقبہ بنت محمد بن الجلاج انصاریہ ہے۔

عبید بن نافذ (حضرت فضالہؓ کے والد) اپنے قبیلہ کے سر برآوردہ شخص تھے، اوس وخزرج کی لڑائی میں نمایاں رہے، نہایت شجاع وبہادر تھے، گھوڑ دوڑ کراتے اور اس میں سب سے بازی لے جاتے، زور وقوت کا یہ حال تھا کہ ایک پتھر دوسرے پر دے مارتے[1] تو آگ نکلنے لگتی سپہ گری کے ساتھ فن میں اور شاعری کا بھی کافی ذوق رکھتے تھے۔

اسلام : حضرت فضالہؓ مدینہ میں اسلام کے قدم آتے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

غزوات: لیکن کسی وجہ سے بدر میں شریک نہ ہوئے، غزوۂ احد اور باقی تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے اور بیعت الرضوان میں بھی شرکت کا شرف حاصل کیا[2]۔

عہد نبوت کے بعد شام گئے اور وہاں کی فتوحات میں حصہ لیا، اس کے بعد فتح مصر میں شامل ہوئے، پھر شام آکر مستقل سکونت اختیار کی اور دمشق میں اپنے رہنے کے لئے مکان بنایا بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بنوایا تھا[3]۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قاضی دمشق حضرت ابو درداءؓ تھے، انہوں نے انتقال فرمایا تو حضرت امیر معاویہؓ نے وفات سے قبل ان سے پوچھا کہ آپ کے بعد قاضی کس کو بنایا جائے؟ فرمایا فضالہ بن عبیدؓ کو، حضرت ابودرداءؓ فوت ہوئے تو حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت فضالہؓ کو بلا کر دار الامارۃ کا محکمۂ قضا سپرد کیا۔

صفین ۳۷ھ میں امیر معاویہؓ جناب امیرؓ کے مقابلہ کو نکلے تو دمشق میں اپنا جانشین انہی کو

---

[1] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۱۰۔ [2] ایضاً۔ [3] مسند۔ جلد ۶۔ ص ۱۹۔

بنایا اس موقع پر انہوں نے جو الفاظ کہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

"لم احبک بھا ولک استترت بک من النار"[۱]۔

"میں نے تم کو اپنا جانشین نہیں بلکہ جہنم کے مقابلہ میں سپر بنایا ہے"۔

۴۹ھ میں سلطنت روم پر لشکر کشی کی تو تمام لشکر انہی کی ماتحتی میں دیا[۲] انہوں نے بہت سے قیدی پکڑے، اسی ضمن میں جزیرہ قبرص پر بھی حملہ کیا[۳]۔

امیر معاویہؓ کی طرف سے درب (طرسوس اور بلاد روم کے درمیانی علاقہ کا نام ہے۔ کے بھی عامل مقرر ہوئے[۴]۔

وفات : ۵۳ھ میں وفات پائی امیر معاویہؓ مسند حکومت پر تھے، خود جنازہ اٹھایا اور ان کے بیٹے عبداللہ سے کہا، میری مدد کرو، کیونکہ اب ایسے شخص کے جنازہ کے اٹھانے کا موقع نہ ملے گا، دمشق میں دفن ہوئے مزار مبارک موجود ہے اور اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

اولاد : بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔

فضل وکمال :

ایوان حکومت کے ساتھ مجلس علم میں بھی مرجع انام تھے، لوگ دور دراز سے حدیث سننے آتے تھے۔ ایک شخص اسی غرض سے ان کے پاس مصر پہنچا تھا[۵]۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابو درداؓ جیسے اساطین امت سے مستفیض ہوا ہو، اس کے فضل وکمال کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ دار السلطنت دمشق کی مسند قضا کے لئے اور پھر حضرت ابو درداؓ جیسے بزرگ کی رائے سے منتخب ہونا، ان کی قابلیت کی سب سے بڑی سند ہے، لیکن باایں ہمہ فضل وکمال صرف ۵۰ حدیثیں ان کے سلسلہ سے ثابت ہیں، راویوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حنش صنعانی، عمرو بن مالک اجنبی، عبداللہ الرحمن بن جبیر، عبدالرحمن بن محیریز، ابوعلی ثمامہ بن شفی، علی بن رباح، محمد بن کعب القرظی، عبداللہ بن عامر یحصبی سلیمان بن سنجر عبداللہ بن محیرز، میسرۃ، ابو یزید خولانی۔

۱؎ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۱۔ ۲؎ مسند جلد ۶۔ ص ۱۸۔ ۳؎ ایضاً ص ۲۰۔

۴؎ ایضاً ص ۱۸۔ ۵؎ ایضاً ص ۲۲۔

اخلاق : احکام رسول کی تعمیل اور پابندی سنت کا ہر کام میں خیال رکھتے تھے۔

غزوہ روم میں ایک مسلمان کا انتقال ہوا، تو حضرت فضالہؓ نے حکم دیا کہ ان کی قبر زمین کے برابر بنائی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ ہم کو اسی کا حکم دیتے تھے[1]۔ ان کے علاوہ بھی جو مسلمان روم میں شہید ہوئے سب کی قبریں اسی طرح بنوائیں[2]۔

ایک شخص مصر آیا اور حدیث سننے کے لئے ملاقات کی تو دیکھا کہ پراگندہ سر اور برہنہ پا ہیں، بڑا تعجب ہوا، اور بولا کہ امیر شہر ہو کر یہ حالت؟ فرمایا ہم کو آنحضرت ﷺ نے زیادہ تن آسانی اور بناؤ سنگار کی ممانعت کی ہے اور کبھی کبھی ننگے پیر رہنے کو بھی فرمایا ہے[3]۔

[1] مسند جلد ۶۔ ص ۱۸۔ [2] ایضاً ص ۱۲۔ [3] ایضاً ص ۲۲۔

"ق"

حضرت قتادہ رضؓ بن نعمان

نام ونسب :

قتادہ نام ہے۔ابوعمر کنیت،قبیلہ اوس کے خاندان ظفر سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے :

قتادہ بن نعمان بن زید بن عامر بن سواد بن ظفر (کعب) بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ماں کا نام انیسہ بنت قیس تھا جو قبیلۂ نجار سے تھیں اور حضرت ابوسعید خدری رضؓ کی والدہ ہوتی تھیں اس بناء پر قتادہ اور ابوسعید اخیافی بھائی تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں بیعت کی[1]۔

غزوات : بدر میں شریک تھے[2]،غزوۂ اُحد میں حیرت انگیز صبر واستقلال کا اظہار کیا،میدان میں دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ کسی مشرک نے آنکھ پر حملہ کیا آنکھ باہر نکل کر رخسار پر لٹک آئی۔لوگوں نے کہا اس کا کاٹ دینا بہتر ہے،بولے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کرلو،آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔اور خود دستِ مبارک سے آنکھ کو اس کی جگہ پر لگادیا اور دعا کی "اللھم اکسھا جمالاً"، خدا کی شان! کہ یہ آنکھ نہایت خوبصورت اور تیز تھی ان کی اولاد میں سے کسی شخص نے اس واقعہ کو دو شعروں میں نظم کردیا ہے[3]۔

انا ابن الذی سالت علی الخد عینه فردت بکف المصطفیٰ احسن الرد

فعارت کما کانت لا ول امرھا فیاحسن ماعین وبا حسن مارد

بعض لوگوں نے اس کو جنگِ بدر کا واقعہ قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اُحد کا واقعہ تھا۔امام مالک دارقطنی بیہقی اور حافظ ابن عبدالبر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔فتح مکہ میں بنوظفر کا علم ان کے پاس تھا[4]۔غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے تھے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ص ۱۹۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ص ۵۷۴
[3] اسد الغابہ جلد ۴۔ص ۱۹۶ [4] اسد الغابہ جلد ۴۔ص ۱۹۶

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کی ماتحتی میں ایک لشکر روانہ کیا تھا، تمام اکابر مہاجرین اور انصار اس میں شریک تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے[1]۔

وفات : ۲۳ھ میں انتقال کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسندِ خلافت پر متمکن تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ **وفات کے وقت** ۶۵ سال کا سن تھا۔

اہل وعیال : اولاد کے نام یہ ہیں۔ عمر، عبید۔ بیوی کا نام معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ ان سے نہایت محبت کرتے تھے[2]۔ غزوۂ احد سے قبل شادی کی تھی[3]۔

فضل وکمال : فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم[4] میں تھے ان سے خود صحابہ رضی اللہ عنہم استفسار کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ[5] اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری[6] کے استفتے کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مرویات کی **تعداد** ۷ ہے ان میں سے ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ راویوں میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت محمود رضی اللہ عنہ بن لبید جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام داخل ہے۔

اخلاق : بیاض اخلاق میں زہد کا عنوان نہایت جلی ہے۔ ایک مرتبہ قل ہو اللہ پڑھنے میں تمام رات ختم کردی[7]۔ ایک روز آسمان پر ابر محیط تھا اور رات نہایت تیرہ تاریک تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں نمازِ عشاء کے لئے تشریف لائے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بھی آئے، بجلی چمکی تو فرمایا قتادہ! کیا ہے؟ عرض کی کہ آج لوگ کم آئیں گے، اس لئے قصد کر کے حاضر ہوا ہوں[8]۔ اس روایت کو امام احمد نے بھی درج کیا ہے۔

۱؎ طبقات ابن سعد ص ۱۳۶ ۲؎ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۴۵ ۳؎ ایضاً
۴؎ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۱۹۶ ۵؎ مسند جلد ۴۔ ص ۱۵ ۶؎ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۷۰
۷؎ مسند ابوسعید رضی اللہ عنہ خدری جلد ۳۔ ص ۱۵ ۸؎ اصابہ جلد ۵۔ ص ۲۳۰

حضرت قیسؓ بن سعد بن عبادہ

نام ونسب :
قیس نام۔ ابوالفضل کنیت، خاندان ساعدہ (قبیلۂ خزرج) کے معزز رکن اور حضرت سعد بن عبادہؓ سردار خزرج کے فرزند ارجمند ہیں۔ سلسلۂ نسب پدر گرامی کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام فکیھہ بنت عبید بن ولیم تھا اور ان کے والد بزرگوار کی بنت عم تھیں۔

اجداد گرامی، مدینہ کے مشہور مخیر اور رئیسِ اعظم تھے۔ والد ماجد قبیلۂ خزرج کے سردار اور صحابیت کے شرف سے ممتاز تھے۔ آل ساعدہ کا یہ ناموراسی سپہر بریں کا آفتاب عالمتاب تھا۔

اسلام : ہجرتِ نبوی سے قبل مذہب اسلام سے مشرف ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔ جیش الخبط میں جو رجب ۸ھ میں ہوا تھا، شریک تھے۔ یہ غزوہ مسلمانوں کے لئے یکسر امتحان وآزمائش تھا۔ ۳۰۰ آدمیوں کو لے کر جن میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی تھے، حضرت ابوعبیدہؓ ساحل کی طرف بڑھے وہاں ۱۵ روز قیام رہا زادِراہ ختم ہو چکا تھا لوگ پتے جھاڑ جھاڑ کر کھاتے تھے، حضرت قیسؓ نے یہ دیکھ کر ۳ اونٹ قرض لئے اور ان کو ذبح کرایا اس طرح تین مرتبہ میں ۹ اونٹ قرض لے کر ذبح کئے اور تمام لشکر کے قوت کا سامان کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ دیکھ کر کہ زیادہ زیر بار ہو رہے ہیں اس سے منع کر دیا[1]۔

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے کہا کہ ان کو روکا جائے ورنہ اپنے باپ کا مال اسی طرح صرف کر دیں گے[2]۔ غزوہ سے واپس ہو کر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ سخاوت اور فیاضی اسی گھرانے کا خاصہ ہے[3]۔

غزوہ فتح میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ یاد ہوگا سعد بن عبادہؓ سے جب آنحضرت ﷺ نے جھنڈا لے لیا تو انہی کو عطا کیا تھا[4]۔ غزوات کی علمبرداری کے علاوہ وہ خلافتِ الٰہی کے ایک ضروری رکن تھے۔ خلافت کا نظام جن ارکان سے قائم تھا ان میں ایک حضرت قیسؓ بھی تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں :

۱؎ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۲۵، ۶۲۶ ۲؎ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۱۵
۳؎ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۹ ۴؎ ایضاً

ان قیس بن سعد کان یکون بین ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة صاحب الشرط من الامیر "[1]

"یعنی قیس کا دربار رسالت ﷺ میں وہ درجہ تھا جو کسی بادشاہ کے یہاں پولیس افسرِ اعلیٰ کا ہوتا ہے"۔

جنابِ امیرؓ کی بارگاہ میں ان کو خاص خصوصیت حاصل تھی، مسندِ خلافت پر جلوس فرما ہوئے تو ان کو مصر کا والی مقرر کیا۔ امیر معاویہؓ نے ان کے خلاف ہر چند کوشش کی لیکن ناکام رہے اور مصر میں کسی قسم کی شورش نہ ہوسکی، آخر کوفیوں کو اٹھا کر حضرت علیؓ سے قیسؓ کی معزولی کا فرمان بھیجوایا اور ان کی جگہ پر محمد بن ابی بکر والی ہو کر مصر گئے لیکن مصر کی ولایت ان کے بس کی نہ تھی، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ کی حکمت عملی نے ان کے خلاف بدامنی کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ جس سے سدِ خلافت ٹکرا کر پاش پاش[2] ہوگئی۔

حضرت قیسؓ، مصر سے مدینہ چلے آئے، یہاں مروان موجود تھا اس نے دھمکی دی تو مجبور ہو کر کوفہ چلے گئے اور وہیں جناب امیرؓ کے ساتھ بود و باش اختیار کر لی[3]۔ اسی زمانہ میں صفین کا واقعہ پیش آیا، حضرت قیسؓ اس میں شریک ہوئے اور یہ اشعار پڑھے:

هذا اللواء الذی کنا نحف به — مع النبی و جبریل لنا مدد

حاضر من کانت الانصار عیبته — ان لایکون له من غیر هم احد

قوم اذا حاربوا طالت اکفهم — بالمشرفية حق یفتح البلد

اس سے قبل جنگ جمل میں بھی حصہ لے چکے تھے۔

جنگ نہروان میں اپنی تمام قوم کے ساتھ شریک تھے، ابتدا اتمام حجت کے لئے جناب امیرؓ نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور حضرت قیسؓ نے خوارج کے لشکر میں بھیجا عبداللہ بن سنجر خارجی سے گفتگو ہوئی اس نے کہا کہ آپ کی اتباع ہمیں منظور نہیں، ہاں عمر بن خطابؓ جیسا کوئی ہو تو اس کو خلیفہ بنا سکتے ہیں، حضرت قیسؓ نے جواب دیا کہ ہم میں علی بن ابی طالبؓ ہیں، تم میں کوئی اس مرتبہ کا ہو تو پیش کرو، بولا ہم میں کوئی نہیں، فرمایا تو پھر اپنی جلد خبر لو، میں دیکھتا ہوں فتنہ تمہارے دلوں میں گھر کرتا جا رہا ہے۔

لڑائی کے بعد بھی جناب امیرؓ کے وفادار دوست رہے، ۴۰ھ میں جناب امیرؓ شہید

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۱۰۵۹ [2] اصابہ جلد ۵۔ ص ۲۵۵ [3] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۱۶

ہوئے اور عنان خلافت امام حسن رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئی تو قیس رضی اللہ عنہ ان کے بھی دست بازو رہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب امیر رضی اللہ عنہ نے خبر شہادت سن کر ایک لشکر بھیجا تھا، قیس رضی اللہ عنہ ۵ ہزار آدمیوں کو لے کر جن کے سر منڈے ہوئے تھے اور موت پر بیعت کر چکے تھے شامی لشکر کو روکنے کے لئے ابنار پہنچے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابنار کا محاصرہ کیا، اسی درمیان میں فریقین میں صلح ہوگئی اور امام حسن رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ''شہر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے میرے پاس مدائن چلے آؤ''۔ خط پہنچا تو نہایت برہم ہوئے اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو سخت وست کہا، پھر سب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور کہا کہ ''دونوں باتوں میں سے ایک اختیار کرو، قتال بلا امام یا اطاعت معاویہ رضی اللہ عنہ سب نے باتفاق کہا کہ جنگ کے بجائے امن اچھا ہے ہم سب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل ہوتے ہیں، قیس رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے لئے امیر سے امان طلب کی اور سب کو لے کر مدائن چلے آئے۔

یہاں سے قیس رضی اللہ عنہ نے مدینہ کا رخ کیا۔ ساتھیوں کے لئے خود اپنے اونٹ ذبح کرائے، مدینہ پہنچنے تک ایک اونٹ روزانہ ذبح کراتے تھے۔

مدینہ آکر گوشۂ تنہائی اختیار کیا۔ اور عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے، یہاں تک کہ ان کا مقررہ وقت آگیا۔

وفات : ۶۰ھ میں انتقال کیا، یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا اخیر زمانہ تھا کچھ دنوں بیمار رہے اہل مدینہ کثرت سے ان کے قرضدار تھے، اس لئے عیادت کو آتے ہوئے شرماتے تھے انہوں نے اعلان کرادیا کہ جس پر جتنا قرض ہے میں معاف کرتا ہوں اس خبر کے مشہور ہوتے ہی عیادت کے لئے تمام شہر اُمنڈ آیا، حضرت قیس رضی اللہ عنہ بالاخانہ پر تھے، لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ آمد ورفت میں کوٹھے کا زینہ ٹوٹ گیا۔

اہل وعیال : لڑکے کا نام عامر تھا[1] اپنے والد سے حدیث روایت کی ہے۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا، قد لمبا بدن دوہرا، خوبصورت اور شکیل تھے، چہرہ پر ایک بال نہ تھا، اس لئے انصار ظرافت میں کہا کرتے تھے، کہ کاش ان کے لئے ایک داڑھی خریدی جاتی قد اتنا لمبا تھا کہ گدھے پر سوار ہوتے تو پیر زمین پر لٹکتے تھے۔

فضل وکمال :

فضلائے صحابہ میں تھے، اشاعت حدیث، خاص نصب العین تھا، مصر میں جب امیر ہوگئے تو بعض حدیثیں منبر پر بیان کیں[2] مسائل میں غور وفکر اور تحری سے کام لیتے تھے۔

---

[1] مسند۔ جلد ۳۔ ص ۴۲۲ [2] مسند۔ جلد ۲۔ ص ۴۲۲

ایک شخص نے صدقہ فطر کی بابت سوال کیا، فرمایا زکوٰۃ سے پیشتر آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا تھا، جب زکوٰۃ مقرر ہوگئی تو نہ حکم دیا اور نہ منع فرمایا، اسی بنا پر ہم لوگ اب تک ادا کرتے ہیں[1]۔

راویان حدیث اور تلامذۂ خاص میں اصحاب ذیل کا نام لیا جا سکتا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالکؓ، ثعلبہ بن ابی مالک، ابو میسرۃ، عبدالرحمٰن بن ابی الیلیٰ ابو عمار غریب بن حمید ہمدانی، شعبی، عمرو بن شرحبیل وغیرہ۔

اخلاق و عادات :

گلستان سیرت نسیم اخلاق سے شگفتہ ہے خدمت رسول ﷺ، زہد واتقا ادب نبوت، جود وسخا، رائے وتدبر، شجاعت وبسالت، ہر دلعزیزی اور بے تعصبی اس نوبادۂ ساعدہ کے گلہائے شگفتہ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت دین ودنیا کی سعادت ہے، تمام صحابہؓ اس شرف عظیم کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ لیکن

ایں سعادت بزور بازو نیست

حضرت قیسؓ کو یہ شرف بھی حاصل تھا۔ مسند ابن حنبل میں ہے،

ان اباہ دفعه الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخدمه[2]، ''یعنی ان کے باپ حضرت سعدؓ نے ان کو آنحضرت ﷺ کے حوالہ کیا کہ ان سے کام لیا کریں۔

زہد کا یہ حال تھا کہ امام حسنؓ کے زمانۂ خلافت کے بعد بالکل عزلت نشین ہو گئے تھے، اکثر عبادت کیا کرتے تھے۔ فرائض سے گذر کر نوافل تک نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے، یوم عاشورہ کا روزہ نفل ہے اور رمضان کے روزوں سے قبل تمام صحابہؓ رکھتے تھے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہ رہی تاہم حضرت قیسؓ ہمیشہ عاشورے کے دن روزہ رکھتے تھے[3]۔

حامل رسالت کے ادب واحترام کا یہ حال تھا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان تشریف لے گئے، واپسی کے وقت حضرت سعدؓ نے اپنا گدھا منگایا اور اس پر چادر بچھوائی اور قیسؓ سے کہا کہ آپ ساتھ جاؤ، قیسؓ چلے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ان کو تامل ہوا تو ارشاد ہوا کہ سوار ہو جاؤ یا واپس جاؤ، حضرت قیسؓ آنحضرت ﷺ کے برابر بیٹھنا خلاف ادب سمجھتے تھے اس لئے واپس آئے۔

جود وسخا، فیاضی وکرم ان کی زندگی کا روشن تر وصف ہے، اسماء الرجال کے مصنفین لکھتے ہیں۔

---

[1] ایضاً جلد ۶۔ ص ۶ [2] مسند جلد ۳۔ ص ۴۲۲ [3] مسند جلد ۳۔ ص ۴۲۲

"کان من کرام اصحاب النبی و اسخیا ئھم" یعنی "وہ صحابہؓ میں نہایت کریم اور سخی تھے"

سخاوت ایک حد تک تو فطری تھی یعنی طبعاً فیاض پیدا ہوئے تھے لیکن اس میں ملک کی آب وہوا، والدین کی طرز بود وماند اور خاندان کی قدیم خصوصیات کو بھی بڑی حد تک دخل تھا۔ جیش الخبط کے معرکے میں جب مدینہ آکر اپنے والد سے لوگوں کی فاقہ مستی کا حال بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کراتے، جواب دیا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے فاقہ کا حال کہا تو بولے پھر ذبح کراتے، عرض کیا یہی حال تھا اسی طرح تیسری بار کی بھوک اور اس کی شدت کا حال سنا تو فرمایا کہ پھر ذبح کراتے بولے کہ مجھے روک دیا گیا[۱]۔

اسی غزوہ میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے جو جملہ ان کے متعلق استعمال کیا تھا اس کی خبر سعد بن عبادہؓ کو پہنچ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آکر کھڑے ہوئے اور کہا کہ ابن ابوقحافہؓ اور ابن خطابؓ کی طرف سے کوئی جواب دے وہ میرے بیٹے کو بخیل کیوں بنانا چاہتے تھے[۲]۔

جس شخص کا باپ اتنا دریا دل ہو اس کی فیاضی کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

"و اما جو دہ فلہ فیہ اخبار کثیرۃ لانطول بذکرھا"[۳]

یعنی "ان کی سخاوت کے قصے کثرت سے مشہور ہیں ہم ان کا ذکر طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں"۔

کثیر بن صلت، امیر معاویہؓ کے قرض دار تھے انہوں نے مروان کو لکھا کہ کثیر کا مکان تم خرید لو اگر نہ دیں تو روپیوں کا مطالبہ کرنا، روپیہ دیں تو خیر ورنہ مکان فروخت کر ڈالنا۔ مروان نے کثیر کو بلا کر اس واقعہ سے آگاہ کیا اور ۳ دن کی مہلت دی کثیر کو مکان بیچنا منظور نہ تھا۔ روپیوں کی فکر کی لیکن ۳۰ ہزار کی کمی تھی سخت پریشان تھے کہ کہاں سے پوری ہو! اتنے میں قیسؓ کا خیال آیا ان کے مکان پر پہنچے اور ۳۰ ہزار قرض مانگا۔ انہوں نے فوراً دے دیا چنانچہ مروان کے پاس روپیہ لے کر آئے اس کو رحم آ گیا اور مکان اور روپے دونوں ان کے حوالے کر دیئے۔ وہاں سے اٹھ کر قیسؓ کے پاس پہنچے اور ۳۰ ہزار کی رقم واپس کی۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ جو چیز ہم دے دیتے ہیں اس کو پھر واپس نہیں لیتے[۴]۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ ص ۶۲۶ ۲۔ اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۱۵ ۳۔ ایضاً ص ۲۱۶ ۴۔ استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۹

ایک ضعیفہ اپنی مفلوک الحال اور فقر کی شکایت لے کر آئی اور کہا کہ میرے گھر میں چوہے نہیں ہیں (یعنی اناج نہیں جس کی وجہ سے چوہے آئیں)۔ فرمایا سوال نہایت عمدہ ہے اچھا جاؤ اب تمہارے گھر میں چوہے ہی چوہے نظر آئیں گے چنانچہ اس کا گھر غلہ اور روغن اور دوسری کھانے کی چیزوں سے بھروادیا[1]۔

آبائی جائداد میں نہایت استغناء اور سیر چشمی ظاہر کی۔ حضرت سعدؓ روانہ ہوتے وقت اپنی تمام جائداد اولاد پر تقسیم کر گئے تھے۔ ایک لڑکا ان کی وفات کے بعد پیدا ہوا اس کا حصہ انہوں نے نہیں لگایا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے قیس کو مشورہ دیا کہ اس تقسیم کو فسخ کر کے از سر نو حصے لگائیں انہوں نے کہا کہ میرے باپ جس طرح حصے لگائے گئے ہیں بدستور باقی رہیں گے، باقی میرا حصہ موجود ہے وہ میں اس کو دیئے دیتا ہوں[2]۔ رائے وتدبیر میں تمام عرب میں انتخاب تھے۔ مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں۔

"کانو ایعدون وهاة العرب حین ثارت الفتنة خمسة رهط یقال لهم ذووارای العرب ومیکیدتهم معاویهؓ وعمروؓ بن العاصؓ وقیس بن سعد والمغیرة بن شعبه وعبدالله بن بدیل بن ورقاء"[3]

یعنی "ایام فتنہ میں عرب میں چال اور حکمتِ عملی والے پانچ شخص تھے، معاویہ عمرو بن العاصؓ، قیسؓ، مغیرہؓ، عبداللہ ابن بدیل"۔

ہوشیاری اور چالاکی کا یہ عالم تھا کہ جب تک وہ مصر کے والی رہے۔ امیر معاویہؓ اور عمروؓ کی کوئی حکمتِ عملی کارگر نہ ہوئی۔ وہ کہتے ہیں۔ "لولا الاسلام لمکرت مکرا لا تطیقه العرب"۔ یعنی "اگر اسلام نہ ہوتا تو میں ایسا مکر کرتا جس سے تمام عرب عاجز آجاتا"۔

اپنی قوم میں نہایت ہر دلعزیز اور تمام انصار پر حاوی تھے۔ حبیب بن مسلمہ، فتنۂ اولیٰ (قتل حضرت عثمانؓ) کے زمانہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس آئے اور کہا کہ اسی گھوڑے پر سوار ہو جایئے اور خود زین سے ہٹ گئے۔ قیسؓ نے اس بنا پر آگے بیٹھنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آگے خود جانور کے مالک کو بیٹھنا چاہئے حبیب نے کہا یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن آپ کے پیچھے بیٹھنے میں مجھ کو اطمینان نہیں[4]۔

نہایت درجہ بے تعصب تھے۔ قادسیہ میں سہل بن حنیف کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ گذرا کہ جیسا کہ مسلمانوں کا عام قاعدہ تھا کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے کہا آپ ناحق کھڑے

---

[1] استیعاب جلد ۲۔ ص ۵۳۹ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۱۵ [4] مسند جلد ۳۔ ص ۴۲۲

ہوئے وہ ایک آدمی کا جنازہ تھا۔ حضرت قیس ؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی ایک یہودی کے جنازہ کے لئے اٹھے تھے، جب واقعہ معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کیا مضائقہ، آخر وہ بھی تو ایک جان ہے[1]۔

شجاعت و بسالت کا تذکرہ غزوات میں آچکا ہے۔ اس بناء پر اس کا اعادہ چنداں ضروری نہیں۔

[1] ایضاً۔ جلد ۶۔ ص ۶

حضرت قرظہ بن کعبؓ

نام ونسب :

قرظہ نام ۔ابوعمرو کنیت ،قبیلۂ حارث بن خزرج سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے :

قرظہ بن کعب بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو کعب بن الاطنابہ بعض لوگوں نے اس طرح لکھا ہے ،قرظہ بن عمرو بن کعب بن عمرو بن عائذ بن زید مناۃ بن مالک بن ثعلبہ کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج۔

ماں کا نام خلیدہ بنت ثابت بن سنان تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات اور عام حالات :

غزوۂ اُحد ،غزوۂ خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی عہد صدیقی مدینہ میں گذرا، حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ آئے اور یہیں مقیم ہوگئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ امارت میں مسیلمہ کذاب مدعی نبوت کے ایک دوست کو جو ابن النواحہ کے نام سے مشہور تھا کوفہ میں قتل کیا۔

۲۳ھ (عہد فاروقی) میں رے کی مہم سر کی جناب امیرؓ جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنایا اور جب صفین کے لئے نکلے تو ان کے ہمراہ لے گئے اور ابومسعود بدریؓ کو جانشینی کے لئے کوفہ میں چھوڑا۔

اس زمانہ میں ان کے علاقہ کا ایک واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے، ذمیوں کی ایک نہر خشک ہوکر مٹ رہی تھی اور ذمی پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس مقام کو چھوڑ دینا چاہتے تھے، جناب امیرؓ کے پاس ایک وفد بھیجا اور حالات گوش گذار کئے، آپ نے قرظہؓ کو ایک خط لکھا جو بجنسہ تاریخ یعقوبی میں درج ہے، ہم اس کے بعض فقرے اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

فانظر انت وهم ثم اعمر واصلح النهر فلعمری لان يعمروا احب الينا من ان يخرجوا او ان يعجزوا او يقصروفي واجب من صلاح البلاد. (۲۴۰_جلد۲)

تم اور وہ (ذمی) مل کر اس معاملہ پر غور کرو، ان کے آباد رہنے کی فکر رکھو اور نہر درست کرادو خدا کی قسم میں ان کا آباد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں ان کا عاجز آکر بھاگ جانا یا زمین اور آبادی کی سعی فلاح میں ناکام رہنا مجھے منظور نہیں۔

وفات : حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا جناب امیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اہل کوفہ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا، چنانچہ بزم ماتم قائم ہوئی اور ہر طرف کہرام مچ گیا، کوفہ میں یہ بالکل نئی بات تھی، ابوحاتم رازی، ابن سعد ابن حبان اور قاضی ابن عبدالبر کا یہی خیال ہے۔

لیکن صحیح مسلم میں اس کے خلاف روایت آئی ہے۔ اس بناء پر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کی وفات حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت کے بجائے عہد معاویہؓ میں ہوئی ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ قرظہ بن کعب پر کوفہ میں نوحہ کیا گیا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''جس پر نوحہ کیا جائے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، اس روایت میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔

۱۔ مغیرہؓ بن شعبہ کے کوفہ میں موجود ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر معاویہؓ کا عہد خلافت تھا، اور مغیرہؓ کوفہ کے والی تھے، کیونکہ جناب امیرؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی جنگ میں مغیرہؓ طائف میں گوشہ نشین تھے، حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد کوفہ آئے اور امام حسن سے صلح ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔

۲۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں تصریح ہے کہ مغیرہؓ اس زمانہ میں امیر کوفہ تھے۔

۳۔ ترمذی میں ہے کہ مغیرہؓ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا، اور رونے کی ممانعت پر حدیث پڑھی۔

۴۔ صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے کہ مغیرہؓ نے بحالت امارت حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا۔

۵۔ مغیرہؓ کی امارت کوفہ میں تھی۔

ان تمام روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا یہی وجہ ہے کہ ابن سعدؓ نے طبقات الکوفیین میں پہلی روایت کو لیا ہے۔ دوسری جگہ اس سے ذرہ ہٹ کر لکھتے ہیں۔ مات بالکوفة والمغیرة وال علیها۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ایک احتمال پیدا کیا ہے، یعنی یہ کہ صحیح مسلم کی روایت میں

جو واقعہ ہے، ضروری نہیں کہ امارت مغیرہؓ کے زمانہ کا ہو، ممکن ہے کہ مغیرہؓ امیر نہ ہوں اور یہ جملہ عہد امیر میں کہا ہو لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں مسلم کی دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے جناب امیرؓ کے زمانہ خلافت میں مغیرہؓ سرے سے کوفہ میں موجود ہی نہ تھے۔

فضل وکمال :

فضلائے صحابہؓ میں تھے، حضرت عمرؓ عمار بن یاسر والی کوفہ کے ہمراہ انصار کے دس بزرگوں کو تعلیم فقہ کے لئے بھیجا تھا، حضرت قرظہؓ بھی انہی میں تھے۔

آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند روایتیں کیں عامر بن سعد بجلی اور امام شعبی ان کے مسند فیض کے حاشیہ نشین ہیں۔

اخلاق : مقدس اور عالی مرتبہ ہونے کے باوجود زندہ دل تھے، ان کے ہاں شادی کی تقریب تھی، لڑکیاں گا رہی تھیں۔ اور یہ ابو مسعود اور ثابت بن زیدؓ کے ساتھ بیٹھے گانا سن رہے تھے، عامر بن سعد نے کہا آپ لوگ صحابی ہو کر گانا سنتے ہیں، فرمایا آنحضرت ﷺ نے ہم کو شادی میں گانے اور موت میں نوحہ کے بغیر رونے کی اجازت دے دی ہے[1]۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۲۰۲۔

حضرت قطبہ رضؓ بن عامر

نام ونسب :

قطبہ نام۔ابوزید کنیت،قبیلہ خزرج سے ہیں نسب نامہ یہ ہے :

قطبہ بن عامر حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

اسلام : عقبۂ اولیٰ میں مسلمان اور عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔

غزوات : بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔غزوۂ بدر میں نہایت پامردی اور جانبازی سے لڑے،مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان ایک پتھر پھینکا اور کہا کہ "جب تک یہ نہ بھاگے گا میں بھی نہ بھاگوں گا" ! غزوہ احد میں ۹ زخم کھائے اور فتح مکہ میں بنوسلمہ کی علمبرداری کا فخر حاصل کیا۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اخلاق : سنت نبوی پر چلنے کی سخت کوشش کرتے تھے زمانہ جاہلیت میں انصار احرام دباندھ کر دروازوں سے گھر کے اندر نہ آتے تھے،قریش میں بھی یہی دستور تھا،لیکن چند قبائل مستثنیٰ تھے، ایک روز احرام کی حالت میں آنحضرت ﷺ کسی باغ میں داخل ہوئے صحابہؓ بھی ساتھ تھے،قطبہ بھی دروازہ سے اندر چلے گئے،لوگوں نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) یہ فاجر آدمی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کو یہ فاجر کہتے ہیں جب احرام باندھے تھے تو پھر اندر کیوں آئے؟ جواب دیا آپ کے ساتھ چلا آیا فرمایا میں تو احمسی ہوں۔عرض کی دینی دینک جو آپ کا دین ہے وہی میرا بھی ہے، کلام مجید نے اس خیال کی تائید کی اور یہ آیت اتری۔

"لیس البربان تاتو االبیوت من ظهورها"

یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں پیچھے سے آتے ہو۔

اس آیت کے بموجب انصار کی ایک قدیم رسم جو بالکل حماقت پر مبنی تھی،متروک ہوگئی لیکن جس شخص نے سب سے پہلے اس کو ترک کیا وہ حضرت قطبہؓ تھے اور اس لئے من سن سنة الخ کے وہ مصداق کہے جاسکتے ہیں۔

"ک"

حضرت کعبؓ بن مالک

نام ونسب :

کعب نام۔ ابوعبداللہ کنیت، بنوسلمہ سے ہیں نسب نامہ یہ ہے:

کعب بن مالک بن ابی کعب عمرو بن قیس بن سواد بن نعم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد ابن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج، والدہ کا نام لیلیٰ بنت زید بن ثعلبہ تھا اور بنوسلمہ سے تھیں۔

جاہلیت میں ابوبشیر کنیت کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے بدل کر ابوعبداللہ کردی، مالک کے یہی ایک چشم و چراغ تھے۔

اسلام : عقبہ ثانیہ میں ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مکہ آکر بیعت کی[1]۔

غزوات : آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور انصار و مہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت طلحہؓ بن عبداللہ کو کہ عشرۂ مبشرہ میں تھے ان کا بھائی بنایا۔

غزوہ بدر میں جلدی کی وجہ سے نہ جاسکے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ رہ گئے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے کسی کو کچھ نہ کہا۔

اس غزوہ سے محروم رہنے کا ان کو کچھ افسوس بھی نہ تھا۔ خود فرماتے تھے کہ لیلۃ العقبہ کے مقابلہ میں جو اسلام کی آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ تھی، میں بدر کو ترجیح نہیں دیتا گو لوگوں میں بدر کا زیادہ چرچا ہے[2]۔

غزوۂ احد میں اپنے مہاجر بھائی کی طرح داد شجاعت دی، آنحضرت ﷺ کی زرد زرہ پہن کر میدان میں آئے، آنحضرت ﷺ ان کی زرہ زیب تن کئے تھے۔ اس لڑائی میں ۱۱ زخم کھائے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق خبر اڑ گئی تھی کہ شہید ہو گئے صحابہؓ کو سخت تشویش پیدا ہو گئی سب سے پہلے انہوں نے پہچانا اور باآواز بلند پکار اٹھے کہ رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "خاموش رہو"[3]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱۔ص ۵۵۰۔ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ص ۶۳۴۔ [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۲

احد کے بعد جو غزوات پیش آئے، ان میں انہوں نے نہایت مستعدی سے شرکت کی، یہ عجیب بات ہے کہ عہد نبوت کے پہلے غزوہ کی طرح پچھلے غزوہ کی شرکت کے شرف سے بھی محروم رہے۔ غزوۂ تبوک آنحضرت ﷺ[1] کا اخیر غزوہ ہے اور غزوہ عسرت کہلاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی عادت یہ تھی کہ کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو صاف صاف نہ بتاتے۔ لیکن اس دفعہ خلاف معمول ظاہر کر دیا تھا، تاکہ مسلمان اس طویل اور مشکل سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ خود حضرت کعبؓ نے اس کے لئے دو اونٹ مہیا کئے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں کسی غزوہ میں اتنا قوی تیار اور خوشحال نہ تھا جتنا اس دفعہ تھا۔

اہتمام کی اصل وجہ یہ تھی کہ رومیوں سے مقابلہ تھا جو ساز وسامان، تعداد جمعیت و کثرت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی قوت شمار ہوتے تھے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی بہت بڑی جمعیت فراہم کی، اور شدید گرمی کے زمانہ میں تیاری کا حکم دے دیا۔

حضرت کعبؓ روزانہ تہیہ کرتے لیکن کوئی فیصلہ نہ کر پاتے اسی حیص و بیص میں وقت گذر گیا، اور آنحضرت ﷺ صحابہؓ کو لے کر تبوک روانہ ہو گئے۔

یہاں ابھی تک سامان بھی درست نہ ہوا تھا دل میں کہتے تھے کہ میں جا سکتا ہوں لیکن پھر نیت بدل جاتی اور رُک جاتے، اسی طرح روزانہ سفر کا ارادہ کرتے اور فسخ کرتے یہاں تک کہ رسول ﷺ کے تبوک پہنچنے کی خبر آ گئی۔ شہر میں نکلتے تو منافقین اور ضعفاء کے علاوہ کوئی نظر نہ آتا، سخت شرمندگی ہوتی کہ تنومند، قوی، اور صحیح سالم ہونے کے باوجود کیوں پیچھے رہ گیا۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے رہ جانے کا کوئی خیال بھی نہ تھا۔ نہ فوج کا کوئی رجسٹر تھا۔ جس سے غیر حاضر رہنے والوں کا پتہ چلتا۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ کو معلوم ہونے کا صرف ایک ذریعہ تھا اور وہ وحی الٰہی تھی۔

تبوک پہنچ کر ان کے متعلق دریافت کیا تو بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ان کو اپنے کپڑے دیکھنے سے کب فرصت تھی جو یہاں آتے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے کہا یہ غلط ہے، ہم نے ان میں کوئی بری بات نہیں پائی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ غزوہ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی واپسی کی خبر ان کو ملی تو ان کے دل میں مختلف خیالات موجزن ہوئے گھر کے لوگوں سے مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی سے بچنے کی کیا تدبیر ہے۔ کبھی یہ خیال آتا کہ باتیں بنا کر آنحضرت ﷺ کے غصے سے نجات حاصل کریں، لیکن جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو یہ تمام وسوسے

---

[1] مفصل واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ ص ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶

دور ہو گئے اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو سچ سچ سارا ماجرا حضور سے عرض کر دیں گے۔

آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ۸۰ سے اوپر آدمیوں کی ایک جماعت معذرت کے لئے حاضر ہوئی، اور قسم کھا کر ایک ایک نے اپنا مدعا بیان کیا، آپ نے سب کا عذر قبول کیا، بیعت لی اور سب کے لئے استغفار کیا۔ اس کے بعد حضرت کعبؓ سامنے آئے آنحضرت ﷺ ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ آؤ وہ سامنے آ کر بیٹھے تو پوچھا کہ غزوہ میں کیوں نہ گئے؟ عرض کی حضور (ﷺ) سے کیا چھپاؤں، کوئی دنیاوی حاکم ہوتا تو سو طرح کی باتیں بنا کر ان کو راضی کر لیتا، کیونکہ میں مقرر اور مباحث واقع ہوا ہوں لیکن آپ کے سامنے سچ بولوں گا۔ شائد خدا معاف کر دے۔ جھوٹ بولنے سے اس وقت آپ خوش تو ہو جائیں گے۔ لیکن پھر خدا آپ کو میری طرف سے ناراض کر دے گا۔ اور مجھے یہ گوارہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ میں نہایت قوی، باسر وسامان اور مالدار تھا، لیکن بدقسمتی کہ جا نہ سکا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا انہوں نے سچی بات کہی اچھا جاؤ تمہارے لئے خدا جو فیصلہ کرے۔

یہ وہاں سے اٹھے بنو سلمہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے پہلے تم نے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا تھا، اور تعجب ہے کہ اس کے لئے تم کوئی عذر بھی نہ پیش کر سکے، کیا اچھا ہوتا اگر اور لوگوں کی طرح تم نے بھی کوئی عذر کر دیا ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے استغفار کیا تھا۔ تمہارا گناہ بھی معاف ہو جاتا۔ یہ سن کر پھر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر اگلے بیان کی تردید کر دیں پھر کچھ سوچ کر پوچھا کہ میرے جیسے کچھ اور لوگ بھی ہیں؟ معلوم ہوا ہاں دو آدمی اور ہیں۔ مرارہؓ بن ربیع اور ہلال بن امیہؓ دونوں بزرگ نہایت صالح اور غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے ان کے نام سن کر تسکین ہوئی اور جھوٹ کے ارادہ سے باز آئے۔

آنحضرت ﷺ نے ان تینوں سے مسلمانوں کو بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ ۵۰ دن یہی حالت رہی، لوگ ان کو گھور گھور کر دیکھتے تھے لیکن بولتے نہ تھے، مرارہؓ اور ہلالؓ تو گھر میں بیٹھ گئے تھے، اور رات دن رویا کرتے تھے، کعبؓ جوان آدمی تھے گھر میں کہاں بیٹھ سکتے تھے۔ پانچوں وقت مسجد میں نماز کے لئے آتے اور بازاروں میں پھرا کرتے لیکن کوئی مسلمان بات تک کا روادار نہ ہوتا۔

مسجد میں آتے اور رسول اللہ ﷺ کو نماز کے بعد سلام کرتے آنحضرت ﷺ مصلے پر بیٹھے رہتے، یہ دیکھتے کہ جواب میں لب مبارک ہلے یا نہیں پھر قریب ہی نماز پڑھتے اور گوشہ چشم سے آنحضرت ﷺ کی طرف تاکتے، آنحضرت ﷺ ان کو دیکھتے رہتے جب نماز سے فارغ ہو کر آپ کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ منہ پھیر لیتے تھے۔

ان کے ساتھ یہی برتاؤ ان کے گھر والوں کا بھی تھا حضرت ابوقتادہؓ عم زاد بھائی تھے۔ایک مرتبہ ان کے مکان کے دیوار پر چڑھے اور سلام کیا، انہوں نے جواب تک نہ دیا۔انہوں نے تین مرتبہ قسم دے کر پوچھا کہ تم یہ جانتے ہو کہ ''میں اللہ اور رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہوں''۔انہوں نے اخیر مرتبہ جواب دیا کہ خدا اور رسول ﷺ کو خبر ہوگی اس جواب سے ان کو سخت مایوسی ہوئی اور دل میں کہا کہ اب میرے ایمان کی بھی کوئی گواہی دینے والا نہیں، بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور بازار کی طرف نکل گئے وہاں ایک نبطی جو شام کا باشندہ تھا ان کو ڈھونڈ رہا تھا مسلمانوں نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو وہ آرہے ہیں وہ بادشاہ غسان کا ان کے پاس خط لایا تھا کھول کر پڑھا تو یہ تحریر تھا کہ تمہارے صاحب آنحضرت ﷺ نے تم پر بڑی زیادتی کی لیکن خدا نے تم کو کسی ذلیل گھر میں نہیں پیدا کیا ہے تم میرے پاس آجاؤ، مضمون پڑھ کر کہا یہ بھی ایک آزمائش ہے اور خط کو ایک تنور میں ڈال دیا۔

چالیس دن گذر گئے تو آنحضرت ﷺ کا آدمی پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ، پوچھا طلاق دے دوں؟ بولا نہیں صرف الگ رہو اپنی بیوی سے جا کر کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک میری نسبت خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے، وہیں رہو۔ ہلالؓ اور مرارہؓ کو بھی یہی حکم ہوا تھا لیکن ہلالؓ بہت بوڑھے تھے ان کی بیوی بارگاہِ رسالت ﷺ میں گئیں اور خدمت کی اجازت لے آئیں، بولے میں نہ جاؤں گا معلوم نہیں آپ کیا فرمائیں۔

پچاسویں دن فجر کی نماز پڑھ کر ایک چھت پر بیٹھے ہوئے تھے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ اب تو زندگی سے بیزار ہوں، زمین وآسمان سب مجھے پر تنگ ہیں کہ اتنے میں پہاڑ پر سے آواز آئی کہ اے کعب! بشارت ہو سمجھ گئے کہ در قبول وا ہوا۔ اور اللہ نے توبہ قبول کر لی، فوراً سجدہ میں گرے، خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنی مغفرت چاہی دو آدمیوں نے جس میں ایک گھوڑے پر سوار تھا آکر خوشخبری سنائی انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر دونوں کو دے دیئے۔مزید کپڑے موجود نہ تھے اس لئے مانگ کر پہنے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے۔

راستہ میں لوگ جوق در جوق چلے آرہے تھے۔سب نے مبارک باد دی، مسجد میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے درمیان بیٹھے تھے۔حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر مصافحہ کیا لیکن وہ لوگ بیٹھے رہے۔آنحضرت ﷺ کو سلام کیا چہرۂ مبارک مسرت سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، فرمایا تم کو بشارت ہو جب سے تم پیدا ہوئے آج سے بہتر کوئی دن نہ گذرا ہوگا، پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے معاف کیا؟ فرمایا میں نے نہیں خدا نے معاف کیا۔جوشِ مسرت میں عرض کیا کہ اپنا مال صدقہ کرتا ہوں۔

فرمایا کہ کچھ صدقہ کرو۔ انہوں نے خیبر کا حصہ صدقہ کر دیا اس کے بعد کہا کہ خدا۔ نے مجھ کو صرف سچ کی وجہ سے نجادت دی اب یہ عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ سچ بولوں گا۔

سچ بولنے میں حضرت کعب ؓ کو جس ابتلا کا سامنا ہوا اس کی نظیر سے تاریخِ اسلام خالی ہے ایسے بڑے بڑے مصائب پر بھی ان کا قدم جادۂ استقلال سے نہ ہٹا۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں ان کے متعلق نازل ہوئیں :

" وعلى الثلثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا اليه ط ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التوب الرحيم ط "

"یعنی خدا نے ان تین آدمیوں کی توبہ قبول کی جو پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب ان پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی اور خود اپنی زندگی سے بھی تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ صرف خدا ہی سے پناہ لینا چاہیے تو خدا ان کی طرف رجوع ہوا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔ بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے"۔ (سورۂ توبہ۔ رکوع ۱۳۔ پ۱۱)

اس آیت میں خلفوا کا لفظ ہے جس کے معنی غزوہ سے پیچھے رہنا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ان کے معاملہ میں امر الٰہی کا منتظر رہنا اور ان کو چھوڑ رکھنا ہے[1]۔ عہدِ نبوی ﷺ کے بعد حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے روح فرسا واقعہ میں انہوں نے مرثیہ لکھا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ ؓ کی لڑائیوں میں وہ دونوں سے الگ رہے۔

وفات : امیر معاویہ ؓ کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ **۵۰ھ** تھا، عمر ۷۷ سال تھی۔

اولاد : عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، معبد، محمد، قصر کعب کے ارکان خمسہ تھے ان میں سے اول الذکر کو یہ شرف حاصل تھا کہ جب ان کے والد نابینا ہو گئے تو یہ ان کے قائد اور راہ نما بنتے تھے[2]۔

فضل وکمال : حدیث کی کتابوں میں ۸۰ روایتیں ہیں اور خود آنحضرت ﷺ اور اسید بن حضیر ؓ سے روایت کی ہے۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت جابر ؓ، حضرت ابوامامہ باہلی ؓ، امام باقر رضی اللہ عنہ، عمرو بن حکم بن ثوبان، علی بن ابی طلحہ، عمر بن کثیر بن افلح، عمر بن حکیم بن راجع جیسے اکابر شامل ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۳۶ ۔ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۳۴

مشہور شاعر تھے، طبیعت اچھی پائی اور اشعار میں جدت تھی جاہلیت میں شاعری کے انتساب سے مشہور تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ شعر کہنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں، مسلمان اس کی وجہ سے تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے، جب یہ شعر کہا:

زعمت سخینة ان ستغلب ربها

سخینہ کا گمان ہے کہ اس کا معبود اس کو غالب کرے گا

فلیغلبن　مغالب　الغلاب

بہتر ہے وہ تمام غالب ہونے والوں کے غالب (خدا) پر غلبہ حاصل کریں

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس سے تم نے خدا کو مشکور بنایا۔ ان کی شاعری کا موضوع کفار کو لڑائی سے ڈرانا اور مسلمانوں کا ان کے قلوب میں سکہ جمانا تھا۔ دربارِ رسالت ﷺ میں تین شاعر تھے اور تینوں کے موضوع جداگانہ تھے انہی میں سے ایک حضرت کعبؓ بھی تھے۔ کلام کے اثر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف دو بیت کہے اور تمام قبیلۂ دوس مسلمان ہوگیا وہ شعر یہ تھے۔

قضینا من تہامة کل وتر　　وخیر ثم اغمدنا ایسونا

تہامہ اور خیبر سے ہم نے کینہ کو دور کر کے　　تلواریں نیام میں کر لیں

یخرھا ولو نطقت لقالت　　قوا طعھن دوسا او ثقیفا

اب تم پھر ان کو اٹھاتے ہیں اور اگر بول سکیں　　تو کہیں کہ اب دوس یا ثقیف کا نمبر ہے

دوسیوں نے سنا تو کہا کہ مسلمان ہو جانا بہتر ہے ورنہ ثقیف کی طرح ہمارا بھی حشر ہوگا۔

اخلاق: صدق وراستی ان کا خاص وصف تھا اور اس کو انہوں نے جس طرح بنایا، اس سے زیادہ ہونا ناممکن ہے دعا قبول ہونے کے بعد کبھی جھوٹ نہ بولے۔ خود فرماتے ہیں۔ "واللہ ما تعمدت کذبة منذ قلت ذٰلک لرسول اللہ ﷺ الیٰ یومی ھذا وانی لا رجوان یحفظنی اللہ فیما بقے"[1]۔

غزوۂ تبوک سے پیشتر کی زندگی نہایت پاک اور صاف گذری تھی۔ چنانچہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو بنو سلمہ نے برجستہ کہا:

واللہ ما علمناک کنت اذنبت ذنبا قبل ھذا[2]۔ یعنی خدا کی قسم تم نے اس سے پہلے تو کوئی گناہ نہ کیا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲۔ ۴۵۴　[2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۳۵

حضرت کلثوم بن الہدمؓ

نام ونسب :

کلثوم نام۔صاحب رحل رسول اللہ ﷺ لقب،سلسلۂ نسب یہ ہے :

کلثوم ابن الہدم بن امراء القیس بن حارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف ابن مالک بن اوس۔

السیفی کا عالم تھا کہ اسلام کی صدا کانوں میں پہنچی اور انہوں نے اس کو لبیک کہا۔

ہجرت نبوی ﷺ :

تھوڑے دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی،ابتداءً قبیلہ عمرو بن عوف میں نزول اجلال ہوا اور حضرت کلثومؓ کے مکان میں قیام فرمایا گھر پہنچے حضرت کلثومؓ نے اپنے نوکر کو آوزدی،یا نجیح،عرب شگون اورفال کے عادی ہوتے تھے،ارشاد ہوا،انجحت یا ابابکر ! آنحضرت ﷺ یہاں چارروز مقیم رہے،اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مسکن کونوازا۔

وفات :

مسجد نبوی اورازداج مطہرات کے حجروں کی تعمیر شروع تھی،اور بدر کو بہت کم عرصہ باقی تھا،کہ پیغام اجل آپہنچا،اس بنا پر حضرت کلثومؓ کسی غزوہ میں شریک نہ ہوسکے

ہجرت کے بعد صحابہؓ میں یہ پہلی موت تھی،اس کے بعد چند دنوں کے بعد اسلام کے پرجوش داعی حضرت ابوامامہؓ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

"م"

حضرت معاذ بن جبلؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات :

معاذ نام ۔ ابوعبدالرحمٰن کنیت ، امام الفقہاء کنز العلماء اور عالم ربانی القاب ، قبیلۂ خزرج کے خاندان ادی بن سعد سے تھے، نسب نامہ یہ ہے :

معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اُدی بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔

سعد بن علی کے دو بیٹے تھے، سلمہ اور ادی، سلمہ کی نسل سے بنو سلمہ ہیں جن میں حضرت ابوقتادہؓ، جابر بن عبداللہؓ، کعب بن مالکؓ، عبداللہؓ بن عمرو بن حرام مشہور صحابہؓ گذرے ہیں۔ ان لوگوں کے ماسوا اور بھی بہت سے بزرگوں کو اس خاندان سے انتساب تھا۔ لیکن سلمہ کے دوسرے بھائی ادی کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت صرف ایک فرزند تھا، جس کی وفات پر خاندان ادی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

امام سمعانی نے کتاب الانساب میں حسین بن محمد بن[1] طاہر کو اسی ادی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، تمام موثق روایتوں سے ثابت ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس خاندان میں صرف دو شخص باقی تھے، ایک حضرت معاذؓ اور دوسرے ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن۔

بنوادی کے مکانات ان کے بنو اعمام (بنو سلمہ) کے پڑوس میں واقع تھے، مسجد قبلتین جہاں تحویل قبلہ ہوا تھا، یہیں واقع تھی، حضرت معاذؓ کا گھر بھی یہیں تھا۔

اسلام : طبیعت فطرۃً اثر پذیر واقع ہوئی تھی، چنانچہ نبوت کے بارہویں سال جب مدینہ میں اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ نے اس کے قبول کرنے میں ذرہ بھی پس و پیش نہ کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی السلام ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے توحید کا اقرار کیا، اس وقت ان کا سن ۱۸ سال کا تھا۔

---

[1] کتاب الانساب ورق ۲۳

حج کا موسم قریب آیا تو حضرت مصعبؓ مکہ روانہ ہوئے، اہل مدینہ کی ایک جماعت جس میں مسلم اور مشرک دونوں شامل تھے، ان کے ہمراہ ہوئی۔ حضرت معاذ بھی ساتھ تھے، مکہ پہنچ کر عقبہ میں وہ نورانی منظر سامنے آیا۔ جو حضرت معاذؓ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ رات کے وقت تشریف لائے اور اس جماعت سے بیعت لی۔

یہ جماعت مکہ سے مدینہ واپس ہوئی، تو آفتاب اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل گئی
یثرب تمام مطلع انوار ہو گیا

حضرت معاذؓ کمسن تھے مگر جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ بنو سلمہ کے بت توڑے جانے لگے، تو بت شکنوں کی جماعت میں وہ سب کے پیش پیش تھے، بت کا کسی کے گھر میں موجود ہونا، اب ان کے لئے سخت تکلیف دہ تھا، بنو سلمہ کے اکثر گھر ایمان کی روشنی سے منور ہو چکے تھے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے باقی تھے، جن کا نفس آبائی مذہب چھوڑنے سے ابا کرتا تھا، عمروؓ بن جموح بھی انہی لوگوں میں تھے، جو اپنے قبیلے کے سردار اور نہایت معزز شخص تھے، انہوں نے لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جس کا نام مناۃ تھا، حضرت معاذؓ اور کچھ دوسرے نوجوان رات کو ان کے گھر پہنچے، وہ بے خبر سو رہے تھے ان لوگوں نے بت کو اٹھا کر محلّہ کے ایک گڑھے میں پھینک دیا، کہ آنے جانے والے اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ صبح کو بت کی تلاش کے لئے نکلے تو اپنے معبود کو ایک گڑھے میں اوندھا پڑا دیکھ کر عمرو کا غیظ و غضب اختیار سے باہر ہو گیا۔ بہر حال اس کو اٹھا کر گھر لائے نہلایا، خوشبو لگائی، اور اس کی اصل جگہ پر رکھ دیا۔ اور نہایت طیش میں کہا کہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے اگر مجھے اس کا نام معلوم ہو جائے تو بری طرح خبر لوں، لیکن جب پھر یہی واقعہ کئی مرتبہ لگاتار پیش آیا تو کفر سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔

تعلیم و تربیت :

حضرت معاذؓ ابتدا ہی سے ہونہار تھے، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو وہ آپ کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور چند ہی دنوں میں فیض نبوت کے اثر سے اسلام کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بن گئے اور ان کا شمار صحابہ کے برگزیدہ افراد میں ہونے لگا۔

رسول اللہ ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ بسا اوقات ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے تھے، اور اسرار و حکم کی تلقین کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: " یا معاذ بن جبل انہوں نے کہا۔ **لبیک یا رسول اللہ و سعدیک**۔ آپ نے

پھر ان کا نام پکارا انہوں نے پھر اسی ادب اور محبت بھرے الفاظ سے جواب دیا اسی طرح تین مرتبہ آپ نے ان کا نام لیا۔ اور وہ اسی طرح برابر لبیک کہتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص صدق دل سے کلمۂ توحید پڑھ لے اس پر دوزخ حرام ہو جاتی ہے''۔ حضرت معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنادوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''نہیں ورنہ لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے''[1]۔

حضرت معاذؓ پر شفقت نبوی کا یہ حال تھا کہ وہ خود کوئی سوال نہ کرتے تو آنحضرت ﷺ کوڑے یا عصا سے ان کی پشت پر آہستہ سے ٹھوکر دی۔ اور فرمایا: ''جانتے ہو بندوں پر خدا کا کیا حق ہے؟'' عرض کیا اللہ اور رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ فرمایا ''یہ کہ بندے اس کی عبادت کریں اور شرک سے اجتناب کریں''۔ تھوڑی دور چل کر پھر پوچھا کہ ''خدا پر بندوں کا کیا حق ہے''؟ پھر عرض کیا کہ خدا اور رسول کو معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا ''یہ کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے''[2]۔

حضرت معاذؓ ہمیشہ شفقت نبوی سے سرفراز رہتے تھے، ان کو اٹھتے بیٹھتے، حامل نبوت سے تعلیم ملتی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو ایک چیز کی تعلیم دی ایک اور مرتبہ لطف و کرم سے فرمایا کہ ''میں تمہیں جنت کا ایک دروازہ بتاؤں''؟ گذارش کی ارشاد ہو، فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ[3] پڑھ لیا کرو''۔

تعلیم زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھی، مذہبی، اخلاقی علمی، عملی ہر قسم کی تعلیم سے وہ بہرہ ور ہوئے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک روز صبح کے وقات جب لشکر اسلام منزل مقصو کی طرف روانہ ہو رہا تھا، حضرت معاذ رسول اللہ ﷺ کے قریب تھے، پوچھا ایسا عمل بتائیے جو مجھ کو جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے بچائے، فرمایا تم نے بہت بڑی بات پوچھی لیکن جس کو خدا توفیق دے اس پر آسان بھی ہے، شرک نہ کرو، عبادت کرو، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، رمضان میں روزے رکھو، حج کرو، پھر فرمایا خیر کے کچھ دروازے ہیں میں تم کو بتاتا ہوں، روزہ جو سپر کا حکم رکھتا ہے، صدقہ جو آتش معصیت کو پانی کی طرح بجھا دیتا ہے، اور نماز جو رات کے

---

[1] بخاری جلد ۱۔ ص ۲۴۔ باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فہم بعض الناس [2] مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۳۸
[3] مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۲۸

حصوں میں پڑھی جاتی ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی، **تتجافیٰ جنوبھم عن المضاجع** (**یعلمون** تک) پھر فرمایا کہ "اسلام کے سر اور عمود اور چوٹی کی خبر دیتا ہوں، سر اور پاؤں تو نماز ہے اور کوہان کی چوٹی جہاد"۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان تمام باتوں کی بیخ دین صرف ایک چیز ہے، زبان، اس کو روکو (آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا) حضرت معاذؓ نے سوال کیا کہ کیا جو کچھ ہم بولتے ہیں، اس پر مواخذہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **ثکلتک امک یا معاذ** ! بہت سے لوگ صرف اسی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے" [1]۔

حضرت معاذؓ کو آنحضرت ﷺ نے دس باتوں کی وصیت کی تھی، (۱) شرک نہ کرنا، خواہ تم کو کوئی اس کے عوض قتل کردے یا جلادے۔ (۲) والدین کو گزند نہ پہنچانا۔ خواہ تم کو وہ تمہارے بال بچوں اور مال سے علیحدہ کردیں۔ (۳) فرض نماز قصداً کبھی نہ ترک کرنا، کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے خدا اس کی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا، کیونکہ یہ تمام فواحش کی بنیاد ہے۔ (۵) معصیت میں مبتلا نہ ہونا، کیونکہ مبتلائے معصیت پر خدا کا غصہ حلال ہو جاتا ہے۔ (۶) لڑائی سے نہ بھاگنا اگرچہ تمام لشکر خاک وخون میں لوٹ چکا ہو، موت عام ہو (۷) بیماری آئے تو ثابت قدم رہنا۔ (۸) اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرنا (۹) ان کو ہمیشہ ادب دینا اور (۱۰) خدا سے خوف دلانا [2]۔

رسول اللہ ﷺ نے پانچ چیزوں کی حضرت معاذؓ کو تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ جوان کو عمل میں لائے، خدا اس کا ضامن ہوتا ہے، (۱) مریض کی عیادت۔ (۲) جنازہ کے ساتھ جانا۔ (۳) غزوہ کے لئے نکلنا۔ (۴) حاکم کی تعزیر یا توقیر کے لئے جانا، (۵) گھر میں بیٹھ رہنا جس میں وہ تمام لوگوں سے محفوظ ہو جائے، اور دنیا اس سے سلامت رہے [3]۔

اخلاقی تعلیم ان الفاظ میں دی، معاذ! ہر برائی کے پیچھے نیکی کرلیا کرو، نیکی اس کو مٹادے گی اور لوگوں کے سامنے اچھے اخلاق ظاہر کرو [4]۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ **اتق دعوۃ المظلوم فان لیس بینھا وبین اللہ حجاب** ! یعنی مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں (بخاری)۔

---

[1] مسند احمد جلد ۵۔ ص ۲۳۱ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۸ [3] ایضاً جلد ۵۔ ص ۲۴۱ [4] ایضاً ص ۲۲۸

(۶) یمن کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو فرمایا ''معاذ! خبردار عیش و تنعم سے علیحدہ رہنا کیونکہ خدا کے بندے عیش پرست اور تنعم پسند نہیں ہوتے [۱]۔

اجتماعی زندگی کے تلقین اس طرح کی ''انسان کا بھیڑیا شیطان ہے جس طرح بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے، اسی طرح شیطان اس انسان پر قابو پالیتا ہے جو جماعت سے الگ ہوتا ہے، خبردار! خبردار! متفرق نہ ہونا، بلکہ جماعت کے ساتھ رہنا'' [۲]۔

اشاعت اسلام کے متعلق فرمایا، معاذ! اگر تم ایک مشرک کو بھی مسلمان کرلو، تو تمہارے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے [۳]۔

غرض یہ پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ تعلیمات جس بزرگ کے رگ و پے میں سرایت کرگئی تھیں، وہ جماعت انصار کا وہ ''نوجوان'' تھا، جس کو حضرت ابن مسعودؓ فرد نہیں بلکہ ایک امت کہا کرتے تھے۔

غزوات اور عام حالات :

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لاکر مواخاۃ کی تو حضرت معاذؓ کا مہاجری بھائی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تجویز فرمایا۔

۲ھ میں غزوہ بدر پیش آیا، حضرت معاذؓ اس میں شریک تھے اور اس وقت ان کا سن ۲۱ سال کا تھا۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں حضرت معاذؓ نے شرف شرکت حاصل کیا۔

ان فضائل کے ماسوا حضرت معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن حفظ کیا تھا۔

امامت مسجد :

بنوسلمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنالی تھی جس کے امام حضرت معاذؓ تھے ایک دن عشاء کی نماز میں انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی پیچھے صفوں میں ایک شخص تھا جو دن بھر کھیت میں کام کرنے کی وجہ سے بالکل تھکا ہوا تھا، حضرت معاذؓ کی نماز ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ وہ نیت توڑ کر چل دیا، حضرت معاذؓ کو اطلاع ہوئی تو کہا کہ وہ منافق ہے، اس کو یہ نہایت ناگوار گذرا اور رسول اللہ ﷺ سے آکر شکایت کی آنحضرت ﷺ نے معاذؓ سے فرمایا افتان انت ؟ کیا لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے؟ اس کے بعد فرمایا کہ ''چھوٹی سورتیں پڑھا کرو، کیونکہ تمہارے پیچھے صفوں میں بوڑھے ضیف اور ارباب حاجت سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں تم ان سب کا خیال کرنا چاہیے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۹۸)

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۴۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۳۸

امامت یمن اور اشاعت اسلام :

۹ھ میں آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک سے تشریف لائے تھے کہ رمضان میں ملوک حمیر (یمن) کا قاصد اہل یمن کے قبول اسلام کی خبر لے کر مدینہ پہنچا، اب آنحضرت ﷺ نے یمن کی امات کے لئے حضرت معاذؓ کو تجویز فرمایا۔

اس سے پیشتر حضرت معاذؓ کی جائداد قرض میں بیع ہو چکی تھی، حضرت معاذؓ بہت فیاض تھے، اور خوب خرچ کرتے تھے، اور لازماً اس کا بار جائداد پر پڑ رہا تھا، قرض خواہوں نے زیادہ تنگ کیا تو کچھ دنوں گھر میں چھپ رہے وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ معاذؓ کو بلوایئے آپ نے آدمی بھیج کر حضرت معاذؓ کو بلوایا قرض خواہوں نے شور مچایا کہ ہمارا ابھی فیصلہ ہونا چاہئے، لیکن جائداد سے قرض بہت زیادہ ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ نہ لے گا اس پر خدا رحم کرے گا، چنانچہ کچھ لوگوں نے اپنے حصہ چھوڑ دیا لیکن کچھ لوگ بضد رہے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کی کل جائداد ان لوگوں پر تقسیم کر دی لیکن قرض اب بھی ادا نہ ہوا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ نہیں مل سکتا اسی کو لے جاؤ حضرت معاذؓ اب بالکل مفلس تھے، آنحضرت ﷺ کو ان کا بہت خیال تھا فرمایا کہ گھبرانا نہیں خدا اس کی جلد تلافی کر دے گا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو امارت یمن کے لئے منتخب فرمایا اگرچہ ان کی قابلیت پر آپ کو ہر طرح کا اطمینان تھا تاہم امتحان لے لینا مناسب تھا، پوچھا "فیصلہ کس طرح کرو گے"؟ حضرت معاذؓ نے کہا کہ قرآن مجید سے فیصلہ کروں گا، فرمایا "اگر اس میں نہ ملے" کہا کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا "اور اس میں بھی نہ ہو"۔ کہا میں خود اجتہاد کروں گا، آنحضرت ﷺ نہایت مسرور ہوئے، اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ (ﷺ) کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے۔

امتحان ہو چکا تو اہل یمن کو ایک فرمان لکھوایا جس میں حضرت معاذؓ کے رتبہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ تھا۔

انی بعثت لکم خیر اھلی !
میں اپنے لوگوں میں سے بہترین کو تمہارے لئے بھیجتا ہوں۔

اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ معاذ بن جبلؓ اور دوسرے آدمیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور صدقہ اور جذیہ کی رقمیں وصول کر کے ان کے پاس جمع کرنا اور معاذ بن جبلؓ کو سب پر امیر بناتا ہوں، ان کو راضی رکھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناخوش ہو جائیں۔

یہ تمام مراحل طے ہو گئے تو حضرت معاذؓ نے یمن کے سفر کی تیاری کی اور سوار ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگ بھی ساتھ ساتھ تھے، روانگی کا وقت آیا تو کچھ دور تک خود سردار دو عالم ﷺ نے مشایعت کی، حضرت معاذ بن جبلؓ اونٹ پر سوار تھے اور شہنشاہ مدینہ اونٹ کے ساتھ پا پیادہ چل رہا تھا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، جس کے ایک ایک فقرہ سے شفقت و محبت کا اظہار ہو رہا تھا، فرمایا ''معاذ! تم پر قرض بہت ہے اگر کوئی ہدیہ لائے تو قبول کر لینا، میں تم کو اجازت دیتا ہوں''۔ وداع کا وقت آیا تو حضرت سرور کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا شائد اب تم سے ملاقات نہ ہو، اب مدینہ واپس آؤ تو میرے بجائے میری قبر ملے گی، یہ سننا تھا کہ حضرت معاذؓ کی آنکھیں اُبل پڑیں اور زار و قطار رونے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہ رؤو، رونا شیطانی حرکت ہے، رخصت ہونے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''حفظک اللہ من بین یدیک ومن خلفک وعن عینیک وعن شمالک ومن فوقک ومن تحتک ووراء عنک وشرور الانس والجن''، یعنی جاؤ، خدا تم کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ رکھے حضرت معاذؓ نے مدینہ کی طرف[1] نہایت حسرت سے دیکھا اور کہا کہ میں متقیوں کو اچھا سمجھتا ہوں، خواہ کوئی ہوں (یہ غالباً خلفاء کی طرف اشارہ تھا)

رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر یمن روانہ ہو گئے، جب یمن پہنچے تو سپیدۂ صبح نمودار[2] تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا رسول کسی دنیاوی فرمانروا کا نائب نہ تھا، ظاہری شان و شوکت سے اس کا جلوس بالکل خالی تھا، خدم و حشم، نقیب و چاؤش، خیل سپاہ میں سے ایک چیز بھی اس کے ساتھ نہ تھی تاہم اسلام و ایمان کا نور چہرہ مبارک پر چمک رہا تھا اور زبان ولب نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے جس کو ہوا کی موجیں اڑا اڑا کر اہل یمن کے کانوں تک پہنچا رہی تھیں غرض اس شان و شوکت سے رسول اللہ ﷺ کا رسول پہنچا تو قصر کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور کفرستان یمن نعرہ توحید گونج اُٹھا۔

حضرت معاذؓ ملک یمن کے صرف امیر ہی نہ تھے بلکہ محکمۂ مذہبی کے بھی انچارج تھے ایک طرف اگر وہ صوبۂ یمن کے والی و گورنر تھے تو دوسری طرف دین اسلام کے مبلغ و معلم بھی، اس

---

[1] مسند جلد ۵۔ص ۲۳۵ [2] ایضاً جلد ۵۔ص ۲۳۱

لئے حضرت معاذؓ عدالت وقضاء کے فرائض کے علاوہ مذہبی خدمات بھی انجام دیتے تھے، مثلاً لوگوں کو قرآن مجید پڑھانا اور اسلام کے احکام کی تعلیم وتلقین کرنا۔

قبیلہ حولان کی ایک عورت ان کے پاس آئی اس کے ۱۲ بیٹے تھے، جن میں سب سے چھوٹا بھی بے داڑھی مونچھ کے نہ تھا، شوہر کو گھر میں تنہا چھوڑ کر ان سب کو اپنے ساتھ لائی تھی، ضعف کا یہ حال تھا کہ دو بیٹے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے، آکر پوچھا آپ کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟ حضرت معاذؓ نے کہا مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اس نے کہا تو رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ ہیں؟ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں کیا آپ بتائیں گے؟ حضرت معاذؓ نے کہا ہاں جو جی چاہے پوچھو اس نے کہا یہ بتایئے کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے، حضرت معاذؓ نے کہا حتی الامکان خدا سے ڈرے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، اس نے کہا آپ کو خدا کی قسم ٹھیک ٹھیک بتایئے، حضرت معاذؓ نے کہا "کیا اتنے پر تم راضی نہیں، وہ بولی کہ لڑکوں کا باپ بہت بوڑھا ہے میں اس کا حق کس طرح ادا کروں؟ حضرت معاذؓ نے کہا "جب یہ بات ہے تو تم ان کے حق سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتیں، اگر جذام نے ان کا گوشت پھاڑ دیا ہو اور اس میں سے خون اور پیپ بہ رہا ہو، اور تم اپنا منہ اس میں لگا دو تب بھی حق ادا نہ ہوگا"[1]۔

یمن کا ملک آنحضرت ﷺ نے پانچ حصوں پر تقسیم کردیا تھا، (۱) صنعاء۔ (۲) کندہ۔ (۳) حضرموت۔ (۴) جند۔ (۵) زبید۔ (رمعہ، عدن اور ساحل تک اس میں شامل تھا) یمن کا صدر مقام جند تھا اور حضرت معاذؓ یہیں رہتے تھے، باقی چار حصوں میں حسب ذیل حضرات حاکم تھے۔

حضرت خالد بن سعیدؓ	صنعاء
حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ	کندہ
حضرت زیادؓ بن لبید	حضرموت
حضرت ابوموسیٰؓ اشعری	زبید اور ساحل

یہ چاروں بزرگ اپنے اپنے علاقوں سے صدقہ اور جزیہ وغیرہ کی رقمیں وصول کر کے حضرت معاذؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، خزانہ حضرت معاذؓ کے پاس تھا۔

حضرت معاذؓ اپنے ماتحت عمال کے علاقوں میں دورہ کرتے تھے اُن کے فیصلوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ضرورت کے وقت خود مقدمہ کی سماعت کرتے تھے چنانچہ حضرت ابوموسیٰ

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۹

اشعریؓ کے علاقہ میں جا کر ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا، دورہ میں خیموں میں قیام فرماتے تھے، چنانچہ یہاں بھی آپ کے لئے خیمہ ہی نصب کیا گیا اور آپ اس میں فروکش ہوئے، اور اس کے قریب یہ حضرت ابوموسیٰؓ بھی ایک خیمہ میں مقیم ہوئے [۱]۔

حضرت معاذؓ صدقات کی تحصیل اس فرمان کے مطابق کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کو لکھوا کر عطا فرمایا تھا۔ یہ فرمان تاریخ کی کتابوں میں بتمامہا [۲] مذکور ہے اس میں غنیمت، خمس، صدقات، جزیہ اور بہت سے مذہبی احکام کی تفصیل ہے۔ حضرت معاذؓ نے ہمیشہ اس پر عمل کیا۔

ایک مرتبہ گایوں کا ایک گلہ ایک شخص لے کر آیا، گائیں تعداد میں ۳۰ سے کم تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ ۳۰ پر ایک بچہ لینا [۳]، اس لئے حضرت معاذؓ نے کہا کہ میں تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں اس پر کچھ نہ لوں گا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں فرمایا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ عہدِ نبوت کے عمال دنیاوی حکومتوں کے امراء وعمال کی طرح جبار اور ظالم نہیں ہوتے تھے۔ راعی اور رعایا کے جو تعلقات اسلام نے بیان کئے ہیں ان کی ہمیشہ نگہداشت کرتے تھے اور راعی پر شریعت کی طرف سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں وہ ان پر نہایت شدت سے عمل درآمد کرتے تھے۔

فیصلوں میں بھی اس کی رعایت لکھی جاتی تھی کہ رعایا کی حق تلفی نہ ہو، عمال کی عدالتوں میں حق وصداقت کو غلبہ ہوتا تھا۔ ایک یہودی مر گیا ورثہ میں صرف ایک بھائی تھا جو مسلمان ہو چکا تھا، حضرت معاذؓ کی عدالت میں مرافعہ (اپیل) ہوا تو انہوں نے بھائی کو ترکہ دلوایا [۴]۔ حضرت معاذؓ کی حکومت یمن میں ۲ برس رہی۔ ۹ھ میں وہ عامل بنا کر یمن بھیجے گئے تھے اور ۱۱ھ میں خود ہی اپنی مرضی سے واپس آ گئے۔

حضرت معاذؓ نے یمن میں بیت المال کے روپیہ سے تجارت کی تھی اس سے جو منافع تھا اس سے اپنا قرض پورا کیا [۵]۔ اس کے ماسوا ہدیہ کی رقم بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قبول کی تھی۔ چنانچہ جب یمن سے روانہ ہوئے تو ۳۰ راس ان کے ساتھ تھیں یہ سب گو ایک طرح سے خود امیرِ وقت کے اشارے کے مطابق ہوا تھا لیکن چونکہ کوئی تصریحی حکم نہ تھا اس لئے بیت المال کے سرمایہ سے اتنا فائدہ اٹھانا بھی کھٹکتا تھا۔

۱؎ بخاری جلد ۲۔ ص ۶۳۲ ۲؎ طبری جلد ۴۔ ص ۱۷۱۸ ۳؎ مسند جلد ۵۔ ص ۲۴
۴؎ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۰ ۵؎ استیعاب ابن عبدالبر

یمن سے واپسی :

گورنری کی میعاد ختم کر کے مدینہ منورہ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مال و متاع کے ساتھ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ ان کے گذر اوقات کے بقدر علیحدہ کر کے بقیہ سارا سامان ان سے وصول کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے حاکم بنا کر بھیجا تھا اگر ان کی مرضی ہوگی اور میرے پاس لائیں گے تو لے لوں گا ورنہ ایک حبہ نہ لوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ صاف جواب ملا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں رہ کر اپنے نقصان کو پورا کر لوں، میں کچھ بھی نہ دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو کر واپس چلے آئے تاہم وہ اپنے خیال پر قائم تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے گو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے انکار کر دیا لیکن آخر تائید غیبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ پانی میں غرق ہو رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر نکالا اور اس مصیبت سے نجات دی۔ سو کر اٹھے تو سیدھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور خواب بیان کر کے کہا کہ جو آپ نے کہا تھا مجھے منظور ہے۔ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور خواب کا پورا واقعہ سنا کر قسم کھائی کہ جو کچھ ہے سب لا کر دوں گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تم سے کچھ نہ لوں گا میں نے تم کو ہبہ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا اب اپنے پاس رکھو اب تمہیں اجازت مل گئی۔

شام کی روانگی :

یہ مراحل طے ہو گئے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے شام کا قصد کیا اور اپنے اہل و عیال کو لے کر وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے فتوحات اسلامی کا سیلاب بلاد شام سے گذر رہا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی فوج میں شامل تھے اور میدانوں میں دادِ شجاعت دیتے تھے۔

سفارت :

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی خوبی دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیک وقت مختلف کاموں اور گونا گوں فرائض کے انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو گئی تھی یہی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مفتی شرح بھی تھے۔ مجلس ملکی کے ممبر بھی جامع حمص میں قرآن و حدیث کے معلم بھی تھے اور صوبہ یمن کے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں

سلطنت کا سب سے بڑا صوبہ تھا حاکمِ وقت بھی اسلام کے سفیر بھی تھے اور میدانِ جنگ میں غازی وشجاع ومجاہد بھی۔

سفارت کا منصب تفویض ہوا تو نہایت خوش اسلوبی سے متعلقہ فرائض انجام دیئے۔ شام کے ایک شہر فحل میں ۱۴ھ میں معرکہ کی تیاریاں ہوئیں تو رومی صلح پر آمادہ ہوئے اور حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالارِ لشکرِ اسلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ کسی شخص کو سفیر بنا کر ہمارے پاس بھیجئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذؓ کو تجویز کیا حضرت معاذؓ رومی لشکر میں پہنچے تو وہاں نہایت ساز وسامان سے دربار آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک خیمہ نصب تھا جس میں دیبائے زرّیں کا فرش بچھا ہوا تھا معاذؓ نے یہ تکلفات دیکھے تو باہر کھڑے ہو گئے ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں آپ اندر تشریف لے جائیں۔ حضرت معاذؓ جن کی بزرگی اور تقدس کا عیسائیوں تک میں چرچا تھا، فرمایا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار کیا گیا ہے بیٹھنا پسند نہیں کرتا، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا کہ ہم آپ کی عزت کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کو خود اس کا خیال نہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت معاذؓ کو غصہ آ گیا، گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ "جس کو تم عزت سمجھتے ہو، اس کی مجھے حاجت نہیں، اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر خدا کا کون غلام ہو سکتا ہے؟"۔ رومی حضرت معاذؓ کی اس آزادی اور بے پروائی پر سخت متحیر تھے یہاں تک کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بڑھ کر بھی کوئی ہے، انہوں نے کہا "معاذ اللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر ہوں"، رومی خاموش ہو گئے۔ حضرت معاذؓ نے کچھ دیر انتظار کر کے ترجمان سے فرمایا کہ رومیوں سے کہو کہ اگر وہ کوئی معاملہ کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ٹھہروں ورنہ جاتا ہوں۔ رومیوں نے کہا، ہمارا آپ سے یہ سوال ہے کہ ہمارے ملک پر کیوں حملہ کیا گیا؟ حبشہ کا ملک عرب سے قریب ہے، فارس کا بادشاہ فوت ہو چکا ہے اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں ہے ان ملکوں کو چھوڑ کر تم نے ہماری ہی طرف کیوں رخ کیا حالانکہ ہمارا بادشاہ، تاجدارانِ روئے زمین کا شہنشاہ ہے اور تعداد میں، ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں۔ حضرت معاذؓ نے کہا ہمیں تم سے جو کچھ کہنا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو، شراب چھوڑ دو، سور کا گوشت چھوڑ دو، اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہارے بھائی ہیں اور اگر اسلام منظور نہیں تو جزیہ دو اور اس سے بھی انکار ہے تو اعلانِ جنگ کرتا ہوں اگر تم آسمان کے ستاروں اور روئے زمین کے ذروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت وکثرت کی قطعی پرواہ نہیں۔

اور ہاں تم کو اس پر ناز ہے کہ تمہارا شہنشاہ تمہاری جان اور مال کا مالک ہے لیکن ہم نے جس کو بادشاہ بنایا ہے وہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا اگر وہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے درے لگائے جائیں اور چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں، وہ پردے میں نہیں بیٹھتا اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا، مال و دولت میں بھی اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، رومیوں نے ان باتوں کو بڑے غور سے سنا اور اسلام کی تعلیم پر پیروان دینِ حنیف کے طور و طریق پر نہایت حیرت زدہ ہوئے۔ حضرت معاذؓ سے کہا ''ہم آپ کو بلقاء کا ضلع اور دون کا وہ حصہ جو آپ کے علاقہ سے متصل ہے دیتے ہیں اب آپ لوگ اس ملک کو چھوڑ کر فارس جائیے''۔ چونکہ یہ کوئی خرید و فروخت کا معاملہ نہ تھا، حضرت معاذؓ نے اس کا جواب نفی میں دیا اور اٹھ کر وہاں سے چلے آئے۔

فوجی خدمات :

حضرت معاذؓ اگرچہ اپنے عہد کے تمام غزوات میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے تاہم دو موقعوں پر ان کو نہایت ممتاز فوجی عہدے تفویض ہوئے۔ ایک مرتبہ سفارت سے واپس آئے تو لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں اس موقع پر ان کو جو امتیاز حاصل ہوا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو میمنہ کا افسر بنایا۔

جنگِ یرموک میں بھی جو ۱۵ھ میں ہوئی تھی اور نہایت معرکہ کی تھی، حضرت معاذؓ کو میمنہ کے ایک حصہ کا افسر بنایا گیا۔ عیسائیوں کا حملہ اس زور و شور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ حضرت معاذؓ نے یہ حالت دیکھی تو نہایت استقلال اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور کہا میں پیدل لڑوں گا اگر کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ ان کے بیٹے بھی میدان میں موجود تھے، بولے یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے رومی فوج کو چیر کر اندر گھس گئے اور اس دلیری سے لڑے کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔

مجلسِ شوریٰ کی رکنیت :

مجلسِ شوریٰ کی باضابطہ شکل اگرچہ عہدِ فاروقی میں عالمِ وجود میں آئی لیکن اس کا خاکہ عہدِ صدیقی میں تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ جن لوگوں سے سلطنت کے مہمات امور میں مشورہ لیتے تھے ان میں حضرت معاذؓ کا نام نامی بھی داخل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مجلسِ شوریٰ کا باقاعدہ

انعقاد کیا تو حضرت معاذؓ اس زمانہ میں بھی اس کے رکن تھے[۱]۔

افواجِ شام کی سپہ سالاری :

عہدِ فاروقی میں ملک شام کی تمام فوج حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت تھی۔ ۱۸ھ میں نہایت زور شور سے شام میں طاعون نمودار ہوا، جو طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس میں وفات پائی، انتقال کے قریب حضرت معاذؓ کو اپنا جانشین بنایا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا، حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں ادھر نماز ختم ہوئی اُدھر انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور حضرت معاذؓ کچھ دنوں سپہ سالاری کے منصب پر فائز رہے۔

وبا اسی طرح زوروں پر تھی اور لوگ سخت پریشان تھے، حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ یہاں سے ہٹ چلو، یہ بیماری نہیں بلکہ آگ ہے۔ حضرت معاذؓ نے سنا تو نہایت برہم ہوئے۔ کھڑے ہوکر ایک خطبہ دیا، جس میں عمروؓ کو سخت وسست کہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ وبا، بلا نہیں خدا کی رحمت ہے، نبی کی دعوت ہے اور صالحین کے اٹھنے کی ساعت ہے۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ مسلمان شام میں ہجرت اختیار کریں گے، شام اسلام کے علم کے نیچے آجائے گا پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی جو اس میں مرے گا شہید ہوگا او اس کے اعمال پاک ہوجائیں گے، الٰہی اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے تو رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے[۲]۔

تقریر ختم کر کے اپنے بیٹے کے پاس آئے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا، دعا قبول ہوچکی تھی۔ دیکھا تو بیٹا اسی بیماری میں مبتلا تھا، باپ کو دیکھ کر کہا، "**الحق من ربک فلا تکونن من الممترین**"، "یہ موت جو حق ہے خدا کی طرف سے ہے، شک کرنے والوں میں نہ ہوجانا"۔ حضرت معاذؓ نے جواب دیا، "**ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین**"، "توانشاءاللہ مجھے صابروں میں پائے گا"۔ حضرت عبدالرحمٰن نے انتقال کیا بیٹے کے فوت ہونے سے پہلے دو بیویاں اسی بیماری میں مرچکی تھیں، اب حضرت معاذؓ تنہا رہ گئے تھے، ساعتِ مقررہ آئی تو خدا کا بندہ خاص بھی دائرۂ رحمت میں شامل ہوا۔ دائیں ہاتھ کی کلمہ والی انگلی میں پھوڑا نکلا[۳]۔ حضرت معاذؓ نہایت خوش تھے فرماتے تھے کہ تمام دنیا کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے، تکلیف اس قدر تھی کہ بے ہوش ہوجاتے تھے، باایں ہمہ جب ہوش آتا تو کہتے "خدایا مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر، کیونکہ میں تجھ سے نہایت محبت رکھتا ہوں اور اس کو تو خوب جانتا

---

۱ کنز العمال بحوالہ ابن سعد جلد ۳۔ ص ۱۳۴ ۲ مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۰، ۲۴۱ ۳ مسند۔ ص ۵۴۱

ہے''۔ پھر بے ہوش ہو جاتے جب افاقہ ہوا تو پھر یہی فرماتے۔ وفات کی رات بھی عجیب رات تھی، حضرت معاذؓ نہایت بے چین تھے، بار بار پوچھتے تھے ''دیکھو صبح ہوئی''، لوگ کہتے تھے کہ ابھی نہیں جب صبح ہوئی اور خبر کی گئی تو فرمایا اس رات سے خدا کی پناہ جس کی صبح جہنم میں داخل کرتی ہو، مرحبا اے موت! مرحبا! تو اس دوست کے پاس آئی جو فاقہ کی حالت میں ہے۔ الٰہی میں تجھ سے جس قدر خوف کرتا ہوں تجھ کو خوب معلوم ہے آج میں تجھ سے بڑی امیدیں رکھتا ہوں میں نے کبھی دنیا اور درازی عمر کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ درخت بونے اور نہر کھودنے میں وقت صرف کرتا، بلکہ اس لئے چاہتا تھا کہ فضائح وفواحش سے دور رہوں، کرم وجود کو فروغ دوں اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس بیٹھوں۔ وفات کا وقت قریب پہنچا تو حضرت معاذؓ گریہ وبکا میں مشغول تھے، لوگوں نے تسلی دی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اس کے ماسوا فضائل ومناقب سے ممتاز ہیں آپ کو رونے کی کیا ضرورت؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا، مجھے نہ موت کی گھبراہٹ ہے اور نہ دنیا چھوڑنے کا غم، مجھے عذاب وثواب کا خیال ہے۔ اسی حالت میں روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی اور خالقِ کون ومکاں کا پیارا اپنے محبوب آقا کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا۔

وفات کے وقت حضرت معاذؓ کی عمر شریف ۳۶ سال کی تھی اور ۱۸ھ تھا۔ وفات بھی نہایت مبارک خطہ میں واقع ہوئی۔ بیت المقدس اور دمشق کے درمیان غور نامی ایک صوبہ تھا جس میں بیسان ایک مشہور شہر تھا جو نہر اردن کے قریب واقع تھا اسی میں حضرت معاذؓ نے وفات پائی۔ شہر کے مشرقی طرف وہ مقدس مقام واقع تھا جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے۔ مدفن کے لئے وہی مقام تجویز ہوا اور نعش مبارک وہیں سپردِ خاک کی گئی۔

حلیہ : حضرت معاذؓ کا حلیہ یہ تھا، رنگ سپید، چہرہ روشن، قد دراز، آنکھیں سرگیں، اور بڑی بڑی ابرو پیوستہ، بال سخت گھونگھر والے، آگے کے دانت صاف اور چمکدار، بات کرنے میں دانت کی چمک ظاہر ہو جاتی تھی، جس کو ان کا ایک عقیدت کیش ''نور'' اور ''موتی'' سے تعبیر کرتا ہے، آواز بہت پیاری اور گفتگو نہایت شیریں تھی، حسن ظاہر کے لحاظ سے وہ تمام صحابہؓ میں ممتاز تھے۔

اولاد : حضرت معاذؓ کا سن ہی کیا تھا، وفات کے وقت وہ شباب کی دوسری منزل پر تھے، تاہم صاحب اولاد تھے، اگرچہ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لم یولد له قط، یعنی حضرت معاذؓ کے سرے سے اولاد ہی نہیں ہوئی، لیکن مستند ذرائع سے ان کے ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے جن کا نام عبد الرحمٰن تھا، صاحب استیعاب کا بیان ہے کہ یہ حضرت معاذؓ کے ساتھ یرموک میں شریک تھے اور

۱۸ھ میں طاعون عمواس میں حضرت معاذؓ سے پیشتر وفات پائی۔

ازواج کی تفصیل اگرچہ نامعلوم ہے لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ طاعون عمواس میں ان کی دو بیویوں نے وفات پائی۔

علم و فضل : حضرت معاذؓ کو جن علوم میں کمال تھا، وہ (۱) قرآن، (۲) حدیث اور (۳) فقہ ہیں، قرآن دانی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود حامل قرآن نے ان کی مدح فرمائی ہے، چنانچہ ایک حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کے ذریعہ سے مروی ہے، ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہے، اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ میں چار بزرگوں سے قرآن پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی، اس میں سے ایک حضرت معاذؓ بھی تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔

حدیث : رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اگر صحابہؓ کو روایت حدیث کی بہت کم ضرورت پڑھتی تھی کہ خود حامل نبوت سامنے تھا، تاہم اس زمانہ میں بھی متعدد صحابہؓ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، چنانچہ حضرت انسؓ کا واقعہ اسد الغابہ میں مذکور ہے، لیکن چونکہ وہ احادیث کی روایت میں بہت محتاط تھے اور نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ کے اخیر زمانہ سے لے کر اپنی وفات تک بڑے بڑے کاموں کے انجام دینے کے لئے برابر مدینہ سے باہر رہے اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے" حدیث او چنداں باقی نماند" حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو تعلیم و روایت حدیث کے لئے شام بھیجا تھا، اور وہیں ان کا ۱۸ھ میں عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔

تاہم روایت حدیث کا سلسلہ زندگی کی اخیر سانس تک جاری تھا، عمواس کے طاعون میں جب انگلی کی سوزش ان کو بستر مرگ پر تڑپا رہی تھی، زبان مبارک اس فرض کی ادائیگی میں مصروف تھی [۱]۔

چنانچہ وفات کے وقت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ اور لوگ پاس بیٹھے تھے، وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا "پردہ اٹھاؤ میں حدیث بیان کروں گا جس کو اب تک میں نے اس لئے مخفی رکھا تھا کہ لوگ تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اس کے بعد ایک حدیث بیان کی [۲]۔

حضرت معاذؓ کی روایتیں اگرچہ اور صحابہؓ سے کم ہیں تاہم ان کا شمار راویانِ حدیث کے تیسرے طبقہ میں ہے ان کی احادیث کی مجموعی تعداد (۱۵۷) ہے جس میں دو حدیثوں پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

---

۱ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۲ ۲ مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۶

تلامذۂ حدیث کی تعداد کثیر تھی اکابر صحابہؓ کا ایک بڑا طبقہ ان سے حدیث کی روایت کرتا ہے، حضرت ابوقتادہؓ انصاری، ابوموسیٰ اشعریؓ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ، انس بن مالکؓ، ابوامامہؓ باہلی انصاریؓ، ابوالطفیلؓ۔

تلامذۂ خاص میں حسب ذیل شامل ہیں، ابن عدی، ابن ابی اوفی اشعری عبدالرحمٰن بن سمرۃ بعثی، جابر بن انسؓ، ابوثعلبہ خشنی، جابر سمرۃ السوائی، مالک بن نیحامر، عبدالرحمٰن ابن غنم، ابومسلم خولانی، ابوعبداللہ صنابحی، ابووائل، مسروق، جنادہ بن ابی امیہ، ابوادریس خولانی، جبیر بن نضیر، اسلم مولیٰ حضرت عمرؓ، اسود بن ہلال، اسود بن یزید وغیرہم۔

فقہ : خود عہد نبوی میں حضرت معاذؓ کا شمار اکابر فقہاء میں تھا، اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہوسکتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے فقیہ ہونے کی شہادت دی اور فرمایا : •

اعلمھم بالحلال و الحرام معاذ ابن جبلؓ۔

ہمارے صحابہ میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبلؓ ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر ان کے متعلق کہا **لو لا معاذ لھلک عمر** یعنی اگر معاذؓ نہ ہوں تو عمر ہلاک ہوجائے، اس سے حضرت معاذؓ کے رتبہ اجتہاد و درجۂ استنباط پر کافی روشنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مرتبہ حضرت معاذؓ کے فقیہ ہونے کا اعلان کیا چنانچہ جب جابیہ میں خطبہ دیا تو فرمایا۔

من ارافقه فليات معاذا

یعنی جسے فقہ سیکھنا ہو وہ معاذؓ کے پاس جائے۔

طلب علم اور شوق تحصیل :

ان اوراق کو پڑھ کر تم کو تعجب ہوگا ان کو یہ فضل وکمال کا منصب کیونکر ہاتھ آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ان کا فطری شوق اور طبعی ذکاوت وذہانت جس کا ہر موقع پر اظہار ہوتا تھا۔ دوسرے خود معلم نبوت ﷺ کا ایسے جو ہر قابل اور مستند طالب علم کی طرف جوش التفات وعنایت خاص حضرت معاذؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی ہر مجلس تعلیم وتربیت کی ایک درستگار ہوئی تھی، اس لئے ان کو اکثر اوقات اس سے استفادہ کا موقع حاصل ہوتا تھا۔

حضرت معاذؓ بسا اوقات آنحضرت ﷺ کے ساتھ تنہا ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایسے اوقات خاص میں ان کو مختلف مسائل تعلیم کیا کرتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حضرت معاذؓ کو

کوئی مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ رکھتے تو وہ آپ کی تلاش میں دور تک نکل جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ کاشانۂ نبوی ﷺ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کہیں تشریف لے گئے ہیں، تلاش کے لئے نکلے تو راستہ میں لوگوں سے پوچھتے جاتے تھے کہ حضور کدھر تشریف لے گئے ہیں، آخر ایک جگہ آپ کو پالیا، آنحضرت ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے وہ بھی پیچھے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیت باندھ لی، اس دن آپ نے دیر تک نماز ادا فرمائی فارغ ہوئے تو معاذؓ نے پوچھا کہ ''حضور نے بڑی لمبی نماز پڑھی''؟ فرمایا ''یہ ترغیب و ترہیب کی نماز تھی میں نے خدا سے تین باتوں کی درخواست کی تھی، جس میں دو کے متعلق رضامندی ظاہر ہوئی اور ایک کی نسبت میں روک دیا گیا۔ میں نے یہ چاہا تھا کہ میری امت غرق ہونے سے محفوظ رہے، تو یہ درخواست منظور کر لی گئی، ایک یہ خواہش تھی کہ غیر مسلم دشمن اسلام پر غالب نہ آ سکے تو وہ بھی پوری کی گئی، ایک تمنا یہ تھی کہ مسلمانوں میں اختلاف و تفریق نہ پڑنے پائے تو اس کو مسترد کر دیا گیا[1]۔

غزوہ تبوک سے مراجعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو تنہا اور خالی پا کر حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ مجھ کو وہ عمل بتائیے جو میرے دخولِ جنت کا سبب بنے۔ آنحضرت ﷺ سوال سے نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا: **بخ! لقد سئالت عن عظیم**، یعنی تم نے بہت بڑی بات پوچھی[2]۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں اور لوگ خلل انداز نہ ہوں، کیونکہ شمع نبوت کے گرد ہر وقت پروانوں کا ہجوم رہتا تھا چنانچہ اسی روایت میں حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ابھی فرما ہی رہے تھے کہ کچھ لوگ آتے دکھائی دیئے مجھ کو ڈر لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی توجہ میری طرف سے منعطف نہ ہو جائے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ فلاں بات جو آپ نے فرمائی تھی اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کو بیان فرمایا[3]۔

حضرت معاذؓ کو ایسے موقع کی ہر وقت تلاش رہتی تھی، موقع ملنے پر آنحضرت ﷺ سے فوراً سوال کرتے تھے، لیکن پاس نبوت ضروری تھا، رسول اللہ ﷺ کا مزاج پہچان کر سوال کی جرأت کرتے تھے، غزوۂ تبوک سے قبل لوگ طلوع آفتاب کے وقت سواریوں پر سو رہے تھے، اور اونٹ ادھر ادھر راستہ میں چر رہے تھے حضرت معاذؓ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے، آنحضرت ﷺ بھی مصروف خواب تھے اور ناقۂ مبارک چرنے اور کھانے میں مشغول، حضرت معاذؓ کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی انہوں نے اس کی مہار کھینچی تو اور متوحش ہوا، اس کے بدکنے سے رسول اللہ ﷺ

---

1. مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۰ 2. مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۷ 3. ایضاً

کا اونٹ بھی بدکا، آنحضرت ﷺ خواب سے بیدار ہوئے مڑ کر پیچھے دیکھا تو معاذؓ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا، آپ نے پکارا معاذؓ! انہوں نے کہا "حضور" آپ نے فرمایا میرے قریب آجاؤ، حضرت معاذؓ اس قدر قریب آگئے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت معاذؓ کے اونٹ بالکل برابر ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو لوگ کس قدر دور ہیں حضرت معاذؓ نے کہا سب لوگ سو رہے ہیں اور جانور چر رہے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی سو رہا تھا آپ ﷺ کا رخ اور التفات دیکھا تو کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ اجازت دیں تو ایسے امر کی نسبت سوال کروں جس نے مجھ کو غمگین مریض اور سقیم بنا دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھ سکتے ہو[1]۔

ایک اور سفر میں جیسا کہ آپ کہیں اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو تین دفعہ پکارا اور ہر دفعہ انہوں نے ادب سے جواب دیا، چنانچہ تیسری دفعہ ان کو پکارا تو فرمایا کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا قائل جنت میں داخل ہوگا، اگرچہ وہ گنہگار ہو، حضرت معاذؓ نے اس کا اعلان کرنا چاہا تو فرمایا ایسا نہ کرو لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔

طبیعت تلاش اور کرید کی عادی تھی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے ایک خاص مسئلہ دریافت کیا تھا، آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا ایک ظاہر بین کے لئے وہ جواب بالکل کافی تھا، لیکن حضرت معاذؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ حکم اس شخص کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے، آپ نے فرمایا نہیں عام ہے[1]۔

منصب تعلیم:

تحصیل علم میں جدوجہد اور مسائل میں غور و خوض کا مرحلۂ دشوار گذار طے ہوا، تو منزل مقصود سامنے تھی، یعنی یہ کہ فیض تربیت سے وہ فقیہ، امام مجتہد اور معلم سب بن گئے رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک ہی میں حضرت معاذؓ مسند ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے، ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو مکہ میں چھوڑ گئے کہ یہیں رہ کر لوگوں کو فقہ و سنت کی تعلیم دیں[2]۔

۹ھ میں والی یمن بنا کر بھیجا، تو فصل قضایا کے علاوہ اہل یمن کی تعلیم بھی انہی کے ذمہ کی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی منصب افتاء پر سرفراز تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اہل شام کو تعلیم کی ضرورت تھی، یزید بن ابی سفیان والی شام نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ کچھ لوگوں کو اس غرض کے لئے یہاں بھیجئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ وغیرہ کو بلایا اور شام جانے کی ہدایت کی، حضرت معاذؓ

---

[1] مسند ص ۲۴۴۔ [2] طبقات ابن سعد ص ۹۹۔ قسم اول مغازی۔

نے فلسطین میں سکونت اختیار کی اور تعلیم میں مشغول ہوئے[1]۔ تمام ملک شام میں صرف دو صحابی تھے، جن کی ذات علوم وفنون کا مرکز بنی ہوئی تھی، حضرت معاذؓ ان میں سے ایک تھے۔

حضرت معاذؓ کی سکونت اگرچہ علاقہ فلسطین میں محدود تھی لیکن اشاعت علوم کا دائرہ غیر محدود تھا، فلسطین سے متجاوز ہوکر دمشق اور حمص تک میں ان کے حلقۂ درس قائم تھے اور خود حضرت معاذؓ نے ان مقامات میں جا کر درس دیا تھا، طریقہ یہ تھا کہ مجلس میں چند صحابہؓ کسی مسئلہ پر مباحثہ کرتے، حضرت معاذؓ خاموش بیٹھے رہتے، جب معاملہ طے نہ ہوتا تو حضرت معاذؓ اس کا فیصلہ کرتے تھے، حضرت معاذؓ خاموش بیٹھے رہتے۔

ابوادریس خولانی اک مرتبہ جامع دمشق میں گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا ہے اور اس کے گرد لوگ جمع ہیں جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور وہ ان کو تسلی بخش جواب دیتا ہے، پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا[2]، حضرت معاذؓ بن جبل ہیں۔

ابو مسلم خولانی جامع حمص میں آئے تو دیکھا کہ ایک حلقہ قائم ہے، جس میں ۳۲ صحابہؓ بیٹھے ہیں، اور سب سن کہولت کو پہنچ چکے ہیں، ان میں ایک نوجوان بھی ہے، جب کسی مسئلہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے، تو نوجوان سے فیصلہ کراتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ نوجوان معاذؓ بن جبل ہیں[3]۔

غرض حضرت معاذؓ کے درس وافادہ کا سلسلہ حمص تک وسیع تھا، شہروں کی جامع مسجدیں درسگاہ کا کام دیتی تھیں، وہ مختلف شہروں میں دورہ کرتے تھے، اور جہاں جاتے تھے فیض و برکت کا سرچشمہ جاری ہوجاتا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں صرف تین عالم ہیں، جن میں ایک شام میں اقامت پذیر ہے، یہ حضرت معاذؓ کی طرف اشارہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ لوگوں سے پوچھتے تھے کہ جانتے ہو عقلا کون ہیں؟ لوگ لاعلمی ظاہر کرتے تو فرماتے معاذؓ بن جبل اور ابودرداء عقلاءؑ سے مقصود ظاہر ہے کہ علمائے شریعت ہیں۔

مجتہد کے لئے سب سے زیادہ ضروری اصابت رائے ہے، حضرت معاذؓ اس درجہ صائب الرائے تھے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض موقعوں پر ان کی رائے کو پسند فرمایا۔

پڑھ چکے ہیں کہ یمن روانہ کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے معاذؓ سے پوچھا تھا کہ "مقدمہ آئے گا تو کیونکر فیصل کروگے"؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کتاب اللہ سے، آپ نے فرمایا

---

[1] ایضاً جلد ا۔ ص ۲۸۱۔ کنز العمال بحوالہ [2] مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۳ [3] مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۷

"اگر اس میں نہ پاؤ"، تو عرض کی سنت رسول اللہ (ﷺ) سے، پھر فرمایا "اگر اس میں بھی نہ پاؤ"، تو عرض کی کہ اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے سینہ پر اپنا دست مقدس پھیرا اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اس بات کی توفیق دی جس کو میں پسند کرتا ہوں"۔ حضرت معاذؓ کے جواب سے گویا اصول فقہ کا یہ پہلا اصول مرتب ہوا کہ احکام اسلامی کے یہ تین بہ ترتیب ماخذ ہیں اول کتاب الٰہی پھر حدیث نبوی اور اس کے بعد قیاس۔

شروع زمانہ میں جو لوگ دیر میں پہنچتے، اور کچھ رکعتیں چھوٹ جاتیں تو وہ نمازیوں سے اشارہ سے پوچھ لیتے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں، اور وہ اشارہ سے جواب دے دیتے، اس طرح لوگ فوت شدہ رکعتیں پوری کر کے صف نماز میں مل جاتے تھے، ایک دن جماعت ہو رہی تھی، اور لوگ قعدہ میں تھے کہ حضرت معاذؓ آئے اور دستور کے خلاف قبل اس کے کہ رکعتیں پوری کرتے جماعت کے ساتھ قعدہ میں شریک ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے سلام پھیرا تو حضرت معاذؓ نے اٹھ کر بقیہ رکعتیں پوری کیں، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا **قدسن لکم فھکذا فامنعوا** ۔یعنی معاذؓ نے تمہارے لئے ایک طریقہ نکالا ہے۔تم بھی ایسا ہی کیا کرو[1] ۔ یہ حضرت معاذؓ کے لئے کتنی قابل فخر مزیت ہے کہ ان کی سنت تمام مسلمانوں کے لئے واجب العمل قرار پائی اور آج تک اسی پر عمل درآمد ہے اور دنیا کے سارے مسلمان اسی کے مطابق اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کرتے ہیں۔

نماز اور روزہ کے تین دور انہوں نے جس طرح سے قائم کئے تھے[2] ۔ وہ بھی ان کے فقہ پر شاہد عدل ہے، اسی بناء پر ان کے اجتہادات جہاں دوسرے صحابہؓ سے مختلف تھے، وہاں صحت اور یقین بھی انہی کو حاصل تھا۔

جماع کی ایک صورت خاص میں صحابۂ کرامؓ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ بھی نہایت متردد تھے، مگر عام صحابہؓ کی تردید نہ کر سکتے تھے، لیکن حضرت معاذؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو سب سے اختلاف تھا، آخر حضرت عائشہؓ نے حضرت معاذؓ کی رائے سے اتفاق کیا، اور اسی پر حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا[3] ۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور پیچیدہ صورت ہوئی ایک حاملہ عورت کا شوہر دو برس سے غائب تھا، لوگوں کو شبہ ہوا، حضرت عمرؓ سے ذکر کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت معاذؓ موجود تھے، بولے کہ عورت کے رجم کا آپ کو بیشک حق ہے لیکن بچہ کے رجم کرنے کے کیا معنی ہیں،

---

[1] مسند جلد ۵۔ص ۲۳۳، ۲۴۶ [2] ایضاً جلد ۵۔ص ۲۴۶ [3] ایضاً ص ۱۱۵ جلد ۵

حضرت عمرؓ نے اس وقت چھوڑ دیا اور فرمایا وضع حمل کے بعد سنگسار کیا جائے، لڑکا پیدا ہوا تو خوبی قسمت سے اپنے باپ کے بالکل مشابہ نکلا، باپ نے دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے، حضرت عمرؓ کو خبر ملی تو فرمایا کہ "معاذؓ کا مثل عورتیں نہ پیدا کریں گی، اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا[1]"۔

قدرت نے جس فیاضی سے حضرت معاذؓ کو کمالات عطا فرمائے تھے، اس کا اعتراف طبقہ صحابہ میں ہر کہ ومہ کو تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔ **عجزت النساء ان یلدن مثل معاذؓ**۔ یعنی معاذؓ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں"۔

وہ خلافت کے مستحق تھے :

حضرت عمرؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد کس کو خلیفہ بنایا جائے، حضرت عمرؓ نے ایک مختصر تقریر فرمائی، جس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ اگر معاذؓ بن جبل زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بناتا، خدا پوچھتا تو کہتا کہ اس شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**یاتی معاذؓ بین العلماء برتوہ**"۔

اخلاق وعادات :

حضرت معاذؓ کے مناقب ومحامد کا ایک ایک باب پڑھ چکے، اس سے ان کی اخلاقی خصوصیات معلوم ہوگئی ہوں گی، ایک مسلمان کا سب سے بڑا وصف خالق کائنات کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اس کی اطاعت وعبادت ہے، چنانچہ حضرت معاذؓ دوسرے تربیت یافتگان نبوت کی طرح پچھلی پہر رات سے اٹھ کر اس کاروبار میں مصروف ہو جاتے تھے، یہ اسی عشق الٰہی ومحبت خداوندی کا اثر تھا کہ جب عمواس میں طاعون کی وبا پھیلی اور حضرت عمروؓ بن العاص نے آبادی چھوڑ کر میدان میں نکل جانے کی صلاح دی تو ان کو اس تجویز سے سخت تکلیف ہوئی اور فرمایا کہ یہ رحمتِ الٰہی ہے اے خدا اپنی اس رحمت کو تو میرے گھر بھیج دے۔

حبّ رسول ﷺ :

حبّ الٰہی کے بعد حبّ رسول کا درجہ ہے۔ سن چکے ہیں کہ وہ جب کبھی آپ ﷺ کو نہ پاتے تو کس طرح بے تابانہ آپ ﷺ کی تلاش میں نکل جاتے، حضور ﷺ کا قاعدہ تھا کہ سفر میں آپ ﷺ جب کہیں اترتے تھے تو مہاجرین کو اپنے قریب اتارتے تھے۔ چنانچہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تشریف لے گئے صحابہؓ بھی ہمراہ تھے، ایک جگہ ان کے ساتھ منزل کی تو آنحضرت ﷺ صحابہؓ

---

[1] کنز العمال جلد ۷۔ ص ۸۶۔ بحوالہ صحیح بخاری ومسلم

کے مجمع سے جن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے، اٹھ کر کہیں چلے گئے معاذ رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی، شام تک انتظار کرتے رہے جب آپ ﷺ نہ آئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لے کر آپ ﷺ کی تلاش میں نکل گئے۔ راستہ میں آواز معلوم ہوئی۔ دیکھا تو آنحضرت ﷺ ہیں، معاذ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے کہا آج آپ ﷺ ہم میں تشریف نہ رکھتے تھے، ہم کو خوف ہوا کہ خدانخواستہ کوئی ضرر نہ پہنچا ہو اس لئے اس وقت آپ کو ڈھونڈنے نکلے ہیں [1]۔

ادبِ رسول ﷺ :

آنحضرت ﷺ کا بے حد ادب کرتے تھے۔ ایک بار یمن سے آئے تو آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یمن میں میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے [2]۔

جنابِ رسالت پناہ ﷺ بھی اس محبت و جاں نثاری کی بناء پر ان سے نہایت محبت کرتے تھے۔ ایک بار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ مجھ کو تم سے بہت محبت ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ! میں بھی آپ ﷺ کو نہایت محبوب رکھتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں ایک وصیت کرتا ہوں اس کو کبھی ترک نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک دعا بتائی، جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہر نماز کے بعد ہمیشہ پڑھتے رہے [3]۔

رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا اس قدر خیال تھا کہ اپنے تلمیذ خاص صنابحی کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی، صنابحی پر یہ اثر تھا کہ انہوں نے اپنے شاگرد ابوعبدالرحمٰن حبلی کو اور حبلی نے عقبہ بن مسلم تحییتی کو اس کے پڑھنے کی وصیت کی تھی [4]۔

مذکورہ بالا واقعات تمام تر عہدِ نبوت ﷺ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس عہد میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی محبت جو حال تھا وہ اوپر گذر چکا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد ان میں کیا کیفیت تھی، اس کا بیان اب سننا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اضطراب قابل دید تھا۔ یمن سے واپس ہو کر آئے تو مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کے جمال جہاں آرا سے محروم ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کی۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۲۳۲ [2] ایضاً [3] مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۵۔ وادب المفرد۔ ص ۱۳۶
[4] مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۵

شام میں بھی محبوب کا فراق چین نہ لینے دیتا تھا۔ ۱۶ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے، حضرت بلال ؓ بھی وہاں موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی آج اذان دیجئے۔ حضرت بلال ؓ نے کہا میں تو ارادہ کر چکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، لیکن آج آپ کا ارشاد بجالاتا ہوں۔ اذان شروع کی تو صحابہ ؓ کو رسول اللہ ﷺ کا عہدِ مبارک یاد آ گیا اور ان پر رقت طاری ہوگئی اور حضرت معاذ بن جبل ؓ تو روتے روتے بے تاب ہو گئے۔

امر بالمعروف : حضرت معاذ ؓ نے امر بالمعروف میں کبھی لومۃ الائم کی پروانہ کی، شام گئے تو دیکھا کہ شامی وتر نہیں پڑھتے۔ امیر معاویہ ؓ حاکمِ شام تھے ان سے پوچھا کہ ان کے وتر نہ پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ امیر کو معلوم نہ تھا، پوچھا کیا وتر واجب ہے؟ حضرت معاذ ؓ نے کہا ہاں[1]۔

جود : نہایت فیاض تھے، چنانچہ اسی سخاوت کی بدولت ان کی تمام جائداد بیع ہوگئی اسلام کو ان کی سخاوت سے بڑا فائدہ پہنچا۔

صدق : راست گفتگو ان کی مسلم تھی اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان کی صداقت کی تصدیق فرمائی تھی۔ حضرت انس ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر پوچھا کہ آپ نے معاذ ؓ سے یہ فرمایا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا[2] ''صدق معاذ اصدق معاذ ! صدق معاذ !''۔

کینہ وحسد سے مبرا تھے۔ قرآن اور ہمعصر اکثر حس کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، چند باکمال ایک زمانہ میں موجود ہوں تو کبھی ایک دوسرے کو اچھا نہ کہے گا لیکن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ کو اس قسم کے رکیک و باطل خیالات سے پاک کر دیا تھا وہ ہمعصروں اور ہمسروں کی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے اور وقت پر اس کو ظاہر بھی کر دیتے تھے۔

حضرت معاذ ؓ کی وفات کا وقت آیا تو تمام لوگ رو رہے تھے کہ علم اٹھایا جا رہا ہے۔ حضرت معاذ ؓ سے کہا فرمایئے آپ کے بعد کس سے پڑھیں انہوں نے کہا، ذرا مجھے اٹھا کے بٹھا دو، بیٹھ گئے تو فرمایا، ''سنو علم و ایمان اٹھ نہیں سکتے وہ بدستور رہیں گے جو جستجو کرے گا، پائے گا'' (تین مرتبہ فرمایا)۔ علم چار آدمیوں سے سیکھو یعنی ابودرداء ؓ، سلمان فارسی، ابن مسعود، عبداللہ ابن سلام سے[3] رضی اللہ عنہم۔

---

[1] مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۲ [2] مسند ص ۲۴۳ [3] مسند جلد ۵۔ ص ۲۴۳

حضرت مسلمہؓ بن مخلد

مسلمہ نام۔ابو سعید اور ابو معن کنیت،قبیلہ خزرج سے ہیں،سلسلۂ نسب یہ ہے:

مسلمہ بن مخلد بن الصامت بن نیار بن لوذان بن عبدودّ بن زید بن ثعلبہ بن الخزرج ابن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الاکبر۔

۱ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت دو سالہ تھے،صغرسنی کی وجہ سے کسی غزوہ میں شریک نہ ہوسکے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور عمرو بن العاص کو فتح میں دیر لگی تو مدینہ سے چار ہزار آدمی،بطور کمک روانہ کئے گئے ان پر چار شخص افسر تھے،جو فن سپہ گری میں تمام عرب میں انتخاب تھے،یعنی زبیر بن العوامؓ،مقداد بن اسودؓ کندی،عبادہ بن صامتؓ مسلمہ بن مخلد،حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو خط لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے،اس بنا کر فوج ۴ ہزار نہیں بلکہ ۸ ہزار ہے[1]۔

مصر فتح ہوا تو مسلمہؓ نے وہیں اقامت اختیار کی،پھر مدینہ آئے اور صفین میں امیر معاویہؓ کی طرف سے شریک ہوئے،یہ عجیب بات ہے کہ انصار کا ہر فرد جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا،لیکن یہ بزرگ اور نعمان بن بشیر امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے[2]۔

جنگ صفین کے بعد جس میں جنگ کا نتیجہ امیر معاویہؓ کے خاطر خواہ نکلا تھا،۳۸ھ میں محمد بن ابی بکرؓ قتل ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں سلمہ کا بھی حصہ تھا،اور عجب نہیں کہ یہ صحیح ہو محمد بن ابی بکرؓ جب حاکم ہوکر مصر گئے تو قیس نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ مسلمہ معاویہ بن خدیج وغیرہ کے ساتھ عفو ودرگذر کا برتاؤ کرنا،لیکن انہوں نے اس کے بالکل خلاف کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں ایک شورش نمودار ہوئی جو محمد بن ابی بکرؓ کے قتل پر منتج ہوئی۔

محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے بعد امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کا والی بنایا ان کے بعد اور لوگ بھی ان کی طرف سے والی ہوکر آئے جن میں سب سے آخیر والی اور سب سے پہلے نائب السلطنت مسلمہ بن مخلد تھے۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳۔ص ۱۵۱ [2] یعقوبی جلد ۲۔ص ۲۱۹

امارت مصر وافریقہ :

حضرت مسلمہؓ امیر معاویہ کے پاس شام میں تھے کہ امیر معاویہؓ نے عقبہ بن عامر جہنی کے بجائے انکو مصر کا حاکم مقرر کیا اور تاکید کی کہ عقبہ سے امارت مخفی رکھی جائے دوسری طرف عقبہ کے نام فرمان بھیجا کہ آپ امیر البحر ہیں، جزیرہ روڈس پر حملہ کیجئے چنانچہ مسلمہؓ مصر پہنچے اور عقبہ کے ساتھ اسکندریہ روانہ ہوئے، ادھر عقبہ کے جہاز نے جزیرۂ روڈس پر حملہ کے لئے لنگر اٹھایا اور ادھر مسلمہؓ تختِ امارت پر متمکن ہو گئے، عقبہ کو خبر ہوئی تو بڑا افسوس کیا[1]۔ یہ ۲۰ ربیع الاوّل ۴۷ھ کا واقعہ ہے بعض لوگوں نے ۵۰ھ لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔

مصر اور افریقہ اب تک دو جداگانہ صوبے تھے اور ان پر دو والی حکومت کرتے تھے، حضرت مسلمہؓ دونوں صوبوں کے امیر بنائے گئے اور اسی کے ساتھ ساتھ محکمہ مذہبی وخراج بھی انہی کی نگرانی واہتمام میں دے دیا گیا۔

حضرت مسلمہؓ نے نظام حکومت از سر نو ترتیب دیا، سائبؓ بن ہشام بن کنانہ عامری کو پولیس کا افسر اعلیٰ بنایا، وہ ۴۹ھ تک اس منصب پر فائز رہے اس کے بعد عابس بن سعد مرادی کو کہ ان سے زیادہ انتظامی قابلیت رکھتے تھے اس عہدہ پر مامور کیا۔

معاویہ بن خدیج کو مغرب کی سرحد پر غزوہ کے لئے مامور کیا[2]۔ اور بری وبحری لڑائیوں کے لئے بعض مقامات پر لشکر بھیجے۔

حضرت مسلمہؓ نے اپنے فرائض منصبی نہایت بیدار مغزی، ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دیئے، ایک بحری لڑائی کے لئے آدمی کثرت سے بھرتی کئے تو فوج میں عام ناراضگی پھیل گئی، اس موقع پر حضرت مسلمہؓ نے فوجی جوکم کرنے کے لئے ایک خطبہ دیا جو بجنسہ درج ذیل ہے[1]۔

یا اھل مصر مانقم منی واللہ لقد زرت فی مدد کم وعدد کم وقویتکم علی عدوکم والذی نفسی بیدہ لایاتینکم زمان الاالآخر فلآخر شر فمن استطاع منکم ان یتخذ نفقا فی الارض فلیفعل !

لوگو! تم کو مجھ سے ناخوش نہ ہونا چاہئے میں نے تمہاری تعداد اور کمک میں اضافہ کر کے دشمنوں کے مقابلہ میں تم کو مضبوط بنایا ہے خدا کی قسم! (مجھ کو غنیمت سمجھو) آئندہ زمانہ میں

---

[1] یہ تمام واقعات کتاب ولاۃ مصر الکندی۔ ص ۳۸و۳۹و۴۰ سے ماخوذ ہیں　　[2] استیعاب جلد ۱۔ ص ۲۸۷
[3] اصابہ جلد ۶۔ ص ۹۸

سخت وجابر عمال آئیں گے اس وقت کے لئے البتہ تم کو زمین میں کوئی سوراخ تلاش کر لینا چاہئے۔

۵۳ھ میں رومی لشکر برنس پر چڑھ آیا۔تو حضرت مسلمہؓ نے فوج بھیج کر اس کا سخت مقابلہ کیا، اگرچہ اس میں مسلمان کثرت سے کام آئے تاہم فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہوا، اس میں عائذ بن ثعلبہ بلوی، ابورقیہ عمرو بن قیس لخمی وغیرہ۔

غالباً اسی سنہ میں حضرت مسلمہؓ نے عابس بن سعید کو پولیس کے محکمہ سے ہٹا کر امیر البحر بنایا، اور انہی کی ماتحتی میں اسطاذنہ (غالباً قسطنطنیہ کی تصحیف ہے کیونکہ اس قدر ثابت ہے کہ مسلمہؓ کے عہد میں مصر سے قسطنطنیہ پر ایک حملہ ہوا تھا۔) پر لشکر کشی کے لئے ایک مہم بھیجی، مہم سے واپس ہونے تک سائب بن ہشام عابس کے بجائے پولیس کے افسر رہے، **۵۷ھ** میں جب وہ روم سے واپس آئے تو اپنے سابق منصب پر بحال ہو گئے۔

۶۰ھ میں حضرت مسلمہؓ کوئی ضرورت سے اسکندریہ گئے تو فسطاط میں عابس بن سعیدؓ کو اپنا جانشین بنایا۔

اسی سنہ میں رجب کے مہینہ میں امیر معاویہؓ نے انتقال کیا اور یزید ان کا جانشین ہوا، مسلمہؓ اسکندریہ میں تھے، یزید کی خبر ملی تو عابس کو خط لکھا کہ رعایا سے یزید کی بیعت لے لو، چنانچہ تمام لشکر نے بیعت کی، لیکن عبداللہؓ بن عمرو بن العاص منکر تھے، عابس نے آگ منگوا کر دھمکی دی کہ "انکار کرو گے تو اس میں جھونک دوں گا"۔ حضرت عبداللہ نے یہ دیکھ کر جبراً وقہراً بیعت کی اور دنیا میں آگ کے عذاب سے محفوظ رہے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت مسلمہؓ اسکندریہ سے واپس آئے، اب عابس کو پولیس کے محکمہ کے ساتھ قضا کا محکمہ بھی تفویض کیا۔ یہ اوائل **۶۱ھ** کا واقعہ ہے۔

محکمہ مذہبی کا انتظام:

مسلمہؓ نے محکمہ مذہبی کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے بہت سی مذہبی خدمات بھی انجام دیں **۵۳ھ** میں جامع مسجد کی توسیع کی اور حضرت عمرو بنؓ عاص نے جو جامع مسجد تعمیر کی تھی اس کو منہدم کیا۔

مسجدوں میں روشنی کے منارے بنوائے، اور خولان اور نجیب وغیرہ کے ذمہ روشنی کا جو انتظام تھا، اس کو موقوف کر دیا، مسجدوں میں یہ حکم بھیجا کہ رات کے وقت سب جگہ ایک اذان ہو، فجر کے وقت

یہ انتظام کیا کہ پہلے جامع مسجد میں کئی مؤذن اذان پکاریں جب وہاں اذان ختم ہو تو فسطاط کی ہر ہر مسجد میں اذان کہی جائے، چونکہ یہ طریقہ نہایت پسندیدہ مستحسن اور اسلام کی شان وشوکت کو دوبالا کرتا تھا، نہایت مقبول ہوا اور مُسوّدہ کے زمانہ تک متواتر رائج رہا، ان لوگوں کے زمانہ میں کسی وجہ سے یہ رسم موقوف ہوگئی اور پھر افسوس کہ کبھی زندہ نہ ہوسکی۔

وفات : ۲۵/ رجب ۶۲ھ میں حضرت مسلمہؓ نے انتقال فرمایا، ۶۲ سال کا سن تھا، ۱۵ برس چار ماہ حکومت کی، وفات کے وقت کاروبار حکومت عابس بن سعید کے سپرد کیا۔

اولاد : کوئی صلبی یادگار نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال :

حضرت مسلمہؓ حافظ قرآن تھے اور وہ ایسا صحیح یاد تھا کہ لوگ تعجب کرتے تھے، حضرت مجاہدؒ تفسیر وقرأت کے امام ہیں اور اپنے زمانہ میں اس فن میں بے مظہر تسلیم کئے جاتے تھے ان کا بیان ہے کہ میں دنیا میں اپنے کو قرآن کا سب سے بڑا حافظ سمجھتا تھا، لیکن مسلمہؓ کے پیچھے ایک روز نماز فجر پڑھی تو یہ خیال غلط ثابت ہوا، انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی، اتنی بڑی سورت میں کہیں واؤ اور الف کی بھی غلطی نہیں کی۔

حدیث میں بھی مرجعیت عامہ حاصل تھی، اور خود صحابہؓ حدیث سننے کے لئے ان کے پاس مصر جاتے تھے حضرت ابوایوب انصاریؓ صرف ایک حدیث سننے کے لئے مصر گئے تھے، عقبہ بن عامر جہنی بھی اسی غرض سے گئے تھے اور حدیث سنی تھی [1]۔

تلامذۂ خاص اور راویان حدیث میں حسب ذیل حضرات ہیں، اسلم ابو عمران، شیبان بن امیہ، عبدالرحمٰن بن شمامہ، علی بن رباح، مجمع بن کعب، مجاہد بن جبر، ہشام بن ابی رقیہ۔

---

[1] مسند جلد ۴۔ ص ۱۰۴

حضرت محمد بن مسلمہؓ

نام ونسب :

محمد نام۔ابوعبدالرحمٰن کنیت،قبیلہ اوس سے ہیں،سلسلہ نسب یہ ہے :

محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمروابن مالک بن اوس۔

بعثت نبوی سے ۲۲ سال قبل پیدا ہوئے،محمد نام رکھا گیا،سن شعور کو پہنچ کر عبدالاشہل کے حلیف بن گئے۔

اسلام : سعد بن معاذ سے قبل حضرت مصعب بن جبیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

غزوات اور دیگر حالات :

امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے کہ عشرہ مبشرہ میں تھے رشتۂ اخوت قائم ہوا، غزوۂ بدر میں شریک تھے،اور غزوۂ قینقاع میں یہود کا مال انہی نے وصول کیا تھا[1]۔کعب بن اشرف یہودی،مدینہ میں ایک شاعر تھا،آنحضرت ﷺ کی ہجو کرنا اور مسلمان کے خلاف آتشِ غیظ وغضب مشتعل کرنا اس کا کام تھا،بدر میں مسلمانوں کو فتح اور قریش کو ہزیمت ہوئی تو بولا کہ"اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے اچھا ہے"۔اسی جوش میں مکہ پہنچا اور اشعار کے ذریعہ سے تمام قریش میں انتقام کی آگ بھڑ کا دی مدینہ واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کو اس کی فکر پیدا ہوئی،فرمایا،"الھم اکفنی ابن الاشرف !بما شئت فی اعلانہ المرو قولہ الاشعار"،پھر مسلمانوں کے بھرے مجمع میں فرمایا "من اللکعب ابن الاشرف فانہ قداذی اللہ ورسولہ" ،کعب کے لئے کون ہے؟اس نے خدااور رسول کو بہت اذیت پہنچائی،محمد بن مسلمہؓ نے اٹھ کر کہا یارسول اللہ(ﷺ) کیا آپ کی مرضی ہے کہ وہ قتل کردیا جائے،فرمایاہاں،عرض کی تو اس کام کے لیے میں حاضر ہوں،لیکن کچھ کروں تو کوئی مضائقہ تو نہ ہوگا،ارشاد ہوانہیں،بارگاہ رسالت ﷺ سے اٹھ کر کعب کے پاس آئے اور کہا کہ "اس شخص (آنحضرت ﷺ) نے ہم کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے،اب صدقہ مانگتا ہے۔ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ایک یادووسق چھوہارے اور کھانا ہم کو پیشگی دے دو،کیا کہیں اس سے بیعت کر چکے

---

[1] طبقات ابن سعد۔ص ۲۰۔حصہ مغازی

ہیں، اب چھوڑتے بھی نہیں بنتا، تاہم انجام کا انتظار ہے، کعب نے کہا مجھے منظور ہے لیکن کوئی چیز گرو رکھ دو۔ ساتھیوں نے کہا کیا رہن رکھیں؟ بولا عورتیں کہا نہیں تم خوبصورت آدمی ہو، بولا تو بچے، کہا یہ بھی ٹھیک نہیں لوگ انگلیاں اٹھائیں گے۔ کہ ایک دو وسق کے لئے اولاد رہن رکھ دی یہ بڑے شرم کی بات ہے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہتھیار گرو رکھ دیں اس نے کہا اچھا میرے پاس پھر آنا، رات کے وقت محمد ابن مسلمہؓ ابو نائلہ کو کہ کعب کے رضاعی بھائی تھے، اور مسلمان ہو چکے تھے۔ لے کر پہنچے کعب نے قلعہ میں بلالیا اور ملنے کے لئے گھر سے نکل رہا تھا کہ بیوی نے کہا ایسے وقت کہاں جاتے ہو؟ جواب دیا وہ میرے دو بھائی آئے ہیں۔ ان سے ملنے جارہا ہوں بولی کہ ''ان کی آواز سے تو خون ٹپکتا ہے، کہا خیر اگر یہی ہے تب بھی مجھے چاہئے کیونکہ شریف آدمی رات کو بھی نیزہ کی دعوت قبول کرتا ہے۔ غرض نہایت عمدہ عطر لگا کر اور چادر اوڑھ کر گھر سے نکلا، محمد بن مسلمہؓ نے پہلے سے ساتھیوں کو کہہ رکھا تھا کہ میں اُس پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔ جس وقت اشارہ کروں فوراً قتل کر دینا۔ چنانچہ اس سے کہا، نہایت عمدہ خوشبو ہے، کیا میں تمہارا سر سونگھ سکتا ہوں، اُس نے اجازت دی تو انہوں نے سر پکڑ کر سونگھا اور کہا کہ ان لوگوں کو بھی اجازت دو، سب اٹھے اور سر سونگھا، اتنی دیر میں وہ بخوبی قبضہ میں آ گیا تھا، ساتھیوں سے کہا لو اس کو قتل کرو، اتنی دیر میں تلواریں برس پڑیں لیکن جان پھر بھی باقی رہ گئی، خدا کا دشمن اتنی زور سے چلایا کہ تمام یہود نے آوز سن لی اور ہر قلعہ پر روشنی ہوگی محمد بن مسلمہؓ نے جرأت کر کے پیش قبض پیٹ میں بھونک دی جو ناف کے نیچے اتر گئی اور وہ ٹھنڈا ہو گیا[1]۔

ان لوگوں نے اس کا سر کاٹ کر ساتھ لے لیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے، بقیع پہنچ کر تکبیر کہی، آنحضرت ﷺ نے اس وقت تک آرام نہ فرمایا تھا، برابر نماز پڑھ رہے تھے، تکبیر کی آواز گوش مبارک تک پہنچی، سمجھے کہ مقصد میں کامیابی ہوئی، سامنے آئے تو فرمایا کہ، کامیاب پھرے ہیں، لوگوں نے کعب کا سر سامنے رکھ دیا تو نہایت خوش ہوئے اور خدا کا شکر ادا کیا، غزوۂ اُحد میں لشکر اسلام کی حفاظت پر متعین تھے۔ پچاس آدمیوں کے ساتھ تمام رات گشت لگایا تھا[2]۔

واقعہ نضیر میں جو ۴ھ میں پیش آیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کو بنو نضیر کے پاس بھیجا کہ یہ اعلان کر دو کہ ہمارے شہر سے نکل کر کسی جگہ چلے جاؤ، تم لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے جو فریب اور دغا کی ہے، وہ ہم کو خوب معلوم ہے تم کو دس روز کی مہلت ہے، اس کے بعد اگر یہاں دیکھے گئے تو قتل کر دیئے جاؤ گے، بنو نضیر نے عبداللہ بن ابی کے اغوا سے اس حکم کی پرواہ نہ کی، اور مقابلہ پر تیار

---

[1] صحیح بخاری طبقات ابن سعد۔ ص ۲۲،۲۱،۵۷،۶ حصہ مغازی [2] طبقات۔ ص ۲۷

ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے مجبور ہو کر محاصرہ کر لیا اور شکست دی، محمد بن مسلمہؓ کے ذمہ ان کے جلاوطن کرنے کا معاملہ سپرد ہوا[1] جس کو انہوں نے بخوبی انجام دیا۔

غزوہ خندق کے بعد ۵ھ میں غزوہ قریظہ ہوا۔ ۱۵ روز کے محاصرہ کے بعد یہود بنی قریظہ نے زچ ہو کر سپر ڈال دی اور آنحضرت ﷺ کے حکم پر راضی ہو گئے، محمد بن مسلمہؓ نے عورتوں اور بچوں کو جدا کر کے باغیوں کے ہاتھ باندھ دیئے اور ایک طرف لا کر کھڑا کر دیا[2]۔

اس واقعہ کے بعد ۳۰ سواروں کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے بکرات روانہ کیا، جو مدینہ سے ۷ دن کی مسافت پر واقع تھا، مقصود قرطاء پر غارت گری تھی، محمد بن مسلمہؓ رات کو چلتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے، گاؤں پہنچ کر اچانک ان کو جا لیا کچھ قتل ہوئے باقی فرار ہو گئے، بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔ اونٹ ۱۵۰، بکریاں ۳۰۰۰۔ ۱۹ روز کے بعد مدینہ واپس آئے[3]۔

ربیع الثانی ۶ھ میں ۱۰ آدمیوں کے ساتھ ذی القصہ بھیجے گئے، یہ مقام مدینہ سے ۲۴ میل پر ہے، اور ربذہ کی سڑک پر واقع ہے رات کو وہاں پہنچے تو قبیلہ والوں نے سو۱۰۰ آدمی جمع کر کے تیراندازی کی، پھر نیزے لے کر ٹوٹ پڑے، محمد بن مسلمہؓ کے علاوہ ادھر کے سب آدمی مارے گئے، گو محمد بن سلمہؓ شہید نہیں ہوئے لیکن ان کے ٹخنے پر چوٹ آ گئی تھی جس سے ہلنا بھی مشکل تھا ان لوگوں نے سب کے کپڑے اتار لئے اور برہنہ چھوڑ کر چلے گئے، اتفاق سے ایک مسلمان ادھر سے گزر رہا تھا۔ محمد بن مسلمہؓ کو اس حال میں دیکھا تو اٹھا کر مدینہ لایا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ کو روانہ فرمایا[4]۔

۷ھ میں عمرۃ القضاء ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ذوالحلیفہ پہنچ کو گھوڑے محمد بن مسلمہؓ کے سپرد کر دیئے اور فرمایا کہ تم آگے بڑھو یہ مرظہران پہنچے تو قریش سے ملاقات ہوئی پوچھا کیا ماجرا ہے؟ کہا آنحضرت ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور انشاء اللہ کل یہاں پہنچ جائیں گے[5]۔ غزوۂ تبوک میں جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں ان کو کاروبارِ خلافت سپرد کیا تھا[6]۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں قبیلہ جہینہ کے صدقات وہی وصول کرتے تھے حضرت عمرؓ نے گورنروں اور عاملوں کی نگرانی کا ایک عہد قائم کیا تھا۔ دربارِ خلافت میں وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں

---

[1] طبقات ص ۴۱ [2] ایضاً ص ۵۴ [3] طبقات ص ۵۶
[4] طبقات ص ۶۱، ۶۲ [5] ایضاً ص ۸۷ [6] ایضاً ص ۱۱۹

موصول ہوتیں ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے حضرت عمرؓ نے انہی کو انتخاب کیا۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں:

"وھو کان صاحب العمال ایام عمرؓ کان عمر اذا شکی الیه عامل ررسل محمد ایکشف الحال وھو الذی ارسله عمر الیٰ عماله لیا خذ شطر اموالھم[1]

"یہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں عمال کے نگران تھے۔ جب کسی عامل کی حضرت عمرؓ سے شکایت کی جاتی تو تحقیق حال کے لئے محمد بن مسلمہؓ بھیجے جاتے، انہی کو حضرت عمرؓ نے عمال کے پاس بھیجا تھا کہ ان کے مال کا چوتھا حصہ وصول کریں"۔

۲۱ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو کوفہ کے گورنر اور عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی نسبت لوگوں نے جا کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ تحقیقات کے لئے کوفہ بھیجے گئے انہوں نے کوفہ کی ایک مسجد میں جا کر لوگوں کا اظہار کیا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود انکار اظہار لیا[2]۔

حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے محل بنایا اور اس میں ڈیوڑھی رکھی ہے۔ فرمایا کہ اب کسی مظلوم اور فریادی کی آواز ان تک نہیں پہنچے گی۔ محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی حضرت سعد باہر نکلے اور پوچھا کیا معاملہ ہے، انہوں نے واقعہ بیان کیا[3] تو خاموش ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک شخص نے آواز دی، عمر! کیا چند شرطیں تم کو خدا سے نجات دلا دیں گی؟ تمہارا عامل عیاض بن غنم جو مصر کا حاکم ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور دروازہ پر دربان مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلا کر مصر بھیجا کہ وہ جس جس حال میں ہوں ان کو بلوالاؤ۔ محمد بن مسلمہؓ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا، اندر گئے تو عیاض باریک کرتہ پہنے تھے کہا چلو امیر المومنین نے طلب کیا ہے، درخواست کی کہ قبا تو پہن لوں۔ جواب ملا نہیں اسی وضع سے چلو، غرض اسی حالت میں مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا گلہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ[4]۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کے مال و دولت میں بہت اضافہ ہو گیا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۳۳۰ [2] صحیح بخاری جلد ۱۔ ص ۱۰۴ طبرانی ص ۲۶۰۶
[3] اصابہ جلد ۶۔ ص ۶۴ [4] کتاب الخراج ص ۶۶

ہے۔ محمد بن مسلمہ ؓ کو ان کے نام فرمان دے کر روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ سارا مال ان کے سامنے رکھ دیا جائے۔ یہ جس قدر مناسب سمجھیں گے، لے لیں گے۔ محمد بن مسلمہ ؓ مصر پہنچے تو عمرو ؓ نے ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے واپس کر دیا حضرت عمرو ؓ کو اس کا بڑا املال ہوا اور کہا کہ تم نے میرا ہدیہ واپس کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔ جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کے ہدیہ اور اس میں فرق ہے اس میں برائی پوشیدہ ہے۔ عمرو ؓ نے کہا خدا اس دن کا برا کرے جب میں عمر ؓ بن خطاب کا والی بنا، میں نے عاص بن وائل (عمرو کے باپ کا نام ہے) کو دیکھا ہے وہ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتے تھے تو خطاب (حضرت عمر ؓ کے باپ) لکڑیوں کا گھٹہ گدھے پر لادے پھرتا تھا۔ آج اسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا کہ آپ کے اور ان کے باپ دونوں جہنم کے کندھے ہیں لیکن عمر ؓ آپ سے بہتر ہیں اس کے بعد کچھ سخت گفتگو ہوئی عمرو ؓ نے کُل مال لا کر سامنے رکھ دیا انہوں نے کسی قدر لے کر باقی واپس کر دیا اور مدینہ چلے آئے [1]۔

محمد بن ربیع نے صحابہ ؓ مصر کے حال میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ ایک حدیث بھی سنداً پیش کی ہے [2]۔ حضرت عمر ؓ کے زمانۂ خلافت تک مدینہ میں رہے پھر ربذہ کی سکونت اختیار کی۔ حضرت عثمان ؓ کے قتل کے اندوہ ناک واقعہ میں بالکل الگ تھے۔ حضرت حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کو فتنہ نے کچھ ضرر نہیں پہنچایا اور وہ محمد بن مسلمہ ؓ ہیں۔

چند آدمی ربذہ آئے دیکھا کہ ایک خیمہ نصب ہے اندر گئے تو محمد بن مسلمہ ؓ سے ملاقات ہوئی۔ عزلت نشینی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا جب تک معاملہ صاف نہ ہو جائے ہم کو دخل دینے کی ضرورت نہیں [3]۔

جناب امیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان کو طلب فرمایا اور پوچھا میرے ساتھ کیوں نہ شریک ہوئے۔ عرض کی آپ کے بھائی (آنحضرت ﷺ) نے مجھے تلوار دی تھی اور فرمایا تھا کہ مشرکین سے لڑنا اور جب مسلمان سرگرمِ پیکار ہوں تو اسے اُحد پر مار کر پاش پاش کر دینا اور گھر میں بیٹھ رہنا، چنانچہ میں نے یہی کیا [4]۔

جمل اور صفین وغیرہ میں کسی فریق کے ساتھ نہ تھے۔ اس زمانہ میں ایک لکڑی کی تلوار بنائی تھی اور کہتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے [5]۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳۔ ص ۱۸۴ [2] اصابہ جلد ۶۔ ص ۶۴ [3] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۳۳۱
[4] مسند جلد ۴۔ ص ۲۲۵ [5] اسد الغابہ

وفات : امیر معاویہ ؓ کے عہد میں ۴۶ھ میں وفات پائی صفر کا مہینہ تھا کہ ایک شامی جو صوبۂ اردن کا رہنے والا تھا ان کی فکر میں مدینہ آیا یہ مکان کے اندر تھے یہ ڈراتا ہوا اندر چلا گیا اور ان کا کام تمام کر دیا، قصور یہ تھا کہ انہوں نے امیر معاویہ ؓ کی طرف سے تلوار کیوں نہ اٹھائی[1]۔ اسی زمانہ میں مروان، مدینہ منورہ کا امیر تھا۔ اس نے نمازِ جنازہ پڑھائی[2] اور مدینہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ وفات کے وقت سن مبارک ۷۷ سال کا تھا۔

اہل وعیال : دس لڑکے اور چھ لڑکیاں یادگار چھوڑیں[3]۔ مشہور لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

جعفر، عبداللہ، سعد، عبدالرحمٰن، عمرو ؓ (یہ سب صحابی تھے) محمود۔

حلیہ : قد دراز، بدن دہرا، رنگ گندم گوں، سر کے بال آگے سے اڑ گئے تھے۔

فضل وکمال : فضلائے صحابہ ؓ[4] میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برسوں رہے تھے۔ سینکڑوں حدیثیں سنی تھیں لیکن صرف ۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں[5]۔ راویوں میں مشاہیر تابعین ہیں، جن کے نام یہ ہیں :

ذویب، مسور بن مخرمہ، سہل بن ابی حشمہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، عروہ، اعرج قبیصہ بن حصن۔

اخلاق : اخلاق میں دو چیزیں نہایت نمایاں ہیں۔ حبّ رسول ﷺ اور فتنہ سے کنارہ کشی اور دونوں کے مناظر اوپر گذر چکے ہیں۔

---

[1] تہذیب التہذیب [2] استیعاب جلد ۱۔ ص ۲۳۹ [3] اسد الغابہ جلد ۳۔ ص ۳۱۰
[4] استیعاب جلد ۱۔ ص ۲۳۹ [5] تہذیب التہذیب جلد ۹۔ ص ۴۵۵

حضرت معاذؓ بن عفراءؓ

نام ونسب :

معاذ نام ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ والدہ کا نام عفراء بنت خویلد بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھا۔

اسلام : بیعتِ عقبہ سے قبل مکہ جا کر مسلمان ہوئے۔ ۵ آدمی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے۔ ان چھ آدمیوں کے ناموں میں اختلاف ہے، ہم نے موسیٰ بن عقبہ اور ابوالاسود[1] کی روایت پر اعتبار کیا ہے جو بالترتیب زہری اور عروہ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔

مواخاة : ہجرت کے بعد معمر بن حارث ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔

غزوات : بدر میں شریک تھے جب شیبہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ نے مبارز طلبی کی تو سب سے پہلے یہی تینوں بھائی (معاذ، معوذ، عوف) تیغ بکف میدان میں نکلے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت حمزہ وغیرہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ لیکن ولولۂ جہاد کب دب سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک صف میں کھڑے تھے ان کے داہنے بائیں دونوں بھائی آکر کھڑے ہو گئے وہ ان کو پہچانتے نہ تھے اس بناء پر اپنے گرد دونوں جوانوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہوئے۔ اتنے میں ایک نے آہستہ سے کہا چچا! ابوجہل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا برادرزادے! کیا کرو گے؟ کہا میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس بناء پر خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ اس کو ضرور ماروں گا، پھر اسی دھن میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا، دوسرے نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ حضرت عبدالرحمٰن نہایت متعجب ہوئے اور اشارہ سے بتایا کہ دیکھو ابوجہل وہ گشت لگا رہا ہے۔ اتنا سن کر وہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل کو قتل کر ڈالا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو خوشخبری سنائی، پوچھا کس نے قتل کیا، دونوں نے جواب دیا ہم نے، فرمایا تلوار دکھاؤ چنانچہ دونوں کی تلواروں میں خون کا اثر موجود تھا[2]۔

---

[1] دیکھو فتح الباری جلد ۷۔ ص ۱۷۲ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۶۸۔ ومسلم جلد ۲۔ ص ۶۸، ۶۹

صحیح مسلم میں ان دونوں کا نام معاذ بن عمرو بن جموع اور معاذ بن عفراء مذکور ہے لیکن صحیح بخاری میں ابنائے عفراء ہے جس سے صرف معاذ اوران کے بھائی کا مارنا ثابت ہوتا ہے۔ ابو جہل پر حملہ کرتے وقت ابن ماعض نے جو قبیلہ زریق سے تھا، ان پر حملہ کیا۔ چنانچہ زخمی ہو کر مدینہ آئے تھے۔

وفات : بعضوں کے نزدیک تو اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان ؓ کے زمانہ میں وفات پائی اور ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ ۳۷ھ میں انتقال کیا۔ اس زمانہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ ؓ میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔

اخلاق : حبِ رسول ﷺ کا بہترین ثبوت بدر میں ابو جہل کا قتل ہے اس میں انہوں نے جانبازی کی جو اعلیٰ مثال پیش کی وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز ہے۔ فرائض کی بجا آوری میں اہتمام تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کے علاوہ اور بھی حج کئے جن میں سے ایک کا تذکرہ سنن نسائی میں آیا ہے۔

حضرت مجمع بن جاریہؓ

نام ونسب :

مجمع نام۔قبیلۂ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے ہیں،سلسلۂ نسب یہ ہے :

مجمع بن جاریہ بن عمار بن مجمع بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

اسلام :ہجرت کے وقت کم سن تھے اور اسی زمانہ میں اسلام لائے۔

غزوات : غزوہ حدیبیہ میں شرکت کی[1]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے آخر زمانہ خلافت میں انتقال کیا[2]۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، یعقوب، یحییٰ،عبیداللہ بیوی کا نام سلمہ بنت ثابت ابن وحدانہ بن نعیم بن غنم بن ایاس تھا اور قبیلہ قضاعہ کے خاندن بلی سے تھیں[3]۔

صاحب طبقات کا بیان ہے کہ ان کی نسل باقی نہیں رہی[4]۔

فضل وکمال :

عہد رسالت میں جن صحابہؓ نے قرآن جمع کرنا شروع کر دیا تھا ان میں حضرت مجمع بن جاریہؓ انصاری بھی تھے،لیکن ایک یا دو سورتیں باقی ہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ہو گیا[5]۔اور وہ اس کام کو مکمل نہ کر سکے۔

مسند ابن حنبل میں ہے :

کان احد القرآء الذین قرئوا القرآن[6]۔

یعنی وہ ان قاریوں میں تھے جنہوں نے قرآن پڑھا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے کوفہ بھیجا تھا[7]۔حضرت عبدللہ بن مسعود بھی وہیں تھے،انہوں نے بھی ان سے قرآن پڑھا تھا۔

حدیثیں بہت کم روایت کیں،صحیح ترمذی میں ۳ حدیثیں ہیں جن میں بعض صحیح سند سے ثابت ہیں۔

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۰ [2] استیعاب جلد ۱۔ص ۲۶۸ [3] طبقات جلد ۵۔ص ۱۹۲

[4] ایضاً جلد ۳۔ص ۴۴ [5] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۰۳ [6] مسند جلد ۳۔ص ۴۲۰ [7] اصابہ جلد ۶۔ص ۴۶

راویوں میں یعقوب، عبدالرحمن بن یزید بن جاریہ اور عکرمہ بن سلمہ ہیں۔

اخلاق : زہد و تقدس کی وجہ سے اپنی قوم کے امام تھے، اور یہ منصب صغر سنی ہی میں حاصل ہو گیا تھا، باپ نے مسجد ضرار بنائی تھی، معصوم بیٹا اس میں نماز پڑھتا تھا، لیکن یہ معلوم نہ تھا اس سے آنحضرت ﷺ اور اسلام کی بیخ کنی مقصود ہے، آنحضرت ﷺ نے مسجد کو جلوا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگوں نے درخواست کی کہ مجمعؓ کو امام بنایا جائے بولے یہ کبھی نہ ہوگا وہ مسجد ضرار میں منافقین کی امامت کرتا تھا، مجمعؓ کو خبر ہوئی تو قسم کھا کر کہا کہ مجھے منافقین سے کوئی سروکار نہ تھا، جب ان کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو امامت کی اجازت دی۔

حضرت محیصہ رضؓ بن مسعود

نام ونسب :

محیصہ نام۔ ابوسید کنیت،قبیلہ اوس سے ہیں،سلسلۂ نسب یہ ہے :

محیصہ ابن مسعود بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو ابن مالک بن اوس۔

اسلام : مسعودؓ بن کعب کے دو بیٹے تھے،حویصہ اور محیصہ۔حویصہ بڑے تھے ان کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔محیصہؓ چھوٹے تھے لیکن ان سے زیادہ عقلمند،ہوشیار اور وقت شناس تھے۔ہجرت سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس مقولہ کے مصداق بنے،بزرگی بعقل ست نہ بسال۔

غزوات :

اُحد،خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔غزوۂ احد سے قبل کعب بن اشرف یہودی کا قلعہ قمع ہو چکا تھا چونکہ اس کو اور اس کی تمام جماعت کو اسلام سے خاص عداوت تھی۔آنحضرت ﷺ نے عام حکم دے دیا تھا کہ جس یہودی پر قابو پاؤ اس کو فوراً قتل کر دو۔ابن سینہ ایک یہودی تاجر تھا، حویصہ کے اور اس کے خاص تعلقات تھے۔محیصہؓ نے اس کو موقع پا کر قتل کر دیا چونکہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے نہایت برہم ہوئے،مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے،خدا کے دشمن! تیرے پیٹ میں بہت سی چربی اسی کے مال کی ہے۔محیصہؓ نے ان کے غصہ اور مار کا صرف ایک جواب دیا کہ ''جس شخص نے مجھ کو اس کے قتل کا حکم دیا،اگر تمہارے قتل کا حکم دے تو تم کو بھی قتل کر دوں''۔یہ سن کر سخت متعجب ہوئے اور حیرت سے پوچھا کہ واقعی اگر وہ میرے مارنے کا حکم دیں تو تم مجھ کو مار ڈالو گے؟ انہوں نے کہا، ''خدا کی قسم ضرور ماروں گا''۔حویصہ پر اب غصہ کی بجائے حقانیت طاری ہوئی،بولے جس نے تجھ کو ایسا حکم دیا وہ کوئی عجیب مذہب ہے اور پھر انہی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے[1]۔محیصہؓ نے اپنے بھائی کے اس مکالمہ کو نظم کر دیا جس کو ہم بھی نقل کرتے ہیں۔

یلوم ابن امی لوامرت بقتلہٖ لطبقت ذفراہ بابیض قاضب

حسام کلون الملح اخلص عقلہ متی ما اصوبہ فلیس بکاذب

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ص ۳۳۵

وماسرني انی قتلتک طائعا　　وان لنا مابین بصری و مارب

آنحضرت ﷺ نے تاسیس حکومت کے بعد جب اشاعتِ اسلام کا محکمہ قائم کیا تو ان کو مبلغ بنا کر فدک روانہ فرمایا[1]۔

وفات : سنہ وفات معلوم نہیں لیکن قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ ؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی کیونکہ ان کے پوتے نے ان کو اچھی طرح دیکھا تھا اور حدیث سنی تھی اور یہ ثابت ہے کہ ان کے پوتے ۴۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

اولاد : حدیثوں سے ایک لڑکے کا پتہ چلتا ہے لیکن نام میں اختلاف ہے۔ مسند میں ساعدہ اور سعد دو نام آئے ہیں، طبقات میں سعد لکھا ہے، کتبِ رجال میں ہے کہ بعض لوگ ان کے صحابی ہونے کے قائل ہیں، اصل نام حرام تھا۔

فضل وکمال : عہدِ نبوت ﷺ میں اشاعتِ اسلام جیسے اہم کام پر متعین ہونا ان کے فضل وکمال کی بین دلیل ہے۔ اس کے علاوہ چند حدیثیں بھی روایت کی ہیں جو محمد بن سہل بن ابی حثمہ اور حرام بن سعد کے سلسلہ سے مروی ہیں۔

اخلاق : رسول اللہ ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اور اطاعت کا جو جذبہ وہ اپنے دل میں رکھتے تھے اس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ بارگاہِ نبوی ﷺ میں ان کو بڑا تقرب حاصل تھا انہوں نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا جواب خلافِ مزاج ملا تو جب تک ان کو اطمینان نہ ہو گیا اس کو بار بار پوچھتے رہے[2]۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۳۴　　[2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴۳۶

حضرت منذرؓ بن عمرو

نام ونسب :

منذر نام۔ اعنق لیموت لقب، قبیلۂ خزرج کے خاندان ساعدہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

منذر بن عمرو بن خنیس بن حارثہ بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الکبیر۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ میں بیعت کی اور اپنے قبیلہ کے نقیب مقرر ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ بھی اسی قبیلہ کے نقیب تھے[1]۔

غزوات، عام حالات اور وفات :

طلیب بن عمیر سے مواخاۃ ہوئی۔ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ موخر الذکر غزوہ میں میسرہ کے افسر تھے۔

غزوۂ احد کے ۴ ماہ بعد صفر کے مہینہ میں انصار کے ستر نوجوان جو قراء کے نام سے مشہور تھے، اشاعتِ اسلام کی غرض سے نجد بھیجے گئے۔ حضرت منذرؓ اس جماعت کے امیر تھے بیر معونہ پہنچے تھے کہ رعل اور ذکوان کے سواروں نے گھیر لیا ان لوگوں نے ہر چند کہا کہ ہم کو تم سے کوئی سروکار نہیں، رسول اللہ ﷺ کے کام سے کسی طرف جارہے ہیں لیکن ظالموں نے ایک نہ سنی اور سب کو قتل کر ڈالا صرف منذرؓ باقی رہ گئے ان سے کہا کہ درخواست کرو تو تم کو امان دی جائے لیکن ان کی حمیت یہ بے غیرتی گوارا نہیں کر سکتی تھی صاف انکار کر دیا اور جس مقام پر حضرت حرامؓ شہید ہو گئے تھے وہیں پہنچ کر لڑے اور قتل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو فرمایا "اعنق لیموت" یعنی "انہوں نے دانستہ موت کی طرف سبقت کی"۔ اس وقت سے ان کا یہ لقب خاص و عام کے زبان زد ہو گیا[2]۔ یہ اوائل ۴ھ کا واقعہ ہے۔

اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی ۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۴۱۸ [2] طبقات جلد ۲۔ ص ۳۶، ۳۷۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۶

فضل وکمال : جاہلیت میں عربی لکھتے تھے[1]۔ اسلام میں قرآن وحدیث کی جو واقفیت بہم پہنچائی تھی اسی بناء پر اشاعتِ اسلام کے لئے وہ منتخب ہوئے اور مبلغین کے امیر بنائے گئے۔

اخلاق : زہد وتقویٰ، عبادت وقیام لیل، یہ تمام قراء کا شیوہ تھا۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ بھی انہی اوصاف سے متصف تھے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴۔ ص ۴۱۸

حضرت نعمانؓ بن بشیر

نام ونسب :

نعمان نام۔ابوعبداللہ کنیت،قبیلۂ خزرج سے ہیں،سلسلۂ نسب یہ ہے :

نعمان ابن بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن خلاس بن زید بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن الخزرج الاکبر۔ والدہ کا نام عمرۃ بنت رواحہ تھا۔جن کا سلسلۂ نسب مالک اغر پر حضرت نعمانؓ کے آباء سے مل جاتا ہے۔

حضرت نعمانؓ کے والد بشیرؓ بن سعد بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔عقبہ ثانیہ میں ۷۰ انصار کے ہمراہ مکہ جا کر بیعت کی تھی۔بدر،احداور تمام غزوات میں آنحضرتﷺ کے ہمرکاب تھے،سقیفۂ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے انہی نے حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی تھی۔ ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہمراہ مسیلمۂ کذاب کے مقابلہ کو نکلے اور واپسی کے وقت عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

والدہ بھی جو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مشہور صحابی کی ہمشیر تھیں،آنحضرتﷺ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔حضرت نعمانؓ ہجرت کے چودھویں مہینے ربیع الثانی ۲ھ میں اس مقدس گھر میں پیدا ہوئے۔ہجرت کے بعد انصار میں یہ سب سے پہلے بچے تھے ان کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت عبداللہؓ بن زبیر پیدا ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں ۲ھ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔آغازِ سال ہی سے قریش اور دیگر ہمسایہ قبائل سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تھی جس کا نتیجہ چند ماہ کے بعد غزوۂ بدر کی صورت میں رونما ہوا۔ اس سال جو لڑکے پیدا ہوئے سب میں اس انقلاب انگیز زمانہ کا اثر موجود تھا۔چنانچہ نعمانؓ جو بدر کے وقت ۳،۴ مہینے کے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو اسی سال پیدا ہوئے ،اپنے اپنے وقت میں بڑے بڑے انقلابات کے بانی ہوئے۔

عام حالات :

باپ ، ماں کو ان سے بڑی محبت تھی ۔ باپ ان کو آنحضرتﷺ کے پاس لاتے اور دعا کراتے تھے۔ ماں کو اس قدر محبت تھی کہ اپنی باقی تمام اولاد کو محروم کر کے جائداد واملاک انہی کے نام منتقل کر دینا چاہتی تھیں۔ایک روز شوہر کو مجبور کر کے اس پر آمادہ کر لیا اور گواہی کے لئے رسول اللہﷺ کو

منتخب کیا، حضرت بشیرؓ ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے آئے اور عرض کی کہ آپ گواہ رہیں میں فلاں زمین اپنے اس لڑکے کو دیتا ہوں، فرمایا اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی حصہ دیا ہے؟ بولے نہیں۔ ارشاد ہوا تو پھر میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ یہ سن کر بشیرؓ اپنے ارادہ سے باز آئے [۱]۔

چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس طائف سے انگور آئے، آپ نے ان کو دو خوشے عنایت کئے اور فرمایا کہ ایک تمہارا ہے اور ایک تمہاری والدہ کا نعمانؓ راستہ میں دونوں خوشے چٹ کر گئے اور ماں کو خبر تک نہ کی چند دنوں کے بعد آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ اپنی ماں کو انگور دے دیئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے ان کی گوشمالی کی اور کہا یا غدر! کیوں مکار [۲]۔

اسی زمانہ سے نماز وغیرہ کی طرف توجہ کی، آنحضرت ﷺ کے واقعات دیکھتے تو ان کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتے [۳]۔ ایک مرتبہ انہوں نے دعوے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق میں اکثر صحابہؓ سے زیادہ واقف ہوں [۴]۔

شب قدر کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جاگے تھے، اور نمازیں پڑھیں تھیں [۵]۔

ربیع الاوّل ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرت نعمانؓ کا سن ۸ سال ۷ ماہ کا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ سے جنگ چھڑی تو نعمانؓ نے ان ہی کا ساتھ دیا، اور یہ عجیب بات تھی کہ انصار میں یہی ایک دو صاحب امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے، چنانچہ نعمانؓ کے متعلق صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کو دوست رکھتے تھے چنانچہ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں [۶]۔

وکان هواه مع معاوية وصيله اليه والى ابنه يزيد

یعنی وہ معاویہ اور یزید دونوں کی طرف مائل تھے۔

امیر معاویہؓ نے اس کے سلسلے میں ان کو جلیل القدر عہدے دیئے عین التمر میں جناب امیرؓ کی طرف سے مالک بن کعب ارجبی حاکم تھے، امیر معاویہؓ نے ان کو بھیج کر وہاں اسلحہ خانہ پر

۱۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۶۸ ۲۔ استیعاب جلد ۱۔ ص ۳۱۰ ۳۔ مسند جلد ۴۔ ص ۲۶۹ و ۲۷۱
۴۔ ایضاً۔ ص ۲۷۰ ۵۔ مسند جلد ۴ ص ۲۷۲ ۶۔ اسد الغابہ جلد ۵۔ ص ۲۳

حملہ کردیا[1]۔ فجالہ بن عبید کے بعد دمشق کا قاضی مقرر کیا[2]۔ اور جب یمن پر تسلط ہوا، تو عثمان ابن ثقفی کے بعد وہاں کا والی بنایا۔ اس بناپر یہ یمن کے (سلطنت بنی امیہ) تیسرے امیر تھے[3]۔

۵۹ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم بنایا اور تقریباً ۹ ماہ تک اس منصب پر مامور رہے، امیر معاویہؓ کے بعد یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بیعت کے لئے مجبور کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے صاف انکار کیا، ادھر کوفہ سے شیعیان علی کے خطوط پہنچنے لگے، جن میں ان کی خلافت تسلیم کرنے پر بڑی آمادگی کا اظہار تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے حضرت مسلمؓ بن عقیل کو تفتیش حالات کے لئے کوفہ روانہ فرمایا، مسلمؓ کوفہ پہنچے تو شہر کا بڑا حصہ ان کے ساتھ تھا، ۱۲ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت نعمان کو یہ تمام خبریں پہنچ رہی تھیں، لیکن انہوں نے جگر گوشہ بتول کے معاملہ میں خاموشی ہی کو ترجیح دی۔

لیکن جب مختار ابن ابی عبید کے مکان پر شیعیوں کا اجتماع ہوا اور نقض بیعت کی تیاریاں ہوئیں تو نعمانؓ نے منبر پر ایک پرزور خطبہ دیا، جو درج ذیل ہے۔

اما بعد! فاتقو اللہ عباداللہ و لا تسارعو الی الفتنة و الفرقة فان فیھا یھلک الرجال وتسفک الدّماء وتغصب الاموال انی لم اقاتل من لم یقاتلنی ولااثب علی من یثب علی ولا اثاتمکم ولا اتحرش بکم ولا اخذ بالقذف ولا الظنہ ولا التھمة ولکنکم ان ابدیتم صفحتکم لی ونکثتم بیعتکم وخالفتم امامکم فو اللہ الذی لاالہ غیرہ لاضربنکم بسیفی ماثبت قائمہ فی یدی ولولم یکن لی منکم ناصر امااانی ارجوا ن یکون من یعرف الحق منکن اکثر ممن یردیہ الباطل.

لوگوں! خدا سے ڈرو اور فتنہ اور اخلاف پیدا کرنے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ اس میں آدمی ضائع ہوتے ہیں خونریزیاں ہوتی ہیں اور مال غصب کئے جاتے ہیں جو شخص مجھ سے نہ لڑے گا میں بھی اس سے نہ لڑوں گا نہ تم کو برا کہوں گا، نہ آپس میں جنگ وجدل برپا کروں گا نہ سوءظن اور تہمت میں ماخوذ کروں گا، لیکن اگر تم نے علانیہ میری نافرمانی کی بیعت توڑی اور بادشاہ سے مخالفت شروع کی تو خدا کی قسم جب تک میرے ہاتھ میں

---

[1] یعقوبی جلد ۲۔ ص ۲۲۸ [2] ایضاً ص ۲۲۸ [3] ایضاً ص ۲۷۸

تلوار رہے گی تم کو ماروں گا، خواہ تم میں کا ایک شخص بھی میری مدد نہ کرے ہاں مجھے امید ہے کہ تم میں باطل کے بہ نسبت حق کے پہنچاننے والے زیادہ موجود ہیں۔

عبداللہ بن مسلم حلیف بنی امیہ بھی مجمع میں موجود تھا، والی حکومت کا یہ تساہل دیکھ کر جوش میں اٹھا اور کہا کہ ''آپ کی رائے اس معاملہ میں نہایت کمزور ہے، یہ نرمی کا وقت نہیں اس وقت آپ کو دشمن کے مقابلہ میں سخت ہونا چاہئے''۔ حضرت نعمانؓ نے فرمایا میں خدا کی معصیت میں قوی ہونے سے اس کی اطاعت میں کمزور رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اور جس پردہ کو خدا نے لٹکا دیا ہے، میں اس کو چاک کرنا مناسب نہیں سمجھتا، عبداللہ نے وہاں سے واپس آ کر یزید کو خط لکھا کہ ''مسلم نے کوفہ آ کر تسلط کر لیا ہے اگر آپ کو یہاں حکومت کی ضرورت ہے تو کسی قوی شخص کو بھیجئے کہ آپ کے احکام نافذ کر سکے نعمان بالکل بودے شخص ہیں یا عمداً کمزور بن رہے ہیں''۔ عبداللہ کے ساتھ عمارہ بن عقبہ، عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی اسی مضمون کے خطوط روانہ کئے، یزید نے نعمانؓ کے بجائے عبیداللہ بن زیادہ کو کوفہ کا حاکم بنایا اور وہ شام چلے گئے[1]۔ یہ سن ۶۰ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد حمص کے امیر مقرر ہوئے اور یزید کی وفات تک اسی عہد پر قائم رہے۔ ۶۴ھ میں جب معاویہ بن یزید کا انتقال ہو گیا تو حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی بیعت کی اہل شام کو دعوت دی، اور ان کی طرف سے حمص کے حاکم مقرر ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پہلے تو ابن زبیرؓ کی بیعت لی اس کے بعد خود اپنی بیعت لینا شروع کر دی[2]۔ لیکن یہ روایت قرین قیاس نہیں، اگر یہ واقعہ ہوتا تو تاریخ اور رجال میں اس کا تذکرہ ہوتا لیکن اکثر تذکرے اس ذکر سے بالکل ساکت ہیں۔

نعمانؓ کی طرف اور لوگ بھی شام میں ابن زبیر کے طرفدار ہو گئے تھے، مروان نے یہ دیکھ کر شام کا سفر کیا، اور ایک لشکر فراہم کر کے ضحاک بن قیس کے مقابلہ کو بھیجا ضحاک ابن زبیر کیطرف سے بعض اضلاع شام کے حاکم تھے، نعمان کو خبر ہوئی تو شرجیل بن ذوالکلاع کے ماتحت کچھ فوج ضحاک کی مدد کے لئے روانہ کی مرج رہط ایک مقام پر لڑائی پیش آئی جس میں ضحاک کو شکست ہوئی، نعمانؓ کو معلوم ہوا تو خوف کی وجہ سے رات کو حمص سے کوچ کیا، مروان نے خالد بن عدی الکلاعی کو چند سوار دے کر تعاقب کے لئے بھیجا۔

وفات: حمص کے نواح میں بیران ایک گاؤں ہے وہاں سامنا ہوا، خالد نے نعمانؓ کو قتل کر کے سر کاٹ لیا اور ان کے اہل وعیال کو گرفتار کر کے مروان کے پاس حاضر ہوا بیوی اپنے شوہر کے پُر عبرت

---

[1] طبری جلد ۷۔ ص ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۳۹

[2] اصابہ جلد ۶۔ ص ۲۴۰

انجام کا تماشہ دیکھ چکی تھی درخواست کی کہ ان کا سر میری گود میں دے دو، کیونکہ میں اس کی سب سے زیادہ مستحق ہوں، لوگوں نے سر ان کی گود میں ڈال دیا، یہ اوائل ۶۵ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت نعمانؓ کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔

اہل وعیال : ان کی بیوی جن کا ابھی ذکر ہوا، خاندان کلب سے تھیں، ان کا عجیب قصہ مشہور ہے۔ وہ امیر معاویہؓ کے محل میں تھیں کہ انہوں نے ایک روز یزید کی ماں میسون سے کہا کہ تم اس عورت کو جا کر دیکھو، میسون نے دیکھ کر بیان کیا کہ حسن جمال کے لحاظ سے اپنا نظیر نہیں رکھتی، لیکن اس کی ناف کے نیچے ایک تل ہے، اس لئے یہ اپنے شوہر کا سر اپنی گود میں لے گی۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ نے ان سے نکاح کیا اور پھر طلاق دے دی۔ پھر حضرت نعمان نے نکاح کیا اور قتل ہونے کے بعد جیسا کہ میسون نے پیشین گوئی کی تھی، ان کا سر ان کی گود میں رکھا گیا[1]۔

اولاد میں تین لڑکے مشہور ہیں اور وہ یہ ہیں۔ محمد، بشیر، یزید۔

فضل وکمال :

حضرت نعمانؓ کو حدیث وفقہ سے کامل واقفیت تھی، اور اگرچہ نظم ونسق ملک واقامتِ امن اور دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں ان علوم کا موقع نہ ملتا تاہم دار الامارت فقہ وحدیث کا مخزن بن گیا تھا۔ ہزاروں مقدمات فیصلہ کے لئے پیش ہوتے تھے۔ جن کو انہی علوم کی وساطت سے وہ فیصل کرتے تھے۔

حضرت نعمانؓ اگرچہ عہد نبوت میں ہشت سالہ تھے تاہم بہت سی حدیثیں یاد ہوگئی تھیں، بعد میں حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اپنے ماموں ابن رواحہؓ سے بھی حدیث سنی تھی۔

اس معاملہ میں اگرچہ نہایت محتاط تھے تاہم ان کی سند سے ۱۲۴ روایتیں منقول ہیں، فیصلے کے وقت حدیث کا حوالہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ پیش ہوا، تو فرمایا کہ میں تیرا فیصلہ اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کا فیصلہ کیا تھا[2]۔

بعض وقت مسائل بھی بتلاتے تھے اور اس کا زیادہ تر خطبوں میں اتفاق ہوتا تھا، خطبے مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کے ہوتے تھے اور نہایت فصیح وبلیغ ہوتے تھے، طرز اور انداز تعبیر پر قدرت تھی، اس

---

[1] یہ واقعات یعقوبی جلد ۲۔ ص ۳۰۵۔ واستیعاب جلد ۱۔ ص ۳۱۰ سے لئے گئے ہیں

[2] مسند ابن حنبل جلد ۴۔ ص ۲۷۲

کوسماک بن حرب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ''میں نے جن لوگوں کے خطبے سنے ان میں نعمانؓ کو سب سے بڑھ کر پایا[1]۔ خطبہ میں محل و مقام کے مناسب اعضاء کو حرکت دیتے تھے، ایک مرتبہ کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے تو اس لفظ پر انگلی سے کانوں کی طرف اشارہ کیا[2]۔

آنحضرت ﷺ اور اپنے زمان کی معاشرت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

ما کان نبیکم یشبع منه الدقل وما ترضون دون الوان التمر والزبد[3]۔

تم مختلف اقسام کے چھوہاروں اور مکھن پر بھی راضی نہیں حالانکہ پیغمبر صاحب ردی چھوہاروں سے بھی سیر نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا اور اس میں جماعت کو رحمت اور تفریق کو عذاب بنا کر پیش کیا تو یہ اثر ہوا کہ ابوامام باہلی اٹھے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا **علیکم بالسواد الاعظم**[4]۔ تم پر سواد اعظم کا اتباع فرض ہے۔

ان مواقع پر جن لوگوں کو حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا، ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے لیکن وہ لوگ جو تلامذۂ خاص کا درجہ رکھتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

شعبی، حمید بن عبدالرحمٰن، خثیمہ، سماک بن حرب، سالم بن ابی الجعد، ابواسحٰق، سبیعی بن عبداللہ بن عقبہ، عروہ بن زبیر، ابوقلابۃ الجرمی، ابوسلام الاسود، غیراز بن حریث، مفصل بن مہلب بن ابی صفرہ، ازہر بن عبداللہ حزاری۔

نثر کے ساتھ نظم میں بھی دخل تھا، یہ اشعار انہی کی طرف منسوب ہیں

وانی لاعطی المال من لیس سائلا　　وادرک المولیٰ المعاند بالظلم

وانی متی مایلقنی صارماله　　فما بیننا عند الشدائد من حرم

فلاتعدد المولی شریکک فی الغنی　　ولکنما الولی شریک فی العدم

اذامت ذوالقربیٰ الیک برحمة　　وغشک واستغنی فلیس بذی رحم

ومن ذالک للمولیٰ الذی یستخقنه　　اذاک ومن یرمی المدو الذی توم

اخلاق: حضرت نعمانؓ شور و شر، فتنہ و فساد اور دیگر انقلابات میں گھرے رہنے کے باوجود جبر و ظلم روا نہیں رکھتے تھے، وہ نہایت نرم دل اور رحیم تھے اور شورش کے مواقع پر سختی کے بجائے لطف و کرم سے کام لیتے تھے، مورخ طبری لکھتے ہیں:

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۴۴۸ جلد ۱۰　[2] مسند ص ۲۶۹ جلد ۴　[3] مسند جلد ۴ ص ۲۶۸　[4] ایضاً ص ۱۷۸

کان حلیماً نا سکا یحب العافیت وہ بردبار، عابد، اور عافیت پسند تھے

مسلم بن عقیل کا واقعہ اور اس کے متعلق حضرت نعمانؓ کا خطبہ اوپر نقل ہو چکا قیس بن الہشیم کو ایک خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا "تم نہایت بد بخت بھائی ہو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ سے حدیث سنی تم نے نہ دیکھا نہ حدیث سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب بہت سے تیرہ و تار فتنے اٹھیں گے جن میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا تو شام تک کافر ہو جائے گا اور لوگ دنیا کی تھوڑی منفعت کے لئے اپنا مذہب بیچ ڈالیں گے[1]۔ لیکن یہ نرمی طبع، جبن و بزدلی کی نتیجہ نہ تھی وہ حلم و تحمل میں جس طرح یکتا تھے شجاعت و بسالت میں بھی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

سخاوت کا بھی یہی حال تھا۔ حمص کے والی ہوئے تو اعشیٰ ہمدانی پہنچا اور کہا کہ میں نے یزید سے مدد کی درخواست کی لیکن اس نے نہ سنی اب تمہارے پاس آیا ہوں کہ کچھ قرابت کا پاس کرو اور میرا قرض ادا کرو۔ نعمانؓ کے پاس کچھ نہ تھا، قسم کھا کر کہا میرے پاس کچھ نہیں پھر کچھ سوچ کر کہا، "ہنہ" اور منبر پر کھڑے ہو کر ۲۰ ہزار کے مجمع میں ایک خطبہ دیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

"لوگو! اعشیٰ ہمدانی تمہارے ابن عم ہیں۔ مسلمان اور عالی خاندان ہیں۔ ان کو روپیہ کی ضرورت ہے اور تمہارے پاس اسی غرض سے وارد ہوئے ہیں۔ اب تمہاری کیا رائے ہے؟ تمام مجمع نے یک زبان ہو کر کہا "جو آپ کا حکم ہو"، فرمایا: نہیں میں کچھ حکم نہیں دیتا، کہا تو فی کس ایک دینار (۵ روپے)۔ فرمایا "نہیں دو شخصوں میں ایک دینار"۔ سب نے منظور کیا تو کہا کہ سر دست میں ان کو بیت المال سے دیئے دیتا ہوں جب تنخواہ کا روپیہ برآمد ہوگا تو وضع کر لیا جائے گا۔ حضرت نعمانؓ نے ۱۰ ہزار دینار[2] - (۵۰ ہزار روپیہ) دیئے، تو اعشیٰ سراپا شکر و امتنان تھا"۔

چنانچہ حسب ذیل اشعار مدح میں کہے۔

فلم ار للحاجات عند انکما شها
کنعمان اعنی ذالندی ابن بشیر

حاجتوں کے پیش آنے کے وقت میں نے سخی نعمان بن بشیر کی طرح کسی کو نہیں دیکھا

---

[1] مسند جلد ۴۔ ص ۲۷۷ [2] یہ استیعاب کی روایت ہے۔ اسد الغابہ میں ۲۰ ہزار دینار لکھا ہے اس حساب سے دو لاکھ روپے ہوئے

اذا قال اوفی بالمقال و لم یکن
کمدل الی الا قوال حبل غرور

جب وہ کچھ کہتے ہیں تو اپنے قول کو ایفا کرتے ہیں اس شخص کی طرح نہیں جو لوگوں کی طرف دھوکے کی ڈوری لٹکاتے ہیں

فلو لا اخو الا نصار کنت کنازل
ثوی لم ینقلب بنقیر

اگر یہ انصاری نہ ہوتے تو میں اس شخص کی طرح ہوتا جو کہیں اتر کر ٹھہرے اور کچھ لے کر نہ لوٹے

متی اکفر النعمان لم اک شاکرا
و لا خیر فیمن لم یکن بشکور

جب میں نعمان کا کفران کروں تو مجھ میں احسان مندی کا مادہ نہیں کہ جو شکر گذار نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں

حضرت نعمان بن عجلان رضی اللہ عنہ

نام ونسب :

نعمان نام۔ خاندان زریق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

نعمان بن عجلان بن نعمان ابن عامر بن زریق اپنی قوم کے سردار تھے اور انصار کی عمومی سیادت کی وجہ سے گویا ان کی زبان بن گئے تھے۔

حالات : ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں بیمار ہوئے تو آپ ﷺ خود عیادت کو تشریف لائے اور صحت کی دعا فرمائی [1]۔

جناب امیر کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں بحرین کے عامل تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح شاید وہ بھی خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے چنانچہ ان کے خاندان کا جو شخص بھی ان کے پاس پہنچتا اس کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیتے ایک شاعر نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے۔

وفات : حضرت علی رضی اللہ عنہ یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی۔

اہل وعیال :

اہل وعیال کی تفصیل معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ بیوی کا نام خولہ بنت قیس تھا جو انصار سے تھیں۔ پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول اللہ ﷺ کو منسوب تھیں ان کی شہادت کے بعد ان کے نکاح میں آئیں۔

حلیہ : حلیہ یہ تھا۔ پست قد، سرخ رنگ، لوگ ان کو کمرو سمجھتے تھے۔

فضل وکمال : شاعر تھے اور شعر اچھے کہتے تھے۔ عہدِ خلافت راشدہ اور انصار کے نمایاں کارناموں کو نظم کا جامہ پہنایا ہے جو اور کتابوں میں منقول ہے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵۔ ص ۲۶

حضرت ہلالؓ بن اُمیہؓ

نام ونسب :

قبیلۂ اوس کے خاندان سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے :

ہلال بن امیہ ابن عامر بن قیس بن عبدالاعلم بن عامر بن کعب بن واقف (مالک) بن امراء القیس بن مالک بن اوس۔

والد کا نام انیسہ تھا، اور حضرت کلثوم بن الہدمؓ جن کے مکان میں آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد قیام کیا تھا، ان کی یہ ہمشیر تھیں۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ کے بعد مسلمان ہوئے، اور خاندانِ واقف کے بُت توڑنے کی سعادت حاصل کی۔

غزوات اور عام حالات :

بدر اور اُحد میں شرکت کی، فتح مکہ میں واقف کے علمدار تھے غزوہ تبوک میں شریک ہوئے، آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے تو خود ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے کوئی عذر نہ تھا، یونہی بیٹھا رہ گیا، اور شریک نہ ہوسکا، آنحضرت ﷺ نے جب لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت فرمادی تو یہ گھر میں بیٹھ رہے، اور شب وروز گریہ وزاری میں لگ گئے، ۴۰ دن گذر گئے تو آنحضرت ﷺ کا حکم پہنچا کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہوجاؤ، ان کی بیوی حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کی کہ ہلالؓ بہت بوڑھے ہیں اور ان کے پاس خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، کیا میں ان کی خدمت کرسکتی ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن وہ تمہارے پاس نہ آنے پائیں، بولیں وہ تو حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں ۱۰ روز کے بعد جب ۵۰ دن پورے ہوے تو بہ قبول ہوئی اور یہ آیت اتری، "وعلی الثلثة الذین خلفوا"[1]۔

غالباً اس واقعہ کے بعد ہی لعان کا واقعہ پیش آیا، شریک بن سحما، ایک شخص تھے ہلالؓ نے اپنی بیوی کو ان کے ساتھ متہم کیا اور جاکر آنحضرت ﷺ سے بیان کیا ارشاد ہوا کہ "دوصورتیں ہیں، یا تو ثبوت پیش کرو یا اپنی پیٹھ پر درّے کھاؤ، ہلالؓ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس دوسرے کو دیکھے تو کیا اس کے لئے اس کا ثبوت بھی بہم پہنچانا ضروری ہے آنحضرت ﷺ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۵، ۶۳۶

نے فرمایا کہ ثبوت پیش کرو ورنہ سزا ہوگی۔ تو ہلالؓ بولے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق وصداقت کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں سچا ہوں اور امید ہے کہ خدا میری برأت میں قرآن نازل کرے گا جس سے میری پیٹھ حد سے بچ جائے گی'' اس کے بعد آیت لعان (والذین یرمون ازواجھم الخ سورہ نور) اتری، تو آنحضرت ﷺ نے عورت کو بلا بھیجا اور ہلالؓ بھی آگئے اور انہوں نے شہادت دی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک یقیناً جھوٹا ہے تو کیا تم سے کوئی توبہ کر رہا ہے، پھر عورت اٹھی اور اس نے بھی شہادت دی پانچویں مرتبہ لوگوں نے اس کو روکا اور کہا کہ اس قسم کا نتیجہ قطعی برآمد ہوگا، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ عوت یہ سن کر ہچکچائی اور پیچھے ہٹ گئی، اور ہم نے یہ سمجھا کہ وہ اعتراف کرلے گی، لیکن اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو کبھی رسوا نہیں کرسکتی اور اس نے اپنی شہادت پوری کردی، ارشاد ہوا، خیال رکھنا اگر سرمگیں چشم پر گوشت سرین اور موٹی پنڈلیوں والا لڑکا ہو تو شریک کا سمجھا جائے گا چنانچہ شریک کا ہمصورت لڑکا پیدا ہوا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اگر اللہ کا حکم نہ آیا ہوتا تو میرا اس کے ساتھ کچھ اور سلوک ہوتا[1]۔

اوپر گذر چکا ہے کہ یہی عورت جب آنحضرت ﷺ سے اپنے شوہر کی خدمت گذاری کی اجازت لینے والی تھی، تو آپ کے استفسار پر کہا تھا۔

''واللہ مابہ حرکۃ الیٰ شی''

''میرا شوہر کسی قسم کی حرکت کے قابل نہیں''۔

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت ہلال کا خیال بالکل صحیح تھا، چنانچہ ایسا ہی واقع بھی ہوا۔

وفات: سنہ وفات صحیح طور پر متعین نہیں۔ لیکن ابن شاہین نے لعان کے قصہ کو جس سلسلہ سے روایت کیا ہے اس میں اخیر نام عکرمہ کا ہے جنہوں نے ہلالؓ سے بلاواسطہ اس قصہ کو سنا تھا، اگر یہ صحیح ہے تو ہلالؓ نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔

اخلاق: صحیح بخاری میں کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہلالؓ اور فلاں دونوں نہایت صالح تھے[2]۔ اور درحقیقت بنوسلمہ کے بت توڑنا، تبوک میں اور لوگوں کے برخلاف جھوٹ او بہانہ سے گریز کرنا اپنی بیوی کے واقعہ میں صاف گوئی سے کام لینا، ان کے جوش ایمان زہد وتقویٰ اور راست بازی وصداقت کی نہایت روشن علامات ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۶۹۵ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۶۳۵

حلفائے انصار
یعنی
وہ لوگ جو قبائل انصار کے ہم معاہدہ تھے

حضرت ابو بردہ رضؓ بن نیار

نام ونسب :

ہانی نام۔ ابو بردہ کنیت، قبیلۂ بلی سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے[1] :

ہانی بن نیار ابن عمرو بن عبید بن کلاب بن دھمان بن غنم بن ذبیان بن ہمیم بن کاہل بن ذہل بن بلے۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ میں مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر، اُحد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں ایک ابو بردہؓ کا تھا۔ فتحِ مکہ میں بنو حارثہ کا علم انہی کے پاس تھا۔ عہدِ نبوت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ۴۱ھ میں وفات پائی۔

اولاد : کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل وکمال : البتہ معنوی اولاد بہت سی ہیں اور ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، براء بن عازبؓ (بھانجے تھے)، جابر بن عبد اللہؓ، عبد الرحمٰن بن جابرؓ، کعب بن عمیر بن عقبہ بن نیار، نصر بن نیار، بشیر بن یسار۔ روایتوں کی تعداد (۲۰) ہے۔

---

[1] ماخوذ از کتب رجال

حضرت ثابت بن دحداح رض

نام ونسب :

ثابت نام۔ ابولدحداح کنیت، قبیلۂ بلی کے خاندانِ انیف یا عجلان سے تھے اور عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

ثابت بن دحداح بن نعیم ابن غنم بن آیاس۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات :

غزوۂ احد میں نمایاں شرکت کی جنگ کی شدت سے جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو انہوں نے آگے بڑھ کر انصار کو آواز دی، ''ادھر! ادھر! ثابت بن وحداح میں ہوں! اگر محمد ﷺ قتل ہوئے تو خدا موجود ہے تم کو اپنے دین کے لئے لڑنا چاہئے، خدا فتح ونصرت عطا فرمائے گا''۔ انصار کے چند جانباز اس دعوتِ حق کے خیر مقدم کے لئے بڑھے۔ قریش مکہ کی ایک زبردست جماعت جس میں خالد، عمرو ابن عاص، عکرمہ بن ابوجہل، ضرار بن خطاب اور دیگر روسائے قریش تھے --------- قریب کھڑی تھی انہوں نے گروہ انصار کے ان جانبازوں کے ساتھ اس جماعت پر حملہ کیا۔ خالد رض نے بڑھ کر نیزہ مارا جس سے حضرت ابودحداح رض زخمی ہوکر زمین پر گر پڑے لوگ اٹھا کر لائے اور علاج شروع کیا اس وقت تو خون بند ہوگیا اور وہ اچھے ہوگئے لیکن غزوۂ حدیبیہ کے بعد یکا یک زخم پھر پھٹ گیا اور اس کے صدمہ سے انہوں نے وفات پائی۔

وفات : آنحضرت ﷺ صحابہ رض کے ہمراہ جنازہ کی شرکت کے لئے تشریف لائے اور دفن کرنے کے بعد گھوڑا منگا کر سوار ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا، جنت میں چھوہارے کی کتنی شاخیں ہیں جو ابن دحداح رض کے واسطے لٹکائی گئی ہیں[1]۔

اس کے بعد عاصم بن عدی کو طلب فرمایا اور پوچھا تم لوگوں سے ان کی کچھ قرابت تھی؟ بولے نہیں، ابولبابہ بن عبدالمنذر ان کے بھانجے تھے آنحضرت ﷺ نے ترکہ ان کے حوالہ کیا[2]۔

اہل وعیال : کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کا نام دحداح تھا۔ مسند کی ایک حدیث میں ان کا ذکر ہے۔

---

1. صحیح مسلم جلد ۱۔ ص ۳۵۶
2. اسد الغابہ جلد ۵۔ ص ۱۸۵

اخلاق : جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ جب آیت " مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ " نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے کہا، خدا ہم سے قرض مانگتا ہے؟ فرمایا ہاں، حضرت ابودحداح ؓ نے اپنا مال صدقہ کر دیا[1]۔

ایک شخص اپنے باغ کی دیوار اٹھانا چاہتا تھا۔ بیچ میں دوسرے کا درخت پڑتا تھا آنحضرت ﷺ سے کہا کہ وہ درخت مجھ کو دلوا دیجئے۔ آپ نے درخت والے کو بلا کر فہمائش کی اس نے انکار کیا تو فرمایا اس کے عوض جنت میں ایک درخت لو وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ حضرت ابودحداح ؓ نے سنا تو اس کے پاس گئے اور کہا کہ مجھ سے دیوار لے لو اور اپنا درخت میرے ہاتھ فروخت کردو۔ اس نے منظور کیا تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور اس واقعہ سے آگاہ کیا آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا ابودحداح ؓ کے لئے جنت میں کتنے درخت ہیں۔

حضرت ابودحداح ؓ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باغ میں آئے اور بیوی سے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نے یہ باغ جنت کے ایک درخت کے معاوضہ میں بیچ ڈالا شوہر کی طرح بیوی بھی نہایت سعادت مند تھیں خوشی سے اس واقعہ کو سنا اور بولیں کہ یہ نہایت نفع کا سودا ہے[2]۔

---

[1] اسد الغابہ ص ۱۸۵ و اصابہ جلد ۷۔ ص ۵۸ [2] اصابہ جلد ۷۔ ص ۵۸

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ

نام ونسب :

حذیفہ نام۔ابو عبداللہ کنیت،صاحب السر لقب،قبیلۂ عطفان کے خاندان عبس سے ہیں۔نسب نامہ یہ ہے :

حذیفہ بن حسل بن جابر بن عمرو بن ربیعہ بن فرودہ ابن حارث بن مازن بن قطیعہ بن عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان العبسی ۔ والدہ کا نام رباب بنت کعب بن عدی بن عبد الاشہل تھا۔

حضرت حذیفہؓ کے والد اپنی قوم کے کسی شخص کو قتل کر کے مدینہ گئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی عبدالاشہل کے خاندان سے حلف کا تعلق ہوا پھر بعد میں باہم قرابت بھی کر لی۔ کہتے ہیں کہ اوس وخزرج کا تعلق چونکہ یمن سے تھا اس لئے ان کی قوم نے ان کا نام یمان رکھ دیا[1] ۔عبدالاشہل میں جو نکاح کیا تھا،اس سے حسب ذیل اولاد پیدا ہوئی،حذیفہ،سعد،صفوان، مدلج،لیلیٰ[2] ۔یہ لوگ اولاد یمان کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسلام : والدین نے اسلام کا زمانہ پایا اور مشرف باسلام ہوئے، بھائی بہنوں میں صرف حذیفہ اور صفوان کو یہ سعادت حاصل ہوئی،اس وقت آنحضرت ﷺ مکہ میں اقامت گزین تھے، حضرت حذیفہؓ ہجرت کر کے مکہ پہنچے اور آنحضرت ﷺ سے ہجرت اور نصرت کے متعلق رائے طلب کی تو آپ نے ہجرت کے بجائے نصرت کو ان کے لئے تجویز فرمایا[3] ۔

غزوات : اگر چہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے،تاہم اپنے باپ کے ساتھ غزوہ کے ارادہ سے نکلے تھے لیکن راستہ میں کفار قریش نے روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جانے کی اجازت نہیں،بولے کہ محمد کے پاس نہیں بلکہ مدینہ جاتے ہیں،چنانچہ ان لوگوں نے اس شرط پر چھوڑا کہ لڑائی میں محمد ﷺ کی طرف سے شریک نہ ہوں،انہوں نے خدمت اقدس میں پہنچ کر ساری داستان سنائی ارشاد ہوا کہ اپنے عہد پر قائم رہو اور مکان واپس جاؤ،باقی فتح ونصرت تو وہ خدا کے ہاتھ ہے،ہم اسی سے طلب بھی کریں گے[4] ۔

---

[1] اصابہ جلد ا۔ص ۳۳۲ [2] ایضاً جلد ۸۔ص ۲۲۴ [3] اسد الغابہ جلد ا۔ص ۳۹۱
[4] صحیح مسلم جلد ۲۔ص ۸۹

غزوۂ احد میں شریک ہوئے والد بھی موجود تھے، اور ثابت بن وقش کے ساتھ عورتوں کی حفاظت پر متعین تھے[1]۔ جب مشرکین نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی تو کسی شیطان نے آواز دی۔ دیکھنا مسلمان پہنچ گئے، چنانچہ مشرکین کا ایک دستہ پلٹ پڑا۔ جس سے مسلمانوں کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوگئی، حضرت حذیفہؓ کے والد درمیان میں تھے، یہ دیکھ کر کہ ان کی خیر نہیں حضرت حذیفہؓ نے آواز دی خدا کے بندو! یہ میرے باپ ہیں، لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سن سکتا تھا۔ ایک مسلمان نے نادانستہ قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ کو معلوم ہوا تو انتہائی حلم وعفو سے کام لے کر کہا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ! خدا تم لوگوں کی مغفرت کرے[2]۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو اپنی جیب خاص سے حضرت حذیفہؓ کو دیت عطا کی اور اس فعل کو بہ نظر استحسان دیکھا[3]۔

غزوۂ خندق میں نمایاں حصہ لیا قریش مکہ جس سروسامان سے اٹھے تھے اس کا یہ اثر تھا کہ مدینہ منورہ کی بنیادیں ہل گئیں، مدینہ کے چاروں طرف کوسوں تک آدمیوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جناب باری میں دعا کی اور مدینہ کی حفاظت کے لئے کھدوائی ایک رات عجیب واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی سے کم نہ تھا۔ قریش کا لشکر جنگل میں خیمہ زن تھا کہ یکا یک نہایت تیز وتند ہوا چلی جس سے خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور سردی نہایت تیزی سے چمک اٹھی ابوسفیان نے کہا اب خیر نہیں یہاں سے فوراً کوچ کرنا چاہئے[4]۔ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی بڑی فکر تھی ارشاد ہوا ''کوئی جا کر مشرکین کی خبر لائے تو اس کو قیامت میں اپنی معیت کی بشارت سناتا ہوں''۔ سردی اور پھر ہوا کی شدت کوئی شخص حامی نہ بھرتا تھا، آپ نے ۳ مرتبہ یہی جملہ دہرایا لیکن کسی طرف سے جواب میں کوئی صدا نہ اٹھی چوتھی بار آپ نے حذیفہؓ کا نام لیا کہ ''تم جا کر خبر لاؤ''۔ چونکہ نام لے کر پکارا تھا، اس لئے تعمیل ارشاد میں اب کیا چارہ تھا اپنی جلد سے اٹھ کر خدمت اقدس میں آئے ارشاد ہوا دیکھو، ''مشرکین کو میری طرف سے خوف نہ دلانا''، یعنی موقع پا کر کسی پر حملہ نہ کر دینا حضرت حذیفہؓ بہت تیز چلے مشرکین کے پڑاؤ پر پہنچے تو دیکھا کہ ابوسفیان پیٹھ سینک رہا ہے چاہا کہ تیر وکمان سے اس کا خاتمہ کر دیں لیکن پھر آنحضرت ﷺ کا قول یاد آیا اور اپنے ارادے سے باز آ گئے۔ واپس ہوئے تو دیکھا آنحضرت ﷺ اب تک نماز میں مصروف ہیں، نماز سے فارغ ہوئے تو خبر سنی اس کے بعد آپ نے حضرت حذیفہ کو کمبل اڑھا یا وہ

---

[1] اصابہ جلد ۲۔ صفحہ جلد ۲۔ ص ۱۳ [2] صحیح بخاری جلد ۲۔ ص ۵۸۱ [3] اصابہ جلد ۲۔ ص ۱۴
[4] طبقات جلد ۲۔ ص ۵۰۔ قسم ۱

یہیں شب باش ہوئے، صبح ہوئی تو فرمایا، قم یانو مان[۱]۔ اے سونے والے اب اُٹھ۔
خندق کے بعد دیگر غزوات اور واقعات میں بھی شرکت کی۔

عام حالات :

عہد نبوت کے بعد عراق کی سکونت اختیار کی اور کوفہ نصیبین اور مدائن میں اقامت گزین ہوئے، نصیبین میں کہ الجزیرہ کا ایک شہر تھا شادی بھی کی[۲]۔

عراق کے اضلاع فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے وہاں بندوبست کا ارادہ کیا تو دو مہتمم مقرر کئے علاقہ فرات کے حضرت عثمان بن حنیفؓ اور نواحِ دجلہ کے حضرت حذیفہؓ افسر مقرر ہوئے[۳]۔ نواحِ دجلہ کی رعایا نہایت بے ایمان اور شریر تھی، اس نے اپنے مہتمم بندوبست حضرت حذیفہؓ کو اس کام میں کوئی مدد نہ دی بلکہ الٹے مسخرہ پن کیا۔

با ایں ہمہ حضرت حذیفہؓ نے بندوبست کیا اور تشخیص ایسی معقول کی کہ حکومت کی آمدنی بڑھ گئی چنانچہ جب حضرت عمرؓ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ "شاید زمین پر زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہے"۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا "لقد ترکت فضلا[۴]"۔ میں نے بہت زیادہ چھوڑ دیا ہے۔

۱۸ھ[۵] میں نہاوند پر فوج کشی کی تیاریاں ہوئیں اس وقت حضرت حذیفہؓ کوفہ میں مقیم تھے حضرت عمرؓ کا خط ملا کہ کوفہ کی فوج کو لے کر نکلو، اور نعمان بن مقرن[۶] کے لشکر سے مل جاؤ، حضرت نعمانؓ نے نہاوند کے قریب پڑاؤ ڈالا اور فوج کی ترتیب قائم کی حذیفہؓ کو میمنہ سپرد کیا، لڑائی شروع ہوئی۔ اور سخت کشت وخون کے بعد مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اسی میں حضرت نعمانؓ نے شہادت حاصل کی، حضرت عمرؓ نے سائب بن اقرح سے فرمایا تھا کہ نعمانؓ قتل ہوں تو حذیفہ امیر ہوں گے[۷]۔ نعمانؓ نے بھی وفات سے قبل ان کی امارت کی وصیت کی تھی، چنانچہ ان کی شہادت کے بعد جب لوگوں کو امیر کی تلاش ہوئی تو معقل نے حذیفہؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تمہارے امیر یہ ہیں اور امید ہے کہ خدا ان کی آنکھیں فتح وظفر کے ذریعہ سے ٹھنڈی کرے گا، تمام لشکر نے حضرت حذیفہؓ سے امارت پر بیعت کی اور وہ فوج لے کر نہاوند کی طرف بڑھے[۸]۔

۱؎ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۸۹ ۲؎ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۳۹۱ ۳؎ کتاب الخراج ص ۲۱
۴؎ ایضاً ص ۲۱ ۵؎ طبری جلد ۵۔ ص ۲۶۳۲ ۶؎ ایضاً جلد ۵۔ ص ۲۶۰۱
۷؎ اخبار الطوال۔ ص ۱۳۶ ۸؎ طبری جلد ۵۔ ص ۲۶۰۴، ۲۶۰۵

نہاوند میں ایک آتش کدہ تھا اس کا موبد خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے امان ملے تو ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں حضرت حذیفہؓ نے امان دی اور اس نے کسریٰ کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کئے۔ حضرت حذیفہؓ نے مال غنیمت تقسیم کر کے پانچواں حصہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ جواہرات دیکھ کر غصہ ہوئے اور ابن ملیکہ سے فرمایا فوراً واپس لے جاؤ اور حذیفہؓ سے کہو کہ ان کو بیچ کر فوج میں تقسیم کردیں، حضرت حذیفہؓ اس وقت ماہ (نہاوند) میں مقیم تھے انہوں نے ۴ کروڑ درہم پر جواہرات فروخت کئے[1]۔

اس موقع پر حضرت حذیفہؓ نے اہل شہر کے نام جو فرمان جاری کیا وہ بتمامہ درج کیا جاتا ہے۔

هذا ما اعطى حذيفة بن اليمان اهل ماه دينار اعطاهم الامان على انفسهم واموالهم وارضيهم لا يغيرون عن ملة ولا يحال بينهم وبين شرائعهم ولهم المنعة ما ادوا الجزية فى كل سنة الى من وليهم من المسلمين على كل حلم فى ماله ونفسه على قدر طاقته وما ارشدوا ابن السبيل واصلحوا الطرق وقروا جنود المسلمين من مربهم فاوى اليهم يوماً وليلةً ونصحو افان غشوا وبدلوا فذمتنا منهم برئية.

حذیفہ بن یمان نے اہل ماہ کو ان کے جان و مال اور جائداد کے متعلق امان دی کہ ان کے مذہب سے بالکل تعرض نہ ہوگا اور نہ مذہب بدلنے پر مجبور کئے جائیں گے، اور ان میں ہر بالغ شخص جب تک سالانہ جزیہ ادا کرے گا، مسافروں کو راستہ بتائے گا، راستوں کو درست رکھے گا اسلامی لشکر کی جو یہاں ٹھہرے گا ایک شبانہ روز ضیافت کرے گا اور سلطنت کا خیر خواہ رہے گا ان صورتوں میں ان کی جان و مال اور زمین محفوظ رہے گی اور اگر انہوں نے اس عہد میں خیانت کی اور ان کی روش میں تغیر واقع ہو تو پھر مسلمان بری الذمہ ہیں۔

یہ عہد نامہ محرم ۱۹ھ میں لکھا گیا۔ اور اس پر قعقاع، نعیم بن مقرن، سوید بن مقرن کی گواہی ثبت[2] کی گئی، آج مہذب ممالک کر میں اپنے دشمنوں کے ساتھ جو عہد نامے کئے جاتے ہیں ان کا

---

[1] طبری۔ جلد۵۔ ص ۲۶۲۷ و ۲۶۳۱۔ [2] طبری۔ جلد۵۔ ص ۲۶۳۳۔

اس عہد نامہ سے مقابلہ کرو، کیا اس عفو و ترحم، اور اس درگذر و حلم و رواداری کے باوجود بھی مسلمان متعصب، ظالم، جابر اور سخت گیر کے القاب کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔

نہاوند فتح کرنے کے بعد حضرت حذیفہؓ اپنے سابق عہدہ یعنی بندوبست کی افسری پر واپس آ گئے[1]۔

۲۲ھ میں حسب روایت بلاذری حملۂ آذربائیجان میں فوج کا علم ملا چنانچہ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربائیجان کا دارالسلطنت تھا، یہاں کے رئیس نے ماجروان میمند سراۃ، سبز میانج وغیرہ سے ایک لشکر فراہم کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی، پھر ۸ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہوئی، حضرت حذیفہؓ وہاں سے موقان اور جیلانی کی طرف بڑھے اور فتح حاصل کی، اسی اثناء میں دربارِ خلافت سے ان کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ پر مقرر ہوئے۔

اس کے بعد غالباً مدائن کے والی بنائے گئے، حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا، کہ عاملوں کے فرمان تقرری میں اپنے احکام اور ان کے فرائض درج کرتے تھے لیکن حضرت حذیفہؓ کے نام جو فرمان تھا، اس میں صرف یہ لکھا کہ تم لوگ ان کی اطاعت کرنا اور جو طلب کریں دے دینا" حضرت حذیفہؓ مدائن پہنچے تو معززین شہر نے استقبال کیا، اور جب فرمان امارت پڑھا تو ہر طرف سے صدا بلند ہوئی کہ جو مانگنا ہو مانگئے ہم لوگ ہر طرح حاضر ہیں حضرت حذیفہؓ نے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے قدم بقدم چلتے تھے فرمایا کہ مجھے صرف اپنے پیٹ کا کھانا اور گدھے کے چارہ کی ضرورت ہے، جب تک یہاں رہوں گا تم سے اسی کا طلب گار رہوں" کچھ زمان کے بعد حضرت عمرؓ نے دارالخلافہ میں طلب فرمایا اور خود راستہ میں کسی مقام پر چھپ رہے، حذیفہؓ اپنی اسی قدیم شان سے نکلے تو حضرت عمرؓ سامنے آ کر لپٹ گئے اور فرمایا تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں[2]۔ اس کے بعد اسی عہدہ پر قائم رکھا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ کے ابتدائے زمانۂ خلافت تک اسی منصب پر فائز رہے[3]۔ ۳۰ھ عہد حضرت عثمانؓ میں سعید بن عاص کے ہمراہ کوفہ سے غزوہ خراسان کے لئے نکلے طمیسہ نام ایک بندرگاہ پر لڑائی ہوئی، یہاں سعید بن عاص نے صلوٰۃ الخوف پڑھائی تو ان سے پوچھا کہ اس کا طریقہ کیا ہے[4]۔ فتح حاصل کر کے رے کی مہم پر روانہ ہوئے۔

---

۱ طبری جلد ۵۔ ص ۲۶۳۸ ۲ یہ تفصیل بلاذری میں ہے، طبری میں حملہ آذربائیجان اور ۹ درہم پر صلح کرنے کا ایک موقع پر ضمناً ذکر آیا ہے، دیکھو جلد ۵۔ ص ۲۸۰۶۔ طبری ۳ اسد الغابہ جلد ۱۔ ص ۳۹۲

۴ اصابہ جلد ۱۔ ص ۳۳۲

پھر وہاں سے سلمان بن ربیعہ اور حبیب بن مسلمہ کے ہمراہ آرمینیہ کا رخ کیا اس وقت وہ کوفہ کی تمام فوج کے افسر اعلیٰ تھے[۱]۔

۳۱ھ میں خاقان خزر سے ایک عظیم جنگ پیش آئی، جس میں سلمان اور ۴ ہزار مسلمانوں نے شہادت حاصل کی، حضرت حذیفہؓ سلمان کے بجائے لشکر کے امیر ہوئے[۲]۔ لیکن پھر دوسری مہم میں چلے گئے اور مغیرہ بن شعبہؓ کا ان کی جگہ پر تقرر ہوا۔

حضرت حذیفہؓ نے باب پر تین مرتبہ حملہ کیا[۳]۔ تیسرا حملہ ۳۴ھ میں ہوا تھا[۴]۔ یہ حضرت عثمانؓ کا اخیر عہد خلافت تھا، غزوہ ختم کر کے مدائن آئے اور زمام حکومت ہاتھ میں لی۔

وفات : یہاں پہنچ کر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ سنا[۵]۔ اور اس کے ۴۰ روز کے بعد خود بھی وفات پائی، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔

وفات سے پہلے ان کی عجیب کیفیت تھی نہایت سراسیمہ، خوف زدہ اور شدید گریہ وبکا میں مصروف تھے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو بولے کہ دنیا چھوڑنے کا غم نہیں موت مجھ کو محبوب ہے، لیکن اس لئے رو رہا ہوں کہ معلوم نہیں وہاں کیا پیش آئے گا، اور میرا حشر کیا ہوگا۔ جس وقت انہوں نے آخر سانس لی تو فرمایا ''خدایا اپنی ملاقات میرے لئے مبارک کرنا کیونکہ تو جانتا ہے کہ تجھے میں نہایت محبوب رکھتا ہوں[۶]۔

جنازہ کے ساتھ کثیر مجمع تھا، ایک شخص نے اشارہ کر کے کہا کہ میں نے ان سے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے کہ اس کے بیان کرنے میں ہم کو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تم لوگ آمادۂ قتال ہو تو میں اپنے گھر بیٹھ رہوں گا، اس پر بھی کوئی وہاں پہنچے گا تو کہوں گا کہ آ اور میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لے[۷]۔

وفات کے وقت اپنے دو بیٹوں کو وصیت کی کہ علیؓ سے بیعت کرنا، چنانچہ ان دونوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کی اور صفین میں قتل ہوئے[۸]۔ حضرت حذیفہؓ نے خود بھی حضرت علیؓ سے بیعت کی تھی۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، ابوعبیدہؓ، بلالؓ، صفوان سعید، صاحب طبقات کے زمانہ میں ان کی اولاد مدائن میں موجود تھی[۹]۔ بیویاں غالباً دو تھیں۔

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۸۹۳۔ ۲۔ یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۴۔ ۳۔ طبری۔ ص ۲۸۹۴۔ ۴۔ ایضاً۔ جلد ۶۔ ص ۲۹۳۶۔ ۵۔ طبقات۔ جلد ۶۔ ص ۸۔ ۶۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۲۔ ۷۔ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۳۸۹۔ ۸۔ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۵۔ ۹۔ طبقات۔ جلد ۶۔

حلیہ : صورت سے حجازی معلوم ہوتے تھے حلیہ یہ تھا، قد متوسط، بدن اکہرا آگے کے دانت خوبصورت[۱]۔ نظر اس قدر تیز تھی کہ صبح کے اندھیرے میں تیر کا نشانہ دیکھ لیتے تھے۔

فضل وکمال :

حضرت حذیفہؓ علمائے کبار میں تھے فقہ وحدیث کے علاوہ اسلام پر قیامت تک جو انقلابات ہونے والے ہیں، ان کے بہت بڑے عالم تھے، منافقین اسلام کے متعلق جو واقفیت تھی، اس کے لحاظ سے وہ آنحضرت ﷺ کے محرم راز تسلیم کئے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ بھی تھے، دجال کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میں اس کے متعلق ان سے زیادہ معلومات رکھتا ہوں[۲]۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایک خطبہ میں قیامت تک کے تمام واقعات صحابہؓ کے سامنے بیان فرمائے تھے حضرت خدیفہؓ کو وہ خطبہ یاد تھا بعض باتیں فراموش ہوگئی تھیں لیکن جب کوئی واقعہ پیش آتا تو یاد آجاتی تھیں، بعینہ اس طرح کہ آدمی کسی شخص کو ایک مرتبہ دیکھتا ہے اور پھر اس کو بھول جاتا ہے لیکن پھر جب کبھی سامنا ہوتا ہے تو اس کی پہلی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے[۳]۔

ان کا خود بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں تمام واقعات کی خبر دے دی تھی، صرف ایک بات باقی رہ گئی تھی، اور وہ یہ کہ مدینہ والوں کے مدینہ سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا[۴]۔

صحابہؓ عام طور پر آنحضرت ﷺ سے فضائل اعمال نماز روزہ اور اسی قسم کی باتیں دریافت کرتے تھے، لیکن حضرت حذیفہؓ یہ نہیں پوچھتے تھے ان کا قول ہے کہ

کنت اساله عن الشر فخافة ان يدركنی[۵]۔

میں آنحضرت ﷺ سے برائیاں پوچھتا تھا، کہ ان میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

صحابہؓ میں ان کا لقب ''محرم راز نبوت'' تھا حضرت ابودرداء کہتے تھے۔

اليس فيكم صاحب السر

کیا تم میں اسرار کا سب سے بڑا عالم موجود نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس بہت سے صحابہؓ جمع تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا فتنہ کے متعلق کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے حضرت حذیفہ نے کہا، مال و دولت اہل وعیال اور ہمسایہ کے متعلق آدمی سے

---

۱ مسند جلد ۵۔ ص ۴۰۰ و ۴۰۳ ۲ صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۵۱۴ ۳ صحیح مسلم جلد ۵۔ ص ۴۹ ۴ ایضاً
۵ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۹

جو کچھ سرزد ہوتا ہے اس کا نماز، صدقہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کفارہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا پوچھنے کا یہ مقصد نہیں، وہ فتنے بتاؤ جو سمندر کی طرح جوش ماریں گے حذیفہؓ نے جواب دیا کہ ''آپ کے اور ان کے درمیان ایک دروازہ حائل ہے اس لئے آپ کو تردد کی ضرورت نہیں'' فرمایا ''دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا''۔ بولے ''توڑا جائے گا فرمایا تو پھر کبھی بند نہ ہوگا کہا جی ہاں۔

حضرت حذیفہؓ نے جب ایک مجلس میں یہ حدیث بیان کی وہاں شقیق بھی تھے، انہوں نے کہا کہ کیا عمرؓ کو دروازہ کی خبر تھی؟ فرمایا ہاں جس طرح تم یہ جانتے ہو کہ دن کے بعد رات ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا تو دروازہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا خود عمرؓ[1]۔

حضرت حذیفہؓ سے اس قسم کی بہت سی روایتیں ثابت ہیں اور اس قسم کے اسرار ان کو بہت معلوم تھے جو زیادہ تر اسلام کی سیاست سے تعلق رکھتے تھے صحابہؓ میں حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی ماہرین اسرار تھے جن کا وجود ہم کو حضرت حذیفہؓ ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ[2]۔

''میں اس وقت سے قیامت تک کے تمام فتنوں کو جانتا ہوں لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میرے سوا اور کسی کو ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ہم کو ایک مجلس میں ایک دن یہ باتیں بتلائیں تھیں۔ اور چھوٹے بڑے تمام واقعات کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ان میں سے میرے سوا اب کوئی باقی نہیں''۔

حضرت حذیفہؓ اپنے علم سے وقتاً فوقتاً کام لیتے اور مسلمانوں کو ان کے مستقبل کی نسبت مطلع کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ عامر بن حنظلہ کے گھر میں خطبہ دیا تو فرمایا۔

ان ھذا الحی من مضر لا تدع اللہ فی الارض عبداصالحا الا افتنته واھلکته حتی یدر کھا اللہ بجنود من عبادہ فبذلھا حتی لامتنع ذنب تلقه.

قریش ایک زمانہ میں دنیا کے کسی نیک بندہ کو نہ چھوڑیں گے اور اس کو فتنہ سے آلودہ کر کے ہلاک کریں گے اس وقت خدا ان کو اپنے بندوں کی ایک فوج سے بالکل پامال کر دے گا۔

لوگوں نے کہا آپ کیا کہتے ہیں، آپ خود بھی تو قریشی ہیں، فرمایا اس کو کیا کروں میں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح سنا ہے[3]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۳۔ ص ۱۰۵۱ [2] صحیح مسلم جلد ۲۔ ص ۴۹۷ [3] مسند جلد ۵۔ ص ۳۹۰، ۳۹۵، ۴۰۴

ایک مرتبہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے دو باتیں بیان کی تھیں جن میں ایک کو میں دیکھ چکا ہوں دوسری کا انتظار ہے۔ اس کے بعد خود کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک وقت تھا کہ جس امیر سے بیعت کرتا اس کی نسبت مجھ کو کچھ تردد نہ ہوتا تھا، اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسلام کے ذریعہ اور نصرانی ہوتا مسلمان عمال کے ذریعہ سے ہم پر حکومت کرتا تھا لیکن اب میں بیعت میں تامل کرتا ہوں، میری نگاہ میں اسکے اہل صرف چند اشخاص ہیں میں انہی کے ہاتھ پر بیعت کرسکوں گا[1]۔

حضرت حذیفہؓ نے اسلام کے مستقبل کی نسبت ایک پیشینگوئی فرمائی ہے، جو آج ہماری حالت پر بالکل صادق آتی ہے اور وہ یہ ہے۔

لاتقوم الساعة حتی یسود کل قبیلتها نا فقوها[2]۔

قیامت اس وقت آئے گی جب قبیلوں کے سردار منافق ہو جائیں گے۔

حضرت حذیفہؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کو صاحب خلاصہ نے سو ۱۰۰ سے اوپر شمار کیا ہے یہ ذخیرہ حضرت حذیفہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے فراہم کیا تھا۔

ان کے راویان حدیث میں متعدد صحابہ ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں جابرؓ، جندب بن عبداللہ بجلی، عبداللہ بن یزید خطمیؓ، ابوالطفیلؓ، تابعین میں کثیر جماعت ہے بعض کے نام یہ ہیں، قیس بن ابی حازم ابووائل، زید بن وہب، ربعی بن خراش، زر بن جیش، ابوظبیان، حصین بن جندب، صلہ بن زفر، ابوادریس خولانی عبداللہ بن عکیم، اسود بن یزید نخعی، عبدالرحمان بن یزید، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ہمام بن الحارث، یزید بن شریک التیمی۔

مہماتِ سلطنت کی وجہ سے اگر چہ بہت کم فرصت رہتی تھی تاہم جب کبھی فرصت ملتی تو حدیث کا درس دیتے تھے کوفہ کی مسجد میں حلقہ قائم ہوتا اور حضرت حذیفہؓ حدیث بیان فرماتے[3]۔

شاگردان کا نہایت ادب کرتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے بشکری ایک مرتبہ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ تمام مجمع خاموش اور ایک شخص کی طرف ہمہ تن متوجہ ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

کانما قطعت رئوسهم[4]۔

گویا مجمع کے سر کاٹ لئے گئے ہیں۔

شاگردوں کے خوف کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمرؓ سے متعلق فتنہ والی حدیث بیان کی تو باوجود اس کے کہ پوری رموز واشارات کا مجموعہ تھی کسی کو پوچھنے کی ہمت نہ

---

[1] بخاری۔ جلد۲۔ ص ۱۰۴۹ و ۱۰۵۰۔ [2] استیعاب۔ جلد۱۔ ص ۱۰۶۔ [3] مسند۔ جلد۵۔ ص ۴۰۳۔
[4] ایضاً۔ جلد۵۔ ص ۳۸۶۔

پڑی چنانچہ انہوں نے سروق کو جو عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے [1]۔اس کے پوچھنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے پوچھا۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ معراج کی حدیث بیان کرر ہے تھے کہ زر بن جیش آئے حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے زر بولے آنحضرت ﷺ اندر گئے تھے اور نماز پڑھی تھی ،فرمایا گنجے تیرا کیا نام ہے میں تجھے پہچانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا۔انہوں نے نام بتایا تو فرمایا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی کہا قرآن سے ،فرمایا آیت پیش کرو،انہوں نے وہ آیت پڑھی جس میں معراج کا تذکرہ ہے، **سبحن الذی اسری بعبدہ** الخ (وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت لے گیا) حضرت حذیفہؓ نے کہا،اس میں نماز کا کہاں تذکرہ ہے زر نے لاجواب ہوکر اپنی غلطی کا اعتراف کیا [2]۔

روایت حدیث میں سخت محتاط تھے،عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں۔

وانا ان سالناہ لم یحدثنا [3]۔

ہم ان سے حدیث کی خواہش کرتے تو نہ بیان کرتے۔

اسی وجہ سے لوگ موقع کے منتظر رہتے تھے۔جب کوئی واقعہ پیش آتا اور وہ حدیث بیان کرتے تو تمام مجمع کو نہایت اہتمام سے خاموش کیا جاتا تھا، دہقان کے واقعہ میں جب حدیث بیان کی تو لوگوں نے کہا **اسکتوا اسکتوا** [4] چپ رہو چپ رہو۔

ایک مرتبہ وہ اور حضرت ابو مسعودؓ ساتھ تھے ایک نے دوسرے سے حدیث کی درخواست کی تو ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا کہ **بل حدث انت** [5] تم ہی بیان کرو۔

اخلاق وعادات :

زہد کا یہ عالم تھا کہ مدائن کے زمانہ امارت میں بھی طرز معاشرت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوا عجم کی آب وہوا میں رہنے اور منصب امارت پر فائز ہونے کے باوجود کوئی ساز وسامان نہیں رکھتے تھے،سواری کے لئے ہمیشہ گدھا استعمال کرتے تھے، استغناء کا یہ عالم تھا کہ قوت لایموت سے زیادہ اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کچھ مال بھیجا تو سب اٹھا کر تقسیم کر دیا [6]۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۱　[2] مسند جلد ۵ ص ۳۸۷　[3] مسند جلد ۵ ص ۳۹۷
[4] ایضاً ص ۳۹۷　[5] ایضاً ص ۴۰۷　[6] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۹۲

اس استغناء کے ساتھ عبادت اور ذکر الٰہی میں جو انہماک تھا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام رات نماز پڑھتے رہ گئے اور اف تک نہ کی صبح کے وقت جب حضرت بلالؓ نے اذان پکاری تو اس وقت تک ان بزرگوں کی صرف دو رکعتیں ہوئی تھیں[۱]۔

امر بالمعروف کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے غایت احتیاط کی بناء پر شیشی میں پیشاب کرنا شروع کیا کہ چھینٹ نہ پڑنے پائے ان کو معلوم ہوا تو کہا کہ یہ شدت ٹھیک نہیں، آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک گھوڑے پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، میں آپ کے ساتھ تھا، ہٹنا چاہا تو ارشاد ہوا کہ قریب رہو چنانچہ میں بالکل آپ کی پشت کے قریب ہی کھڑا رہا[۲]۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے باتیں کررہے تھے حذیفہؓ آئے اور فرمایا کہ یہ باتیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نفاق میں شمار کی جاتی تھیں[۳]۔

ایک شخص مسجد میں نہایت عجلت سے نماز پڑھ رہا تھا حضرت حذیفہؓ آئے تو فرمایا تم کتنے زمانہ سے اس طرح نماز پڑھتے ہو؟ بولا ۴۰ برس سے، فرمایا تمہاری ۴۰ سال کی نماز بالکل رائگاں گئی اور اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے تم مر گئے تو دین محمدی پر نہ مرو گے اس کے بعد اس کو نماز کا طریقہ بتلایا اور کہا چھوٹی رکعت پڑھو لیکن رکوع وسجود میں اعتدال کا خیال رکھو[۴]۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں ربعی زیارت کے لئے مدائن آئے تو پوچھا کہ عثمانؓ پر خروج کن لوگوں نے کیا ہے ربعی نے نام گنائے تو فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اور امارت کو ذلیل کیا وہ خدا کے نزدیک بالکل بے وقعت ہے[۵]۔

ایک شخص مجلس کے وسط میں بیٹھا تو فرمایا آنحضرت ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے[٦]۔

عرب میں وفات کی خبر نہایت اہتمام سے مشتہر کی جاتی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت حذیفہؓ اس پر اس شدت سے عامل تھے کہ جب کوئی مرتا تو اس کی خبر تک نہ کراتے کہ شاید اس میں بھی وہ صورت پیدا ہوجائے[۷]۔

---

[۱] مسند۔ جلد۵۔ ص۴ [۲] ایضاً۔ جلد۵۔ ص۳۸۲ [۳] ایضاً۔ ص۳۸۴ [۴] مسند۔ ص۳۸۴
[۵] ایضاً۔ ص۳۸۷ [٦] ایضاً۔ ص۳۹۸ [۷] ایضاً جلد۵۔ ص۴۰٦

راستبازی خاص شعار تھی ان کے ایک شاگرد ربعی حدیث روایت کرتے تو کہتے ۔

حدثنی من لم یکذبنی

مجھ سے اس نے حدیث بیان کی جو مجھ سے جھوٹ نہ بولتا تھا۔

لوگ سمجھ جاتے کہ حذیفہ مراد ہیں [۱] ۔

ایک شخص حضرت عثمانؓ کو ان کی باتیں پہنچاتا تھا، سامنے سے نکلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ امراء کے پاس تمام خبریں لے جاتا ہے فرمایا ایسا شخص جنت میں نہیں جا سکتا [۲] ۔

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے کسی ایسے صحابی کو بتلایئے جو آپ سے رفتار و گفتار و مذہب غرض ہر چیز میں مشابہ ہو۔ فرمایا ایسے شخص بن مسعودؓ ہیں لیکن جب تک گھر کے باہر رہتے ہیں باقی گھر میں کیا کرتے ہیں اس کی مجھ کو اطلاع نہیں [۳] ۔

عفو و درگذر جس پیمانہ پر موجود تھا وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے ان کے والد کو مسلمانوں نے غلطی سے قتل کر دیا۔ انہوں نے غصہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کے بجائے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی، عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ عفو و درگذر کی صفت حضرت حذیفہؓ میں اخیر وقت تک موجود تھی [۴] ۔

اطاعت رسول (ﷺ) کا حال غزوۂ خندق کے سلسلہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابہؓ میں ایک شخص بھی مشرکین کے لشکر میں جانے کی ہمت نہ کرتا تھا، لیکن حضرت حذیفہؓ گئے اور آنحضرت ﷺ سے جنت کی بشارت حاصل کی۔

ایک مرتبہ راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی اور آپ ان کی طرف بڑھے تو بولے میں جنبی ہوں، فرمایا مومن نجس نہیں ہو سکتا [۵] ۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے کی سعادت حاصل ہوتی تو پہلے خود نہ شروع کرتے بلکہ آنحضرت ﷺ ابتداء فرماتے تھے [۶] ۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تقرب و خصوصیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سینہ سے ٹیک لگائی [۷] ۔ ایک مرتبہ آزار کی حد بتائی تو ان کی پنڈلی دست مقدس سے پکڑی [۸] ۔ غزوۂ خندق کی رات کو مشرکین کی خبر لائے تو اپنا کمبل اڑھایا، اور

---

۱ ایضاً ص ۳۸۵ و ۴۰۱ ۲ ایضاً ص ۳۸۹ ۳ ایضاً ص ۳۸۹ و ۳۹۴ ۴ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۱

۵ مسند ص ۳۸۴ ۶ ایضاً ۳۸۳ ۷ ایضاً ص ۳۹۱ ۸ ایضاً ص ۳۸۲

اپنی سواری پر بٹھایا[1]۔ ایک رات اپنے حجرہ میں رکھا ان کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز کے لئے اٹھے تو لحاف کا ایک کنارہ خود اوڑھے تھے اور دوسرا حضرت عائشہؓ پر پڑا تھا اور وہ نسوانی مجبوری کی وجہ سے نماز کو نہ اٹھ سکیں[2]۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تو بسا اوقات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے اور اتنے عرصہ تک شرف صحبت سے مشرف رہتے[3]۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتے، اور طہارت کے لئے پانی دیتے تھے[4]۔

ایک روز ان کی والدہ نے کہا کہ تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کب سے نہیں گئے انہوں نے مدت بیان کی تو بہت خفا ہوئیں اور سخت سست کہا بولے اچھا چھوڑیئے جاتا ہوں، اور مغرب کی نماز آنحضرت ﷺ کے ساتھ پڑھتا ہوں اور اپنے اور آپ کے لئے استغفار کراتا ہوں چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھ کر آپ کے پیچھے ہوئے، آپ نے مڑ کر دیکھا تو یہ نظر آئے پوچھا کون حذیفہؓ! فرمایا غفر اللہ لک و لامک[5]۔ خدا تجھے اور تیری ماں دونوں کو بخشے۔

تمام لوگوں سے اچھی طرح ملتے لیکن بیوی سے سخت گفتگو کرتے، اس کا احساس ہوا تو آنحضرت ﷺ سے عرض کی ارشاد ہوا کہ تم استغفار کیا کرو[6]۔

غصہ کم آتا تھا لیکن جب احکام شرع پامال ہوتے دیکھتے تو ان کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی، مدائن میں کسی جگہ پانی مانگا ایک رئیس نے چاندی کے برتن میں لاکر پیش کیا۔ تو انہوں نے جھنجلا کر پیالہ اس پر کھینچ مارا اور فرمایا کیا میں نے تم کو تنبیہ نہیں کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت کی ہے[7]۔

بغض و کینہ دیر تک قائم نہ رکھتے جن لوگوں سے شکر رنجی ہو جاتی تھی ان سے جلد صاف ہو جاتے تھے اصحاب عقبہ میں سے ایک صاحب سے کسی معاملہ میں بگاڑ ہو گیا تھا اور بول چال ترک ہو گئی تھی لیکن حضرت حذیفہؓ نے خود ہی چھیڑ کر گفتگو کی اور بالآخر ان کو بھی اپنا طرز عمل بدلنا پڑا[8]۔

استغناء کے واقعات اوپر مذکور ہو چکے ہیں طبعاً بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، کوئی کھانے کے وقت پہنچ جاتا تو اس کو شریک کر لیتے[9]۔

۱۔ ایضاً ص ۳۹۳ ۲۔ ایضاً ص ۴۰۰ ۳۔ ایضاً ص ۳۹۲ ۴۔ مسند ص ۳۹۱۔ ترمذی۔ ۶۲ ۵۔ مسند جلد ۵۔ ص ۳۹۴
۶۔ ایضاً ص ۳۹۶ ۷۔ ایضاً ص ۳۹۰ ۸۔ ایضاً ص ۳۹۶ ۹۔ ایضاً۔ ص ۳۹۶

مذکورۂ بالا محاسن و مکارم کی بناء پر حضرت عمرؓ ان کا بڑا احترام کرتے تھے جس جنازہ پر وہ نماز پڑھتے خود بھی پڑھتے اور جس پر وہ نماز نہ پڑھتے حضرت عمرؓ بھی نہ پڑھتے تھے[1]۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنی اپنی تمنائیں پیش کیجئے سب نے کہا کہ زر و جواہر سے بھرا ہوا ایک گھر ملتا اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے، حضرت عمرؓ نے کہا میری تمنا تو یہ ہے کہ مجھ کو ابو عبیدہؓ، معاذ بن جبل اور حذیفہؓ بن یمان جیسے لوگ ملیں اور ان کو سلطنت کے عہدے تفویض کروں[2]۔

[1] اسد الغابہ جلد ا۔ ص ۳۹۱ [2] ایضاً۔ ص ۳۹۲

حضرت زید ؓ بن سعنہ

زید نام، بنی اسرائیل سے تھے، اور یہود میں بہت بڑے حبر (عالم) شمار ہوتے تھے، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صورت دیکھتے ہی ان کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا توراۃ میں نبوت کی جو علامات مذکور ہیں اُن سے تطبیق دی تو صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوئی جن کا تعلق اخلاق سے تھا، اور انہی کی تحقیق پر ان کا ایمان لانا موقوف تھا۔

چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک روز دربار نبوی میں ایک سوار پہنچا کہ فلاں گاؤں کے لوگ کے مسلمان ہو گئے لیکن قحط زدہ ہیں، آپ سے کچھ امداد ہو سکے تو دریغ نہ کیجئے۔ شہنشاہ مدینہ کے پاس نامِ خدا کے سوا اور کیا تھا۔ زید ؓ کو اب آزمائش کا موقع ملا، توراۃ میں پیغمبر کی دو علامتیں مذکور ہیں، ایک یہ کہ اس کا علم اس کے غیظ و غضب پر سبقت کرتا ہے، اور دوسری یہ کہ جاہلانہ حرکتوں کا جواب تحمل سے دیتا ہے زید ؓ علم کے ساتھ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے۔

حضور کی خدمت میں آئے اور کہا "محمد اگر چاہو تو فلاں باغ کے چھوہارے اتنی مدت کے لئے میرے ہاتھ رہن کرو۔ آپ نے ۸۰ دینار (۴۰۰ روپے) پر چھوہاروں کی ایک معین مقدار رہن کر دی اور روپیہ سوار کے حوالہ کیا۔

ایک روز آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے جنازہ پر تشریف لائے، حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ بھی ساتھ تھے، نماز سے فارغ ہوئے تو زید ؓ نے میعاد ختم ہونے سے قبل ہی تقاضہ شروع کیا اور نہایت سختی کی چادر اور قمیض کا دامن پکڑا پھر آپ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا محمد میرا حق نہ دو گے؟ خدا کی قسم عبدالمطلب کی اولاد ہمیشہ کی نادہند ہے۔

یہ جملہ سن کر حضرت عمر ؓ کو طیش آ گیا، بولے خدا کے دشمن! میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کو یہ باتیں کہتا ہے خدا کی قسم وار خالی جانے کا احتمال نہ ہوتا تو ابھی تیرا سر اڑا دیتا، آنحضرت ﷺ حضرت عمر ؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا "یہ بات زیبا نہیں تم ان کا قرض ادا کرنے کی فکر کرو، ان کو لے جا کر روپے دو، ۲۰ صاع اور زیادہ دینا جو اس خفگی کا جرمانہ ہے،" زید ؓ نے حضرت عمر ؓ سے روپیہ لیا، اور چونکہ ان دونوں وصفوں کی اب تصدیق ہو گئی تھی، اس لئے کلمۂ توحید پڑھ کر فوراً مسلمان ہو گئے۔

غزوات : اکثر غزوات میں شامل ہوئے۔

وفات : غزوہ تبوک میں مدینہ واپس ہوتے وقت شہادت نصیب ہوئی، اس غزوہ میں نہایت شجاعت سے لڑے تھے، صاحب اصابہ لکھتے ہیں :

استشهد فی غزوة تبوک مقبلا غیر مدبر[1]۔

[1] اصابہ۔ جلد۳۔ ص ۲۸

حضرت سعدؓ بن حبتہ

نام ونسب :

سعد نام ہے۔ ابن حبتہ عرف، قبیلہ بجیلہ سے ہیں اور عمرو بن عوف کے حلیف ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے :

سعد بن بجیر بن معاویہ بن نفیل بن سدوس بن عبد مناف بن ابی اسامہ بن کلمہ ابن سعد بن عبداللہ بن قذاذ بن معاویہ بن زید بن غوث بن انمار بن اراش۔

والدہ کا نام حبتہ بنت مالک تھا، اور قبیلہ عمرو بن عوف سے تھیں۔ اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئیں۔

اسلام : حضرت سعد بھی ان کے ساتھ اسلام لائے۔

غزوات : غزوہ بدر اور احد میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے [1]۔ غزوہ خندق میں شرکت کی اس وقت ۱۵ برس کا سن تھا، نہایت جوش سے لڑے آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ بولے "سعد بن حبتہ" فرمایا اسعد اللہ جدک، خدا تمہیں خوش نصیب کرے پھر پاس بلا کر ان کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا [2]۔

۶ھ میں غابہ نامی ایک مقام پر غزوہ کے لئے گئے یہاں آنحضرت ﷺ کی ۲۰ اونٹنیاں چرنے کے لئے گئی تھیں عینیہ بن حصن کے ۴۰ سوار آکر ان کو ہانک لے گئے ایک شخص دوڑتا ہوا مدینہ آیا، کھڑے ہو کر فریاد کی الفزع الفزع آنحضرت ﷺ نے آواز سن کر سواروں کو امداد کے لئے بھیجا، لیکن سواروں کی روانگی سے قبل عمرو بن عوف میں آواز پہنچ گئی تھی، اور وہاں سے ابوقتادہؓ اور سعد بن حبتہ وغیرہ روانہ ہو چکے تھے، موقع پر پہنچ کر مقابلہ ہوا، ابوقتادہ نے سعد پر حملہ کیا اور ابن حبتہ نے اس کو مار کر گرا دیا [3]۔

مصنف اصابہ نے اس واقعہ کو احد سے متعلق بتایا ہے لیکن وہ ابن کلبی کی روایت ہے اور بخاری و مسلم کے علاوہ تمام کتب سیر کے خلاف ہے غزوہ ذی قرد کے (ہیرو) حضرت سلمہؓ بن اکوع ہیں جن سے صحیح مسلم میں ایک طویل روایت منقول ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے :

فو اللہ مایشنا الاثلث لیال حتی خرجنا الیٰ خیبر مع رسول اللہ ﷺ [4]۔

غزوہ ذی قرد کے بعد ۳ دن بھی نہ گزرے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خیبر کی لڑائی پر ہم لوگ روانہ ہوئے۔

---

[1] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۶۹ و قسم اول اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۷
[2] اسد الغابہ۔ جلد ۶۔ ص ۲۷۰
[3] طبقات ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۔
[4] مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱

صحیح بخاری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، باب غزوہ ذات القرد میں ہے:

وھی الغزوۃ التی اغاروا علی لقاح النبی ﷺ قبل خیبر بثلاث [۱]

ذی قرد وہ غزوہ ہے جس میں کفار نے آنحضرت ﷺ کی اُونٹنیوں پر خیبر سے ۳ روز قبل لوٹ ڈالی تھی۔

مسلم کی روایت میں ایک اور جملہ مذکور ہے۔

ثم قدمنا المدینۃ فبعث رسول اللہ ﷺ بظھرہ مع رباح غلام رسول اللہ ﷺ وانا معہ [۲]

ہم (یعنی سلمہ) حدیبیہ سے مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنی اونٹنیاں رباح کے ہاتھ جو آپ کے غلام تھے (غابہ) روانہ کیں میں بھی رباح کے ساتھ چلا۔

ان روایتوں سے حسب ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ غزوہ غابہ، حدیبیہ کے بعد ہوا۔

۲۔ حضرت سلمہؓ لڑائی اور لوٹ سے پہلے غابہ میں موجود تھے۔

۳۔ غزوۂ غابہ کے ۳ دن بعد خیبر کی مہم پیش آئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۶ھ یا ۷ھ کا ہے کیونکہ صلح حدیبیہ ۶ھ اور خیبر اوئل ۷ھ میں پیش آیا تھا اس لئے اس کو غزوہ احد ملحق سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔

وفات: عہد نبوت کے بعد کوفہ میں اقامت کی اور یہیں انتقال کیا حضرت زید بن ارقمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور تکبیریں کہیں۔

اولاد: ۳ بیٹے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی، فقہ حنفی کے دستِ راست اور اسلام کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف انہی کی اولاد ہیں [۳]۔

فضل وکمال:

روایتیں بہت کم ہیں، آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ارقم سے بھی حدیثیں سنی تھیں، راویوں میں ان کے ایک بیٹے نعمان ہیں۔

۱؎ بخاری۔ جلد۲۔ ص۶۰۳۔ ۲؎ مسلم۔ جلد۲۔ ص۹۹۔ ۳؎ اصابہ۔ جلد۳۔ ص۷۲۔

حضرت سمرہؓ بن جندب

نام ونسب :

سمرہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے :

سمرہ بن جندب بن ہلال بن حریج بن مراہ بن حزن بن عمرو بن حابر بن ذوالریاستین خشین بن لای بن عاصم (عصیم) بن شمخ بن فزارہ ابن ذیبان بن بغیض بن ریث بن غطفاان۔

حضرت سمرہؓ کے باپ ان کی صغرسنی میں فوت ہوئے ماں ان کو لے کر مدینہ آئیں اور انصار میں نکاح کا پیام دیا لیکن شرط یہ پیش کی کہ شوہر پر میری اور سمرہ دونوں کی کفالت ضروری ہوگی، مری بن شیبان بن ثعلبہ نے اس کو منظور کیا، اور عقد ہوگیا، سمرہؓ نے انہی کے ظلِ عاطفت میں تربیت پائی۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : کم سنی کی وجہ سے بدر میں شرکت نہ کی احد میں انصار کے لڑکے معائنہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ایک لڑکے کو جنگ کے قابل سمجھ کر میدان میں جانے کی اجازت دے دی اور سمرہؓ نے کہا آپ ان کو اجازت دیتے ہیں حالانکہ میں ان سے طاقتور ہوں، اور یقین نہ ہوتو کشتی لڑا کر دیکھ لیجئے آنحضرت ﷺ نے کشتی کا حکم دیا جس میں سمرہؓ نے اپنے مقابل کو اٹھا کر دے ٹپکا آپ نے یہ دیکھ کر ان کو بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔

احد کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

عہد نبوی مدینہ میں بسر کیا، بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کی، ۵۰ھ میں جب مغیرہؓ بن شعبہ والی کوفہ کا انتقال ہوگیا، اور زیاد بن سمیہ بصرہ کے ساتھ کوفہ کا بھی والی ہوگیا، تو اس نے حضرت سمرہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ بصرہ اور کوفہ میں ۶۔۶ ماہ رہتا تھا، حضرت سمرہؓ بھی دونوں جگہ قیام فرماتے وہ بصرہ آتا تو یہ کوفہ اور وہ کوفہ پہنچتا تو یہ بصرہ چلے جاتے تھے۔

زیاد کا عہد حکومت ہر حیثیت سے یادگار رہے گا۔ اس کے عہد میں امن وامان کا اس درجہ اہتمام تھا کہ کسی قسم کی شورش بصرہ اور کوفہ میں نشوونما نہ پاسکی، انقلاب پسندوں کا ایک گروہ جو زمانہ قدیم سے موجود تھا، اس نے ایک مرتبہ سر اُٹھایا تو اچھی طرح اس کی سرکوبی کی گئی۔

خوارج جن کا ظہور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا نہایت مفسد اور شورہ پشت تھے، باوجود اس کے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ نہروان میں ان کو شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے بہادر مارے گئے، لیکن پھر بھی پورے طور پر ان کا استیصال نہ ہوسکا، وقتاً فوقتاً سرکشی کرتے اور علم بغاوت بلند کرتے تھے، بصرہ اور کوفہ ان کے مرکز تھے۔ زیادہ کو ان کے قلع قمع کرنے کی بڑی فکر تھی، حسن اتفاق سے سمرہؓ بھی اس کے ہم خیال تھے، اس بناء پر سمرہؓ نے خوارج کے قتل کا بالکل تہیہ کرلیا[1]۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[2]۔

کان اذا اتی بواحد منهم قتله ویقول شر قتلیٰ تحت ادیم السماء یکفرون المسلمین ویسفکون الدماء۔

سمرہؓ کے پاس جو خارجی آتا قتل کراتے اور کہتے کہ آسمان کے نیچے یہ سب سے بدتر مقتول ہیں کیونکہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور خونریزی کرتے ہیں۔

خوارج اسی شدت اور عداوت کی وجہ سے حضرت سمرہؓ کو برا کہتے ہیں اور ان کی روش پر اعتراض کرتے تھے ان کے مقابلہ میں فضلائے بصرہ کا ایک گروہ جس میں ابن سیرین اور حسن بصری بھی شامل تھے۔ ان کی تعریف کرتا اور ان کی طرف سے جواب دیتا تھا۔

رمضان ۵۳ھ میں جب زیاد نے وفات پائی تو نظام حکومت میں بھی کچھ تغیر ہوا، بصرہ اور کوفہ دو جداگانہ صوبے قرار پائے اور دونوں کے الگ الگ والی مقرر ہوئے، حضرت سمرہؓ بصرہ کے والی مقرر ہوئے، جو کم وبیش ایک سال تک اس منصب پر رہے۔ اور ۵۳ھ میں امیر معاویہؓ کے حکم سے معزول ہوئے۔

وفات: ۵۴ھ میں انتقال کیا جسم میں سردی سما گئی تھی، علاج کے لئے گرم پانی کی دیگ پر عرصہ تک بیٹھے رہے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، آخر اس نے مرض الموت کی صورت اختیار کرلی ایک روز شدت سے سردی محسوس ہوئی آتش دانوں میں آگ جلوا کر چاروں طرف رکھوائی لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا، فرمایا گیا بتلاؤ کہ پیٹ کی کیا حالت ہے غرض اس بے چینی میں دیگ پر بیٹھے اور کھولتے پانی میں گر کر انتقال فرما گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ، ابومحذورہؓ اور سمرہؓ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم تینوں میں سب کے بعد مرنے والا آگ میں جل کر مرے گا۔ چنانچہ حضرت سمرہ کی وفات سے اس پیشنگوئی کی تصدیق ہوگئی[3]۔

---

[1] طبری۔ جلد ۷۔ صد ۹۱۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۴۔ [3] طبقات ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۲۲۔ واسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۵۔ واستیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۸۰۔

اولاد : اولاد کی صحیح تعداد معلوم نہیں اور دو لڑکوں کے نام یہ ہیں سلیمان۔ سعد۔

فضل وکمال :

حضرت سمرہؓ فضلائے صحابہ میں تھے۔ اور باوجود یہ کہ عہد نبوت میں صغیر السن تھے سینکڑوں حدیثیں یاد تھیں استیعاب میں ہے[۱]۔

کان من الحفاظ المکثرین عن رسول اللہ ﷺ

وہ حدیث کے حافظ اور آنحضرت ﷺ سے کثیر روایت کرتے تھے۔

تہذیب التہذیب میں ہے کہ ان کی احادیث کا ایک بڑا نسخہ ان کے بیٹے کے پاس تھا[۲]۔ سیرین کہتے ہیں کہ یہ رسالہ علم کے بہت بڑے حصہ پر مشتمل تھا[۳]۔

حضرت سمرہؓ کو احادیث یاد رکھنے میں خاص اہتمام تھا۔ حافظہ غیر معمولی تھا جس بات کا ارادہ کرتے یاد ہو جاتی تھی، آنحضرت ﷺ نماز میں دو جگہ ٹھہرا کرتے تھے ایک تکبیر کے بعد جب سبحانک اللّٰھم پڑھتے۔ دوسرے "ولا الضالین" کے بعد آمین کہتے یہ حضرت سمرہؓ کو یاد تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے۔ حضرت عمران بنؓ حصین جوان سے معمر تھے بھول گئے تھے۔ سمرہؓ نے نماز میں اس پر عمل کیا تو معترض ہوئے۔ حضرت ابی بنؓ کعب کو مدینہ خط لکھا گیا انہوں نے جواب دیا سمرہؓ کو ٹھیک یاد ہے[۴]۔

اسی طرح خطبہ میں ایک حدیث روایت کی ثعلبہ بن عباد عبدی موجود تھے، کہتے ہیں کہ جب دوبارہ بیان کی تو الفاظ میں کہیں بھی تفاوت نہ تھا[۵]۔ بایں ہمہ قوت حفظ، روایت حدیث میں محتاط تھے، مسند احمد میں ہے۔

انہ لیمنعی ان اتکلم بکثیر ماکنت اسمع من رسول اللہ ﷺ ان ھٰھنا من ھو اکثر منی وکنت لیلتئذٍ غلاماً دانی کنت لاحفظ ماسمع منہ۔ (مسند۔ جلد۵۔ ص۱۹)

میں نے آنحضرت ﷺ سے بہت کچھ سنا لیکن اس کو بیان کرنے میں اکابر صحابہ کا ادب مانع ہوتا ہے یہ لوگ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لڑکا تھا، تاہم جو کچھ سنتا تھا یاد رکھتا تھا۔

---

۱ استیعاب۔ جلد۲۔ ص۲۷۹۔ ۲ تہذیب۔ جلد۴۔ ص۱۹۸۔ ۳ اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص۳۵۴۔
۴ مسند۔ جلد۵۔ ۵ ایضاً۔ ص۱۶۔

کبھی کبھی احادیث روایت کرتے اور کسی کو کوئی شبہ ہوتا تو اس کا جواب دیتے تھے۔
ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے ایک معجزہ کو سنا اور پوچھا کہ کیا کھانا زیادہ ہو گیا تھا؟ بولے تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن وہاں (آسمان) کے سوا اور کہیں سے نہیں بڑھا تھا[1]۔

حضرت سمرہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح سے روایتیں کی ہیں۔
کتابوں میں ان کی سند سے کل (۱۲۳) حدیثیں مندرج ہیں، راویوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت عمرانؓ بن حصین، شعبی، ابن ابی لیلیٰ، علی بن ربیعہ، عبداللہ بن بریدہ، حسن بصری، ابن سیرین، مطرف بن شخیر، ابوالعلاء، ابورجاء، قدامہ بن دبرہ، زید بن عقبہ، ربیع بن عمیلہ، ہلال بن لیاف ابونضرۃ العبدی، ثعلبہ بن عباد۔

اخلاق : حضرت سمرہؓ میں بہت سی اخلاقی خوبیاں تھیں۔ وہ نہایت امانت دار، راست گو اور بہی خواہِ اسلام تھے[2]۔

پچھنا لگانا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے اس پر عملدرآمد کرتے تھے[3]۔

عرب میں احنف نامی ایک شخص نے ایک خاص قسم کی تلوار ایجاد کی تھی جو حنیفیہ کے نام سے مشہور تھی، آنحضرت ﷺ کے پاس اسی قسم کی تلوار تھی، سمرہؓ نے اس کی نقل بنوائی ان کے شاگردوں میں ابن سیرین نے بھی اس کی نقل لی تھی[4]۔

آنحضرت ﷺ نماز مین جیسا کہ آپ نے اوپر پڑھا دو جگہ سکوت کرتے تھے حضرت سمرہؓ کا بھی اس پر عمل تھا[5]۔

---

[1] مسند۔ص ۱۸۔ [2] استیعاب۔جلد ۲۔ص ۵۷۹۔ [3] مسند۔جلد ۵۔ص ۱۸۔ [4] ایضاً۔ص ۲۰۔
[5] ایضاً۔جلد ۵۔ص ۲۳۔

حضرت طلحہؓ بن البراءؓ

طلحہ نام، قبیلہ عمرو بن عوف کے حلیف اور خاندان بلی سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے [1]:

طلحہ ن براء بن عمیر بن دبرہ بن ثعلبہ بن غنم بن سری بن سلمہ بن انیف۔

ان کا آغاز شباب تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی، طلحہؓ قریب آئے اور آپ کے ہاتھ پاؤں چوم کر کہا کہ مجھ کو جو جی چاہے حکم دیجئے تعمیل میں کوتاہی نہ ہوگی۔ آنحضرت ﷺ متعجب ہوئے اور ہنس کر فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو قتل کر دو، وہ اس کے لئے آمادہ ہو گئے، چلنے لگے تو واپس بلایا کہ میں قطع رحم کے لئے معبوث نہیں ہوا ہوں۔

وفات : اسی زمانہ میں بیمار پڑے آنحضرت ﷺ عیادت کو تشریف لائے واپس ہوئے تو گھر والوں سے کہا کہ صحت کی طرف سے ناامیدی ہے مریں تو فوراً خبر کرنا۔

شب کو انتقال ہوا وفات سے کچھ پہلے گھر والوں سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو خبر کرنے کی ضرورت نہیں رات کا وقت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ راستہ میں کوئی جانور کاٹ کھائے اور کوئی حادثہ پیش آئے اس لئے مجھ کو تم ہی لوگ دفن کر دینا۔ صبح کو آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو صحابہؓ کو لے کر قبر پر تشریف لائے نماز جنازہ پڑھی، اور ہاتھ اٹھا کر کہا ''خدایا طلحہ سے اس طرح مل کہ تو ان سے اور وہ تجھ سے ہنستے ہوئے ملیں''۔

وفات کے وقت خود نوعمر تھے، اولاد کیا چھوڑتے؟ ہاں بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ گئے جن کی قسمت میں جوان بیٹے کا صدمہ اُٹھانا مقدر ہو چکا تھا۔

اخلاق : جوش ایمان، جوش اطاعت، حب رسول ﷺ اور بارگاہ نبوت میں مقبولیت کی شہادتیں اوپر گذر چکی ہیں۔

---

[1] ماخوذ از کتب رجال وابوداؤد۔

حضرت عاصمؓ بن عدی

عاصم نام ہے۔ ابوعمر و کنیت قبیلہ قضاعہ کے خاندان بلی سے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے :
عاصم بن عدی بن الجد بن العجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جعل بن عمرو بن ودم ابن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن بلی البلوی۔

قبیلہ عجلان کے سردار اور معن بن عدی کے بھائی تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر کی شرکت کے لئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے، مسجد ضرار تک پہنچے تھے کہ منافقین کے متعلق آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے ان کو قباء اور عوالی کا امیر بنا کر واپس کیا اور بدرین کے ساتھ غنیمت میں ان کا بھی حصہ لگایا۔

احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔

حضرت عویمر عجلانی جن کے متعلق آیت لعان نازل ہوئی تھی۔ ان کی بابت آنحضرت ﷺ سے انہی نے سوال کیا تھا۔

وفات : ۴۵ھ (امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت) میں انتقال کیا، اس وقت ان کا سن ۱۱۵ اور ۱۲۰ سال کے درمیان تھا۔ گھر کے لوگوں نے نوحہ کرنا چاہا تو منع کر دیا۔

اولاد : ابوالبداح اور سہلہ دو اولاد یادگار چھوڑیں سہلہ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو کہ قبیلہ بنوزہرہ کے ممتاز بزرگ اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے منسوب تھیں [1]۔

حلیہ : حلیہ مفصل معلوم نہیں، طبری میں ہے کہ کوتاہ قد تھے۔

فضل وکمال :
آنحضرت ﷺ سے ۶ حدیثیں روایت کیں، سہلؓ بن سعد، شعبی اور صاحبزادے ابو البداح راویوں میں ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد ۳۔ ق اول۔ ص ۹۰

حضرت عبداللہؓ بن انیس جہنی

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابویحیٰ کنیت قبیلہ قضاعہ سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے :

عبداللہ ابن انیس بن اسعد بن حرام بن خبیب بن مالک بن غنم بن کعب بن تیم بن نفاثہ بن ایاس بن یربوع ابن برک بن دبرہ برک بن دبرہ کی اولاد قبیلہ جہینہ میں مل گئی تھی اس لئے جہنی کے نام سے مشہور ہوئی، حضرت عبداللہؓ اسی سبب سے جہنی کہلاتے ہیں۔

اسلام : عقبہ ثانیہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور مکہ جاکر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور وہیں مقیم ہوگئے، پھر مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس لئے مہاجری انصاری کہلاتے ہیں۔ جوش ایمان شروع ہی سے بہت تھا، مدینہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہمراہ جاکر بنوسلمہ کے بت توڑے [1]۔

غزوات : بدر احد اور بعد کے غزوات میں شامل ہوئے، خلد بن نبیح عنبری اسلام کا ایک دشمن تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے ذریعہ سے اس کو قتل کرایا [2]۔

آنحضرت ﷺ کے بعد شام کی سکونت اختیار کی بحرروم کے کنارے عسقلان کے قریب غزہ شام کا ایک ساحلی شہر ہے جو حدود مصر کے قریب واقع ہے اسی کو اپنا مسکن بنایا، مصر اور افریقہ بھی گئے (غالباً جہاد کے سلسلہ میں)

وفات : ۵۴ھ امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا یہ ابوقتادہؓ کی وفات کے ۱۵ روز بعد کا واقع ہے بعض لوگوں نے ۸۰ھ کو سالِ وفات قرار دیا لیکن یہ صحیح نہیں امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب عبداللہؓ بن انیس بیمار ہوئے۔ تو اُم البنین بنت ابی قتادہ آئیں۔ اور کہا ''چچا! ابا جان کو میرا اسلام پہنچائیے گا۔ اس روایت میں ۱۵ روز بعد کی تصریح موجود ہے۔

اولاد : حسب ذیل اولاد چھوڑی، عطیہ، عمرو ضمرہ، عبداللہ، خلدۃ۔

فضل وکمال :

حضرت عبداللہؓ نہایت جلیل القدر صحابی ہونے کے باوجود صرف ۲۴ حدیثوں کے راوی ہیں۔ لیکن اس سے ان کے دامن فضل پر کوئی داغ نہیں لگتا اس سے بڑھ کر شرف اور کیا

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۲۰۔ [2] ابوداؤد۔

ہوسکتا ہے کہ خود حاشیہ نشینانِ نبوت ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ جیسے صحابی صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کی مسافت طے کرکے ان کے پاس غزہ پہنچے تھے، صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے لیکن شہر کا نام مذکور نہیں ہے[1]۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت جابرؓ مصر گئے تھے اور وہاں جا کر ان سے حدیث سنی تھی، لیکن ہمارے خیال میں یہ راوی کی غلطی ہے، غزہ شام میں ہے، اور چونکہ مصر کی سرحد پر واقع ہے اس لئے راوی نے سمجھا کہ یہ حدود مصر میں داخل ہے۔ اور روایت میں بجائے غزہ کے مصر لکھ دیا۔

حضرت عبداللہؓ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے حدیث روایت کی ہے راویوں میں بہت سے صحابہؓ اور تابعین ہیں بعض کے نام یہ ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ، ابوامامہؓ، بسر بن سعیدؓ، عبداللہ بن ابی امیہ، عبدالرحمٰن وعبداللہ پسران کعب بن مالک، عبداللہ ومعاذ پسران عبداللہ بن حبیب، معنوی فرزندوں کے علاوہ صلبی اولاد بھی ان کے فضل وکمال کی خوشہ چین ہے۔

اخلاق: عبادت گذار تھے مسجد نبوی ﷺ سے مکان دور تھا۔ اس لئے یہاں روزانہ آنے سے معذور تھے ایک مرتبہ لیلۃ القدر میں جاگنا چاہتے تھے، لیکن اس کے لئے کوئی تاریخ متعین نہیں تھی اس لئے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ایک تاریخ متعین کردیں تاکہ اس روز مسجد نبوی پہنچ کر شب بیداری کرسکوں؟ آپ نے رمضان کی ۲۳ ویں شب متعین کردی، چونکہ اس کی تعیین حضرت عبداللہؓ کی وجہ سے ہوئی تھی، اس لئے اہل مدینہ نے اس کی نسبت کے ساتھ ان کا نام لیلۃ الجہنی رکھ دیا[2]۔

---

[1] بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۔ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۰۔ واستیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۷۔

حضرت عبداللہؓ بن سلمہ

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، قبیلہ بلی سے تھے اور قبیلہ اوس میں عمرو بن عوف کے حلیف تھے، نسب نامہ یہ ہے :

عبداللہ بن سلمہ بن مالک بن حارثہ بن عدی بن الجد بن حارثہ ابن ضبیعہ ، والدہ کا نام انیسہ بنت عدی تھا۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر میں شرکت کی۔

شہادت : اور غزوہ احد میں شرف شہادت سے مشرف ہوئے، ابن الزبعری نے ان کو قتل کیا۔ شہداء کی تدفین کے لئے یہ انتظام ہوا کہ دو دو تین تین اشخاص ایک قبر میں رکھے جائیں، لیکن حضرت عبداللہؓ کی ماں نے خدمت اقدس میں آ کر عرض کی کہ میری خواہش ہے کہ اپنے بیٹے کو اپنے مکان کے قریب دفن کروں۔ تاکہ مجھے کچھ اطمینان رہے۔ آنحضرت نے اجازت دی تو ان کی نعش ایک اونٹ پر رکھی گئی، حضرت مجذر بن زیادؓ ان کے بڑے دوست تھے، اور اس سفر آخرت میں بھی ان کے رفیق ثابت ہوئے۔ اس لئے اسی اونٹ پر ان کی لاش بھی رکھی گئی اور دونوں کو ایک کمبل میں لپیٹ کر مدینہ بھیجا گیا۔ عبداللہؓ نہایت لحیم شحیم اور مجذرؓ دبلے پتلے آدمی تھے، اونٹ پر برابر اترے تو سب کو بڑا تعجب ہوا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ ان کے اعمال کا کرشمہ ہے۔

فضل وکمال : چونکہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں شہید ہو گئے اس لئے ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ شاعر تھے اور ان کی شاعری کی یادگاریں البتہ باقی ہیں۔

انا الذی قال اصلی من بلے   اطعن بالصعدۃ حق تنشنی

لوگوں میں میرے ہی متعلق مشہور ہے کہ قبیلہ بلی سے ہوں چھوٹے نیزہ سے وار کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ مڑ جاتا ہے۔

ولا یری مجذر ایضر قوی[1]۔

''لیکن میں مجذر کو کوئی سخت کام کرتے نہیں دیکھتا''۔

---

[1] ماخوذ از اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۱۔ واسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۷۔ واستیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۵۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ

نام ونسب :

عبداللہ نام، ابو یوسف کنیت، جرلقب، یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے، جس کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے :

عبداللہ بن سلام بن حارث، قبیلہ خزرج میں ایک خاندان بنی عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قواتل ہے، حضرت عبداللہؓ اسی قواتل کے حلیف تھے۔

ایام جاہلیت میں ان کا نام حصین تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔

اسلام : عبداللہؓ بن سلام اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چننے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلہ میں فروکش ہوئے اس کی خبر عبداللہؓ ابن سلام کو ہوئی تو پھل لے کر دوڑے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور زیارت سے شرف اندوز ہوکر واپس گئے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ہمارے اعزہ (انصار) میں سب سے قریب تر کس کا مکان ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں سب سے قریب رہتا ہوں۔ یہ میرا گھر ہے اور یہ دروازہ ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کے مکان کو اپنا مسکن بنایا۔ جب آپ کا مستقر متعین ہوگیا، تو عبداللہ بن سلامؓ دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً پکار اُٹھے اشهد ان لااله الاالله و اشهد انک رسول الله (ﷺ) اس کے بعد کہا کہ یہود ایک افترا پرداز قوم ہے اور میں عالم ابن عالم اور رئیس ابن الرئیس ہوں، آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہوجانے کی خبر نہ دیجئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو طلب فرما کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہوسکتے ہیں جواب ملا کبھی نہیں حضرت عبداللہ بن سلامؓ مکان کے ایک گوشہ میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے، باہر نکل آئے، اور یہودیوں سے کہا ذرا خدا سے ڈرو تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے۔ اور باینہمہ ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوتے، یہود کو خلاف توقع

جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو مشتعل کر دیا، انہوں نے غصہ میں کہا کہ تم جھوٹے ہو، اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو، اور تمہارا باپ بھی بدتر تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا[1]۔

غزوات : بدر اور احد کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق میں وہ شریک تھے، اس لئے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی اصحاب خندق میں انکا تذکرہ لکھا ہے خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے ان میں بھی شامل ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے سفر بیت المقدس میں حضرت عبداللہؓ ان کے ہمراہ تھے۔

باغیوں نے جب حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر کے ان کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہ بن سلامؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ آپ کی مدد کے لئے تیر ہوں فرمایا آپ کا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں باہر جا کر مجمع کو منتشر کیجئے حضرت عبداللہؓ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر سی تقریر کی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

لوگو! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا، (یعنی حصین) آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں۔ چنانچہ **شھد شاھد من بنی اسرائیل** اور **قل کفی باللہ شھید ابینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب** میرے ہی شان میں اتری ہیں خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو کہ رسول اللہ ﷺ کا ہجرت گاہ ہے اپنا نشیمن بنالیا ہے پس ڈرو! خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمانؓ) قتل نہ کرو خدا کی قسم! اگر تم ان کے قتل پر کمر بستہ ہوئے تو تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے۔ اور خدا کی قسم وہ تلوار نکل پڑے گی، جو اس وقت تک نیام میں بند ہے اور جو پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی۔

لیکن سنگدلوں پر اس پر زور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف ان کی شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی بولے کہ "اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل ڈالو[2]۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جب کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو انہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیئے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کر سکیں گے، حضرت علیؓ نے فرمایا وہ بے چارے نہایت نیک آدمی ہیں[3]۔

وفات : امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ۶۵۵ و ۵۶۱ [2] صحیح ترمذی۔ ص ۶۲۸ [3] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۲۱

اولاد : دو بیٹے یادگار چھوڑے، یوسف اور محمد دونوں آنحضرت ﷺ کے عہد میں پیدا ہوئے تھے، یوسف بڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا، سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا[۱]۔

حلیہ : مفصل حلیہ معلوم نہیں، بڑھاپے میں ضعف کی وجہ سے عصا لے کر چلتے تھے، اور اس پر ٹیک لگاتے تھے[۲]۔ چہرہ پر خشوع کے آثار ہر وقت نمایاں رہتے تھے[۳]۔

فضل وکمال :

توراۃ انجیل قرآن مجید اور احادیث نبوی سے ان کا سینہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ توراۃ پر جو عبور تھا، اس کے متعلق علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں[۴]۔

"کان عبداللّٰہ بن سلام عالم اھل الکتاب وفاضلھم فی زمانہ بالمدینۃ"

''عبداللہؓ بن سلام مدینہ میں اہل کتاب کے سب سے بڑے عالم تھے''۔

مسلمان ہو کر قرآن وحدیث پر توجہ کی اور حدیث میں مرجع کل بن گئے اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو تمام صحابہؓ میں حدیث کے سب سے بڑے گنجینہ دار تھے ان سے حدیثیں دریافت کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ ایک بار شام گئے اور کعب احبار سے یہ حدیث بیان کی کہ جمعہ میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اگر اس میں خدا سے کچھ مانگے تو اس کو ضرور دیتا ہے، اس پر کعب نے کچھ رد وقدح کی یہاں تک کہ اخیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کے موافق ہو گئے، حضرت ابو ہریرہؓ نے مدینہ آ کر عبداللہؓ بن سلام سے یہ واقعہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ کعب نے جھوٹ کہا حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ انہوں نے میرے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا، پھر فرمایا جانتے ہو وہ وقت کونسا ہے، یہ سن کر ابو ہریرہؓ ان کے پیچھے پڑ گئے، اور کہا کہ جلد بتلایئے، فرمایا عصر اور مغرب کے درمیان ابو ہریرہؓ نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے عصر اور مغرب کے درمیان کوئی نماز ہی نہیں، فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ گویا نماز ہی میں ہوتا ہے[۵]۔

باایں ہمہ جلالت قدر ان سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں بعض صحابہ کرامؓ بھی ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔ انس بن مالکؓ زرارہ بنؓ اوفی ابو ہریرہؓ، عبداللہؓ بن معقل عبداللہؓ بن حنظلہ تلامذۂ خاص کے نام حسب ذیل ہیں۔ خرشہ بن الحر، قیس بن عباد، ابو اسلمہ بن عبدالرحمن حمزہ بن یوسف (پوتے) عمر بن محمد (پوتے) عوف بن مالک، ابو بردہ بن ابو موسیٰ ابو سعید المقبری، عبادہ الزرقی، عطاء بن یسار، عبیداللہ بن حبیش غفاری۔

---

۱ مسند۔ جلد ۴۔ ۳۵ ۲ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴۵۲ ۳ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۱ ۴ ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲
۵ مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴۵۱۔ ۴۵۳

حضرت عبداللہؓ سے ایک خاص حدیث منقول ہے جس کے اخیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو جمع کر کے سبح للہ کی چند آیتیں پڑھیں، حضرت عبداللہؓ نے اپنے شاگردوں کے سامنے وہی آیتیں پڑھیں اور پھر بالترتیب عطاء بن یسار، ہلال بن ابی میمونہ، یحییٰ بن ابی کثیر نے اپنے زمانہ میں اس سنت کو قائم رکھا، لیکن یحییٰ کے شاگرد اوزاعی پر پہنچ کر اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا[۱]۔

اخلاق : اخلاقی حیثیت سے حضرت عبداللہؓ کا پایۂ عظمت بہت بلند ہے صحیح بخاری میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی زمین پر چلنے والے شخص کو جنتی نہیں فرمایا البتہ عبداللہؓ بن سلام کو فرمایا تھا[۲] صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت معاذؓ ابن جبل کی وفات ہوئی تو شاگردوں سے فرمایا کہ میں دنیا سے اٹھ رہا ہوں لیکن میرے ساتھ علم نہیں اٹھتا جو شخص اس کی جستجو کرے گا پالے گا، اس کے بعد چار شخصوں کے نام گنائے جن میں ایک عبداللہؓ بن سلام تھے فرمایا[۳]۔

"کان یهود یافاسلم فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول انه عاشر عشرة فی الجنة"

"پہلے وہ یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے اور میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گیارہویں جنتی ہیں"۔

باہمہ فضیلت بڑے منکسر المزاج تھے، مسجد نبوی میں ایک دن نماز کے لئے آئے اور لوگوں نے کہا کہ یہ جنتی شخص ہیں تو فرمایا کہ جس بات کو آدمی جانتا نہ ہو اس کو زبان سے نکالنا نہ چاہئے، اس کے بعد اپنے اس خواب کا ذکر کیا جس کی آنحضرت ﷺ نے تعبیر دی تھی کہ اسلام پر تمام عمر قائم رہو گے[۴]۔

اس واقعہ کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی ملایا جائے تو انکسار کا نہایت مکمل اور دیدہ زیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس سے خدا نے مستغنی کیا ہے فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس سے کبر و غرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں[۵]۔

حق و صداقت کا جوش بے اندازہ تھا، فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی اس وقت اگر مجھ میں قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا[۶]۔

---

۱ مسند۔ جلد ۱۔ ص ۲۵۲
۲ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۸
۳ جامع ترمذی۔ ص ۶۲۸
۴ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۳۸
۵ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ۲۳
۶ استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۹۶

حضرت عبداللہ رضؓ بن طارق

نام ونسب :

عبداللہ نام ہے۔ قبیلۂ بلی سے ہیں اور انصار میں قبیلۂ ظفر کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک۔ مصنفین رجال کو ان کی نسبت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ان کو ظفری کہتے ہیں۔ ابن سعد کے نزدیک ظفری اور بلوی دو جداگانہ اشخاص ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ظفری اور بلوی دو الگ الگ شخص نہیں، بلکہ ایک ہی مسمیٰ کے دو نام ہیں۔ بلوی اپنے قبیلہ کی نسبت سے اور ظفری حلف کی نسبت سے مشہور تھے اور یہ عرب میں عام طور پر رائج ہے۔ اُوپر اس کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں۔

والدہ کا نام معلوم نہیں۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ معتب بن عبید اور یہ دونوں اخیافی بھائی تھے۔

اسلام : ہجرت کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات : بدر اور احد میں شرکت کی۔

وفات : ۳ ھ کے آخر میں آنحضرت ﷺ نے جن ٦ آدمیوں کو قبیلہ عضل اور قارہ میں اشاعتِ اسلام کے لئے روانہ کیا تھا، ان میں ایک عبداللہ بن طارق رضؓ بھی تھے۔ یہ لوگ مقام رجیع پہنچے تو قبیلۂ ہذیل نے سرکشی کر کے ان کا محاصرہ کرلیا۔ مرثد رضؓ بن ابی مرثد، خالد رضؓ ابن بکیر اور عاصم رضؓ بن ثابت تین بزرگ وہیں قتل ہوئے۔ خبیب رضؓ بن عدی، عبداللہ رضؓ بن طارق اور زید رضؓ بن دثنہ کفار کے ہاتھ آگئے اور قید ہوگئے۔ کفار ان کو لے کر مکہ چلے تو ظہران نام ایک مقام پر پہنچ کر حضرت عبداللہ رضؓ نے اپنے کو قید و بند سے چھڑالیا اور تلوار کھینچ کر پیچھے ہٹے۔ کفار نے یہ دیکھ کر ان کو پتھر مارنا شروع کیا، جس سے جان بحق تسلیم ہوگئے۔

بارگاہِ نبوت کے مشہور حسان بن ثابت رضؓ نے اس واقعہ کو نظم کردیا ہے اور ان بزرگوں کے نام گنائے ہیں جس شہر میں حضرت عبداللہ رضؓ کا نامِ نامی ہے ، وہ یہ ہیں :

وابن الدثنه وابن طارق منهم
واناه ثم حمامة المكتوب

اس نظم کا پہلا شعر یہ ہے :

صلى الاله على الذين تتابعوا
يوم الرجيع فاكرموا واشيبوا

حضرت عبداللہ ؓ کی قبر ظہران میں موجود ہے اور آج تک اس واقعہ ہائلہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔

فضل وکمال :

قرآن وحدیث میں حضرت عبداللہ ؓ کو جو دستگاہ تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اشاعت اسلام کا کام سپرد فرمایا تھا۔ وہ اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ نو مسلموں کو قرآن، مسائل دین اور ارکان اسلام کی باقاعدہ تعلیم بھی دیتے تھے۔ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں :

''بعثهم رسول الله .... ليفقهوهم فى الدين ويعلمون القرآن وشرائع الاسلام ....''

''یعنی ان کو رسول اللہ ﷺ نے اس لئے بھیجا تھا کہ مسائل دین کی تعلیم دیں، قرآن پڑھائیں اور اسلام کی ضروری باتیں سکھائیں''۔

---

۱ ماخوذ از اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۸ واسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۸۸ واستیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۶۹

حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء

نام ونسب :

عدی نام ہے۔ قبیلۂ جہنیہ سے ہیں ۔ انصار میں بنونجار کے حلیف تھے ۔ نسب نامہ یہ ہے : عدی بن ابی الزغباء سنان بن سبیع بن ثعلبہ بن ربیعہ بن زہر بن ہذل بن سعد بن عدی بن کاہل بن نضر بن مالک بن عظفان بن قیس بن جہینہ۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی۔ بدر میں آنحضرتﷺ غزوہ کے ارادہ سے نکلے، تو مشرکین کی خبر معلوم کرنے کے لئے جن دوشخصوں کو آگے بھیجا گیا تھا، ان میں عدی بھی تھے۔ چاہ بدر کے قریب جا کر واپس ہوئے اور آنحضرتﷺ کو قریش کے ارادہ سے اطلاع دی[1]۔

وفات : حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ جلد۲۔ قسم ا۔ ص ۷

حضرت عقبہ رضؓ بن وہب

نام ونسب :

عقبہ نام ہے۔قبیلۂ غطفان سے ہیں اور بنو سالم کے حلیف تھے۔نسب نامہ یہ ہے :
عقبہ بن وہب بن کلدہ بن الجعدہ بن ہلال بن الحارث بن عمرو بن عدی بن جشم ابن عوف بن یہثہ بن عبداللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان۔

اسلام :

عقبہ اولیٰ میں اسلام سے مشرف ہوئے۔عقبۂ ثانیہ کی بیعت میں بھی شرکت کی۔بعض کا خیال ہے کہ یہ انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔اسلام لاکر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے اور مہاجرین کے ہمراہ ہجرت نبوی سے قبل مدینہ آئے۔اس بنا پر یہ مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی۔

غزوات :

بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔غزوۂ احد میں جب آنحضرت ﷺ کے سر میں خود کی چند کڑیاں گھس گئیں، تو عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے دانت سے کھینچیں۔لیکن بعض کا خیال ہے کہ اس میں عقبہؓ بھی ان کے مددگار تھے[1]۔

[1] ماخوذ از اصابہ۔جلد۴۔ص۲۵۴ واسد الغابہ۔جلد۳۔ص۴۲۱ و ۲۲ واستیعاب۔جلد۲۔ص۵۰۲

حضرت کعبؓ بن عجزہ

نام ونسب :

کعب نام ہے۔ابومحمد کنیت۔خاندان بلی سے ہیں اور قواقل کے حلیف تھے۔نسب نامہ یہ ہے : کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی عبید بن خالد بن عمرو بن عوف بن غنم بن سواد ابن مری بن اراشہ بن عامر بن قسیل بن فران بن بلی بن عمرو بن حارث بن قضاعہ۔

واقدی نے ان کو انصار میں داخل کیا اور حلف کے منکر ہیں۔لیکن ابن سعد نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ میں نے انصار کے نسب نامہ میں ان کا نام تلاش کیا،لیکن کہیں نہ ملا[1]۔

اسلام : ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات : تمام غزوات میں شرکت کی۔عمرۂ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔سر میں اس کثرت سے جوئیں پڑ گئی تھیں کہ چہرہ پر آ آ کر گرتی تھیں۔آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا تم کو سخت تکلیف ہے۔ اپنا سر منڈ وادو۔حضرت کعبؓ اگر چہ احرام باندھے ہوئے تھے،لیکن انہوں نے متابعت حکم رسول میں سر منڈ وادیا اور اس تکلیف سے نجات پاگئے۔

روزہ کے فدیہ کے متعلق آیت اُتری تو آنحضرت ﷺ نے کعبؓ بن عجرہ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے تین صورتیں ہیں،یا تو ایک بکری ذبح کرو،یا تین روزے رکھو[2] یا ۶ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ جس کی مقدار فی مسکین نصف صاع ہو۔معلوم نہیں حضرت کعبؓ نے ان سے کون سی صورت اختیار کی۔روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی مقدرت نہ تھی۔اس کے بعد صرف دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں۔اب اُنہوں نے جس کو اختیار کیا ہو۔روایت سے صاف پتہ نہیں چلتا۔

عام حالات : عہد نبوت کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

وفات : ۵۱ھ میں مدینہ آکر انتقال ہوا۔اس وقت ۷۵ برس کا سن تھا۔

اولاد : چار بیٹے چھوڑے،جو حدیث کے راویوں میں ہیں۔ان کے نام یہ ہیں۔اسحاق،عبدالملک، محمد ربیع۔

حُلیہ : ایک ہاتھ کسی غزوہ میں کٹ گیا تھا[3]۔سر پر گھنے بال تھے[4]۔

---

[1] اصابہ۔جلد۵۔ص۳۰۴ [2] صحیح بخاری۔جلد۲۔ص۶۲۸ [3] ابن سعد۔جلد ۔ص [4] مسند۔جلد۴۔ص۲۴۲

فضل وکمال : آنحضرت ﷺ، حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت بلال سے روایت کی۔ روایوں میں حسبِ ذیل حضرات ہیں :

ابن عمرؓ، جابرؓ، عبداللہ ؓ بن عمرو بن عاص، ابن عباسؓ، عبداللہ ؓ بن معقل، ابن مقرن مزنی، طارق بن شہاب، ابو وائل، زید بن وہب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔ ابن سیرین، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، محمد بن کعب، ابوثمامہ حناط، سعید مقبری، عاصم عدوی، بن دردان۔ روایتوں کی تعداد ۴۷ ہے۔

اخلاق : حمایت حق اور حب رسول ﷺ دو چیزیں حضرت کعب کے اخلاق میں نہایت روشن ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک روز خطبہ دیا، جس میں مسلمانوں کی ایک آئندہ خانہ جنگی کا تذکرہ بھی تھا۔ کعبؓ بیٹھے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ وقت سامنے آ گیا ہے۔ اتنے میں ایک شخص چادر اوڑھے سامنے گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اُس روز یہ شخص حق پر ہوگا۔ کعبؓ فوراً اُٹھے اور بازو پکڑ کہا، یارسول اللہ! یہ شخص؟ فرمایا، ہاں۔ کعبؓ نے چہرہ دیکھا تو حضرت عثمان غنیؓ تھے[1]۔

طبرانی کی کتاب الاوسط میں ہے کہ ایک روز کعبؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ چہرہ مبارک (بھوک کی وجہ سے) متغیر دیکھ کر جلدی واپس چلے گئے۔ راستہ میں ایک یہودی اُونٹ کو پانی پلا رہا تھا۔ اُنہوں نے فی ڈھول ایک چھوہارے کے حساب کچھ دیر مزدوری کی۔ کچھ چھوہارے جمع ہو گئے تو خدمت اقدس میں لے جا کر حاضر ہوئے اور پیش کیے[2]۔

---

[1] مسند۔ جلد ۴۔ ص ۲۴۲ [2] اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۰۴

حضرت مجذرؓ بن زیاد

نام ونسب :

عبداللہ نام ہے۔ مجذر لقب۔ قبیلۂ بلی سے ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : مجذر بن زیاد ابن عمرو بن اخرم بن عمارہ بن مالک بن عمرو بن تیشرہ بن شنو بن قشر بن تیم بن عودمناہ ابن باح بن تیم بن اراسہ بن عامر بن عبیدہ بن غیل بن قران بن بلی۔

اسلام : ہجرت کے بعد اسلام لائے۔

غزوات :

غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ابو البحتری مکہ میں ایک نہایت رحم دل اور نیک نفس شخص تھے۔ قیام مکہ کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو قریش کے ہاتھوں جو تکلیفیں پہنچتیں تو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سینہ سپر ہوتا۔ بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد نامہ لکھ کر کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا، اس کو اُتروانے میں ابوالبحتری کا خاص حصہ تھا۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں صحابہ کو تاکید کردی تھی کہ اس کو پانا تو قتل نہ کرنا۔

حضرت مجذرؓ میدان میں آئے تو اس سے سامنا ہو گیا۔ اُونٹ پر سوار تھا، پیچھے ایک دوسرا شخص بھی بیٹھا تھا، جو اس کے مال متاع کا نگراں تھا۔ مجذرؓ نے کہا کہ تمہارے قتل کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت کی ہے، لیکن دوسرے شخص کے لئے کوئی ہدایت نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے اس کو تو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ ابوالبحتری بولا، یہ تو میرے لئے بڑے شرم کی بات ہوگی کہ اس کو تو قتل کرادوں اور خود زندہ رہوں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ قریش کی عورتیں طعنہ دیں گی کہ بڑی ہوس تھی، ساتھی کہ اس کو قتل کرادیا اور خود نہ مرگیا۔

غرض اُونٹ سے اُترا اور داد شجاعت دیتے ہوئے جان دی۔ حضرت مجذر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور قسم کھا کر کہا کہ اس کو لانا چاہتا تھا، لیکن وہ لڑائی کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوا۔

وفات :

بدر کے بعد احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا ۔ایام جاہلیت میں اُنہوں نے سوید بن صامت کو قتل کیا تھا۔جس سے جنگ بعاث کی نوبت آئی تھی۔فریقین کے مسلمان ہو جانے کے بعد اگر چہ معاملہ رفت و گذشت ہو گیا تھا،لیکن سوید کے بیٹے حارث کے دل میں مسلمان ہونے کے بعد ان کی طرف سے غبار تھا۔اس نے موقع پا کر ان کو باپ کے عوض قتل کر دیا اور مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔

۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو دوبارہ مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔آنحضرت ﷺ نے مجذر ؓ کے عوض اس کے قتل کا حکم دیا[1]۔

[1] اصابہ جلد ۴۔ ص ۴۳ و اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۲ و استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۰

حضرت معن رضؓ بن عدی

نام ونسب :

معن نام ہے۔ قبیلۂ بلی سے ہیں۔ عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : معن بن عدی بن الجد بن عجلان۔ حضرت عاصم ؓ بن عدی کا حال ہم اُوپر لکھ آئے ہیں۔ معن ؓ انہیں کے بھائی تھے۔

اسلام : عقبۂ ثانیہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات : حضرت عمر فاروق ؓ کے بھائی حضرت زید ؓ سے مواخاۃ ہوئی۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے[1]۔ احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو صحابہ ؓ کہنے لگے کہ کاش ہم آپ کے سامنے مرجاتے اور یہ وقت نہ دیکھتے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کن بلاؤں اور مصیبتوں کا سامنا ہو۔

حضرت معن ؓ نے سنا تو کہا، "مجھے اس کی آرزو نہیں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں میں نے آپ کی تصدیق کی تھی، وفات کے بعد بھی آپ کی اسی طرح تصدیق کروں[2]۔"

سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں حضرت عمر فاروق ؓ نے جن دو صالح شخصوں سے ملنے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک یہ بھی تھے[3]۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق ؓ وغیرہ کو انصار کے ارادہ سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ آپ لوگ وہاں نہ جائیں، بلکہ اپنی جگہ پر رہ کر فیصلہ کریں[4]۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد میں حضرت خالد ؓ مرتدین کی مہم پر روانہ ہوئے، تو یہ بھی ہمراہ تھے۔ وہاں سے دو سو سوار لے کر مرتدین کی دیکھ بھال کے لئے یمامہ آئے۔

وفات : مسیلمہ سے جنگ چھڑی تو اس میں جام شہادت سے سیراب ہوئے[5]۔

اولاد : مادی یادگار کوئی نہیں چھوڑی۔ البتہ روحانی یادگاریں بہت ہیں اور اب تک زندہ ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد۲۔ ص۵۷۴ [2] فتح الباری۔ جلد۱۲۔ ص۱۳۳ [3] صحیح بخاری۔ جلد۲۔ ص۵۷۳

[4] ایضاً۔ جلد۲۔ ۱۰۱۰ [5] اصابہ۔ جلد۶۔ ص۱۲۹